فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

جلد ۸

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ

فتاویٰ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہ

ترتیب، تخریج اور تعلیق

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

کل صفحات ــــــــــ ۷۱۲

ناشر

ادارہ الفاروق کراچی

فتاویٰ محمودیہ

Graphix & Composing: Irfan Anwar Mughal

سن طباعت باراول.............۱۴۲۶ھ، مطابق ۲۰۰۵ء

سن طباعت باردوم.............۱۴۲۹ھ، مطابق ۲۰۰۸ء

سن طباعت بارسوم.............۱۴۳۰ھ، مطابق ۲۰۰۹ء

ملنے کا پتہ

ادارہ الفاروق کراچی

جامعہ فاروقیہ، پوسٹ بکس نمبر 11009 شاہ فیصل کالونی نمبر 4، کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر 75230

فون: 4599167, 4571132، ای میل: info@farooqia.com

www.farooqia.com

ــــــ مطبع......القادر پرنٹنگ پریس ــــــ

اجمالی فہرست

……☆……بقية كتاب الصلوة……☆……

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	باب صلوۃ الجمعۃ	
	الفصل الأول فی وجوب الجمعۃ	
	(وجوبِ جمعہ کا بیان)	

الفصل الثانی فی شرائط الجمعة

(صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

فصل فی اشتراط المصر للجمعة

(صحتِ جمعہ کے لئے شہر کی شرط ہونے کا بیان)

الفصل الثالث فی تعدد الجمعة

(متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

الفصل الرابع فی خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

الفصل الخامس فی أذان الجمعة

(جمعہ کی اذان کا بیان)

الفصل السادس فی وقت صلوة الجمعة

(نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان)

الفصل السابع فی النوافل یوم الجمعة

(جمعہ کی نفلوں کا بیان)

الفصل الثامن فی احتیاط الظہر

(احتیاط الظہر کا بیان)

الفصل التاسع فی النظافة یوم الجمعة

(جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

فصل فی المتفرقات

باب العیدین

الفصل الأول فی شرائط العیدین

(عیدین کی شرائط کا بیان)

الفصل الثانی فی وجوب صلوة العید علی المحبوسین والنساء

(قیدیوں اور عورتوں کے لئے نمازِ عید کا بیان)

8

الفصل الثالث فی صلوۃ العید فی المسجد وغیرہ

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

الفصل الرابع فی تعدد العید وتکراره

(نمازِ عید میں تعداد اور تکرار کا بیان)

الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

(تکبیراتِ عید کا بیان)

الفصل السادس فی تکبیرات التشریق

(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

الفصل السابع فی خطبة العید

(خطبۂ عید کا بیان)

الفصل الثامن فی الدعاء بعد العیدین

(نمازِ عید کے بعد کی دعاء کا بیان)

الفصل التاسع فی المتفرقات

باب صلوۃ الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

باب الجنائز

الفصل الأول فی غسلِ المیت

(میت کو غسل دینے کا بیان)

الفصل الثاني في تكفين الميت

(میت کے کفن کا بیان)

الفصل الثالث فی الصلوة علی المیت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

☆......☆......☆

باب صلوة الجمعة

الفصل الأول فی وجوب الجمعة

(وجوبِ جمعہ کا بیان)

نابینا پر جمعہ اور اس کی امامت

سوال[۳۶۶۷] : ۱......کیا نابینا (اندھے) پر نماز جمعہ فرض ہے؟

۲......کیا نابینا (اندھا) جمعہ کرا سکتا ہے؟

۳......اگر اندھے پر جمعہ فرض نہیں تو دوسروں کا جمعہ کس طرح کروا سکتا ہے، جب کہ مقتدیوں میں علم والے اور حسینی اور سید ہونے کے باوجود پابندِ صوم وصلوۃ ہوں؟ ایسی صورت میں اگر نابینا سے ضداً نماز جمعہ پڑھوائے تو کیا نماز کے ثواب میں تو کمی نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اندھے پر جمعہ فرض نہیں، صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ہے، بشرطیکہ اس کو جامع مسجد تک لے جانے والے موجود ہوں: "سلامة العينين، فلا تجب على الأعمىٰ عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، لا فرق بين أن يجد قائداً أولاً، خلافاً لهما إذا وجد قائداً يوصله، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۹۳(۱)۔

۲،۳......اندھا چونکہ اکثر طہارت کا اہتمام نہیں کرسکتا اور نجاست سے نہیں بچ سکتا، اس لئے اس کی

---

(۱) (حاشية طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، باب الجمعة، ص: ۵۰۵، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۴/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس فی صلاة الجمعة: ۱۴۴/۱، رشیدیه)

امامت ہر نماز میں مکروہ ہے، البتہ اگر وہ سب سے افضل ہے اور طہارت کا اہتمام کرتا ہے اور نجاست سے بچتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور جمعہ میں بھی اس کی امامت کا یہی حکم ہے:

"(وكره إمامة العبد) إن لم يكن عالماً تقياً (والأعمىٰ) لعدم اهتداء ه إلى القبلة وصون ثيابه عن الدنس. وإن لم يوجد أفضل منه، فلا كراهة، لا ستخلاف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ابن ام مكتوم وعتبان ابن مالك على المدينة حين خرج إلى تبوك، وكانا أعميين، اھ". بحر، ص: ۱۷۵ (۱)۔

اندھے میں امامت کی اہلیت موجود ہے (کراہت عارض کی وجہ سے) جمعہ کی فرضیت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک تخفیفاً ساقط ہے۔ پس بوقتِ ارتفاعِ عارض اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے اور بوقتِ وجودِ عارض مکروہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۳/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

جو شخص لاؤڈ اسپیکر سے اذانِ جمعہ سنے تو کیا اس پر جمعہ فرض ہے؟

سوال [۳۲۶۸]: کیا ﴿إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة، فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (۲) آیت میں "ندا" سے اذانِ جمعہ مراد ہے؟ تو کیا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جہاں تک آواز جائے، اس جگہ کے لوگوں پر جمعہ فرض ہو جائے گا جب کہ آیت میں کوئی تخصیص نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ادائے جمعہ اور فرضیتِ جمعہ کے لئے فقہاء نے جو شرائط رکھی ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، مثلاً کسی جہاز میں کوئی مسلمان ریڈیو پر اذان کی آواز سنے، یا ریل میں سنے، یا جنگل میں سنے، یا بیت الخلاء میں سنے،

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب الإمامة، ص: ۳۰۲، قديمي)

(۲) (سورة الجمعة: ۹)

8

تو کیا ان سب مقامات پر محض اذان سننے سے جمعہ واجب ہو جائے گا، ہرگز نہیں (۱)، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں (۲) وہ اذان سے پہلے پہلے ضروریات سے فارغ ہو جائے اور اذان سنتے ہی جمعہ کے لئے حاضر ہونے کی کوشش کرے، وهذا كله ظاهر (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۰ھ۔

جمعہ کے لئے گاؤں سے شہر میں آنا

سوال [۳۶۶۹]: ایک شخص کسی دیہات کی مسجد میں امام ہے اور اس کو نماز جمعہ کا شوق ہے، اگر وہ

---

(۱) "وفي الخانية: المقيم في موضع من اطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجةٌ من مزارع، لا جمعة عليه وإن بلغه النداء. وتقدير البُعد بغلوة أو ميل ليس بشيئ........ ثم ظاهر رواية أصحابنا: لاتجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به، فلا تجب على أهل السواد ولو قريباً، وهذا أصح ماقيل فيه .... اهـ. قال في الإمداد: تنبيه: قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لاعبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال، فلا عليک من مخالفة غيره وإن صحح، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲۴۷/۲، رشيديه)

(۲) "وأما الشرائط التي ترجع إلى غير المصلي، فخمسة في ظاهر الروايات: المصر الجامع، والسلطان، والخطبة، والجماعة، والوقت". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط الجمعة: ۱۸۸/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، مطلب صلاة الجمعة، ص: ۶۱، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱۶۸/۱، ۱۶۹، مكتبه شركت علميه)

(۳) "وإذا أذن المؤذن .... حاصله، يجب المشي إلى الجمعة وترک البيع وغيره من اشتغال الدنيا المعوقة عن السعي من الأذان الأول للجمعة لنص قوله تعالى: ﴿إذا نودي للصلوة من يوم الجمعة، فاسعوا إلى ذكر الله، وذروا البيع﴾". (المعتصر الضروري شرح مختصر القدوري، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، ص: ۱۶۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲۴۳/۲، ۲۴۴، رشيديه)

نماز جمعہ پڑھنے کے واسطے قصبہ یا شہر میں جوکوس دوکوس کے فاصلہ پر ہے آوے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس کو نماز جمعہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اسی طرح اگر امام کے علاوہ کوئی اور شخص دیہات سے شہر میں نماز جمعہ پڑھنے آوے، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر اس کو ثواب ملتا ہو تو قرآن وحدیث کا حوالہ دے کر تحریر کریں۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص پر جمعہ فرض نہیں، خواہ گاؤں میں رہنے کی وجہ سے خواہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے، وہ اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھ لے کہ جہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے تو اس کو جمعہ پڑھنے سے جمعہ کا ثوب ملے گا اور اس کے ذمہ سے فریضہ ادا ہو جائے گا، خواہ وہ امام ہو خواہ مقتدی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھنے کے لئے کئی کئی کوس گاؤں سے نمبروار بعض حضرات مدینہ شریف میں آیا کرتے تھے، أبوداؤد شريف: ۱/۱٦٤، ۱٥۱، مطبع نامی کانپور میں یہ حدیث مذکور ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

گاؤں کا آدمی جمعہ کے دن شہر میں جائے تو کیا نیت کرے؟

سوال[۳٦۷۰]: کوئی شخص گاؤں کا رہنے والا ہو اور وہ اپنے کام کے لئے شہر میں جاوے جمعہ کا دن ہو تو وہ اپنا کام کر کے جمعہ پڑھے، یا بعد جمعہ اپنا کام کرے، تو سُنا ہے کہ اس کو پورا ثواب نہیں لگتا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ایسی جگہ کچھ کام ہے جہاں پر جمعہ ہوتا ہے اور وہ کام جمعہ کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور ایسی جگہ سے جاتا

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى". (سنن أبى داؤد، باب من تجب عليه الجمعة: ۱/۱٥۱، سعيد)

(وصحيح البخارى: ۱/۱۲۳، بابٌ: من أين تؤتى الجمعة وعلى من تجب، كتاب الجمعة، قديمى)

"القروى إذا دخل المصر يومها إن نوى المكث ثمة ذلك اليوم، لزمته الجمعة. وإن نوى الخروج من ذلك اليوم قبل وقتها أو بعده، لا تلزمه. لكن فى النهر: إن نوى الخروج بعده، لزمته، وإلا لا". (الدرالمختار: ۲/۱٦۲، باب الجمعة، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، باب صلوة الجمعة: ۲/۲۷۳، ۲۷٤، رشيديه)

ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ جمعہ کی نیت کرکے جائے اور اپنا کام بھی کرتا رہے۔ اگر دونوں کی نیت کرلے جمعہ کی بھی اور کام کی بھی، تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۲/۸۹ھ۔

جمعہ کے وقت اسکول کی حاضری

سوال[۳۶۷۱]: میں اردو گورنمنٹ اسکول ریاست مہاراشٹر میں مدرس ہوں، جمعہ کا وقت ساڑھے دس بجے سے دو بجے تک کے درمیان یعنی اسکول کی مصروفیت میں آتا ہے۔ اب ہم لوگ اسکول بند کرکے ویسے ہی جمعہ پڑھا لیا کرتے تھے، اب اس کے لئے آفیسر تنگ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا کِیا جائے؟ شام کو مدرسہ ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک ہے اور نوکری کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوشش کرکے کوئی ایسی جگہ تجویز کرلیں جہاں ڈھائی بجے جمعہ ہوجاتا ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۹۴ھ۔

جن لوگوں کو جمعہ نہیں ملا، کیا وہ ظہر جماعت سے پڑھیں؟

سوال[۳۶۷۲]: جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرچکے تو ظہر کی نماز اسی مصلی پر حنفی مذہب میں جن

---

(۱) "سمعت أبا هريرة رضي الله تعالیٰ عنه يقول: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في الجماعة تضعف علی صلاته في بيته وفي سوقه خمسةً وعشرين ضعفاً، وذلك أنه إذا توضأ فأحسن الوضوء، ثم خرج إلی المسجد لا يُخرجه إلا الصلوة، لم يخط خطوةً، إلا رفعت له بها درجةٌ، وحُطَّ عنه بها خطيئة، فإذا صلی، لم تزل الملائكة تصلي عليه مادام في مصلاه: اللهم صل عليه، اللهم ارحمه، ولا يزال أحدكم في صلاة ماانتظر الصلوة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة الجماعة: ۱/۸۹، ۹۰، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۲۳۲، باب فضل صلوة الجماعة، قديمي)

(۲) "ولو أمكنه الذهاب إلی إمام آخر، فعل؛ لأنها تؤدي بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً".

(الدرالمختار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

لوگوں کا جمعہ رہ گیا ان لوگوں کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے لوگوں کو وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا منع ہے، جمعہ نہ ملنے کی وجہ سے الگ الگ ظہر پڑھیں، ایسا ہی فقہ کی کتابوں ردالمحتار وغیرہ میں لکھا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۹ھ۔

جمعہ سے پہلے ظہر پڑھی

سوال[۳۶۷۳]: ایک شخص نے نمازِ جمعہ سے پہلے نمازِ ظہر پڑھ لی اور پھر نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے آیا، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو جمعہ پڑھنا چاہیے اور ظہر کی نماز پڑھی ہوئی باطل ہوگئی، اگر امام کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھے گا تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۳/ ربیع الأول/۵۶ھ۔

---

(۱) "وکره تحریماً لمعذور .... أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها .... وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة، فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة". (الدرالمختار: ۱۵۷/۲، كتاب الصلوة، باب الجمعة، سعيد)

"ويكره تحريماً صلاة الظهر بعد الجمعة بجماعة". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۳۳۲/۲، كتاب الصلوة، صلوة الجمعة، رشيديه)

(۲) "وحرم لمن لاعذر له صلاةُ الظهر قبلها في يومها بمصر، فإن فعل ثم ندم وسعى إليها بأن انفصل عن باب داره والإمام فيها، بطل ظهره أدركها أولا". (الدرالمختار: ۱۵۵/۲، ۱۵۶، كتاب الصلوة، باب الجمعة، سعيد)

"فإن أدركها مع الإمام ينتقض ظهره عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله .... حتى لو بطلت الجمعة بوجهٍ مّا، كان عليه إعادة الظهر". (المحيط البرهاني: ۲۰۱/۲، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، غفاريه)

جوشخص کوئی نماز نہیں پڑھتا صرف جمعہ پڑھتا ہے اس کا حکم

سوال[۳۶۷۴]: ایک شخص ہفتہ بھر نماز نہیں پڑھتا ہے، صرف جمعہ کی نماز پڑھتا ہے تو کیا نماز جمعہ ادا ہوجائیگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جمعہ تو ادا ہو جائیگی (۱) لیکن ہفتہ بھر کے فرائض کو ترک کرنا کبیرہ گناہ اور سخت وبال کی چیز ہے (۲) اس کو چاہیے کہ ہر نماز پابندی سے پڑھا کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۹ھ۔

---

(۱) ہر نماز کا حکم مستقل ہے لہٰذا صرف نماز جمعہ پڑھنے سے بقیہ نمازیں ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گی۔

"قال العلامة الكاساني: "أما الأول فالجمعة فرض لا يسع تركها، و يكفر جاحدها. والدليل على فرضية الجمعة، الكتاب والسنة وإجماع الأمة، أما الكتاب: فقوله تعالىٰ: ﴿ياأيها الذين آمنوا إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (الجمعة: ۹) "قيل: ﴿ذكر الله﴾ هو صلاة الجمعة، وقيل: هو الخطبة و كل ذلك حجة .... وأما السنة: فالحديث المشهور: "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنهما قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! توبوا إلى الله قبل أن تموتوا، وبادروا بالأعمال الصالحة قبل أن تشتغلوا، وصلوا الذى بينكم و بين ربكم بكثرة ذكركم له وكثرة الصدقة في السر والعلانية ترزقوا وتنصروا و تجبروا. واعلموا أن الله قد افترض عليكم الجمعة في مقامي هذا، في يومي هذا، في شهرى هذا، من عامي هذا إلى يوم القيامة، فمن تركها في حياتي أو بعدى و له إمام عادل أو جائر استخفافاً بها أو جحوداً لها، فلا جمع الله له شمله و لا بارك له في أمره، ألا! لا صلوة له و لا زكوة له". الحديث. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل صلاة الجمعة: ۱/۵۷۷، ۵۷۸، رشيديه)

(والحديث رواه ابن ماجة، كتاب الصلوة، باب فرض الجمعة، ص: ۷۵، قديمى)

"وهي: أى الجمعة فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۶، سعيد)

(۲) "عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان،=

عورت کے جمعہ پڑھنے سے نمازِ ظہر ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

سوال[۳۶۷۵]: ہمارے علاقہ میں بہت سی عورتیں نمازِ ظہر کے بجائے جمعہ بھی ادا کرتی ہیں تو نماز جمعہ ظہر کا بدل ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کے ذمہ جمعہ نہیں بلکہ ظہر ہے، لیکن اگر امام کے پیچھے مردوں کے تابع ہو کر (پردہ کے ساتھ) جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کا فریضہ ساقط ہو جائے گا:

"وشرط وجوبها الإقامة والذكورة، الخ". كنز .... "ومَن لا جمعة عليه إن أدىٰ، جاز عن فرض الوقت، الخ". كنز "من كان أهلاً للوجوب كالمريض والمسافر والمرأة، يجزئهم، ويسقط عنهم الظهر، الخ". بحر: ۱۵۲/۲ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

جنگل میں بکریاں چرانے والے کے لئے نمازِ جمعہ کا حکم

سوال[۳۶۷۶]: ایک شخص لکھا پڑھا اور دیندار ہے اور اس کے پاس گھر کی بکریاں ہیں، جن کو وہ خود چراتا ہے، بکریاں چرانے کے لئے جنگل میں شہر سے ۶،۴/ میل دور جانا پڑتا ہے، یہ شخص نماز کا پابند ہے، جمعہ کی

= باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۶۱/۱، قديمي)

"عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العهد الذي بيننا و بينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلوات: ۸۱/۱، قديمي)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۶۴/۲، ۲۶۶، رشيديه)

"(وشرط لافتراضها) .... (وذكورة) محققة (وبلوغ وعقل) .... (وفاقدها): أي هذه الشروط أو بعضها (إن) اختار العزيمة و(صلاها وهو مكلف) بالغ عاقل (وقعت فرضاً) عن الوقت".

(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۳/۲-۱۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۴/۱، رشيديه)

نماز کے لئے بکریاں تنہا جنگل میں چھوڑ کر قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کو آنا مشکل ہے، چونکہ وہ شخص تنہا ہے۔ ایسی صورت میں نماز ادا کرنے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ شخص نماز جمعہ نہ ادا کرتے ہوئے جنگل میں ظہر کی نماز ہمیشہ ادا کرسکتا ہے؟ اس شخص کی عمر ۴۵/ سال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بکریاں چرانے کی وجہ سے شہر سے ۶،۴/ میل فاصلہ پر ہے تو اس کے ذمہ جمعہ کے لئے آنا واجب نہیں، وہیں ظہر کی نماز ادا کرلیا کرے، کذا فی الفقه، ص: ۵۱۳ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲/۱/۸۹ھ۔

قیدیوں کے لئے جمعہ وعیدین واعتکاف کا حکم

سوال [۳۶۷۷]: ہم پاکستانی جنگی قیدی ہیں، ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، عیدین اور جمعہ اسیری کی وجہ سے معاف ہے، اگر رمضان تک رہنا ہو تو روزہ اور تراویح اور اعتکاف کی کیا پوزیشن ہے؟ نمازیں باجماعت مع اذان ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صاحبان کو جب وہاں اذان و جماعت کی سہولت ہے، کوئی رکاوٹ نہیں اور دوسرے کا وہاں

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله عنه: " ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن".

(أوجز المسالك، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، اداره اسلاميات)

"رابعها الإقامة في المحل الذي تقام فيه الجمعة أو في محل متصل به، فمن كان في محل يبعد عن مكان الجمعة، فإنها لاتجب عليه. وقدّروا مسافة البُعد بفرسخ، وهو ثلاثة أميال، والميل ستة آلاف ذراع، وهي خمسة كيلو مترات، وهذا هو المختار للفتوى". (كتاب الفقه، كتاب الصلوة، مباحث الجمعة: ۱/۳۶۰، دارالفكر)

"وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب، وإن أرادتكلفهم وذهابهم إلى المصر فممكن، لكنه بعيد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة ۲/۲۴۸، رشيديه)

داخل ہونا نماز جمعہ سے منع کرنے کے لئے نہیں بلکہ قانونی تحفظ کے لئے منع ہے، ایسی حالت میں بعض کتب فقہ کی عبارات کے تحت وہاں جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ روزہ، تراویح میں کوئی پابندی نہیں، حکمِ شرعی کے مطابق روزہ رکھیں، تراویح پڑھیں۔ اگر مسجد مستقل نہ ہو تو جہاں جماعت کرتے ہیں وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(و) السابع (الإذن العام) .... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله، وغلقه لمنع العدو لاالمصلي". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲/۱۵۱، ۱۵۲، سعيد)

(۲) صحتِ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے، اعتکاف واجب ہو یا غیر واجب: قال العلامة الكاساني: "وأما الذي يرجع إلى المعتكف فيه، فالمسجد، وأنه يشترط في نوعي الاعتكاف: الواجب والتطوع، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاكفون في المساجد﴾ وَصَفَهم بكونهم عاكفين في المساجد مع أنهم لم يباشروا الجماع في المساجد لِيُنهوا عن الجماع فيها، فدلّ أن مكان الاعتكاف هو المسجد، يستوي فيه الاعتكاف الواجب والتطوع؛ لأن النص مطلق. ثم ذكر الكرخي أنه لايصح الاعتكاف إلا في مساجد الجماعات .... وقال الطحاوي: إنه يصح في كل مسجد". (بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف وأما الذي يرجع إلى المعتكف فيه: ۲/۲۸۰، رشيديه)

"هو (أي الاعتكاف) لغةً: اللبث، وشرعاً: لبث .... ذكرٍ .... في مسجد جماعةٍ، وهو ماله إمامٌ ومؤذنٌ، أدِّيت فيه الخمس أولا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه، وصححه بعضهم، وقال: لايصح في كل مسجد، وصححه السروجي .... فاللبث: هو الركن، والكونُ في المسجد والنية مِن مسلمٍ عاقلٍ طاهرٍ من جنابةٍ .... شرطان". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: هو لغةً: اللبث) .... سمي بهذا النوع من العبادة؛ لأنه إقامة في المسجد مع شرائط، مغرب اهـ......... (قوله: ذكر) .... وقد يقال: قيد به نظراً إلى شرطية مسجد الجماعة، فإنه شرط لاعتكاف الرجل .... (قوله: فاللبث هو الركن) .... أما حقيقته الشرعية فهي اللبث المخصوص: أي في المسجد، تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، سعيد)

لیکن شاید حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی جزئیہ ہو، اسی کے لحاظ سے غیر مسجد (جیسے سوال میں مذکور کمرہ ہے) میں اجازت دی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفصل الثانی فی شرائط الجمعة

(صحتِ جمعہ کی شرائط کا بیان)

جمعہ کے شرائط مفصل

سوال[۳۶۷۸]: یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں زمانۂ قدیم سے بلاتمیز قریۂ صغیرہ وکبیرہ کے نماز جمعہ قائم ہوتی چلی آئی ہے، حالانکہ مسلمانوں کی آبادی بالعموم مذہبِ احناف کی ہے۔ کچھ عرصہ سے اہلِ علم طبقہ میں جب اس کا احساس ہوا کہ مذہب حنفیہ میں جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، جہاں وہ شرائط نہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس خیال سے اہلِ علم کا طبقہ اوران کے اتباع میں اور دیندار طبقہ دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنے سے رک گئے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ سے کہیں کہیں خلجان کی صورت پیش آ گئی اور ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ مذہبِ احناف میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور کیا قولِ فیصل ہے جو معمول بہا عام طور سے بنایا جا سکتا ہے؟

اس تحت میں چند سوالات اس کے متعلق پیشِ خدمت ہیں امید ہے کہ ان پر غور فرما کر مذہبِ حنفیہ کے دائرے میں کوئی قولِ فیصل جو عام طور سے معمول بہا ہیں اس سے مطلع فرمایا جائے تا کہ باعثِ تسکین ہو:

۱...... مذہب حنفیہ میں دیہاتوں میں جمعہ صحیح ہونے کے لئے مصر یا قریۂ کبیرہ وصغیرہ میں ما بہ الفرق کیا ہے؟ اور جمعہ پڑھنے کے لئے زمانۂ حاضرہ میں کیا شرائط ہیں؟

۲...... بعض اکابر علمائے احناف کی طرف رجوع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس گاؤں میں کم از کم سو سال سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ بند نہیں کرنا چاہئے، مگر یہ کوئی تفصیل معلوم نہ ہو سکی کہ یہ حکم کس اصل پر مبنی ہے؟ اور اس میں قریۂ کبیرہ وصغیرہ کی کوئی تفصیل ہے یا نہیں؟

۳...... اگر سوال نمبر:۲ کی کوئی اصل موجود ہے تو کیا جو حضرات شرائطِ جمعہ کے مفقود ہونے کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھتے ہیں تو ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور اگر آہستہ آہستہ لوگ جمعہ ترک کرنے لگیں تو نتیجۂ جمعہ کے

بند ہوجانے کا خطرہ بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ جمعہ نہ پڑھنے والوں کا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ جمعہ بند کیا جائے، صرف وہ مذہبِ حنفیہ کی پابندی کے اعتبار سے ایسا کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے، کیا وہ جمعہ کے بند ہوجانے کے خطرہ سے بچنے کے لئے حقیقۃً نماز جمعہ کی اقتداء کرسکتے ہیں؟ نیز جو لوگ نماز جمعہ وظہر دونوں بہ نیتِ فرض ایسے مشکوک مقام پر ادا کرتے ہیں، ان کی ان دونوں کی شرعی تفصیل کیا ہے؟

۴...... موضع الف پور وامین پور یہ دونوں موضع ایک دوسرے سے محلِ وقوع کے اعتبار سے مخلوط ہیں، دیکھنے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ دونوں موضع ایک نظر آتے ہیں، لیکن سرکاری کاغذات میں یہ دونوں موضع بندوبست، حد بندی اور سرحدوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اصل مکان مورثِ اعلیٰ کا الف پور میں تھا مگر اب اس کے خاندان دونوں میں ملحق موضعوں میں پھیل گئے۔

الف پور کی آبادی آج سے پانچ سال پہلے بالغ ونابالغ دونوں ملاکر ایک ہزار نو{۱۰۰۹} تھی، جس میں بالغ مرد وعورت پانچ سوستاون{۵۵۷}، بقیہ نابالغ۔ اس پانچ سال میں تقریباً چار سو کا اضافہ ہوا ہے، اس میں چار مسجدیں ہیں اور ملحقہ موضع امین پور کی آبادی پانچ سال پہلے چھ سو ترپن{۶۵۳} تھی اور اس میں بھی چار مسجدیں ہیں۔ الف پور میں غلہ کی کوئی دوکان نہیں ہے مگر بوقتِ ضرورت گاؤں کے کاشتکاروں سے غلہ مل جاتا ہے، مرچ اور دیگر مسالہ جات کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور کپڑے سلائی کی ہیں، مقامی طور سے دو مستقل ڈاکٹر ہیں، الف پور میں جامع مسجد کے متصل ایک مکتبِ اسلامیہ ہے جس میں پرائمری تعلیمات کے ساتھ بقدرِ ضرورت اردو میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔

۵...... موضع الف پور اور امین پور میں دونوں کا نقشہ منسلکۂ استفتاء ارسالِ خدمت ہے، ایسی صورت میں ان دونوں موضعوں پر جمعہ کا کیا حکم ہے اور جو ٹولے اور محلے گاؤں کے کچھ مزروعہ یا باغ کے فصل پر واقع ہیں، ان ٹولوں ومحلوں کا حکم گاؤں کا ہوگا یا اس سے الگ ہوگا؟

۶...... اسی طرح الف پور وامین پور سے ملحق اور بعض مواضعات ہیں جو حد بندی اور سرکاری کاغذات کے اعتبار سے الگ ہیں تو ان ملحق مواضعات کا جمعہ کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

۷...... اگر ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے تو کیا تمام مواضعاتِ مذکورہ فی السوال مل کر عیدین کی نماز الف پور میں قائم کریں تو قائم کرسکتے ہیں یا نہیں، جب کہ عیدین کے ادا کرنے سے کسی فریضہ کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا؟

۸......امین پور کے بعض ٹولوں کے درمیان مزروع یا باغ کا جو فصل ہے اس مقدار اور اس سے بھی کم بعض دوسرے مواضع کا فصل ہے لیکن آبادی یا تو سب ہندوؤں کی ہے یا ایک دو مسلمان بھی ہیں، اب ایسی صورت میں درمیان کے جو مسلمان ہیں وہیں ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ درمیان کی آبادیاں جو ہندوؤں کی ہیں وہ ایک شہر کے متصل ہونے کے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اتنی بات تو صاف اور مسلّم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قریۂ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز فرض ہے(۱) اور ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے ظہر کا فریضہ ادا نہیں ہوگا اور جس نماز کو جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی، نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ سمجھنا کہ فرض ادا ہوگیا، اور نفل کے لئے اذان کہنا، اقامت کہنا، جماعت سے علی سبیل التداعی پڑھنا، نفلِ نہاری میں قرأت بالجہر کرنا یہ سب محظوراتِ شرعیہ لازم آئیں گے(۲)۔

قریۂ صغیرہ وکبیرہ میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ یہ موقوف ہے شہر کی تعریف پر، اور فقہاء چونکہ ماہیات سے بحث نہیں کرتے کہ تعریف بالکلیہ کریں جس سے ذاتیات معلوم ہوں، بلکہ احکام سے بحث کرتے ہیں، لہٰذا

---

(۱) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن کراچی)

" لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیهاقاض و منبر وخطیب، کما فی المضمرات. والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة، ألا تری أن فی الجواهر: لو صلوا فی القری، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(۲) "قال الطیبی: وفیه أن من أصر علی أمر مندوب، و جعله عزماً، و لم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلوة، باب الدعاء فی التشهد: ۳۱/۳، رشیدیه)

"و لا یصلی الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان: أی یکره ذلک علی التداعی". (الدرالمختار، باب الإمامة: ۵۵۲/۱، سعید)

" وأما نوافل النهار، فیخفی فیها حتماً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی الواجبات: ۷۲/۱، رشیدیه)

تعریف بالاً حکام والآ ثار کرتے ہیں اور یہ تعریف اکثر اوقات علامات کے ذریعہ سے ہوتی ہے، علامات متعدد بھی ہوسکتی ہیں اور متبدّل بھی ہوتی رہتی ہیں، اس لئے بعض حضرات نے مردم شماری کے اعتبار سے کی ہے، بعض نے وسعتِ مسجد کا لحاظ کیا ہے، بعض نے صنعت وحرفت کا خیال رکھا ہے، بعض نے تنفیذِ حدود وقصاص کو معیار ٹھہرایا، وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ بدائع (۱) بحر (۲) کبیری (۳) زیلعی (۴) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، بعض نے عرف پر

---

(۱) "أما المصر الجامع فقد اختلف الأقاويل في تحديده: ذكر الكرخي أن المصر الجامع ماأقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر و قاض، ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة. و في رواية قال: إذا اجتمع في قرية مَن لا يسعهم مسجد واحد، بَنىٰ لهم الإمام جامعاً ونصب لهم مَن يصلي بهم الجمعة. و في رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر، أمرتهم بإقامةالجمعة فيها. وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعيش فيه كل محترف بحرفته من سَنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى .... وروى عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، و لها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أوعلم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث، وهوالأصح". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، رشيديه)

(۲) "وفي حدّ المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة .... قال في البدائع: وهو الأصح، و تبعه الشارح، و هو أخص ما في المختصر. وفي المجتبى عن أبي يوسف: أنه ما إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم للصلوات الخمس، لم يسعهم، وعليه فتوى أكثر فقهاء. وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولوالجية: وهو الصحيح". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، رشيديه)

(۳) "ثم اختلفوا في تفسير المصر اختلافاً كثيراً، والفصل في ذلك أن مكة والمدينة مِصرَان تقام بهماالجمع من زمنه عليه السلام إلى اليوم، فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر، وكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر، حتى التعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار وغيرهما، و هو: ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم، فإنه منقوض بهما؛ إذ مسجد كل منهما يسع أهله وزيادةً، ولم يعلم أن مكة والمدينة كانت في زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو الصحابة أكبر مما هي الآن، و لا أن مسجدهما كان أصغرمما هوالآن، فلا يعتبر هذا التعريف .... فالحاصل أن أصح الحدود ما ذكره في التحفة لصدقه على مكة والمدينة، وأنهما هما الأصل في اعتبار المصرية".
(الحلبي الكبير، كتاب الصلوة،فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) "قال رحمه الله تعالىٰ: (وهو): أي المصر (كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود). و هذا رواية عن أبي يوسف، و هو اختيار الكرخي. وعنه أنهم لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم، لا =

مدار رکھا کہ جس کو عرفاً قریۂ صغیرہ کہا جاتا ہے وہ صغیرہ ہے، جس کو قریۂ کبیرہ کہا جاتا ہے وہ کبیرہ ہے(۱)۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو تعریف منقول ہے جس کو اصح قرار دیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيمايقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". شامی: ۱/۷٤۸(۲)۔

یہ تعریف اصالۃً مصر کی ہے، پھر قصبہ میں بھی عامۃً یہ جملہ اشیاء موجود ہوتی ہیں تو وہ بھی مصر کے حکم میں ہے اور قریۂ کبیرہ بھی بمنزلۂ قصبہ کے ہو جاتا ہے اس میں بھی ان امور کا خیال رکھا گیا ہے: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". شامی: ۷٤۸(۳)۔

جس قریہ میں یہ امور نہ ہوں وہ قریۂ صغیرہ ہے وہاں درست نہیں: "و فيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كذا في المضمرات، اهـ". شامی: ۱/۷٤۸(٤)۔

= يسعهم، وهو اختيار البلخي. وعنه: هو كل موضع يكون فيه كل محترف، و يوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه في معايشهم، وفيه فقيه مفت و قاض يقيم الحدود. وعنه: أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف. وقيل: يوجد فيه عشرة آلاف مقاتل. وقيل: أن يكون أهله بحال لو قصدهم عدوّ، يمكنهم دفعه الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

"وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، و ماليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، المكتبة اليحيوية سهارنپور)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(٤) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲٤۵، رشيديه)

اب عرف کے بدلنے سے علامات بھی بدل گئی ہیں۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تین چار ہزار آبادی کے ساتھ بازار، گلی کوچوں، روزمرہ کی ضروریات کا وہاں ہمیشہ فراہم رہنا قریۂ کبیرہ کی علامات میں قرار دیا(۱)۔ بعض علماء نے اس سے کچھ کم آبادی پر اجازت دی ہے، نہ تنہا مردم شماری پر مدار ہے نہ صرف دوکانوں پر مدار ہے، بلکہ اس قریہ کی مجموعی حیثیت ایسی ہو کہ اس کو قریۂ کبیرہ قصبہ کی مانند کہا جا سکے۔

۲..... یہ تو بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اتنی مدت کے قائم شدہ جمعہ کو ختم ہونے سے مسلمانوں میں خلفشار ہوگا، ورنہ اس کی اصل کتبِ فقہ میں کہیں نظر سے نہیں گزری (۲)۔

۳..... جس جگہ شرائط جمعہ نہیں اور لوگ کم علمی کی وجہ سے وہاں جمعہ پڑھتے ہوں تو وہاں جمعہ کا ترک اور بند کرنا کوئی عیب اور گناہ نہیں جس سے خوف کیا جائے، بلکہ یہ تو ان مفاسد کی وجہ سے جن کا تذکرہ جواب نمبر:۱ میں آیا ہے، مطلوبِ شرعی ہے۔ بہ نیتِ نفل جمعہ میں شرکت کرنے سے دوسرے لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی جمعہ پڑھتے ہیں، ایسی جگہ جمعہ پڑھ کر ظہر کی نماز پڑھنا بھی قبیح ہے، ان دونوں کو جمع نہیں کرنا چاہئے، صاحبِ بحر نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے (۳)۔

---

(۱) (راجع الكوكب الدرّي، باب ماجاء في ترك الجمعه بغير علىر: ۱/۱۹۹) (وأيضاً، ص: ۴۴، رقم: ۱)

(۲) جن بستیوں میں قدیم زمانہ سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑنے سے لوگ نماز پنجوقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہئے، تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں، ان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہئے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۳/۲۳۵، دارالاشاعت کراچی)

"بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام) إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس، لا يمنعون؛ لأنهم إذا منعوا تركوها أصلاً، وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۷۱، سعيد)

(۳) "وأما القرى فإن أداء الصلوة فيها، فغير صحيحة على المذهب، وإن أراد تكلفهم و ذهابهم إلى المصر، فممكن لكنه بعيد، وأغرب من هذا مافي القنية من أنه يلزم حضور الجمعة في القرى، ويعمل بقول علي رضي الله تعالىٰ عنه: إياك و مايسبق إلى القلوب إنكاره وإن كان عندك اعتذاره، فليس كل سامع نكراً تطيق أن تسمعه عذراً. فإن المذهب عدم صحتها في القرى فضلاً عن لزومها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيديه)

۴، ۵، ۶......جو بستیاں اتنی متصل ہیں کہ دیکھنے میں وہ ایک ہی معلوم ہوتی ہیں اگر چہ سرکاری کاغذات میں ان کے نام جدا جدا ہوں، ان کو جوازِ جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی قرار دیا جائے گا۔ جب کسی بستی میں شرائط کے ماتحت جمعہ جائز ہو تو حسبِ حاجت وہاں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے جیسے کہ ایک شہر کے متعدد محلوں میں ہوتا ہے(۱)۔ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے......... کسی عالم فقیہ کو قریب سے بلا کر مشاہدہ کرادیں، پھر جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کریں، تحریری تفصیلی نقشہ کے باوجود مشاہدہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

۷......جس جگہ نماز جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں نمازِ جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے: "صلوة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم، اهـ". بحر: ۱۵۸/۲(۲)۔

۸......جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہئے کہ جمعہ ادا کریں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۵ھ۔

(۱) "أو كان أحدهما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكماً". (الدر المختار).

"(قوله أو كان أحدهما تبعا للآخر) كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء على ما يأتي في الجمعة، وفي البحر: لو كان موضعان من مصر واحد أو قرية واحدة، فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكماً، ألاترى أنه لو خرج إليه مسافراً، لم يقصر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر: ۱۲۶/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲۳۲/۲، رشيديه)

"قوله: (وتؤدى في مصر في مواضع) : أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيناً وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۲۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲۷۷/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱۶۷/۲، سعيد)

(۳) "أن أم عبد الله الدوسية رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: قال رسول الله: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

جمعہ کے شرائط دارالحرب اور غیر دارالحرب میں مساوی ہیں یا نہیں؟

سوال[۳۶۷۹]: جمعہ کے وجوب اور جواز کے مسائل دارالحرب اور دارالاسلام میں برابر ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اہلِ ہند کن مسائل کے مکلّف ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قریۂ صغیرہ وکبیرہ سے متعلق مسائل میں دونوں برابر ہیں، اسی کی آپ کی بستی میں ضرورت بھی ہے، جس چیز میں اختلاف ہے اس کی آپ کے یہاں ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاه العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

جہاں سلطان نہیں تو کیا وہاں جمعہ بھی نہیں؟

سوال[۳۶۸۰]: جمعہ کے شرائط میں سے سلطان ہے اور اس ملک میں سلطان مسلمان نہیں، پھر تو جمعہ کی نماز نہیں ہونی چاہیے، جواز کس طور پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"فلو كان الولاة كفاراً، يجوز بتراضي المسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً

= "الجمعة واجبة على كل قرية وإن لم يكن فيها إلا أربعة". يعني بالقرى المدائن".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني: "و دلالة الحديث على أن أقل الجماعة في الجمعة أربعة رجال ظاهرةٌ؛ لأنه لوجاز فيها أقل من ذلك، لقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإن لم يكن فيها إلا ثلاثة أو اثنان، فثبت أن الجمعة لا تحمل أقل من أربعة مع الإمام أصلاً". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، بابٌ: لا جمعة إلا بجماعة وأقلها ثلاثة سوى الإمام: ۸/ ۴۱، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/ ۱، إدارة القرآن كراچی)

" وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۵، رشيديه)

بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ" رد المحتار(۱)۔

جب کہ سلطان مسلم نہ ہو تو اس کا حل و بدل عبارت منقولہ میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۵ھ۔

جمعہ کے لئے سلطان اور اذنِ عام کی شرط

سوال[۳۲۸۱]: صحتِ نمازِ جمعہ کے لئے وجودِ سلطان اور اذن سلطان شرط ہے، یہ شرط فرض ہے یا واجب؟ بر تقدیر فرض یا واجب بوقتِ فقدان ان شرطوں کے کن دلائلِ معتمد و مستند سے نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ ہندوستان میں یہ دونوں شرطیں مقصود ہیں کیونکہ:

۱......"إذا فات الشرط، فات المشروط، المراد بالشرط مالا يصح المأمور به قبل الوجود و يفوت بفوته". قمر الأقمار(۲)۔ "الشرط ما يتوقف عليه وجود الشيء ولم يكن داخلاً فيه، و يلزم من انتفائه انتفاء المشروط". عيني شرح هدايه: ۵٦١/۱(۳)۔

۲...... یہ شرط ظاہر الروایت سے ثابت ہے اور درمختار میں ہے کہ:" اعلم أن ما اتفق عليه أصحابنا في الروايات الظاهرة، يفتى به قطعاً"(٤)۔

اور شامی میں ہے:" لا يفتیٰ ويعمل إلا بقول الإمام الأعظم، ولا يُعدل عنه إلى قولهما أو

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

"بلاد عليها وُلاة كفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴٦/۱، رشيديه)

(۲) لم أجد في قمر الأقمار، لكن في رد المحتار: "(قوله: وأماالشرط) هوفي اللغة: العَلاَمَة. وفي الاصطلاح: ما يلزم من عدمه العدم، و لا يلزم من وجوده وجود و لا عدم". (كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة: ۹۴/۱، سعيد)

(۳) (البناية في شرح الهداية للعلامة العيني رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۵٦١/۱، ملک سنز كارخانه بازار فيصل آباد)

(۴)(الدر المختار، المقدمة: ٦۹/۱، سعيد)

غيرهما إلا لضرورة أتم" (١) اوراس میں اختلاف ہے: "صرح في قضاء البحر بأن ما خرج عن ظاهر الرواية، فهو مرجوع عنه، ليس قولاً له"(٢)۔ "وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوع جهلٌ و خرقٌ للإجماع". درمختار، ص: ١٥(٣)۔

۳......"مذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوح صار منسوخاً". شامی: ص: ٦٩(٤)۔ "والعمل بالمنسوخ حرام". الأشباه والنظائر (٥)۔ "وفيه عن التوشيح: أن ما رجع عنه المجتهد، لا يجوز الأخذ به". شامی: ٦٢/١(٦)۔

"إذا اختلف التصحيح، وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع إليها". شامی: ٦٢/١(٧)۔ "الفتوى على قول الإمام الأعظم في العبادات مطلقاً، اهـ". عمدة الرعاية، مقدمه هدايه(٨).

اور بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر الروایت کے خلاف عمل جائز نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ جمعہ میں اس کے خلاف بدونِ سلطان واذنِ سلطان جمعہ پڑھا جاتا ہے؟

۴......زید کہتا ہے کہ کیسے امام صاحب کے قول کو چھوڑ کے عالمگیری اور شامی وغیرہا کے قول پر عمل

(١) (الدر المختار، مقدمه، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ٧٢/١، سعيد)

(وكذا في شرح عقود رسم المفتي، ص: ٢٥، ٢٦، ٢٧، مير محمد كتب خانه كراچی)

(٢) (ردالمختار، المقدمة: ٦٧/١، سعيد)

(٣) (الدر المختار، المقدمة: ٧٤/١، سعيد)

(٤) (ردالمحتار، المقدمة، مطلب: لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا: ٧٤/١، سعيد)

(٥) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب القضاء والشهادات الخ، (رقم القاعدة: ١٤٢٥): ٢٣٥/٢، إدارة القرآن كراچی)

(٦) (ردالمحتار، مطلب في مولد الأئمة الأربعة الخ: ٦٧/١، سعيد)

(٧) (رد المحتار، المقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح: ٧٢/١، سعيد)

(وكذا في مقدمة عمدة الرعاية، بحث فوائد متفرقة، ص: ١٣، سعيد)

(٨) (مقدمة عمدة الرعاية، بحث فوائد متفرقة، ص: ١٣، سعيد)

کروں کہ:" یجوز للمسلمین إقامة الجمعة، ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین"(۱) اور یہ بھی کہتا ہے کہ:" یصیر القاضی قاضیاً" میں قاضی سے قاضی مراد ہے یعنی پہلے ہی بادشاہ کی طرف سے قاضی القضاۃ تھے اب تراضی المسلمین سے جمعہ کے لئے وہ بادشاہ کے قائم مقام ہوگا اور اب جو خطیب کو قاضی بناتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ وہ بادشاہ کی طرف سے مقرر نہیں ہے، ورنہ یصیر القاضی قاضیاً کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳......اس شرط میں بعض احناف نے بھی کلام کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ملی، کما قال مولنا بحر العلوم فی رسائل الأرکان: "ولم أطلع علی دلیل یفید اشتراط أمر السلطان الخ"(۲)۔

پھر جن حضرات نے اس کو شرط قرار دیا ہے وہ بعض حدیث سے استدلال کرتے ہیں جیسے زیلعی: ۱/ ۲۱۷ (۳) فتح القدیر: ۱/ ۴۱۲ (۴) الغنیہ، ص: ۵۱۳ (۵) وغیرہم۔ بعض اس کو خوف فتنہ سے بھی معلل

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۶، رشیدیه)
(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، أحکام الجمعة، ص: ۵۰۷، قدیمی)

(۲) (رسائل الأرکان لمولانا بحر العلوم، فصل فی الجمعة، بیان شروط أداء الجمعة، ص: ۱۱۴، مکتبه یوسفی الکنوو)

(۳) "قال رحمه الله تعالیٰ: (والسلطان أو نائبه): أی شرط أدائها السلطان أو نائبه .... و لنا قوله: "من ترکها استخفافاً بها و له إمام عادل أوجائر، فلا جمع الله شمله" الحدیث، وشرط فیه أن یکون له إمام، و قال الحسن البصری: أربع إلی السلطان، فذکر منها الجمعة، و مثله لا یعرف إلا سماعاً، فیحمل علیه، ولأنها تؤدی بجمع عظیم، فتقع المنازعة فی التقدیم والتقدم و فی أدائها أول الوقت أو آخره فیلیها السلطان قطعاً للمنازعة و تسکیناً للفتنة". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۵۲۷، ۵۲۸، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۴) "(قوله: لأنها تقام بجمع عظیم الخ) حقیقة هذا الوجه أن اشتراط السلطان کی لا یؤدی إلی عدمها کما یفیده، فلا بد منه تتمیماً لأمره: أی لأمر هذا الفرض أو الجمع .... فإن التقدم علی جمیع أهل المصر یعدّ شرفاً و رفعةً، فیتسارع إلیه کل من مالت همته إلی الریاسة فیقع التجاذب والتنازع، و ذلک یؤدی إلی التقاتل .... قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من ترکها و له إمام جائر أو عادل، فلا جمع الله شمله و لا بارک له فی أمره، ألا! و لا صلوة له". الحدیث. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۵۵، ۵۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۵) "الشرط الثانی: کون الإمام فیها السلطان أو من أذن له السلطان لقوله علیه السلام: "فمن ترکها و =

کرتے ہیں جیسے ہدایہ وغیرہ(۱)، اس خوفِ فتنہ کی تعلیل پر صاحب جامع الآثار نے لکھا ہے: "لکنه معلل بخوف الفتنة، فحيث لا فتنة لا اشتراط"(۲) اسی بناء پر عالمگیری، شامی وغیرہ کی جزئیات: "يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين" متفرع ہیں۔

ظاہر الروایت میں اگر کوئی شئی بدرجۂ مسئلہ یا بدرجۂ شرط مذکور ہو اور اس کی علت وہاں مذکور ہو جیسا کہ عامۃً ایسا ہی ہوتا ہے، اور متاخرین مجتہدین نے اس کی علت بیان کی ہو اور پھر مواقعِ انتفائے علت میں اس مسئلہ یا شرط کے انتفاء کا حکم کردیا ہو تو یہ ظاہر الروایت کے خلاف نہیں (۳)، اس ضابطۂ کلیہ کے بعد جداگانہ ہر عبارتِ منقولہ فی السوال کے جواب کی ضرورت نہیں رہی، علاوہ ازیں علامہ شامی نے مبسوط سے نقل کیا ہے:

"فلو الوُلاةُ كفاراً، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ". رد المحتار: ٧٥٤(٤)۔

اور مبسوط کی شان یہ ہے:

= له إمام عادل أو جائر، فلا جمع الله شمله و لا بارك له في أمره". الحديث، رواه ابن ماجة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) "(لا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم، و قد تقع في غيره، فلا بد منه تتميماً لأمره". (الهدايه، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٦٨/١، شركة علميه ملتان)

(۲) (جامع الآثار مع تعليقه تابع الأثار لمولانا أشرف على التهانوى رحمه الله تعالىٰ، باب صلوة الجمعة، اشتراط الإمام للجمعة، ص: ٥٠، مطبع قاسمي ديوبند)

(۳) "والحاصل أن ما خالف فيها الأصحاب إمامهم الأعظم لا يخرج عن مذهبه إذا رجحه المشايخ المعتبرون، وكذا ما بناه المشايخ على العرف الحادث لتغير الزمان أو للضرورة و نحو ذلك لا يخرج عن مذهبه أيضاً؛ لأن ما رجحوه لترجح دليله عندهم ما ذون به من جهة الإمام .... لأن ما قالوه إنما هو مبني على قواعده أيضاً، فهو مقتضى مذهبه". (شرح عقود رسم المفتي، حكم التخريجات و أقوال الأصحاب، ص: ٢٨، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

ویجمع الست کتاب الکافی | للحاکم فهو الکافی
أقویٰ شروحه الذی کالشمس | مبسوط شمس الأئمة السرخسی
معتمد النقول لیس یعمل | بخلفه و لیس عنه یعدل

قال فی فتح القدیر وغیره: إن کتاب الکافی هو جمع کلام محمد فی کتبه الست التی هی کتب ظاهر الروایة. انتهیٰ۔

وفی شرح الأشباه للعلامة إبراهیم البیری: اعلم أن من کتب مسائل الأصول کتاب الکافی للحاکم الشهید، وهو کتاب معتمد فی نقل المذهب شرحه جماعة من المشایخ، منهم: شمس الأئمة السرخسی، وهو المشهور بمبسوط السرخسی، انتهی۔

قال الشیخ إسماعیل النابلسی: قال العلامة الطرطوسی: مبسوط السرخسی لا یُعمل بما یخالفه، و لا یرکن إلا إلیه، ولا یفتیٰ ولا یعول إلا علیه، انتهیٰ .... و للحنفیة مبسوطات کثیرة .... وحیث أطلق المبسوط، فالمراد به مبسوط السرخسی هذا، اهـ". رسم المفتی، ص: ۱۹، ۲۰ (۱)۔ لہٰذا ہندوستان میں اس شرط کا سقوط خود ظاہر الروایت سے ثابت ہے۔

۴......زید کا قول اور تاویل غلط ہے اس لئے کہ خود مبسوط میں ایسی جگہ کا حکم بیان کیا ہے، جہاں والی کافر ہیں، مسلمان والی نہیں وہ جگہ کفار کے قبضہ میں ہے، پھر مسلمان بادشاہ کی طرف سے قاضی کیسے مراد ہوسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ۶۶ھ۔

---

(۱) (شرح عقود رسم المفتی، بحث الکتب الظاهرة الروایة، ص: ۵۹، میر محمد کتب خانه کراچی)
(وکذا فی رد المحتار، المقدمة، مطلب: رسم المفتی: ۱/ ۶۹، ۷۰، سعید)

(۲) "فی معراج الدرایة عن المبسوط: البلاد التی فی أیدی الکفار بلاد الإسلام لا بلاد الحرب؛ لأنهم لم یظهروا فیها حکم الکفر بل القضاة والولاة مسلمون یطیعونهم عن ضرورة أو بدونها، وکل مصر فیه والٍ من جهتهم یجوز له إقامة الجمع والأعیاد والحدود وتقلید القضاة لاستیلاء المسلم، فلو الولاةُ=

نمازِ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں

سوال[۳۶۸۲]: پرانی جامع مسجد کو مدرسہ کے واسطے بالکل ڈھا دیا اس میں وقتیہ اور جمعہ کی نماز ادا کرنا دشوار ہے، چند مہینے کے واسطے خارجِ مسجد میں دوسری جگہ نماز کے واسطے تیار کر کے وقتیہ نماز اور نمازِ جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں اور جمعہ کی نماز کے واسطے مسجد شرط ہے یا نہیں، یا خارجِ مسجد میں بھی بوقتِ ضرورت ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

خارجِ مسجد بھی درست ہے خواہ میدان ہو خواہ مکان:

"السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار وأذن إذناً عاماً، جازت صلوته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط، اهـ" هنديه(۱)۔ "قوله: أو الصلوة: أي مصلى المصر؛ لأنه من توابعه، فكان في حكمه، والحكم غير مقصود على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله. والفناء في اللغة سعة أمام البيوت، وقيل: ما امتد من جوانبه، كذا في المغرب، اهـ". بحر(۲)۔

علامہ حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں بھی اس کی تصریح کی ہے(۳) نیز دیگر کتبِ فقہ مراقی الفلاح(۴) شامی(۵) وغیرہ میں بھی موجود ہے، ادائے جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، ۹/ جمادی الاُولیٰ/ ۶۷ھ۔

= كفاراً، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۴۷/۲، رشيديه)

(۳) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، و فيها والٍ و حاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، فصل: صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) "الأول (المصر أو فناءه) سواء مصلى العيد وغيره؛ لأنه بمنزلة المصر في حق حوائج أهله". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۶، قديمي)

(۵) "وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره، فإن فتح بابها وأذن للناس إذناً عاماً، جازت =

ایضاً

سوال[۳۲۸۳]: جس جگہ جمعہ فرض ہے ایسی جگہ میں جمعہ کے روز وعظ کی محفل کے واسطے جمعہ کے قریب دوڈھائی ہزار سامعین مجتمع ہو گئے، وہاں کی مسجد میں قریب پچاس آدمی کے جمعہ پڑھ لئے، باقی لوگ اس بستی کے متصل ایک کھیتی زمین میں جس میں فی الحال کوئی فصل نہیں ہے، اور اس کے اردگرد بستی کے مکانات موجود ہیں اس کے مالک کی اجازت سے نماز جمعہ پڑھ لئے۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ وہاں لوگوں کی نماز جمعہ صحیح ہوئی یا نہیں؟ کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے: "والمسجد الجامع ليس بشرط لصحة الجمعة حتى أجمعوا على صحة الجمعة في المصلى". أو كما قال(۱)۔ ازروئے مہربانی اس کا جواب تحریر فرماکر ممنون ومشکور فرماویں۔ زیادہ والسلام۔

الراقم: روح الامین عفی عنہ کلکتہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں ہونا شرط ہے اور بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی آبادی اور ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کی مانند ہو اور اس کی مردم شماری کم از کم تین ہزار ہو اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جس بستی میں جمعہ جائز ہے تو وہاں جواز کے لئے جامع مسجد ہونا شرط نہیں بلکہ عیدگاہ میں اور فنائے مصر میں سب جگہ جمعہ درست ہے، پس اگر مقامِ مذکورہ فی السوال شہر کے اندر داخل ہے یا فنائے مصر میں شمار کیا جاتا ہے (جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے) تو وہاں جمعہ درست ہے ورنہ نہیں:

"ففي الفتاوى الغياثية: لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ وحاكم، جازت الجمعة بنو المسجد أو لم يبنوا، و هو قول أبي قاسم الصفار، وهذا أقرب الأقاويل إلى الصواب، انتهىٰ، و هو ليس ببعيد مما قبله. والمسجد الجامع ليس

= صلاته شهدتها العامة أولا. وإن لم يفتح أبواب الدار وأغلق الأبواب، وأجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول، لم تجز؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس، و ذا لا يحصل إلا بالإذن العام". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

(۱) (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

بشرط، و لهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى في فناء المصر، و هو ما اتصل بالمصر معداً لمصالحة من ركض الخيل و جمع العساكر والمناَضَلة و دفن الموتىٰ وصلوة الجنازة و نحو ذلك؛ لأن له حكم المصر باعتبار حاجة أهله إليه". كبيرى(۱)۔

"شرط أدائها المصر أو مصلاه، والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر". زيلعي (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۵۴ھ۔

نماز جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں

سوال [۳۶۸۴]: یہاں چند آفسوں کے مسلم ملازمین اوقاتِ دفتر میں ایک درسگاہ کے ملحق میدان میں صرف ظہر وعصر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، باقی تین نمازوں کی نہ جماعت ہی ہوتی ہے اور نہ نماز ہی ہوتی ہے، ملازمین اپنی ملازمت کی مجبوری کے سبب اسی جگہ جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں جہاں پانچوں نماز نہ ہوتی ہوں کیا جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے ہوجاتی ہے یا نہیں؟ چونکہ دیگر مساجد دفاتر سے دور ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جمعہ کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، بستی کے میدان میں بھی درست ہے:

"لوصلى الجمعة في قرية بغيرمسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرىً، وفيها وال وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أولم يبنوا". كبيرى، ص: ۵۱۱(۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الحلبي الكبير، فصل صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۵۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی، لاهور) =

جو مسجد وقف نہ ہو اس میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۶۸۵]: یہاں کچھ مسجدیں ایسی ہیں جن کا کرایہ مسجد کمیٹی سے وصول کرتی ہے، ان کی زمین وقف نہیں ہے، ساتھ ہی ساتھ یہاں دو مسجدیں ایسی ہیں جو وقف ہیں اور شرعی مسجد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو مسجدیں وقف نہیں ہیں ان میں جمعہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدِ شرعی تو اسی وقت بنتی ہے جب کہ وہ وقف ہو بغیر وقف کے وہ شرعی مسجد نہیں اگر چہ نماز جمعہ اور پنجگانہ نماز پڑھنے سے وہاں بھی ادا ہو جاتی ہے(۱) مگر موقوفہ مسجد کو فضیلت حاصل ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

- "والحكم غير مقصور على المصلي، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلته في حوائج أهله". (الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، شركة علميه، ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۱)" قال أخبرنا جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحدٌ: نصرت بالرعب مسيرة شهر، و جُعِلَت لي الأرض مسجداً و طهوراً". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب: ۱/۴۷، قديمي كتب خانه كراچي)

"قوله: "وجُعِلَت لي الأرض مسجداً" : أي موضع السجود لا يختص السجود منها بموضع دون غيره، و يمكن أن يكون مجازاً عن المكان المبني للصلاة، و هو مجاز التشبيه؛ لأنه لما جازت الصلاة في جميعها كانت كالمسجد في ذلك". (فتح الباري، كتاب التيمم، باب: ۱/۵۷۶، قديمي)

(۲) "وعن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوة الرجل في بيته بصلوة، و صلوته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاةً، وصلوته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلوة، و صلوته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلوة، وصلوته في مسجدي بخمسين ألف صلوة، وصلوته في المسجد الحرام بمائة ألف صلوة". .(مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد الخ: ۱/۷۲، قديمي)

فصل فی اشتراط المصر للجمعة

(صحتِ جمعہ کے لئے شہر کے شرط ہونے کا بیان)

مصر کی تعریف

سوال[۳۲۸۲]: مصر کی تعریف کتبِ فقہ وفتاویٰ میں بظاہر جامع ومانع سی محسوس نہیں ہوتی ہے اور وہ بھی مختلف فیہ ہوتی ہے۔ براہ کرم مصر کی ایسی جامع مانع تعریف تحریر فرمائیں کہ اگر اس کا ایک جز بھی مفقود ہو تو جمعہ جائز نہ ہو اور ایک جز بھی بطورِ قید اتفاقی یا بطورِ علامت مذکور نہ ہو اور یہ مفتی بہ قول کے مطابق ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ میں احکامِ مکلّف سے بحث کی جاتی ہے جیسا کہ اس کی تعریف حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے: "معرفة النفس مالها و ما عليها"(۱)۔ حقائق، ماہیتِ اشیاء، ذاتیات وعرضیات، جنس، فصل نوع سے بحث نہیں کی جاتی (۲)، اسی لئے جواز جمعہ کے لئے جو مصر کی شرط ہے اس کی تعریف علامات سے کرتے ہیں کُنہ بیان نہیں کرتے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح منقول ہے:

"في التحفة: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها

---

(۱) (التوضيح والتلويح، ص:۲۸، مير محمد كتب خانه كراچی)

(۲)" وأما موضوعه ففعل المكلف ثبوتاً أو سلباً". (الدر المختار). "(و أما موضوعه [أی موضوع الفقه] ففعل المكلف) من حيث أنه مكلف؛ لأنه يُبحث فيه عما يعرض لفعله من حلٍّ و حرمة و وجوب و ندب الخ". (رد المحتار، المقدمة: ۱/۳۸، سعيد)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۳۲۹، خضر راه بكڈپو، ديوبند)

رساتیق، و فیهاوالٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث و هذا هو الأصح"(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۸ھ۔

مصر کی تعریف اور اقامتِ جمعہ کی شرائط

سوال[۳۶۸۷]: ۱...... مصر کے لفظی معنی کیا ہیں، اس مسئلے میں اس کے کیا معنی سمجھے جائیں؟

۲...... مصر کی تعریف میں بعض جگہ یہ ملتا ہے کہ وہ مقام جہاں حوائجِ ضروریہ پوری ہو جائیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے اور حوائجِ ضروریہ کیا کیا ہوں گے؟

۳...... یہ جو کہا گیا ہے کہ مصر وہ مقام ہے جہاں قاضی اور مفتی ہوں۔ اس زمانہ میں اس قول سے کیا مراد ہو سکتی ہے، جب کہ یہاں ہند میں ایسا رواج ہی نہیں ہے؟

۴...... جس مقام پر نمازِ جمعہ صحیح نہ ہو اور وہاں مدت سے نماز جمعہ پڑھی جارہی ہو، وہاں کے لئے کیا حکم ہے؟

۵...... اگر عوام باز نہ آئیں تو ذی علم حضرات ایسے مقام پر کیا کریں؟

۶...... منیٰ کی آبادی کا کیا مطلب سمجھایا جائے۔

۷...... ایک مقام ہے جہاں کی مخلوط آبادی دو ہزار ہے اور صرف مسلم آبادی ایک ہزار ہے یا اس سے کچھ زائد، اور وہاں پر کرایہ کی دوکان بھی ہے جہاں زندگی کے روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں اور غلہ بھی دستیاب ہے، گاؤں میں پنچایت راج کا پردھان بھی ہے(۲)۔ علاوہ ازیں گاؤں میں تین اسکول ہیں: پہلا مکتب اسلامیہ اسکول، دوسرا پرائمری اسکول جس میں درجہ پانچ تک لڑکوں کو صرف ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے، تیسرا لڑکیوں کا پرائمری اسکول جس میں درجہ پانچ تک صرف لڑکیوں کو ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسے مقام پر نمازِ جمعہ صحیح ہے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشیدیه)

(۲) "پردھان: سپردگی، اطاعت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۸، فیروز سنز، لاہور)

یا نہیں؟ اور اگر ہے تو مصر کی تعریف کس پر صادق آئی اور اگر نہیں صحیح ہے تو وجہ کیا ہے؟

۸......کم از کم کتنی آبادی پر نماز جمعہ درست ہے؟ وہ آبادی صرف مسلمانوں کی شمار ہوگی یا دیگر اقوام کی بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......لغت میں مصر کے معنی ہیں: ''بکری یا اونٹنی کا دودھ تین انگلیوں سے دوہنا، دودھ خوب پوری طرح دوہنا، دو چیزوں کے درمیان حاجز، حدِ مشہور، شہر کا نام، نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام، شہر، مشہور دوشہر: کوفہ وبصرہ، طینِ احمر'' کذا فی لسان العرب: ۵/۱۷۵(۱)۔ صلوۃ جمعہ کے متعلق اس کے معنی شہر کے ہیں۔

۲......جن حوائج کے بغیر وہاں کے رہنے والوں کی معاشرت دشوار ہو جائے، غلہ، کپڑا، دوا، برتن وغیرہ کہ ان کی مستقل دوکانیں ہوں اور یہ چیزیں ہمیشہ ملتی ہوں، آس پاس کے دیہات کے لوگ بھی وہاں سے اپنی حوائج کا انتظام کرتے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، مدرسہ، اسکول ہو، کچہری یا پنچائتی نظام نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے ہو۔ یہ اَمارات وعلامات ہیں، حدِ حقیقی نہیں (۲)۔

۳......قاضی کے قائم مقام پنچایت کا نظام ہے، جگہ جگہ شرعی کمیٹی بھی موجود ہے، مفتی کا انتظام ہر شہر میں نہیں، لیکن یہ ضرورت بھی بالواسطہ پوری ہو جاتی ہے (۳)۔

۴......نرمی وشفقت سے مسئلہ سمجھا دیا جائے، جن کو فکرِ آخرت ہوگی وہ باز آجائیں گے، جھگڑا فساد

---

(۱) "مصر: مصر الشاة، والناقة يمصرها مصراً وتمصّرها: حلبها بأطراف الثلاث. وقيل: هو أن تأخذ الضرع بكفك وتصير إبهامك فوق أصابعك .... والمصر: الحاجز، والحد بين الشيئين .... وقد زعموا أن الذى بناها إنما هو المصر بن نوح عليه السلام .... لما فتح هذان المصران، المصر : البلد ويريدبهما: الكوفة والبصرة، والمصر: الطين الأحمر". (لسان العرب، تحت لفظ "مصر": ۵/۱۷۵، ۱۷۶، دار صادر، بيروت)

(۲) "عن أبى حنيفة رحمة الله عليه أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۲/۲۴۶، رشيديه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

نہ کیا جائے (۱)۔

۵.....خود جمعہ نہ پڑھیں، پانچوں نمازیں تکبیرِ اولیٰ سے پڑھتے رہیں، مسئلہ بتاتے اور دلسوزی سے سمجھاتے رہیں (۲)۔

۶.....یہ تحدید نہیں، ایک تمثیل ہے، نمایاں فرق ہو چکا ہے، اب تمثیل بھی نہیں (۳)۔

۷.....کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرادیں جس کو فقہ وفتاویٰ میں بصیرت وتجربہ ہو، سب حالات دیکھ کر وہ جو حکم شرعی بتائیں، اس پر عمل کریں (۴)۔

۸.....آبادی کے اعداد پر مدار نہیں، جہاں کہیں آبادی کو بتایا گیا ہے وہ تخمینی ہے، تعیین نہیں اور مجموعی آبادی مراد ہے نہ کہ صرف مسلم آبادی۔ فقط واللہ اعلم۔

محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿واطيعوا الله ورسوله، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (سورة التوبة، پ:۱۰، آية: ۴۰)

"عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة". قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم".

"وأما نصيحة عامة المسلمين وهم مَن عَدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوي، كتاب الإيمان، باب الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۳۲۹، خضر راه بک ڈپو، ديوبند)

(۴) "وحاصله: إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وماليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترک الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، سهارنپور)

فنائے مصر کی تحدید

سوال [۳۶۸۸]: ۱...... ختمِ فنائے مصر کے بعد کیا کچھ فرسخ اور تحدید ہے کہ اس کے اندر جمعہ جائز ہے؟

ایضاً

سوال [۳۶۸۹]: ۲...... شہر کے باہر حدود میونسپلٹی کے آگے تین چار میل تک سڑک کے کنارے عموماً جوائنٹ کے بھٹے اور چونہ بھٹیاں ہوتی ہیں اس کو ضروریاتِ شہر میں داخل کر کے فنائے مصر کا اطلاق وہاں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں تک یا اس کے محاذ میں جو مواضعات ہوں اور عرفاً وہ گاؤں سمجھے جاتے ہوں وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

کیا مصر اور دیہات کا اطلاق عرب ممالک کی آبادی کے تناسب سے ہوگا؟

سوال [۳۶۹۰]: ۳...... اطلاقِ مصر یا اطلاقِ دیہات ہر ملک کی آبادی اور اس کی جغرافیائی حالت کے موافق ہوتا ہے مثلاً ہندوستان کے معمولی گاؤں عرب کی آبادی کے اعتبار سے قصبہ اور شہر کا اطلاق کیا جائے گا، یا عرب کی آبادی کے لحاظ سے مصر اور قریہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فنائے مصر کے متعلق مسافت کی کوئی تحدید نہیں فرمائی اور محققین کی ایک جماعت نے اس کا اتباع کیا، امام ابو یوسف، امام محمد اور متاخرین سے دس گیارہ اقوال منقول ہیں، درمختار، ص: ۸۳۷، میں ایک فرسخ پر ولوالجیہ سے فتویٰ نقل کیا ہے (۱)۔

" قال الكمال: و فناء ه هو المكان المعد لمصلاح متصلاً به أو فصل بغلوة، كذا قدره محمد في النوادر، و هو المختار .... فإن الإمام لم يُقدّر الفناء بمسافةٍ و كذا جمعٌ من المحققين، و هو الذى لا يُعدل عنه، فإن الفناء بحسب كبر المصر و صغره .... وبعضهم قدره بفرسخ و بفرسخين و بثلاثة فراسخ. ثم قال الكمال: وقيل: بميل، وقيل: بميلين، و قيل:

---

(۱) "والمختار للفتوى تقريره بفرسخ، ذكره الولوالجي". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۰، سعيد)

بثلاثة أميال، وقيل: إنما تجوز في الفناء إذا لم يكن بينه و بين المصر مزرعة، اهـ، شرنبلالية(١)، وبعضهم قدره بستة أميال، اهـ. وعن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء، اهـ. و عن الحسن البصري رحمه الله تعالىٰ: إنما تجب في أربع فراسخ، اهـ".(٢)۔ والبسط في ردالمحتار:٨٣٧(٣)، والبدائع، ص: ٢٦٠ (٤).

۲......جواب نمبر:اسے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فناء مصر کی کوئی تحدید نہیں ہے،

---

(١) لم أظفر على هذا الكتاب (الشرنبلالية) و لكن ذكر هذه العبارة ابن عابدين بتغير يسير في: (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٩/٢، سعيد)

(٢) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، وأما شرائط الجمعة: ٥٨٥/١، رشيديه)

(٣) "(قوله: والمختار للفتوى الخ) اعلم أن بعض المحققين أهل الترجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة، و كذا محرر المذهب الإمام محمد، و بعضهم قدره بها. وجملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان، والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لايوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر و صغره، بيانه: أن التقدير بغلوة أو ميل لا يصح في مثل مصر؛ لأن القرافة والتراب التي تلي باب النصر يزيد كل منهما على فرسخ من كل جانب، نعم! هو ممكن لمثل بولاق، فالقول بالتجريد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعدّ لمصالح المصر، فقد نص الأئمة على أن الفناء ماأعِدّ لدفن الموتى و حوائج المصر الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٩/٢، سعيد)

(٤) "وأما تفسير توابع المصر، فقد اختلفوا فيها، روى عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعاً يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر، وإلا فلا. قال الشافعي: إن كان في القرية أقل من أربعين، فعليهم دخول المصر إذا سمعوا النداء. و روى ابن سماعة عن أبي يوسف: كل قرية متصلة بربض المصر، فهي من توابعه، وإن لم تكن متصلةً بالربض فليست من توابع المصر. وقال بعضهم: ماكان خارجاً عن عمران المصر فليس عن توابعه. و قال بعضهم: المعتبر فيه قدرميل و هو ثلاث فرسخ. وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو عن توابع المصر، وإلا فلا. و بعضهم قدّره بستة أميال، و مالكٌ قدّره بثلاثة أميال، و عن أبي يوسف أنها تجب في ثلاث فراسخ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ٥٨٥/١، رشيديه)

بلکہ مختلف ہوتی رہتی ہیں، پس اس قول پر اگر وہ جگہ عرفاً فناء مصر شمار کی جاتی ہے تب تو وہ ملحق بالمصر ہے اور وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں:

"وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها .... و قال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة و يبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلا لا، و هذا أحسن". بدائع(۱)۔

۳...... ہر ملک میں اسی ملک کا عرف معتبر ہوگا ہر جگہ عرب کا عرف معتبر نہ ہوگا، جیسا کہ ہر زمانہ میں اسی زمانہ کا عرف معتبر ہوتا ہے بشرطیکہ خلاف منصوص نہ ہو، ایک زمانہ کا عرف ہر زمانہ میں معتبر نہیں ہوتا، والبسط في البذل (۲) والأوجز (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۵/۵۵ھ۔

الاجوبة صحيحة: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ جمادی الأولیٰ/۵۵ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الجمعة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۲) "واختلف العلماء في الموضع الذي تقام فيه الجمعة، فقال مالك: كل قرية فيهامسجد أو سوق، فالجمعة واجبة على أهلها، و لا يجب على أهل العمود وإن كثروا؛ لأنهم في حكم المسافرين. وقال الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالىٰ: كل قرية فيهاأربعون رجلاً أحراراً بالغين عقلاء مقيمين بها لا يظعنون عنها صيفاً ولا شتاءً إلا ظعن حاجة، فالجمعة واجبة عليهم سواء كان البناء من خشب أو حجر أو طعن أو نصب أو غيرها بشرط أن تكون الأبنية مجتمعةً، فإن كانت متفرقة لم تصح .... و مذهب أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه: لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر، و لا تجوز في القرى .... اتفق علماء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة لا يجوز فعلها في غيرها؛ لأنهم مجتمعون على أنها لا تجوز في البوادي". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۶۹، إمداديه ملتان)

(۳) "وفي المسوىٰ: اتفقوا على أن لا جمعة في العوالي، وأنه يشترط لها الجماعة .... فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار و لا تصح في السواد، وهو قول الثوري و عبيد الله بن الحسن. وقال مالك: تصح في كل قرية فيها بيوت متصلة و أسواق متصلة، يقدمون رجلاً يخطب ويصلي بهم الجمعة إن لم يكن لهم إمام. و قال الأوزاعي: لاجمعة إلا في مسجد جماعة مع الإمام. وقال الشافعي: إذا كانت قريةً مجتمعة البناء والمنازل، و كان أهلها لا يظعنون عنها إلا ظعن حاجة و هم أربعون رجلاً =

8

قریۂ کبیرہ کی تعریف

سوال[۳۶۹۱] : ۱.....اگر کسی گاؤں میں تقریباً دو ہزار کی مردم شماری ہو اور تقریباً بیس دوکانیں ہوں تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

سوال[۳۶۹۲] : ۲.....کیا جمعہ کے بارے میں گاؤں کی تقسیم اس طرح بھی ہے کہ ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے اور ایسے میں واجب ہے؟

جس سے عقیدت ہو اس کے فتوی پر عمل کریں

سوال[۳۶۹۳] : ۳.....کسی گاؤں میں کسی مستند مفتی صاحب کے فتوی کے بموجب جمعہ پڑھتے ہیں اور دوسرے مستند مفتی صاحب نے عدمِ جواز لکھدیا ہے، بنا بریں اختلاف بڑھ کر مدرسہ کا استحکام اور نظام متأثر ہونے لگا تو کیا گاؤں کے اتفاق اور مدرسہ کے استحکام کے پیشِ نظر فریقین کو پہلے مفتی کے بموجب جمعہ ادا کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....تحریر اکابر سے جو کچھ مستفاد ہے وہ یہ ہے کہ ایسی بستی ہونی چاہئے جو حوائجِ اصلیہ کے لئے جامع ہو، جس کو شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جائے، وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، ڈاکخانہ ہو، حاکم یا پنچایت کا انتظام ہو، ضروری پیشہ ور ہوں، آس پاس کے دیہات والے اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں، محض مردم شماری پر موقوف نہیں۔ یہ جملہ امور پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں موجود ہوتے تھے، اب تمدن تیزی سے بڑھ رہا ہے اس سے کم میں بھی یہ سب چیزیں موجود ہوجاتی ہیں۔ اگر وہاں یہ سب چیزیں موجود ہیں تو جمعہ صحیح و درست ہے(۱)۔

۲.....یہ تقسیم صحیح نہیں بلکہ تقسیم اس طرح ہے کہ جس بستی میں شرائط موجود ہوں وہاں جمعہ فرض ہے،

= حراً بالغاً غير مغلوب على عقله، وجبت عليهم الجمعة الخ". (أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) راجع للتفصيل: (امداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۷۵۶، ۷۵۹، دار العلوم كراچی)

جہاں شرائط موجود نہ ہوں وہاں ناجائز ہے، بجائے جمعہ کے وہاں ظہر پڑھنا لازم ہے:

"و تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق، و فیما ذکرنا إشارةٌ إلی أنها لا تجوز فی الصغیرة، و لو صلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر، اهـ". ردالمحتار: ۱/۵۳۷(۱)۔

۳......اگر ان کے نزدیک پہلا فتویٰ صحیح ہے اور اس سے عقیدت ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے (۲)۔

جمعہ فی القریٰ اور قریہ کی تعریف

سوال[۳۲۹۴]: ۱...... جمعہ فی القریٰ جائز ہے یا نہیں؟ قریہ اور شہر کی تعریف مفصل تحریر فرمائیں۔

۲......ایک قریہ جس کی آبادی تقریباً پندرہ سو ہے وہ قریہ ہے یا شہر؟ زید اور عمر اس بارے میں مختلف ہیں، زید کا کہنا ہے ہم اس میں تقریباً سو سال سے جمعہ پڑھتے چلے آرہے ہیں، نیز استدلال میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب جواز کو منسوب کرتا ہے، عمر کا کہنا ہے کہ اس میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ کون حق پر ہے؟

۳......اگر جمعہ کو روکا گیا تو سخت فتنہ کا اندیشہ ہے کہ لوگ نماز پنجگانہ ہی چھوڑ دیں گے اور ارتداد اختیار کرلیں گے، ایسے حالات میں ایک محتاط آدمی کو کیا کرنا چاہئے؟ نیز قریہ والوں کو اس فعل سے روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......قریہ صغیرہ میں جمعہ جائز نہیں، قریہ کبیرہ میں جائز ہے۔ قریہ اور شہر کی تعریف میں عرف کے اعتبار سے تغیر ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ ماہیت کی تعریف تو مقصود نہیں ہے، آثار وعلامات کے اعتبار سے تعریف کی جاتی ہے جس سے دونوں میں فی الجملہ امتیاز قائم ہوجائے۔ آثار وعلامات کا تغیر یہی ہے مثلاً جس جگہ جمعہ کی اجازت

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشیدیه)

(۲) "لأن العامی یجب علیه تقلید العالم إذا کان یعتمد علی فتواه الخ". (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد: ۲/۴۱۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۲/۵۱۲، رشیدیه)

ہواس کے متعلق اس طرح علامات بتائی جائیں کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفاخانہ ہو یا حکیم یا ڈاکٹر ہو، نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے سرکاری حاکم یا پنچایت ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں (١)۔ ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا، باہر سے دوکاندر سامان لائے، ان سے ضروریات خرید لی گئیں وہ چلے گئے، بازار ختم ہوگیا، پھر ضروریات خریدنے کے لئے دوسرے بازار کا انتظار کرنا پڑے، کم وبیش ڈھائی ہزار کی آبادی ہو۔ یہ تعریف حقیقی نہیں، جس سے ادراک بالکنہ حاصل ہو۔

٢......اس کا جواب نمبر: ا سے مستنبط ہوسکتا ہے۔

٣......جہاں جمعہ جائز نہیں، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ادا نہیں ہوگا، اور جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا (٢)، باایں ہمہ اگر جمعہ سابق سے چلا آتا ہے اور اس کے روکنے سے فتنہ کا مظنہ ہے، لوگ غلبہ سے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں گے اور دین سے بیزار ہوجائیں گے، ارتداد پر آمادہ ہوجائیں گے، مسجد کو ویران کردیں گے -معاذ اللہ- تو ایسے فتنوں سے بچنا لازم ہے، نہایت تدبیر کے ساتھ کام کیا جائے، بعض جگہ ایسے واقعات پیش آچکے ہیں (٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٣/١/٨٨ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ٣/١/٨٨ھ۔

---

(١) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ٨/١، إدارة القرآن كراچى)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول (المصر ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء الخ". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٧/٢، سعيد)

(وكذا في امداد الأحكام، كتاب الصلوة، باب الجمعة والعيدين: ٧٥٩/١، مكتبه دار العلوم كراچى)

(٢) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كمافي المضمرات. والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجوهرة: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٨/٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢٤٨/٢، رشيديه)

(٣) "جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑ دانے سے لوگ پنج وقتہ نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں =

قریۂ صغیرہ وکبیرہ

سوال[۳۲۹۵]: میں تین سال پہلے دارالعلوم ہی کا ایک طالب تھا، درسِ بخاری شریف کی خدمت کے سلسلے میں تین سال سے یہاں مقیم ہوں، یہاں کے مقامات میں سے جو باقاعدہ شہر یا قصبہ ہیں وہ تو الگ ہیں، باقی گاؤں ہیں ان گاؤں میں لوگوں نے (پنجگانہ کی حیثیت سے کہئے، یا جامع مسجد کی حیثیت سے) ایک دو مسجد بنا رکھی ہے، ان میں جمعہ کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ مسلمان آبادی میں عام طور پر حنفی مذہب کے ہیں۔ گاؤں بھی ایسا نہیں کہ ضروریات کے تمام سامان یہاں مل جائے، کیونکہ نسبتاً کچھ لوگ بڑے کاموں کے لئے ٹاؤن چلے جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے یہ سسٹم ہے کہ دو چار چھ میل کی دوری.......... پر بازرار کا انتظام ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ میں بازار لگتے ہیں۔ بازار کے چھوٹے بڑے ہونے کے فرق سے ایک ایک بازار کا مربع علاقہ بیس، تیس، چالیس، پچاس گاؤں تک ہوتا ہے، ان گاؤں کے باشندوں کی زندگی ان بازاروں کی طرف سے اس درجہ محتاج ہے کہ اگر یہ بازاری سسٹم بند ہوجائے تو ان کی زندگی کے اکثر امور بند ہوجائیں۔ گاؤں کے اندر کہیں کہیں ایک دو، دوکانیں بنی ہوئی ہیں لیکن ان میں ملنے والے سامان اتنے محدود ہیں کہ زندگی کے نصف، ثلث ربع بلکہ عشر بھی پورا نہیں ہوسکتا۔

ان بازاروں میں اکثر بازار ایسے ہیں کہ صرف ہفتہ کے متعین دن کو لگتے ہیں، ان دنوں کے علاوہ باقی دنوں میں وہ بازار بھی ضروریاتِ زندگی کے لئے کافی نہیں، بازار کے پاس کے باشندوں میں جن کو ضرورت ہوتی ہے، ان کو کئی میل کی دوری پر اس دن کو لگنے والے کسی دوسرے بازار میں جانا پڑتا ہے، البتہ دو ایک بازار ایسے ہیں کہ ہفتہ کے متعین دن کے علاوہ بھی اس میں اکثر ضروریات ملتی ہیں۔

مخصوص مقام جو کہ ٹاؤن یا شہر ہیں اور روزانہ کے ضروری سامان ملنے والے جو بعض بازار ہیں، ان

= میں جمعہ پڑھنا چاہئے تاکہ اسلام کی رونق وشوکت قائم رہے الخ'' (کفایت المفتی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعیدین: ۳/۲۳۵، دار الإشاعت کراچی)

"واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كُسالى العوام) إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون؛ لأنهم إذا منعوا، تركوها أصلاً، و أداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً الخ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۷۱، سعيد)

مواضع میں تو جمعہ کی نماز ادا ہونے کے بارے میں کوئی بات نہیں، ایسے مواضع میں تو جمعہ ہم بھی پڑھتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ جو گاؤں ہیں ان میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب والوں کے لئے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ یہاں کے مقامی علماء اس مسئلہ میں کئی حصے میں بٹ گئے ہیں، اکثروں کی تعداد ایسی ہے کہ سماج اور عوامی دھارے میں بہہ گئے ہیں، جمعہ کے دن مسجد میں جاتے ہیں، جمعہ کی امامت کرتے ہیں یا مقتدی بن کر نماز پڑھ آتے ہیں، لیکن کبھی بھی تفکر وتدبر سے کام نہیں لیتے۔ اس بارے میں دریافت کرنے سے بھی وہ ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں، عوام سے مرعوب ہو کر اس گاؤں میں جمعہ جائز ہونے کا وہم کر بیٹھے ہیں۔

دلیل کے میدان میں وہ کبھی جمعہ فی القریٰ کے جواز پر اجماع ہونے کے دعویدار بنتے ہیں اور کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جن گاؤں میں عدمِ جواز کا حکم ہے وہ عرب یا یوپی وغیرہ ملکوں کے دیہات ہیں، آسام، بنگلہ کے دیہات نہیں، یہاں بلاشبہ جمعہ جائز ہے، کبھی یہاں کے گاؤں کو مصر کہنے کی جرأت کرتے ہیں، وغیرہا۔

بعض علماء ایسے ہیں کہ خود تو عدمِ جواز کے قائل ہیں اور اپنے حلقۂ معتقدین میں اس کا کم وبیش چرچا بھی کرتے ہیں، لیکن بعض مصالح کی عذر سے وہ عام سطح پر اس کا اعلان کر کے عوام کی مخالفت مول لینا پسند نہیں کرتے، بہت کم تعداد میں علماء ایسے ہیں کہ ہمت کر کے بولتے ہیں اور عوام تک بات پہونچاتے ہیں۔ اسی بناء پر اب مجھ سے علماء کا فتویٰ طلب کیا جارہا ہے۔

یہاں کے علماء کے حالات سے مجھے جہاں تک خیال ہے کبھی بھی اس مسئلہ میں وہ متفق نہیں ہوسکتے، بلا سوچے سمجھے کچھ علماء حنفی کے لئے بھی چھوٹے گاؤں میں جائز بلکہ فرض کہتے رہیں گے، لہٰذا استفتاء دارالعلوم دیوبند روانہ کیا جارہا ہے تاکہ جواب سب کے نزدیک مسلّم رہے۔

سرکاری امور کی سہولت کے لئے سرکار سے ایک ایک گاؤں ایک ایک نام سے موسوم ہے، عام طور پر ایک گاؤں میں دو دو تین تین بستیاں ہیں، ایک بستی سے دوسری بستی قدرے انفصال کی وجہ سے الگ الگ شمار کی جاتی ہے، ایک ایک بستی میں چھوٹے بڑے مرد عورت ملا کر کل آدمی دو چار، پانچ، چھ سو ہوتی ہے، ذرا قدرے بڑے گاؤں میں سب بستیاں مل کر ایک ڈیڑھ ہزار تک ہوسکتی ہے لیکن سامانِ ضروریات کے لئے وہ سب کے سب بازار یا شہر کے محتاج ہیں، جو کسی اور موضع میں ہے۔

اب یہاں آس پاس کے دو چار بستی کو موضعِ واحدہ شمار کر کے اس میں بڑا گاؤں ہونے کا اعتبار کر سکتے ہیں

اور جمعہ درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ سامانِ ضروریات ملنے نہ ملنے سے قطع نظر ایسے گاؤں پر شرح وقایہ کی تعریفِ مصر:"لایسع أکبر مساجده أهله" (۱) صادق آسکتی ہے۔ دراصل علمائے قائلینِ جواز اسی دلیل شرح وقایہ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ براہ کرم یہ جواب مرحمت ہوکر کہ کیا اسی بناء پر ان قریٰ صغار میں جمعہ جائز ہوگا؟

البتہ یہاں ایک شبہ ہے کہ کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی قاضی شرعی کسی گاؤں میں اقامتِ جمعہ کی رائے دے دے تو باقاعدہ اس کے کہ مجتہد فیہ میں قاضی کی رائے ملنے سے وہ حکم مجتہد فیہ نافذ ہوجاتا ہے، لہٰذا وہاں جمعہ درست ہوگا اور یہ بھی بات مسلّم ہے کہ ہندوستان میں قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے، بہت سے مسائل میں جماعتِ مسلمین کا متفقہ فیصلہ قاضی شرعی کے شرعی فیصلہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ یہ بھی بات ظاہر ہے کہ اس ملک میں عوام (بلفظ دیگر) جماعتِ مسلمین اتخاذِ جامع مسجد اور اقامت جمعہ کے بارے میں متفق نظر آرہے ہیں، بجز ان علماء کے جو جواز جمعہ کے منکر و مانع ہیں، تو کیا استثناء ایسے علماء کے دیگر لوگوں کے اتفاق کو اجماع پر جوازِ جمعہ فی القریٰ الصغیرۃ یا اتصال حکمِ قاضی بقول جواز جمعہ قرار دے کر جواز جمعہ کی رائے دی جاسکتی ہے؟

درمختار، شامی، شرح وقایہ ہدایہ، حضرت مولانا تھانوی کا امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم وغیرہا کتبِ فقہ کے مسائل جمعہ دیکھے گئے ہیں، ماشاء اللہ ہمیں کوئی شبہ نہیں لیکن کچھ لوگ ہیں کہ فتویٰ ہی کے خواہاں ہیں، لہٰذا براہ کرم افہام عوام کی سطح پر ذرا کھول کر قدرے تفصیل کے ساتھ مع حوالۂ کتب جواب مرحمت فرمائیں، شاید یہ جواب ان علماء کے سامنے پیش ہو جو جواز کے قائل ہیں اور عوام کی دلجوئی کے لئے بلاتحقیق دلائل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بات پر تو سب کا اجماع ہے کہ جمعہ کا حال پنجگانہ نماز کی طرح نہیں کہ شہر ہو یا گاؤں، یا آبادی ہو یا جنگل، حضر ہو یا سفر، زمین ہو یا سمندر کی سطح، انفراد ہو یا جماعت، ادا ہو یا قضاء ہر طرح پڑھنے کی اجازت ہوجائے، کما صرح به الإمام أبوبکر الجصاص فی أحکام القرآن (۲)۔ لامحالہ جمعہ کے لئے کچھ شرائط

---

(۱) (شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعُة : ۱/۱۹۹، سعید)

(۲) "اتفق فقهاء الأمصار علی أن الجمعة مخصوصة بموضع، لا یجوز فعلها فی غیره؛ لأنهم مُجمِعون علی أن الجمعة لاتجوز فی البوادی ومناهل الأعراب". (أحکام القرآن للجصاص رحمه الله تعالیٰ، سورة الجمعة، پ:۲۸، فصل: ۳/۲۶۶، قدیمی)

ہیں، ان شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ جمعہ چھوٹی بستی (قریہ صغیرہ) میں جائز نہیں، بڑی بستی (قریہ کبیرہ، قصبہ، مصر) میں پڑھنا چاہیے: "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة، الخ". شامي، ص: ۵۳۷(۱)۔

قریہ صغیرہ وکبیرہ کی تعریف جو کچھ کی جاتی ہے وہ کنہ وحقیقت بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ وہ علامات بتلانے کے لئے ہیں اور علامات کا حال یہ ہے کہ وہ عرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں (۲)، اس لئے بہت سی علامات ایسی ہیں جو پہلے قابلِ رعایت نہیں تھیں، اب قابلِ رعایت ہیں۔

شرح وقایہ میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے اس کی تنقید بھی شامی میں مذکور ہے۔ جس تعریف کو امام اعظم ابوحنیفہ سے نقل کر کے "الأصح" قرار دیا ہے وہ یہ ہے:

"عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، الخ". شامي، ص: ۵۲٦(۳)۔

لہٰذا شرح وقایہ کی تعریف پر سہارا لینا خود مزیف ہے، اس لئے طحطاوی نے لکھا ہے کہ: "قوله: لا يسع أكبر مساجده أهلَه، هذا يصدق على كثير من القرى"(٤)۔

جمعہ کی شرائط میں سے موجود نہ ہونے پر بھی عوام کی رعایت سے جمعہ پڑھنا، یا اس کی اجازت دینا

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۲) "واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۳۲۹/۲، خضرراه بک ڈپو، ديوبند)

"وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وماليس بمصر لم يجز فيه. إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱۹۹/۱، سهارنپور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(٤) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳۳۸/۱، دار المعرفة، بيروت)

منصبِ اہلِ علم کے خلاف ہے جو اعتقادی وعملی مفاسد پر مشتمل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: جمعہ فرض نہ ہونے پر اس کے فرض ہونے کا اعتقاد کرنا، ظہر فرض ہونے پر اس کے فرض نہ ہونے کا اعتقاد کرنا، جمعہ کے قصد سے نماز پڑھی جائے گی وہ نفل ہوگی، نفل کے لئے خطبہ، اذان، اقامت، جماعت ان کو نفل میں قراءۃ بالجہر، نفل پڑھ کر یہ اعتقاد کرنا کہ اس سے فرض ساقط ہوگیا، فرض ظہر کو مستقلاً ترک کرنا، اس کی قضاء بھی نہ پڑھنا مقامِ غور ہے کہ ان اعتقادی اور عملی غلطیوں میں خود مستقلاً مبتلا ہونا اور عوام کو مبتلا کرنا کیا دینی خدمت ہے، یا دین کے خلاف سمت پر چلنا ہے(۱)۔

جو بستی ایسی ہو کہ وہاں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہو، حکیم ہو یا ڈاکٹر ہو، مقدمات ونزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالت یا پنچایتی نظام ہو، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں (یہ بات نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن بازار لگا اور ضروریات خرید لیں، پھر ضرورت پیش آئی تو انتظار کرنا پڑا، یا دوسری بستی میں جانا پڑا)، ضروری پیشہ ور ہوں، ایسی بستی قریہ کبیرہ ہے۔ ہمارے اطراف میں دو ڈھائی ہزار کی آبادی میں آج کل عموماً یہ سب علامات جمع ہوجاتی ہیں، وہاں جمعہ پڑھا جائے جو بستی ایسی نہ ہو وہاں ظہر پڑھی جائے: "لو صلی فی القریٰ، لزمهم أداء الظهر، الخ". شامی، ص: ۵۳۷(۲)۔

جو متعدد بستیاں اپنے نام اور آبادی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بستی کے محلے نہیں ہیں تو محض ادائے جمعہ کے لئے ان کو ایک شمار کرنا درست نہیں (۳)، خاص کر جب کہ اس

---

(۱) "عن تميم الداري رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"، قلنا: لمن قال: "لله، ولكتابه، ولرسوله، ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ عليه: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم مَن عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنيا هم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل .... وأمرهم المعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، بابٌ: الدين النصيحة: ۵۴/۱، قديمي)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(۳) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه =

مجموعہ میں بھی صرف مردم شاری کا اضافہ ہوجاتا ہے، لیکن دیگر شرائط بازار وغیرہ کا تحقق پھر بھی نہیں ہوتا۔

قاضی شرعی کو امام المسلمین کی طرف سے قوتِ تنفیذ حاصل ہوتی ہے تو اس کا حکم گویا کہ امام المسلمین کا حکم ہوتا ہے اور امام المسلمین کو ولایتِ عامہ حاصل ہوتی ہے۔ بعض مسائل میں پنچایت کو قاضی کی طرح فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، مگر یہ اختیار اس وقت ہے جب کہ فریقین متخاصمین اپنی طرف سے پنچایت میں مقدمہ پیش کریں اور اس کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کریں، جیسے کہ حَکَم کا حال ہوتا ہے۔

قوتِ تنفیذ نہ ہونے کی وجہ سے ابتداءً کسی پر حکم کو نافذ کرنے کا حق نہیں بلکہ مرافع کے بعد فیصلہ صادر ہوجانے پر بھی کوئی نہ مانے تو عدولِ علمی کی سزا دینا قابو میں نہیں، پھر یہ پنچایتی معاملہ مجبوراً دوسرے مذہب سے لیا گیا ہے، وہ بھی ایسے مسائل میں جن میں مذہب حنفی پر عمل کرنا دشوار ہو، جیسے مسئلۂ مفقود میں کہ مدتِ مدید کا انتظار کرنے میں مفاسدِ شرعیہ وارتکابِ معاصی، عدمِ نفقہ وغیرہ ہیں اور جن مسائل میں یہ بات نہ ہو ان میں پنچائت کو قائم مقام کرنا بے محل ہے(۱)۔ وهٰهنا كذالك۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

قصبہ کی تعریف کیا ہے؟

سوال[۳۶۹۶]: قصبہ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصبہ شہر سے چھوٹا ہوتا ہے، بڑے گاؤں سے بڑا ہوتا ہے، اس کی تعریف علامات کے اعتبار سے کی

= الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلوٰة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشيديه)

(۱) (راجع الحيلة الناجزة للتهانوی رحمه الله تعالىٰ، صورت قضاء قاضی در هندوستان، ص: ۱۴۸، دارالاشاعت)

جاتی ہے کُنہ کے اعتبار سے نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

مصر کی تعریف اور قریہ میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۶۹۷]: ۱...... نماز جمعہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہیں، بلا شبہ علمائے کرام نے مضبوط دلائل ہی کی بنیاد پر جمعہ کی ادائیگی کی صحت کے لئے مصر، یا قریہ کبیرہ کی شرط لگائی ہے، لیکن مصر یا قریہ کبیرہ کی تعریف میں علمائے احناف اور حضرات اکابرین کے اقوال میں اتنے شدید اختلافات (۲) اور ادائے جمعہ کے

---

(۱) "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وليس هذا كله تحديداً له بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، مكتبه يحيويه سهارنپور)

راجع للتفصيل: (امداد الأحكام، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱/۷۵۹، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "أما المصر الجامع: فقد اختلف الأقاويل في تحديده، ذكر الكرخي أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر و قاضي ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، فهو مصرٌ جامع تجب على أهله الجمعة .... و روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهو الأصح". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۸۴، ۵۸۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمي، لاهور)

سلسلہ میں ان حضرات کے اعمال میں بھی اس قدر اختلافات ہیں کہ کسی گاؤں کو مصر یا قریۂ کبیرہ کی تعریف سے خارج کرنا یا کسی شہر کو مصر میں داخل کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ''وقایہ'' مصر کی صرف ایک تعریف کرتے ہیں: "ما لا یسع أکبر مساجده لأهله مصر" (۱) اول متاخرین کی ایک جماعت نے جس میں صاحب مختار بھی ہیں اس تعریف کو اپنایا ہے (۲) صاحب ''شرح وقایہ'' نے بھی مصر کی ایک ہی تعریف نقل کی ہے: " عند البعض هو موضع إذا اجتمع أهله في أکبر مساجده لم یسعهم " (۳)۔ "هو موضع" پر مولانا عبدالحیؒ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ لکھا ہے: "هذا التفسیر منقول عن الثلجي، و علیه فتوی أکثر الفقهاء، کما في المجتبیٰ. و في الولوالجیة: هو الصحیح" (۴)، گویا مولانا نے اس تفسیر کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مصر کی یہی تعریف کی ہے، اور خزانۃ المفتیین اور البحر الرائق وغیرہ کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو علم الفقہ دوم، ص: ۱۴۵، ۱۴۶ (۵)۔

مصر فقہاء کی اصطلاح میں اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ایسے مسلمان جن پر نماز جمعہ واجب ہے اس قدر ہوں کہ اگر سب مل کر وہاں کے کسی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس مسجد میں ان سب کی گنجائش نہ ہو، اس مسجد سے جمعہ مسجد مراد نہیں ہے بلکہ پنجوقتہ نماز کی مسجد مراد ہے، جس مقام میں یہ تعریف صادق ہو وہ مصر ہے اور جہاں صادق نہ ہو وہ قریہ ہے۔

نیز مولانا عبدالحیؒ نے شرح وقایہ کی عبارت "إذا اجتمع" پر حاشیہ لکھا ہے: " وقیل: أکبر

---

(۱) (شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعید)

(۲) "والمصر: ما لو اجتمع أهله في أکبر مساجده، لم ". (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۱۰۸، حقانیه پشاور)

(۳) (شرح الوقایة، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعید)

(۴) (عمدة الرعایة في حل شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة (رقم الحاشیة: ۲۲): ۱/۱۹۸، سعید)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

(۵) (علم الفقه، کتاب الصلاة، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، حصہ دوم، ص: ۳۱۳، دار الاشاعت کراچی)

المساجد للصلوات الخمس كما في فتاوی الزاهدي الخ(۱)۔ اورمولانارحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ میں مصر کی ان مختلف تعریفات کوجنہیں ائمۂ احناف نے بیان کیاہےنقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "مگر اکثر فقہاء کے نزدیک مختار اور متاخرین کا مفتیٰ بہ قول وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے" (البحر الرائق، خزانۃ المفتیین، فتاویٰ زاہدی)(۲)۔صاحب ہدایہ نے بھی مصر کی ایک ہی تعریف کی ہے، شرح عنایہ میں بھی یہی تعریف نقل کی گئی ہے، ملاحظہ ہو فتح القدیر جزء ثانی، ص:۱۴(۳)۔

اسی لئے ہمارے یہاں جن بستیوں میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے تو اگر وہاں کے لوگ اپنے اوپر جمعہ کی نماز فرض سمجھ کر ادا کریں تو کیا حرج ہے، جب کہ جمعہ سے روکنے میں اختلاف کا اندیشہ، علماء سے بدظنی اور ان بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے والے اکابرین سے بدگمانی یقینی چیز ہے،

---

(۱) (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲۳، ۱۹۸/۱، سعيد)

(۲) (علم الفقه، كتاب الصلاة، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں حصه دوم، ص: ۲۱۳، دار الاشاعت کراچی)

(۳) صاحب ہدایہ نے مصر کی دو تعریفیں ذکر کی ہے شرح عنایہ میں ان دو تعریفوں کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک تیسری تعریف بھی نقل کی گئی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وفي الهداية: والمصر الجامع: كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام، ويقيم الحدود، وهذا عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وعنه: أنهم إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم، لم يسعهم. والأول اختيار الكرخي وهو الظاهر، والثاني اختيار الثلجي.

وفي العناية: "و عرف المصر الجامع بقوله: (كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود) والمراد بالأمير والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم .... قال ابن شجاع رحمه الله تعالىٰ: أحسن ما قيل فيه: إذا كان أهلها بحيث لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم، لم يسعهم ذلك، حتى احتاجوا إلى بناء مسجد آخر للجمعة، و هذا الاحتياج غالب عند اجتماع من غلبة الجمعة. والأول اختيار الكرخي و هو ظاهر الرواية، وعليه أكثر الفقهاء، والثاني اختيار أبي عبد الله الثلجي. وعن أبي يوسف رواية أخرى غير هاتين الروايتين وهو: كل موضع يسكنه عشرة آلاف فكان عنه ثلاث روايات".

(العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۲/۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

جیسا کہ ایک بستی میں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی آرہی تھی اور اب بعض لوگ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے ہیں جن کو دیکھ کر بعض لوگ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ حسبِ سابق جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ جن کے دلوں میں جمعہ کی بڑی اہمیت تھی اور وہ صرف جمعہ ہی کی نماز پڑھتے تھے، ان کے دلوں سے جمعہ کی عظمت نکل گئی اور ہفتہ کی اس عید والی نماز سے بھی محروم ہوگئے اور عید و بقرہ عید کی نماز سے بھی ان کو چھٹکارا مل گیا، پھر یہ قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھنے کو بعض حضرات نے بدعت حسنہ کہا ہے، ملاحظہ ہو قدوری، مطبوعہ قیومی کانپور، ۱۳۷۰ھ، مطابق ۱۹۵۱ء، باب صلوة الجمعة:

"ولا تجوز في القرى" پر حاشیہ: "وقد كتب جدي بخطه على ظهر الهداية نقلاً عن يد المصنف للكفاية: البلدة الكبيرة بمنزلة المصر، وأما الصغيرة فالجمعة فيها بدعة حسنة، لشيخ الإسلام المروي في حاشية شرح الوقايه"(۱).

دوسری بات یہ ہے کہ میری بستی (جس میں مصر کی یہ تعریف صادق آتی ہے) سے قریب ہی ایک جگہ .... ہے جہاں بازار ہے، دوکان ہیں، ہوٹل ہیں، ایک دینی ممتاز مدرسہ ہے جہاں ہمیشہ علماء رہتے ہیں، ریلوے اسٹیشن، بس اڈہ اور ایک سے ہائی کلاس تک اسکول بھی ہیں، مویشی اور غیر مویشی ڈاکٹر اور نرسیں بھی رہتی ہیں، عام ضروریات کی ساری چیزیں ملتی ہیں، اور بازار ہی سے بالکل متصل پچھم (مغرب) کی طرف ایک بستی ہے اور دکھن (مشرق) کی طرف ایک سوا فرلانگ پر ایک دوسری بستی بھی ہے۔ نیز میری بستی سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ لوریا ہے جہاں تھانہ ہے، سرکاری بلاک ہے، چینی کی فیکٹری اور اچھی خاصی آبادی بھی ہے، وہاں بازار ہے، ضروریاتِ زندگی کی ہر سہولت حاصل ہے۔ چار ہی میل کے فاصلہ پر ایک دوسرا بازار چنپٹیا ہے، جہاں ضروریات زندگی کی ساری ہی چیزیں دستیاب ہوتی ہیں، ریلوے اسٹیشن، چینی فیکٹری، سرکاری بلاک، ہسپتال اور کافی آمدنی ہونے کے ساتھ شمالی بہار میں غلہ کا سب سے بڑا بازار بھی ہے، یہاں بھی مصر کی دوسری تعریفیں صادق آتی ہیں۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے توابع مصر کی تعریف میں جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں ایک امام

---

(۱) (المعتصر الضروري، حاشية مختصر القدوري، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۸)، ص: ۵٦، سعيد)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک قول تین فرسخ کا ہے اور بعض دوسرے حضرات سے ایک میل اور بعض سے دو میل اور بعض سے چھ میل ہے اور آخر میں لکھتے ہیں: "وقيل: أن يحضر الجمعة و يبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلا فلا، وفي البدائع: و هذا أحسن"(۱)۔

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی التعليق الصبيح میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے "كذا في المرقاة" کہا ہے(۲)۔ اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے "قوله: الجمعة على من اواه الليل إلى أهلٍ" کی پوری تشریح فرمائی ہے:

"قال المظهري: أي الجمعة واجبة على من كان بين وطنه و بين الموضع الذي يصلي فيه الجمعة مسافة ممكنة الرجوع بعد أداء الجمعة إلى وطنه قبل الليل، و بهذا قال الإمام أبوحنيفة رحمه الله تعالى. وشرط عنده أن يكون خراج وطنه ينقل إلى ديوان المصر الذي يأتيه للجمعة، فإن كان لوطنه ديوانٌ غير ديوان المصر، لم يجب عليه الإتيان، ذكره الطيبي".(۳)۔

اس تشریح کے اعتبار سے میری بستی میں جمعہ کی نماز واجب ہوگی، تو پھر اگر واجب سمجھ کر ادا کی جائے تو

---

(۱) "ومن كان من مكان من توابع المصر، فحكمه حكم أهل المصر في وجوب الجمعة عليه بأن يأتي المصر فليصلها فيه. واختلفوا فيه، فعن أبي يوسف: إن كان الموضع يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابعه، وإلا فلا. وعنه: كل قرية متصلة بربض المصر و غير المتصلة لا. وعنه: أنها تجب في ثلاثة فراسخ. و قال بعضهم: قدر ميل، وقيل: قدر ميلين، وقيل: ستة أميال، وعن مالك رحمه الله تعالىٰ ستة، وقيل: إن أمكنه أن يحضر الجمعة و يبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلافلا، قال في البدائع: وهذا حسن". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۴، مصطفى البابي الحلبي، مصر)
(و كذا في البدائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۲) "وقال ابن الهمام: و من كان من توابع المصر، فحكمه حكم أهل المصر في وجوب الجمعة عليه .... قال في البدائع: و هذا حسن، كذا في الطرقات". (التعليق الصبيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۲/۱۳۷، مجلس اشاعة العلوم حيدر آباد دكن)

(۳) (التعليق الصبيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب وجوب الجمعة: ۲/۱۳۷، مجلس اشاعة العلوم حيدر آباد دكن)

کیا حرج ہے؟ جب کہ آج کل خراج یعنی مالگذاری وغیرہ بلاک ہی اپنے ملازم سے وصول کراتا ہے اور ہمارا بلاک لوریا میں ہے، اور بعض قریب کی بستیوں کا بلاک چنپٹیا میں ہے۔ مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علم الفقہ دوم، ص: ۱۴۵ میں لکھا ہے(۱): ''ہاں اگر کوئی گاؤں شہر سے اس قدر قریب ہو کہ وہاں سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے اگر کوئی شخص آئے تو دن ہی دن میں اپنے گھر واپس جاسکے تو ایسا مقام بھی مصر کے حکم میں ہے اور وہاں کے لوگوں پر بھی نماز جمعہ فرض ہے'' (شرح سفر السعادة)۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین فرسخ کا قول تو نقل کیا ہے ہی (۲)، نیز قدوری مطبع قیومی کانپور ۱۳۷۰ھ، میں "باب الصلوة الجمعة" کے اندر "أو فی مصلی المصر" پر حاشیہ یہ تحریر ہے:

"وفی تقدیر الأفنیة أقوالٌ قدرها بعضهم بمیلین، و بعضهم بفرسخین، و بعضهم بغیره وبعضهم بمنتهی حد الصوت إذا صاح أو أذّن المؤذن، والمختار للفتویٰ قول محمد أنه یحد بفرسخ" (۳)۔

اور فرسخ کا ترجمہ تین میل ہاشمی، اور بقول بعض بارہ ہزار گز ہے جو تقریباً آٹھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے، مصباح اللغات (۴) المنجد (۵)۔

ان تفصیلات کے بعد قدوری کے حاشیہ کے مطابق کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ کی نماز بدعتِ حسنہ ہے، اگر علماء سے بدظنی اور اختلاف سے بچنے کے لئے اس قول پر فتویٰ دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اور اگر اس قول پر فتویٰ نہ دیا جائے تو بھی میری بستی جیسی اور دوسری بستیاں توابعِ مصر میں سے ہیں اور ان میں جمعہ واجب ہے، امام

---

(۱) (علم الفقه، کتاب الصلاة، نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں حصہ دوم، ص: ۳۱۲، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "وعنه (أی أبی یوسف) أنها تجب فی ثلاثة فراسخ". ((فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۵۴/۲، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۳)(المعتصر الضروری، حاشیة مختصر القدوری، کتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشیة: ۸)، ص: ۵۲، سعید)

(۴) (مصباح اللغات عربی اردو، ذکره تحت لفظ "فرس"، ص: ۶۲۶، دار الاشاعت کراچی)

(۵)(المنجد عربی اردو، ذکره تحت لفظ "فرس"، ص: ۷۳۸، دار الاشاعت کراچی)

ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ توابع مصر تین فرسخ ہے، گویا نو میل ہاشمی، تک توابع مصر ہے، جب کہ چار چار انگریزی میل ہی پر لوریا اور چنپٹیا دونوں مصر ہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق جسے قدوری کے حاشیہ پر فتوی دینے کے لئے مختار کہا گیا ہے کہ توابع مصر ایک فرسخ تک ہے یعنی تین میل ہاشمی جب کہ ساٹھی جو مصر ہے میری بستی سے کل دو میل انگریزی پر ہے اور لوریا اور چنپٹیا بھی ہاشمی تین میل سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

نیز حدیث" الجمعة على من اٰواه الليل إلى أهله" کی تشریح میں مولانا محمد ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "قال المظهري رحمه الله تعالىٰ الخ" سے تشریح کرتے ہوئے جو "بهذا قال الإمام أبو حنيفة الخ" کہا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق بھی میری بستی توابع مصر سے ہے، کیونکہ ایک آدمی چنپٹیا اور لوریا دونوں ہی مصر سے بآسانی جمعہ کی نماز پڑھ کر دن ہی دن میں لوٹ سکتا ہے اور میری بستی کا خراج بھی لوریا ہی میں جمع ہوتا ہے تو اس طرح میری بستی میں جمعہ کو واجب قرار دینا ہمارے تینوں ائمہ حضرات کے قول پر عمل کرنا ہے۔

اس کے باوجود اگر میری بستی میں جمعہ کے عدم وجوب یا جمعہ کے وجوب اور ادائیگی کی عدمِ صحت کا فتویٰ دیا جائے تو کچھ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں گے کیوں کہ اکابرین کا عمل اور ان سے عقیدت اس پر مجبور کرے گی اور کچھ لوگ ظہر کی نماز، اور دونوں جماعتیں تارکِ فرض قرار پائیں گی اور دونوں ہی جماعتیں ایک دوسرے کو تارکِ فرض اور فاسق تصور کریں گی۔

تو کیا اس عظیم فتنہ سے بچنے کے لئے اور حتی الامکان لوگوں کو معصیت سے بچانے کے لئے اور تینوں ائمۂ کرام کے قول پر عمل پیرا ہونے کے لئے میری بستی میں وجوبِ جمعہ اور صحت ادا کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا جب کہ تمام متأخرین کا مفتی بہ قول بھی یہی ہے؟ اور پھر یہ کہ ہمارے یہاں دو بستیوں کے درمیان عموماً ایک کلومیٹر سے کم ہی فاصلہ ہے اور تقریباً عام بستیوں میں عام ضروریاتِ زندگی کے سامان بھی فراہم ہوتے ہیں۔ دیوبند کے اطراف و جوانب کی بستیوں کی طرح یہاں بستیاں نہیں ہیں۔

۲......ادائے جمعہ کی صحت کے لئے فقہاء نے جو شرائط لگائی ہیں وہ تمام شرائط ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں پائی جاتی ہیں، حتی کہ وہ شرائط دیوبند میں بھی نہیں پائی جاتی ہیں، صاحبِ وقایہ نے "السلطان أو نائبه"

کی شرط لگائی ہے(۱)، قدوری بھی رقم طراز ہیں: ''و لا تجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان''(۲)، صاحبِ شرح وقایہ بھی یوں تحریر فرماتے ہیں: " فعند البعض هو موضعٌ له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود" (۳)۔

اور ظاہر بات ہے کہ سلطان یا ایسا امیر اور قاضی جو احکامِ شرعیہ کو نافذ کرے اور حدود کو قائم کرے ہندوستان میں کہیں نہیں ہے، لہٰذا کسی شہر میں سلطان کا نائب بھی نہیں ہوگا تو پھر دیوبند یا ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں جمعہ کی نماز کیسے صحیح ہوگی؟ اور اگر سلطان یا نائب سلطان اور امیر و قاضی کی تاویل ایسے شخص سے کی جائے جس پر سب لوگ متفق ہوں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے، تو پھر مصر کی تعریف میں تاویل کرکے گاؤں اور بستیوں میں رہنے والوں کے شہروں سے تعلقات آمد و رفت کی کثرت کاروباری سلسلہ میں لین دین، رہن سہن، گفتگو، کھانا پینا، تعلیم و شناخت و کلچر میں یکسانیت کے سبب ان تمام بستیوں کو مصر میں شمار کرلینے میں کیا حرج ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے؟ جب کہ اس میں ایک مصلحت یعنی عظیم فتنہ سے بچاؤ بھی ہے جس کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۳...... اکابرین حضرات کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ادائے جمعہ کی صحت کی بعض شرائط کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے، مثلاً صحتِ ادا کے لئے سلطان یا نائب سلطان یا احکام شرعیہ کو نافذ کرنے والے اور حدود قائم کرنے والے امیر یا قاضی کی شرط لگائی ہے مگر اکابرین کے فتاویٰ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم سوال نمبر: ۲۳۴۲، الجواب: ''دیہات دو قسم کے ہیں: قریہ کبیرہ اور قریہ صغیرہ، قریہ کبیرہ بحکمِ قصبہ و شہر قرار دیکر فقہاء نے اس میں وجوب جمعہ کا فتویٰ دیا ہے، كما في الشامي الخ''(٤)۔

نیز ملاحظہ ہو فتاویٰ دار العلوم، سوال نمبر: ۲۳۵۷، الجواب: ''اگر وہ دونوں گاؤں عرف میں ایک ہیں اور

(۱) ''وشرط لأدائها المصر .... فعند البعض هو موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود .... والسلطان أو نائبه الخ''. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، سعيد)

(۲) (مختصر القدوری مع اللباب، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۱۱۳، قديمی)

(۳) (شرح الوقاية، المصدر السابق، الحاشية رقمها: ۱۹)

(۴) (فتاوی دار العلوم ديوبند، الباب الخامس عشر في صلاة الجمعة، (رقم السوال: ۲۳۴۲): ۵/۴۸، دار الاشاعت کراچی)

ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے، "کمافی الشامی الخ" (۱)۔

ان فتاوی میں سلطان، نائبِ سلطان، امیر قاضی کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے، شرط صرف آبادی کی مقدار ہے تو اگر ماقبل میں اشارہ کردہ فتنۂ عظیم سے بچنے کے لئے مصر ہونے کی شرط بھی ہٹا کر بستیوں میں وجوبِ جمعہ اور صحتِ ادا کا فتوی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ جب کہ بہت سی بستیوں میں ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجاد رحمہ اللہ تعالی، مولانا ریاض احمد صاحب سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند اور دوسرے اکابرین نے بھی جمعہ کی بھی نماز پڑھی ہے۔ جواز کا فتوی دینے سے ان حضرات سے بدظنی بھی نہیں ہوگی، علماء کا وقار اور شریعت کی اہمیت بھی مسلمانوں کے دلوں میں باقی رہ جائے گی۔

۴......مسائل کے سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالی کا قول آپ کے یہاں معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر نہیں ہے تو مطلع فرمایا جائے اور اگر معتبر ہے تو فتنہ سے بچنے کے لئے عذر کی وجہ سے دیہات کی بستیوں میں وجوبِ جمعہ اور صحتِ ادا کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے مسلک پر فتوی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ملاحظہ ہو فتاوی رشیدیہ، مطبوعہ: جید برقی پریس، بلیماران دہلی، ۱۳۴۸ھ:

مسئلہ: "مذاہب سب حق ہیں، مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالی پر عند الضرورۃ عمل کرنا کچھ اندیشہ نہیں مگر نفسانیت اور لذتِ نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجتِ شرعیہ سے ہووے کچھ حرج نہیں، سب مذاہب کو حق جانے کسی پر طعن نہ کرے سب کو اپنا امام جانے" (۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اتنی بات تو متفقہ طور پر مسلّم ہے کہ جمعہ صلواتِ خمسہ کی طرح نہیں، کہ آبادی میں، جنگل میں، زمین میں، ریل میں، کشتی میں، تنہا، جماعت کے ساتھ ادا، قضاء ہر طرح درست ہو سکے بلکہ اس کے لئے کچھ

---

(۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند، الباب الخامس عشر فی صلاۃ الجمعۃ، رقم السوال: ۲۳۵۷): ۵/۶۲، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، تقلید اور اجتہاد کے مسائل، ملفوظات، ملفوظ نمبر:۱، ص: ۲۰۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

خصوصی شرائط ہیں، جگہ بھی اس کے لئے ایسی ہوگی جس میں کچھ خصوصیات ہوں گی:

"واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي و من أهل الأعراب، اهـ". أحكام القرآن: ۴۴۵/۳(۱)۔

اس کے لئے تمدن کو سب ہی حضرات نے شرط قرار دیا ہے:

" وقد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة و نوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاؤه رضي الله تعالىٰ عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمّعون في البلدان و لا يؤاخذون أهل البدو و لا يقام في عهدهم في البدو وفهموا من ذلك قرناً بعد قرن وعصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن، اهـ". حجة الله البالغة: ۲۸/۲(۲)۔

اس نوع من التمدن کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں، مصر یا قریہ کبیرہ یا قصبہ کو فقہاء نے جواز جمعہ کے لئے شرط قرار دیا ہے، وہ درحقیقت اس نوع من التمدن کی تحقیق کے لئے ہے۔ مصر کی تعریفات بہت مختلف ملتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ تعریفات بالکل نہیں کہ ذاتیات وجنس وفصل کے ذریعہ ان کو حد تام قرار دیا جائے، بلکہ درحقیقت علامات کے ذریعہ تقریب الی الفہم مقصود ہے، عرف کے تغیر سے بھی علامات متغیر ہوتی رہتی ہیں اور جغرافیائی حیثیت سے بھی تغیر ہوتا ہے، پس زمان ومکان دونوں ہی مؤثر ہیں (۳)۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة، پ: ۲۸، فصل: ۶۶۲/۳، قديمي كتب خانه كراچي)

(۲) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۷۶/۲، قديمي كتب خانه)

(۳) "و ليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱۹۹/۱، مكتبه يحيويه سهارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۳۲۹/۲، ديوبند)

ایک علاقہ میں جو علاماتِ مصر ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے علاقہ میں بھی وہی علامات ہوں، آج کل ہمارے اطراف میں عمومی علامات یہ ہیں: پختہ مکانات کافی تعداد میں ہوں، پختہ سڑکیں ہوں، محلے ہوں، ڈاکخانہ ہو، شفا خانہ یا حکیم ہو، مدرسہ یا اسکول ہو، مستقل دوکانیں ہوں، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں، ضروری پیشہ ور ہوں، کچہری یا نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لئے پنچایتی نظام ہو، آس پاس کے دیہات اپنی ضروریات وہاں سے پوری کرتے ہوں اور اس مقام کو قصبہ یا بڑا گاؤں کہا جاتا ہو، مردم شماری کے لحاظ سے کوئی خاص عدد لازم نہیں۔ یہ علامات کچھ مدت پہلے تین چار ہزار کی آبادی میں ہوتی تھیں، اب تمدن تیزی سے ترقی کر رہا ہے، اب اس سے کم آبادی میں بھی یہ علامات جمع ہوجاتی ہیں، بعض بستیوں کی آبادی دو ہزار ہے اس میں بھی یہ علامات موجود ہیں، بعض میں نہیں۔

آپ نے جو تعریف نقل کی ہے: "ما لا یسع أکبر مساجده أهله" اس پر طحطاوی سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے: "هـذا يصدق على كثيرٍ من القرى". ۵۳۶/۱(۱)، نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:" وفيه إشكالٌ حيث لم يصدق على المساجد الثلاثة، اهـ" شرح النقاية: ۱۲۳/۱(۲)۔

عزر الأحکام اور درر الأحکام میں ہے: " و هو ما لا يسع أكبر مساجده أهله يعني من يجب عليه الجمعة لا مكانه مطلقاً أو ماله مفت، ذكره قاضي خان، وأمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، وكلا المعنيين منقول عن أبي يوسف. والأول اختيار الكرخي رحمه الله تعالى، والثاني اختار الثلجي، اهـ"(۳).

اس پر محشی شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الأحکام میں لکھا ہے:

"أقول: وعنه رواية ثالثة: هو كل موضع يسكن فيه عشر الاف نفر كما في العناية، وقيل: يوجد فيه عشرة الاف مقاتل، و في المصر أقوال أخر، اهـ"(٤).

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(۲) (شرح النقاية للملا علي القاري، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة: ۲۸۹/۱، سعيد)

(۳) (لم أظفر على هذا الكتاب)

(۴) (لم أظفر على هذا الكتاب)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۱/۲۱۷، میں ہے:

”و هو كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود، وهذا رواية عن أبى يوسف، و هو اختيار الكرخى، وعنه: أنهم لو اجتمعوا فى أكبر مساجدهم لا يسعهم، و هو اختيار البلخى، وعنه: و هو كل موضع يكون فيه كل محترف، و يوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه فى معايشهم، وفيه فقيهٌ مفتٍ وقاضٍ يقيم الحدود، وعنه: أنه يبلغ سكانه عشرة الاف مقاتل، وقيل: أن يكون أهله بحال لوقصدهم عدو يمكنهم دفعه، وقيل: أن يكون بحال يعيش فيه كل محترف بحرفته من سَنَة إلى سَنة من غير أن يشتغل بحرفة أخرىٰ اهـ. وعن محمد كل موضع مصّره الإمام، فهو مصرٌ، حتى لو بعث إلى قرية نائباً لإقامة الحدود والقصاص يصير المصر، فإذا عزله يلحق بالقرىٰ، اهـ“(۱)۔

اتنی مختلف تعریفات اس وجہ سے ہیں کہ یہ علامات وعوارض ذاتیات ہیں۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جوتعریف منقول ہےوہ یہ ہے:

”عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح“. بدائع: ۲/۶۶۲(۲)، زيلعى: ۱/۲۱۷ (۳)، ردالمحتار: ۱/۵۳۶(۴)، شرح نقايه: ۱/۱۲۳ (۵)، غنية المستملى: ۵۱۱ (۶)، غنية ذوى

(۱) (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۲۳، ۵۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۳)(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۵۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۵) (شرح النقاية للملا على القارى، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة ۱/۲۸۹، سعيد)

(۶) (الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمى لاهور)

الأحکام للشرنبلالی: ۱/۱۲٦ (۱)، فتح القدیر: ۱/٤۱۰ (۲)۔

علامہ حلبی نے مختلف تعریفات نقل کرکے بطورِ فیصلہ لکھا ہے: "فالحاصل أن أصح الحدود ما ذکره فی التحفة، اهـ". (۳)۔

یعنی بدائع کی نقل کردہ تعریف اصح ہے۔

توابعِ مصر کے متعلق امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے نقل کرکے آپ نے جو نتیجہ نکالا ہے کہ (آپ کی بستی میں جمعہ درست ہو) وہ خود ان کی تصریحات کے خلاف ہے، وہ تو یہ کہتے ہیں:

"إن أمكنه أن يحضر الجمعة و يبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلا فلا، و هذا حسن، اهـ". بدائع: ۲/٦٦۳ (٤)۔

یعنی مصر کا رہنے والا اگر جمعہ کے لئے حاضر ہوکر جمعہ ادا کرکے بلا تکلف اپنے مکان واپس جاسکتا ہو تو مصر میں حاضر ہوکر اس پر جمعہ ادا کرنا واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ مصر سے ایک میل، دو میل، تین میل، چھ میل، تین فرسخ، پر رہتا ہو تو وہیں جمعہ ادا کرے، بلکہ ان سب اقوال میں سے کسی کے قول کی بناء پر اپنے ذمہ جمعہ کو واجب سمجھتا ہو تو وہ مصر میں جاکر جمعہ ادا کرلیا کرے۔

غنیۃ شرح منیہ، ص:۵۱۳، میں ہے:

"و من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. والغلوة الميل والأميال ليس بشيء، كذا روى الفقيه أبوجعفر عن أبي حنيفة وأبي يوسف، وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني، كذا في فتاوى قاضي خان، اهـ"(۵)۔

---

(۱)(لم أظفر على هذا الكتاب)

(۲) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٤) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۵) اصل اس طرح ہے: "ليس بينه و بين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة وإن كان بينه و بين المصر فرجة من المزارع .... والغلوة والميل الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی، لاهور)

جس جگہ شرائطِ جمعہ موجود نہ ہوں اور وہاں جمعہ ہورہا ہو تو نہایت دلسوزی ہمدردی نرمی سے لوگوں کو مسئلہ بتایا جائے کہ آپ حکم خداوندی سمجھ کر خدائے پاک کو راضی کرنے کے لئے اور اپنی آخرت درست کرنے کے لئے جمعہ پڑھتے ہیں لہٰذا حکمِ شرعی کے تحت تحقیق کی ضرورت ہے، جیسے کہ جمعرات کو جمعہ نہیں پڑھا جاسکتا، ریل میں، جہاز میں نہیں پڑھا جاسکتا، بلا خطبہ و بلا جماعت نہیں پڑھا جاسکتا اسی طرح چھوٹے گاؤں میں بھی نہیں پڑھا جاسکتا(۱)، نہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا، نہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھا(۲) وغیرہ وغیرہ۔ پھر جو لوگ نہ مانیں ضد کریں، ان کے درپے ہونے اور ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔

۲... فقہاء نے خود اس کے متعلق صراحت فرمادی ہے:" وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوى: غلب على المسلمين وُلاة الكفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص:۳۰۵(۳)۔

---

(۱)

و حرٌّ صحيحٌ بالبلوغ مذكرٌ	مقيمٌ و ذو عقلٍ لشرط وجوبها
و مصر و سلطان ووقت و خطبة	وإذنٌ كذا جمع لشرط آدائها

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيديه)

(۲) "و كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاؤه رضي الله تعالىٰ عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمّعون في البلدان، ولا يؤاخذون أهل البدو، و لا يقام في عهدهم في البدو الخ".

(حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۷۶/۲، قديمي)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

(۳) (حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، أحكام الجمعة، ص:۵۰۷، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۶/۱، رشيديه)

اگر کہیں دارالاسلام میں بھی ایسی صورت پیش آجائے کہ استیذانِ سلطان نہ ہوسکے تو اس کے متعلق بھی جزئیہ موجود ہے:

" فأما إذا لم يكن إمامٌ بسبب الفتنة أو بسبب الموت و لم يحضر والٍ آخر بعدُ حتى حضرت الجمعة، ذكر الكرخي أنه لا بأس بأن يجمع الناس على رجل حتى يصلي بهم الجمعة، وهكذا روى عن محمد، ذكره في العيون، لما روى عن عثمان رضي الله تعالىٰ عنه أنه لما حوصر، قدّم الناس علياً رضي الله تعالىٰ عنه، فصلى بهم الجمعة". كذا في بدائع الصنائع: ٢/٦٦٥(١)۔

لہٰذا سلطان یا نائب سلطان کے موجود نہ ہونے سے جمعہ میں شبہ نہ کریں۔

۳.....اس کا جواب نمبر:۲ سے واضح ہے، اگر فقہاء نے قریہ صغیرہ وکبیرہ میں ہر جگہ اجازت دی ہوتو کسی کو روکنے کا حق نہیں، قریہ کبیرہ کو تو بحکمِ شہر وقصبہ فقہاء نے قرار دیدیا ہے، کیا قریہ صغیرہ کو بھی بحکمِ شہر وقصبہ قرار دیدیا ہے؟ اگر اس کی کہیں صراحت ہو تو تحریر فرمائیں، اس سے بہت بڑا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

یہ صحیح ہے کہ ابتداءً دو بستیاں جداگانہ ہوں پھر آبادی بڑھتے بڑھتے دونوں آپس میں اس طرح متصل ہوجائیں کہ ان میں فرق نہ رہے ایک ہی معلوم ہوں تو ان کو ایک کہنا درست ہوگا (۲)۔ اگر مصر اور حکمِ مصر کی شرط ہٹا کر ہر بستی میں جمعہ کے وجوب کا حکم لگایا جائے تو یہ مستقل شریعت ہوگی اور حکم لگانے والا شارع ہونے کا مدعی ہوگا اور یہ حکم ایسا ہوگا کہ تمام امت کے خلاف ہوگا، خود حدیث پاک کے بھی خلاف ہوگا جس کو وحی غیر متلو کی حیثیت حاصل ہے (۳)۔ کیا حضرت مولانا محمد سجاد صاحب اور حضرت مولانا ریاض احمد صاحب نے ہر چھوٹی بڑی

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ١/٥٨٨، رشيديه)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ٦/١٩١، سهيل اكيڈمی لاهور)

(٢) " من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة، بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ٥٥٢، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ١/٥٨٥، رشيديه)

(٣) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ١/٣٧١، قديمي) .... =

بستی میں جواز جمعہ کا فتویٰ دیا ہے؟ جس بستی میں انہوں نے جمعہ پڑھا ہے اس کا حال معلوم نہیں، لہٰذا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

۴.....حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، ان کے فتاویٰ کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح ومعتبر ہے، چنانچہ زوجۂ مفقود کے متعلق دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ دیا جاتا ہے، کیوں کہ وہاں ضرورت متحقق ہے، مسئلہ زیر بحث میں اول تو ضرورت کیا ہے کہ کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کیا جائے، دوسرے وہ کون سے امام ہیں جن کے نزدیک ہر چھوٹی بڑی بستی میں جمعہ کا وجوب ہے، جس غلط علم یا عمل میں لوگ مبتلا ہیں اس کی اصلاح کی جائے، یہ ہے اصلی علاج، نہ کہ ان کی خاطر غلط فتویٰ دے کر ان کی غلطی کو مستحکم کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

احناف نے جمعہ کے لئے مصر کی شرط کیوں لگادی؟

سوال[۳۶۹۸]: ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں اور جمعہ سب کا سردار مانا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی بہت فضیلتیں بتلائی ہیں اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف زیادہ پڑھا کرو کیونکہ اس دن درود پڑھنے کے زیادہ فضائل ہیں(۱) اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ اور

= "قال الملاعلی القاری تحت هذا الحديث: "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل، وانتهى، وشاع، و ظهر ظهور المحسوس، بحيث لا يخفى على كل ذى بصر و بصيرة، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضي؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً، فعلى هذا يناسب أن يقال: .... فذالك الشخص ناقص مردود عن جنابنا مطرود عن بابنا". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۶، رقم الحديث: ۱۴۰، رشيديه)

(۱) "عن أوس بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثِروا عليّ من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة عليّ". قال: قالوا: يارسول الله وكيف تُعرض صلوتنا عليك وقد أرمت؟ قال: يقولون بليت. قال: "إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، امداديه، ملتان)

جماعت کی نماز نہ پڑھے تو وہ دوزخی ہے اور خود حق تعالیٰ شانہ نے بھی جمعہ کی تاکید کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن سرمہ تیل خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد میں آؤ اور مسجدوں میں خوشبو جلاؤ(۱) تو جب جمعہ کی اتنی فضیلتیں ہماری شریعت نے بتلائی ہیں تو ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے پڑھنے میں مصر ہونے کی شرط کیوں لگادی؟ مقصد تنقید نہیں بلکہ سمجھنا ہے۔ سنا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جہاں چالیس گھر ہوں وہیں جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ جب ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں تو کیا ہم اور

---

(۱) "قال الله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین امنوا إذا نودی للصلوة من یوم الجمعة، فاسعوا إلی ذکر الله وذروا البیع، ذلکم خیرلکم إن کنتم تعلمون﴾ (سورة الجمعة: ۹)

"واختلف رجل إلی ابن عباس یسأله عن رجل مات لم یکن یشهد الجمعة والجماعة، فقال: "فی النار". فلم یزل یتردد إلیه شهراً یسأله عن ذلک، وهو یقول: "فی النار". (إتحاف السادة المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، کتاب أسرار الصلوة ومهماتها، الباب الخامس: ۳/۳۴۹، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"عن سلمان الفارسی رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا یغتسل رجل یوم الجمعة ویتطهر ما استطاع من طهر ویدهن من دهنه أو یمسه من طیب بینه، ثم یخرج، فلا یفرق بین اثنین، ثم یصلی ما کتب له، ثم ینصت إذا تکلم الإمام، إلا غفرله مابینه ومابین الجمعة الأخری". (الصحیح للبخاری، کتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة: ۱/۱۲۱، قدیمی)

(وکذا فی اتحاف السادة المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، کتاب أسرار الصلوة ومهماتها، الباب الخامس: ۳/۴۰۸)

(وکذا فی السنن الکبریٰ، کتاب الجمعة، باب السنة فی التنظیف یوم الجمعة بغسل: ۳/۳۴۴، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: کان إذا استجمر استجمر للجمعة بعود غیر مطر وعلا علیه بالکافور، ویقول: هذا بخور رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (السنن الکبری، کتاب الجمعة، باب کیف یستجمر للجمعة: ۳/۳۴۷، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"أن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أمر أن یجمر مسجد المدینة کل جمعة حین ینتصف النهار، قلت، ولذلک سمی نعیم المجمر". (زادالمعاد، فصل هدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی تعظیم یوم الجمعة، الخامسة عشرة، ص: ۱۴۴، دارالفکر)

ائمہ کے مذہب پر چل سکتے ہیں، کیا سب ائمہ کا اتباع کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کی نماز بھی بڑی فضیلت والی نماز ہے، ہجرت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر مدینہ طیبہ میں جمعہ شروع ہو چکا تھا، مکہ مکرمہ میں جمعہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا، جب ہجرت فرما کر تشریف لے جارہے تھے تو بنوعمرو کی بستی میں قیام فرمایا، جہاں جمعہ کا وقت بھی آیا اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، پڑھنا چاہتے تو پڑھ سکتے تھے، مگر وہ چھوٹی بستی تھی اس لئے وہاں جمعہ نہیں ادا فرمایا(۱)۔ عرفات میں بہت بڑا مجمع اہلِ اسلام کا موجود تھا وہاں جمعہ نہیں پڑھا(۲)۔ دو میل، تین میل، چار میل، پانچ میل، چھ میل تک سے لوگ باری باری جمعہ پڑھنے مدینہ میں آتے تھے، جو نہیں آئے ان سے مطالبہ نہیں کیا کہ تم کیوں جمعہ پڑھنے نہیں آئے، نہ یہ فرمایا کہ اپنے اپنے گاؤں میں جمعہ پڑھا کرو(۳)۔

---

(۱) "عن أوس بن أوس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثِروا عليّ من الصلوة فيه، فإن صلوتكم معروضة عليَّ". قال: قالوا: يارسول الله وكيف تُعرض صلوتنا عليک وقد أرمت؟ قال: يقولون بليت. قال: "إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب الجمعه: ۱/۱۵۷، امداديه، ملتان)

(۲) "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لماها جر إلى المدينة، أقام في قباء –وهي قرية قرب المدينة الخ–، أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين، –كما في البخاري على نسخها– ووقعت الجمعة في أثنائها، ولم يثبت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمّعوا فيها .... فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

(۳) "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقف بعرفات في حجة الوداع يوم الجمعة، لم يصل الجمعة فيها، بل صلى فيها الظهر". (بذل المجهود، تفريع أبواب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، امداديه)

حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''جمعہ اور عید کی نماز شہر میں ہے گاؤں میں نہیں''(۱)۔ ان کے علاوہ دوسری بھی دلیلیں ہیں جن کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کی جماعت کے متعلق سخت شرط ہے(۲)، وہ یہ کہ اگر چالیس آدمی جماعت میں ہوں تو جمعہ کی نماز درست ہو سکے گی، بشرطیکہ بستی بڑی ہو(۳)۔ حنفی کو اس مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۶ھ۔

جمعہ فی القریٰ

سوال[۳۶۹۹]: زید کہتا ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ اور خالد کہتا ہے کہ پڑھنا چاہئے کیونکہ کہ نہ پڑھنے سے اور تمام لوگ اور نماز سے بھی غفلت کرتے ہیں اور نماز چھوڑ دیتے ہیں جس کا واحد سبب ترکِ جمعہ ہے۔ تو یہ قولِ خالد دیہات میں جواز جمعہ کا باعث بن سکتا ہے یا نہیں؟ نیز شرائطِ جمعہ کیا ہیں؟ اور اگر جمعہ بند کرادیں، تو بند کرادینے کی وجہ سے لوگوں نے نماز ترک کردی تو بند کرانے والا گناہ گار رہوگا یا نہیں؟

اظہار الدین فیض آبادی، متعلم مدرسہ ہذا۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالي". (سنن أبي داؤد، باب من يجب عليه الجمعة: ۱/۱۸۵، مكتبه امداديه)

(۲) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لاجمعة ولا تشريق إلافي مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم الجواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچي)

(۳) "مسألة: اختلف علماء الإسلام في العدد الذي تنعقد به الجمعة على أربعة عشر قولاً......... العاشر: أربعون أحدهم الإمام، وبه قال عبيدالله بن عبدالله بن عتبة، وعمر بن عبدالعزيز، والشافعي، وأحمد، وإسحق، حكاه عنهم في شرح المذهب". (الحاوي للفتاوىٰ للسيوطي، كتاب الصلاة، ضوء الشمعة في عدد الجمعة: ۱/۷۵، ۷۶، دارالفكر، بيروت)

(۴) "ليس للعامي أن يتحول من مذهب إلى مذهب ويستوي فيه الحنفي والشافعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۸۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا قول عندالاحناف صحیح ودرست ہے، خالد کا قول صحیح نہیں۔ اگر دیہات میں لوگ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو نمازی بنانے کے لئے دوسری تدابیر اختیار کی جائیں، مثلاً وعظ، تبلیغ سے اگر کام نہ چلے تو انجمنیں قائم کی جائیں، اوراس میں تارک صلوۃ کے لئے مختلف سزائیں مقرر کردی جائیں، مثلاً تارکِ صلوۃ کے یہاں کوئی شادی نہیں کرے گا، برادری کے کاموں میں شریک نہیں کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ان کو نمازی بنانے کے لئے ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا جائے؟ اگر اقامتِ جمعہ کی وجہ سے انہوں نے نماز پڑھ لی تو دیگر نمازوں کے لئے کیا کیا جائے گا، اس کا بھی خالد نے کوئی انتظام تجویز کیا؟

فی مراقی الفلاح: "و لقوله علیه السلام: "لا جمعة و لا تشریق و لا صلوة فطر و لا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة". و لهذا لم ینقل عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم أنهم حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجُمُع إلا فی الأمصار دون القری، و لو کان لنفل و لو آحاداً فلا بد من الإقامة بمصر"۔ قال الطحطاوی: "وکذا لم ینقل أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر بإقامة الجمعة فی قری المدینة علی کثرتها"(۱)۔ فی الهدایة: ۱/۱۴۸: "لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر، ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام: "لاجمعة ولا تشریق و لا صلوة فطر و لا أضحی إلا فی مصر جامع"(۲)۔

"إذن، مصر، سلطان، وقت، خطبة، أذان، کذا جمع شرط أدائها، ردالمحتار: ۱/۸۳۵(۳)۔ ان شروط میں سے ایک بھی فوت ہوجائے گی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۴، ۵۰۵، قدیمی)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) العبارة بتمامها

وحرٌّ صحیحٌ بالبلوغ مذکرٌ — مقیمٌ و ذو عقل لشرط وجوبها

و مصرٌ و سلطان و وقت و خطبةٌ — وإذنٌ کذا جمع لشرط أدائها

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

ناجائز فعل کے منع کرنے سے اگر کوئی شخص دوسرے ناجائز کام میں مبتلا ہوجائے تو منع کرنے والے کو کچھ گناہ نہ ہوگا، البتہ منع کرنے والے کو یہ ضروری ہے کہ اقامتِ جمعہ فی القری کو منہی عنہ بتلا کر دیگر صلوات کی سخت تاکید وترک پر وعید خوب ذہن نشین کرادیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۲ھ۔

اعتراض بر جواب مذکورہ بالا

سوال [۳۷۰۰]: گزارش یہ ہے کہ فتویٰ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صحت جمعہ کے شرائط میں مصر وسلطان ہے، اس پر عام طور سے جہلاء کو بھی اعتراض ہے کہ اگر سلطان صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے تو پھر ہندوستان میں اوران مواقع میں جمعہ کیوں کر صحیح ہے جہاں سلطان نہیں ہے، حالانکہ تمام علمائے احناف کا عمل ہے کہ وہ بلادِ ہند میں بلاتکلف قیامِ جمعہ فرماتے ہیں، باوجودیکہ سلطان شرط ہے اور وہ مفقود ہے تو جمعہ کیوں کر صحیح ہے؟ نیز یہ کہ اثر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عامی پڑھے لکھے کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ اول تو یہ موقوف ہے، دوسرے یہ کہ اس میں مصر جامع مذکور ہے اور مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف اس قدر وسیع ہے کہ جس سے علمائے احناف بھی خلجان میں ہیں۔ نیز یہ کہ مصر کو اثر میں مقید کیا گیا ہے لفظ ''جامع'' کے ساتھ، اس سے کیا غرض ہے؟ امید کہ محقق مصر کی تعریف سے اور امور مذکورہ سے مفصل اور مدلل تسلی بخش جواب مرحمت فرمادیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاصۂ سوال یہ چند امور ہیں:

اول: صحتِ جمعہ کے لئے سلطان شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے، پھر جمعہ کیسے صحیح ہوتا ہے؟

دوم: عدمِ جوازِ جمعہ پر جو دلیل ہے وہ اثر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، حدیث مرفوع نہیں۔

سوم: مصر کی تعریف میں احناف کا اختلاف ہے، صحیح تعریف کیا ہے، مصر کے ساتھ ''جامع'' کی قید ہے اس سے کیا فائدہ؟

امر اول: کے متعلق عرض ہے کہ یہ شرط دار الاسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور جس جگہ مسلمانوں پر کفار کا

غلبہ ہو وہاں پر اقامتِ صلوۃ جمعہ کے لئے سلطان کا ہونا شرط نہیں بلکہ مسلمان جس پر جمع ہو کر اپنا امام مقرر کرلیں گے تو اس کا جمعہ پڑھ دینا صحیح ہوگا۔

"وإذا لم يمكن استيذان السلطان لموته أو فتنة، واجتمع الناس على رجل، فصلى بهم للضرورة كما فعل على رضى الله تعالىٰ عنه فى محاصرة عثمان رضى الله تعالىٰ عنه. وإن فعلوا ذلك لغير ما ذُكر، لا يجوز لعدم الضرورة، و روى ذلك عن محمد فى العيون، وهو الصحيح. وفى مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوىٰ: غلب على المسلمين وُلاة الكفار، يجوز للمسلمين إقامة الجُمَع والأعياد، و يصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، اهـ". طحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۲۹٤(۱)، هكذا فى الفتاوى العالمكيرية (۲) وغيرها من كتب الفقه۔

امر ثانی کے متعلق عرض ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے املاء میں اس کو مسند و مرفوع نقل کیا ہے، امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مرفوع نقل کیا ہے اور دوسرے بعض محدثین نے موقوف نقل کیا ہے، کذا فى الأوجز:

"و من المرجحات لقول الحنفية قوله عليه السلام: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا فى مصر جامع". للحديث المشهور ذكره أبو يوسف فى الإملاء مسنداً مرفوعاً و هو إمام فى الحديث والفقه، فلا يضره وقف من وقفه، سيما إذ هو من شيوخ مشايخ البخارى، وقال العينى: فى شرح البخارى إن أبا زيد زعم فى الأسرار أن محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ قال: رواه مرفوعاً معاذ و سراقة ابن مالك رضى الله تعالىٰ عنهما"(۳)۔

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص:۵۰۷، قديمى)

(۲) "بلاد عليها وُلاة كفار، يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، و يصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ۱/۱۴۶، رشيديه)

(۳) (أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فى السفر: ۲/۲۴۵، تاليفات اشرفيه، ملتان)

نیز غیر مدرک بالقیاس میں قولِ صحابی حکم میں مرفوع حدیث کے ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دیہات میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں من ادعی فعلیہ البیان۔ روایات اور آثار کی تفصیل بذل (۱) واوجز (۲) واحسن القری (۳) وغیرہ میں ہے۔

---

(۱) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة".

"قلت: وأصرح من ذلک أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة قال يعقوب بن عبد الله في معجم البلدان: قبا: بالضم، وأصلة اسم بير هناک، عرفت القرى بها، وهي مساكن بني عمرو بن عوف، - أربعة عشر يوماً أو أربعةً و عشرين، - كما في البخاري على نسخها- و وقعت الجمعة في أثنائها و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة و لم يأمرهم أن يجمّعوا فيها، و سار يوم الجمعة يريد المدينة، فجمع في مسجد بني سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج -وهي محلة من المدينة- فكانت أول جمعة جمّعت في الإسلام. فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة كما أن البرارى ليست محل إقامتها. وقد ثبت برواية مسلم أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما وقف بعرفات في حجة الوداع يوم الجمعة، لم يصل الجمعة فيها بل صلى فيها الظهر". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، امداديه ملتان)

[تنبيه] : ذكر الشيخ خليل احمد السهارنفوري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في البذل بطرق متعددة وبحث عنه فيه بحثاً طويلاً.

(۲) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن......... فهذه كلها بمنزلة النص على عدم جواز الجمعة في القرية؛ لأنها لوجازت فيها الجمعة، لما احتاجت هؤلاء إلى مجئ المدن والأمصار، وبعضها أصرح من بعض". (أوجز المسالک على مؤطا إمام مالک، كتاب الصلوة، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۲، تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۳) راجع للتفصيل: (أحسن القرى في توضيح أو ثق العرى، تأليف شيخ الهند محمود حسن رحمه الله تعالىٰ)

8

مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ ہے:

”و ظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير و قاض يقدر على إقامة الحدود“.

درمختار: ۱/۷٤۸۔

قال الشامي تحته: ”في التحفة: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، و فيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح، إلا أن صاحب الهداية ترك ذكر السكك و الرساتيق؛ لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذى شانه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلافي بلدٍ كذا، اهـ“(۱)۔

مصر کے ساتھ ”جامع“ کی قید صفتِ موضحہ ہے جیسا کہ مدینہ کے ساتھ ”عظیمہ“ کی قید وارد ہے، کسی دوسری شی سے احتراز مقصود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۸/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۵۲ھ۔

قریہ کبیرہ میں نمازِ جمعہ

سوال [۳۷۰۱]: ایک قریہ ہے جس کی آبادی ۳۵۰۰/ ہزار ہے اور بیس دوکانیں ہیں جن سے ضروریات کی اشیاء مہیا ہوتی ہیں، قریہ مذکورہ میں سترہ مساجد ہیں، لیکن یہ بھی اہلِ قریہ کے لئے ناکافی ہیں، یعنی اگر سب لوگ نماز پڑھیں تو ان مساجد میں نہیں سما سکتے۔ ایسے قریہ کے بارے میں مفتیانِ کرام کیا فرماتے ہیں، آیا جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو حدیث مندرجہ ذیل کا کیا مطلب ہے: ”لا جمعة و لا تشريق ولا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة“. اور مصر جامع کی کیا تعریف ہے؟

المستفتی: زاہد حسین کشمیری، ۲۱/شوال۔

---

(۱) (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجمعة: ۲/۲٤۵، ۲٤٦، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوکانوں کی تعداد، مساجد کی کثرت، آبادی کے شمار کے لحاظ سے یہ بڑی بستی ہے، عامۃً ایسی بستی میں روزمرہ کی حوائج پوری ہوجاتی ہیں اور کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش نہیں ہوتی، عرف میں اس کو قریۂ کبیرہ کہتے ہیں جو کہ قصبہ کے حکم میں ہے، وہاں جمعہ جائز ہے اور حدیث شریف میں جو ممانعت مذکور ہے اس سے قریہ صغیرہ مراد ہے:

"(و یشترط لصحتها الخ) عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکك وأسواق، ولها رساتیق، و فیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، اهـ". شامی، ص:۵۳٦(۱)۔

یہ تو مصر کی علامات بتائی گئی ہیں قصبات اور قریٰ کبیرہ کو بھی صحتِ جمعہ کے لئے شہر کے تابع قرار دیا گیا:

"و تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق، اهـ". شامی: ۱/۵۳۷(۲)۔

البتہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں وہاں جمعہ کے دن بھی ظہر لازم ہے:"وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض .... والظاهر أنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة، ألا تری أن فی الجوهرة: لو صلوا فی القری، لزمهم أداء الظهر، اهـ". شامی: ۱/۵۳۷(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۸۹ھ۔

جمعہ فی القریٰ

سوال[۳۷۰۲]: ایک موضع جس کی کل آبادی تقریباً سوا دو ہزار ہے یا کچھ زائد، ایک چھوٹا بازار لگتا

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴٦ رشیدیه)

(کذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار، المصدر السابق)

ہے، ڈاکخانہ بھی ہے، ضروریات کی چیزیں بھی اکثر مل جاتی ہیں، یہاں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے حنفیہ کے نزدیک شہر یا بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو، تین چار ہزار کی آبادی ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال[۳۷۰۳]: گاؤں یا قصبہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کم از کم مسلمانوں کی آبادی کتنی ہونی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں، یا برابر، یا زائد(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن کراچی)

"یشترط لصحتها سبعة أشیاء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکک وأسواق، ولها رساتیق، و فیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث و هذا هو الأصح".

(ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۶/۲، رشیدیه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (أحسن القری فی توضیح أوثق العری، تألیف شیخ الهند حضرت مولانا محمود حسن رحمه الله تعالیٰ)

(۲) "عن حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه. لیس علی أهل القری جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل =

ایضاً

سوال[۳۷۰۴]: ہندوستان کے قریب قریب تمام گاؤں میں اہتمام کے ساتھ نماز جمعہ رائج ہے، مگر فتاوی امدادیہ کی رو سے ممنوع و ناجائز ہے(۱)، پھر بھی علمائے کرام اس کو جائز کئے ہوئے ہیں اور خود پڑھاتے بھی ہیں، اگر مجھ جیسا انسان منع کرے یا جمعہ کی نماز وہاں ترک کرے تو سبھوں کی نظروں میں ذلیل اور برا سمجھا جائے ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(الف) اور وہ علماء یا عوام جمعہ کی نماز کو کس مسئلہ کے تحت جائز کئے ہوئے ہیں؟

(ب) اور یہاں کے جن لوگوں نے نماز جمعہ پڑھ لی کیا ان کے ذمہ سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں جمعہ کے شرائط نہ ہوں وہاں جمعہ پڑھنا مسلک حنفیہ کے خلاف ہے، وہاں ظہر پڑھنا

= المدائن". (أوجز المسالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، إداره تاليف اشرفيه، ملتان)

"يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح".
(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع، تالیف حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۱) (امداد الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۴۱۷، دار العلوم کراچی)

"أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة، أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة الخ-، أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين، -كما في البخاري على نسخها- ووقعت الجمعة في أثنائها و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، و لم يأمرهم أن يجمعوا فيها .... فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي)

ضروری ہے، اگر علماء وہاں جمعہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں، ان کا اس میں اتباع نہیں کرنا چاہئے۔ اگر وہاں جمعہ نہ پڑھنے والے کو ذلیل سمجھیں تو سمجھا کریں، کسی کے ذلیل سمجھنے سے کوئی ذلیل نہیں ہوتا، ذلیل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہو(۱)۔

(الف) یہ تو ان سے ہی پوچھنے کی بات ہے۔

(ب) بغیر شرائط کے جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۳۷۰۵] : استفتاء بخدمتِ اقدس والا مرتبت جناب مفتی صاحب زید مجدہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امر باعثِ تصدیعہ اینکہ آج کل مختلف دیہات ومضافات میں جانے آنے سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور سے قریٰ صغیرہ جن کی آبادی ۱۸۰۰/ یا دو ہزار ہو یا کچھ کم وبیش ہو اور نہ وہاں بازار ہوتا ہے نہ ہی روزمرہ کی دیگر ضروریات بسہولت بہم پہونچتی ہیں، لیکن جوازِ جمعہ کے فتاویٰ صادر ہورہے ہیں حالانکہ علامہ شامی کی تصریح: '' وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق''(۳) سے صراحۃً بازار کی قید مفہوم ہوتی ہے، ہاں! اگر سوق کے لغوی معنیٰ ''جائے فروخت'' لیکر ''دوکان'' مراد ہو اور پھر چونکہ اَسواق جمع قلت ہے، اس لئے پانچ سات مختلف دوکانوں کے پائے جانے سے بھی اسواق کا صدق ہوتا ہو تو بھی فرمائیے، آخر جب سوق کے معنیٰ لغوی ''بازار'' بھی ہیں اور متعارف اہل لسان بھی ہیں تو اس کو متروک کیوں قرار دیا؟ حالانکہ اکابر کا طریق بھی اس کے خلاف ہے جن میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب قابل ذکر ہیں۔ حضرت مذکورۃ الصدر کا اقدام "انسداد جمعات في القرى التي

---

(۱) قال الله تعالىٰ ﴿وتعز من تشآء و تذل من تشآء، بيدك الخير، إنك على كل شيء قدير﴾ (آل عمران: ۲۶)

(۲) "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

أفتينا بجوازها في مثلها" معلوم ومشہور ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع اسلام نگر ضلع سہارنپور میں خود تشریف لیجا کر جمعہ بند کرایا حالانکہ وہاں کی آبادی تین ہزار ہے، پانچ مسجدیں ہیں، ہفتہ وار معمولی سی پینٹھ بھی لگتی ہے(۱)، لیکن بازار نہیں، یونہی چند مختلف دوکانیں ہیں اور عرف میں سب موضع اور گاؤں کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضع بھیسانی اسلام پور جس کی آبادی ساڑھے تین ہزار ہے، پندرہ سولہ مختلف دوکانیں ہیں، سات مسجدیں ہیں اقامتِ جمعہ کی اجازت نہیں فرمائی، پھر یہ کہ حضرت! بھیسانی اسلام پور کی نوعیت آج کل جن دیہات میں فتوے جارہے ہیں ان سے بہت بلند ہے۔

نیز ﴿وذروا البيع﴾ (۲) بھی قابلِ غور ہے، چونکہ اول تو دیہات میں بیع وشراء نہیں اور اگر ہے تو کالعدم وہ مانع عن السعی نہیں، اس لئے یہ اس مقام کے لئے ہوسکتا ہے جس جگہ بازار ہوتا کہ چند دوکانیں بلکہ گاؤں کے لئے تو: "وذروا البيع والزراعة" مناسب تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ﴿يا أيها الذين آمنوا﴾ الاية (۳) یہ عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے۔ اور پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قباء میں جمعہ نہیں پڑھا (۴) حالانکہ چودہ یا چوبیس روز آپ کا قیام وہاں رہا۔ نیز ارشاد ہے: "لا جمعة و لا تشريق في القرى" (۵) تو یہ دونوں باتیں اس کے مخصوص منہ البعض ہونے کی مؤید ہیں۔ تو ایسی صورت

---

(۱) "پینٹھ: آٹھویں روز کا بازار (انوار اللغات تحت اللفظ پیندا: ۲/۹۲۰، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)
(وکذا فی فیروز اللغات، ص: ۳۳۳، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور)

(۲) (سورة الجمعة: ۸)

(۳) (سورة الجمعة: ۹)

(۴) "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قباء -وهي قرية قرب المدينة الخ-، أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين، -كما في البخاري على نسخها- ووقعت الجمعة في أثنائها، و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمعوا فيها الخ".
(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

(۵) حدیث کی اصل عبارت اس طرح ہے: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچی)

میں دوبارہ جواز جمعہ عالمانہ بحث سے مستفید فرمائیں اور قریٰ کبیرہ اور اسواق کی تحقیق کہ ان کا مصداق و مفہوم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

سلیم اللہ لوہاروی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی ضروریاتِ روزمرہ، ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو اور تین چار ہزار کی آبادی ہو، جو گاؤں ایسا نہیں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں، بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی، نفل کو فرض اعتقاد کرنا اور نفل پڑھ کر یہ عقیدہ رکھنا کہ فرض ادا ہوگیا (۱) نفل کے لئے اذان، اقامت، جماعت علی سبیل التداعی (۲) نفل نماز میں قرأت بلا جہر (۳) نفل کے لئے خطبہ

---

(۱) " فکم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً، كما صرح به الملا على القارى فى شرح مشكوة المصابيح والحصكفى فى الدر المختار و غيرهما". (مجموعة رسائل للشيخ عبد الحي اللكنوى رحمه الله تعالىٰ ، سباحة الفكر فى الجهر بالذكر، الباب الأول فى حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۴، ادارة القرآن كراچى)

قال الطيبى: "و فيه أن من أصرّ على أمر مندوب و جعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (المرقاة، باب الدعاء فى التشهد: ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) "عن زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، قال: "صلوا أيهاالناس فى بيوتكم، فإن أفضل الصلاة صلاةُ المرء فى بيته إلا مكتوبة". قلت: و فيهما دلالة على كون الجماعة مختصةً بالفرض، و أما النوافل فالأصل فيها الإخفاء والانفراد، وإلا لم يكن فعلها فى البيت أفضل .... فثبت أن الجماعة فى النوافل خلاف الأصل، والأداء على خلاف الأصل لا يخلوا عن الكراهة، والجماعة فى النوافل مكروهة". (إعلاء السنن، أبواب النوافل والسنن، باب كراهة الجماعة فى النوافل الخ: ۷/۷۷، إدارة القرآن)

"و لا يصلى الوتر و لاالتطوع بجماعة خارج رمضان: أى يكره على سبيل التداعى". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعيد)

"التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعى يكره". (الفتاوى العالمكيرية، باب الإمامة: ۱/۸۳، رشيديه)

(۳) "عن يحيى بن أبى كثير قال: قالوا: يا رسول الله! إن قوماً يجهرون بالقراءة بالنهار، فقال:" ارموهم بالبعر".=

وغیرہ شرعی مفاسد ہیں، فرض کا ذمہ میں باقی رہ جانا مستقل مفسدۂ عظیمہ ہے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر و لا تجوز في القرى، اهـ".

ھدایہ(۱) "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". کبیری(۲)۔

"وكره تحريماً لمعذورٍ ومسجونٍ ومسافرٍ أداء ظهر بجماعة في مصر"۔ "بخلاف القرىٰ؛ لأنه لا جمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام، شرح المنية. وفي المعراج عن المجتبى: من لا يجب عليه الجمعة لبُعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". درمختار و شامی(۳)۔

"و تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. و فيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترىٰ أن في الجوهرة: لو صلوا في القرىٰ، لزمهم

= قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة في صلاة النهار ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب القراءة، باب وجوب الجهر بالجهرية والسر بالسرية: ۹،۶/۴، إدارة القرآن كراچي)

"وأما نوافل النهار، فيخفي فيها حتماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الواجبات الصلوة: ۷۲/۱، رشيديه)

"(يُسرّ في غيرها) .... كمتنفل النهار) فإنه يُسرّ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في القرآءة: ۵۳۳/۱، سعيد)

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸،۲۴۵/۲، رشيديه)

(۲) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

أداء الظهر، اهـ". شامی(۱)۔

دلائل وماخذ کی تفصیل مطلوب ہوتو أوثق القریٰ،(۲) القول البدیع (۳) اوربذل المجهود(٤)، أوجز المسالك (٥) إعلاء السنن (٦) وغیرہ ملاحظہ فرمایئے۔مظاہرعلوم کاکوئی فتویٰ جواز الجمعة فی القری الصغیرة کے متعلق دیکھا ہوتو ضرور ارسال فرماویں، کیوں کہ ہمارے علم میں یہاں سے کوئی ایسا فتوی صادر نہیں ہوا۔

مصراورقصبہ کی تعریف عرفی چیز ہے جوعرف کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے، نیز اس قدر عام ہے کہ بغیر تعریف کئے بھی عوام اور بے علم آدمی بھی جانتے ہیں کہ فلاں بستی چھوٹا گاؤں ہے اور فلاں بستی قصبہ ہے اور جو تعریف اس جواب میں بڑے گاؤں کی ذکر کی ہے اس سے مقصود أقرب إلى الفهم کرنا ہے(۷) یہ حد تام نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/رجب/ ۶۹ھ۔

مظاہرعلوم سے جمعہ فی القریٰ کے متعلق فتاویٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوی کے مطابق جاتے

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشیدیه)

(۲) (لم أظفر علی هذا الكتاب)

(۳) (القول البدیع فی اشتراط المصر للتجميع تالیف: حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۴) (بذل المجهود فی حل أبی داؤد تالیف، حضرت مولانا خلیل احمد سهارنفوری رحمه الله تعالیٰ کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القری: ۱/ ۱۷۰، امدادیه ملتان)

(۵) (أوجز المسلک شرح مؤطا إمام مالک، تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ، افتتاح الصلاة، باب ما جاء فی الإمام ينزل بقرية فی السفر يوم الجمعة: ۲/ ۲۴۴، ۲۴۵، إداره تالیفات اشرفیه ملتان)

(۶) (إعلاء السنن، تالیف العلامة ظفر احمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/ ۱، ۲، ۳، إدارة القرآن کراچی)

(۷) "و ليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأی أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، وما ليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدری، باب ما جاء فی ترک الجمعة من =

ہیں، اگر کوئی فتویٰ آپ نے دیکھا ہے تو آپ دکھلایئے۔ قیاس سے ایسی بات نہ کہنی چاہئے۔

فقط: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ رجب/ ۶۹ھ۔

جمعہ فی القریٰ مفصل

سوال[۴۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب۔

المستفتیان: محمد شائق ومحمد فائق غفرلہما، ۱۱/ رمضان ۵۴ھ۔

الجواب:

جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مصفی شرح مؤطا میں لکھا ہے: "پس نمازِ جمعه دو رکعت است در وقتِ ظهر با جماعت عظیمه از مسلمین در قریه یا در شهر". نیز فرماتے ہیں: "پس بر جمعیکه بر اجتماعِ ایشاں اسمِ قریه اطلاق بود جمعه واجب است" (۱)۔

اس پر ہم لوگوں کا عمل ہے، ہم لوگوں کے استاد مولانا محمد اسماعیل صاحب اپنے موضع ہی میں جو نہایت چھوٹا سا گاؤں ہے برابر جمعہ پڑھتے ہیں اور یہی مذہب ہے شوافع اور محدثین کا، جیسا کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ ص: ۱۱۵ میں لکھا ہے (۲)۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (سورۂ جمعہ) چونکہ کلمہ ﴿فاسعوا﴾ الفاظِ عموم سے ہے، ہر مکلف کو عام حکم ہوتا ہے، ہر مکان، شہر، قصبہ، دیہات وغیرہ

= غیر عذر: ۱/ ۱۹۹، مکتبه یحیویه سهارنفور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ۲/ ۳۲۹، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۱) (مصفى شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۳، مكتبه رحيميه سنهری مسجد دهلی)

(۲) (تاليفات رشيديه مع فتاوی رشيديه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ۳۴۵، اداره اسلاميات لاهور)

میں جہاں ہوں جمعہ پڑھیں، مرقاۃ (۱)۔ حدیث شریف میں ہے "الجمعة حق واجب علی کل مسلم" غلام، عورت، لڑکے، بیمار کو اس حدیث میں مستثنیٰ فرمایا ہے، ابوداؤد شریف (۲)۔

ایک حدیث میں ہے "رواح الجمعة واجب علی کل محتلم". نسائی (۳) ہر مسلمان مرد پر جمعہ واجب ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیہات میں جمعہ پڑھا ہے قریۂ بنی سالم میں، بیہقی میں "وهي قرية بين القبا و المدينة" تصریح ہے (۴)۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی دیہات میں نماز جمعہ پڑھی ہے جواثی میں، بخاری میں ہے "الجواثی من البحرین" (۵)۔ أبوداؤد میں تصریح ہے: "قرية من قرى البحرين" (٦)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیہات میں نماز جمعہ برابر پڑھتے رہے ہیں اور اس کا حکم کرتے رہے، بخاری میں ہے (۷)۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "زاویہ" میں

---

(۱) لم أجد في المرقاة عبارةً على هذا المعنى". والله اعلم

(۲) "عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الجمعة حقٌّ واجبٌ على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/۱٦۰، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف: ۱/۲۰۳، قديمى)

(۴) لم أظفر به.......... وقد قال: "قلت: في معجم البكري: جواثى مدينةٌ بالبحرين لعبد القيس الخ". (السنن الكبرى مع الجوهر النقي، كتاب الجمعة، باب العدد الخ: ۳/۱۷٦، إدارة تاليفات اشرفيه)

(۵) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: إن أول جمعة جُمّعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مسجد عبد القيس بجواثىٰ من البحرين". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ۱/۱۲۲، قديمى)

(٦) الحديث بتمامه: "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: إن أول جمعة جمّعت في الإسلام بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.......... اهـ". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱٦۰، امداديه ملتان)

(۷) "قال يونس: كتب رزيق بن حكيم إلى ابن شهاب -وأنا معه يومئذٍ بوادي القرى-: هل ترى أن أجمّع؟ -و رزيق عامل على أرض يعملها و فيها جماعة من السودان وغيرهم و رزيق يومئذ على أيلة-،=

نماز پڑھا کرتے تھے جمعہ کی، زاویہ شہر بصرہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی بستی ہے، جمعہ وعید اسی میں پڑھا کرتے تھے(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ بحرین کو لکھا:"جمعوا حيث ما كنتم". جہاں رہو جمعہ پڑھو دیہات، شہر دونوں کو شامل ہے، فتح الباری (۲)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلِ میاہ کو اپنی بستیوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور ان پر کچھ انکار نہیں فرماتے تھے، تابعین اور اتباع تابعین وغیرہم بھی دیہات میں جمعہ پڑھتے تھے اور اس کا فتویٰ دیتے تھے، فتح الباری (۳)۔

"لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا"۔ فتاوی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۴)۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا آبِ زر سے لکھنے کے قابل اصول ہے:"جو حدیثیں حد تواتر کو پہونچ گئیں ہیں ان سے نسخ قرآن جائز ہے، اسی طرح حدیثِ مشہور سے زیادۃ علی الکتاب درست ہے مگر آحاد کے قبیل سے جو حدیثیں ہیں ان سے نہ تو نسخ قرآن مجید درست ہے اور نہ تخصیصِ عمومِ آیاتِ فرقان حمید جائز ہے، تخصیص بھی ایک قسم کا نسخ ہے"۔ حبل المتین شوق نیموی (۵)۔

= فكتب ابن شهاب، -وأنا أسمع يأمره-: أن يجمّع". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى: ١٢٢/١، قديمي)

(١) "وكان أنس رضي الله تعالىٰ عنه في قصره أحياناً يجمّع وأحياناً لا يجمّع، وهو بالزاوية على فرسخين". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة: ١٢٣/١، قديمي)

(٢) "وعن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه كتب إلى أهل البحرين: أن جمّعوا حيثما كنتم. وهذا يشمل المُدن والقرى". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ٣٨٠/٢، دار المعرفة بيروت)

(٣) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: أنه كان يرى أهل المياه بين مكة والمدينة يجمّعون، فلا يعيب عليهم". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ٣٨٠/٢، دار المعرفة)

(٤) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ٣٢٩، إداره اسلاميات لاهور)

(٥) لم أظفر على هذا الكتاب، وقد ذكر المسئلة الملاجيون بلفظ: "و نسخ وصفٌ في الحكم بأن =

واضح رہے کہ ہم آیاتِ جمعہ سے عورت وغیرہ کا مخصوص ہونا عندالحنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ تسلیم نہیں کرتے، بنا براصولِ بالا تخصیص کے لئے بھی خبر مشہور کی ضرورت ہے۔ آپ پہلے ان احادیث کو جن میں عورت وغیرہ کا استثناء آیا ہے مشہور ہونا ثابت کریں تب عورت وغیرہ کی تخصیص پر کلام کریں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ عام مخصوص منہ البعض کی تخصیص عندالحنفیہ اخبارِ آحاد سے جائز ہے نہ آثارِ صحابہ سے، اور "لا جمعة ولا تشريق" (۱) قولِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہے کہ شہر کے سوا کسی گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے، شہر کے قریب ہو خواہ بعید، گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا، عندالحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ منجملہ شرائط کے سلطان کا ہونا بھی ایک شرط ہے، ہدایہ (۲) مگر کسی وجہ سے سلطان کا حاضر ہونا متعذر ہو یا استیذان سے معذوری ہو تو یہ شرط بوجہ ضرورت ساقط ہو جاتی ہے عالمگیری (۳)۔

اسی طرح وہ اہل قریہ جو بوجہ بُعدِ مسافت شہر میں نماز جمعہ کے واسطے حاضر ہونے سے معذور ہیں، ان سے یہ شرط بوجہ معذوری ساقط ہے، ان لوگوں کو اپنے اپنے مقام میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہے (۴) اور اکثر

= ينسخ عمومه و إطلاقه، و يبقى أصله، و ذلك مثل الزيادة على النص، كزيادة مسح الخفين على غسل الرجلين الثابت بالكتاب، فإن الكتاب يقتضي أن يكون الغسل هو الوظيفة للرجلين، سواء كان متحققاً، أولا. و الحديث المشهور نسخ هذا الإطلاق، و قال: إنما الغسل إذا لم يكن لابس الخفين، فالآن صار الغسل بعض الوظيفة، فإنها نسخ عندنا .... فلا يجوز عندنا إلا بالخبر المتواتر والمشهور كسائر النسخ". (نور الأنوار، مبحث أقسام البيان، أقسام النسخ، ص: ۲۱۲، سعيد)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "لا يجوز إقامتها إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان الخ". (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "و لو تعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي بهم الجمعة، جاز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۶، رشيديه)

(۴) قریہ مذکورہ چار حال سے خالی نہیں، یا تو قریہ صغیرہ ہے یا قریہ کبیرہ یا مصر یا فنائے مصر ہے، پہلی صورت میں عندالاحناف نماز جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے، دوسری، تیسری اور چوتھی صورت میں مصر یا فنائے مصر کی شرط ساقط نہیں بلکہ یہ خود مصر ہے یا فنائے مصر ہے =

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ تمام ان دیہاتوں میں جمعہ فرض ہے جہاں مسلمان مکلّف اس قدر ہوں کہ وہاں کی بڑی مسجد میں گنجائش نہ ہوسکے (۱)۔ اب کیا جواب ہے اثرِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جس میں چھوٹا بڑا ہونا گاؤں کا نہیں ہے، اگر بڑا گاؤں مصر ہے چھوٹا گاؤں بھی مصر ہے، حالانکہ قریہ قریہ ہے اور مصر مصر، کبھی مصر کی ایسی تعریف کرنا کہ بہت سے گاؤں بھی مصر ہوجائیں اور کبھی اتنا دائرہ تنگ کرنا کہ بہت سے شہروں کو بھی حدِ مصر سے خارج کردینا کیا عقلمندی ہے؟ مکہ، مدینہ جہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر نماز پڑھی عندالاحناف نماز جمعہ کے جائز ہونے میں شک اور تردد ہے، مرقاۃ میں ہے:

"واختلفوا في حد المصر اختلافاً كثيراً، قلّ ما يتفق وقوعه في بلادٍ، و لا تغترّ بقول من قال: إن كلا من الحرمين الشريفين مصر لصلوته عليه السلام فيهما؛ لأن الأوصاف تختلف باختلاف الأوقات، الخ" (۲)۔

=لہٰذا عندالاحناف بھی اس میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے: "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرىٰ: ۸/۱، ادارة القرآن كراچي)

"(ولأدائها شرائط في غير المصلي) ومنها: المصر، والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي يكون فيه مفتٍ و قاضٍ يقيم الحدود و ينفذ الأحكام و بلغت أبنيته أبنية منى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، سعيد)

"قال الكمال: وفناءه (أي فناء المصر) هو المكان المعدّ لمصالح متصلاً به أو فصل بغلوة، كما قدّره محمد في النوادر، وهو المختار.......... فإن الإمام لم يقدّر الفناء بمسافةٍ، وكذا جمعٌ من المحققين، وهو الذي لايُعدل عنه، فإن الفناء بحسب كبر المصر وصغره .... وبعضهم قدّره بفرسخ وفرسخين وثلاثة فراسخ. ثم قال الكمال: وقيل: بميل، وقيل بميلين وقيل: بثلاثة أميال، وقيل: إنما تجوز في الفناء إذا لم يكن بينه وبين المصر مزرعة". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۹، سعيد)

(۱) "(و يشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر و هو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها، وعليه فتوى أكثر الفقهاء". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه)

(۲) (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الخطبة والصلاة، (رقم الحديث: ۱۴۱۹): ۳/۵۱۳، رشيديه)

یا "لاجمعة" میں "لا" نفی کمال کی لے لیں، یا امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب لے لیں جیسا کہ قلتین کے بارے میں لیا ہے: " خبر القلتين صحيحٌ إسناده ثابت، و لكن تركناه؛ لأنا لا نعلم ما القلتان"(۱)۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں: أثر علي رضي الله تعالىٰ عنه صحيح وإسناده ثابت، لكن لا نعلم ما المصر الجامع؛ لأنه روى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة على الشك۔

اور جب اثرِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واثرِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تعارض ہوا تو ہم نے احادیثِ مرفوعہ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ بجز مریض، مسافر لڑکے، عورت، غلام ہر مسلمان پر جو بالغ عاقل ہو جمعہ فرض ہے شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا (۲)۔

الجواب صحیح: واللہ تعالیٰ اعلم، فقیر محمد نور الحسن بقلم خود۔۱۳/ رمضان/۱۳۵۲ھ۔

الجواب هو الموفق للصواب

نحمد و نصلي على رسوله الكريم

جس طرح جمعہ کی فرضیت پر اتفاق ہے اسی طرح اس اصل پر بھی تمام امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ مثلِ

---

(۱) "قال الحافظ أبو الفضل العراقي في أماليه: قد صحح هذا الحديث الجم الغفير من الأئمة الحفاظ: الشافعي وأبو عبيد وأحمد وإسحاق ويحيى بن معين وابن خزيمة والطحاوي الخ.

وقال العلامة ظفر أحمد العثماني نوّر الله مرقده قبل ذلك: "وقال الطحاوي: إنما لم نَقُل به؛ لأن مقدار القلتين لم يثبت". (إعلاء السنن، أحكام المياه: ۱/۱۷۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه)

امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول: إنما لم نَقُل به؛ لأن مقدار القلتين لم يثبت" کی طرح مجیب کا قول: "أثر عليّ رضي الله تعالىٰ عنه صحيحٌ، وإسناده ثابتٌ، لكن لا نعلم ما المصر الجامع .... اهـ". صحیح نہیں، کیونکہ قلتین کے بارے میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا شبوتا ہے کہ قلتین کی مقدار میں اختلاف کثیر ہے اور ہر قول ایک اصل اور حقیقت پر مبنی ہے اور ایک قول دوسرے قول سے احتراز اور اس کی نفی کے لئے ہے اور مصر کے ساتھ "جامع" کی قید اور مدینہ کے ساتھ "عظيمة" کی قید صفتِ مُوضحہ ہے، کسی دوسری چیز سے احتراز اور اس کی نفی کے لئے نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فضل مولیٰ)

(۲) "عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " الجمعة حقٌّ واجبٌ على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/۱۶۰، مكتبه امداديه ملتان)

اُور عام نمازوں کے نہیں کہ آبادی میں یا جنگل میں، جماعت سے یا تنہا ہر طرح پڑھنے سے ادا ہوجائے بلکہ جمعہ کے لئے جماعت بھی شرط ہے اور ایسا مقام بھی شرط ہے کہ جو دوسری عام نمازوں کے لئے شرط نہیں، ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الحادية والعشرون (من خصائص يوم الجمعة) أن فيه صلوة الجمعة التى خصّت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائصَ لا توجد فى غيرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الإقامة والاستيطان، اهـ" (۱)۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ محدث نے نیل الاوطار میں لکھا ہے:" والثانى (من شروط صحة الجمعة) أن تكون بقرية مبنية بما جرت به عادة أهلها و لا من قصب، يستوطنها أربعون رجلاً استيطان الإقامة، لا يظعنون عنها" (۲)۔

صاحبِ اقناع شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر کیا ہے:" الأول من شروط الجمعة البلد مصراً كانت أو قريةً"(۳)۔

---

(۱) (زاد المعاد لابن القيم، فصل فى هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى تعظيم يوم الجمعة: ۱۵۰، دار الفكر ، بيروت)

(وكذا أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "لعل هذه العبارة ليست من نيل الأوطار للشوكاني؛ لأني تتبعتها في ماعندى من مظانّه و لم أجدها فيه، بل الغالب على الظن أن هذه العبارة منقولة من نيل المآرب كما صرح به شيخ الحديث محمد زكريا قدس سره فى أوجز المسالك: "ففى نيل المآرب لفقه الحنابلة: لصحة الجمعة أربعة شروط: أحدها الوقت، والثانى أن تكون بقرية مبنية بما جرت به الخ". (أوجز المسالك، باب ماجاء فى الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فى السفر: ۲/۲۴۴، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

والقرينة على أن العبارة المذكورة ليست من نيل الأوطار هى أن العبارات التى ذكرها المفتى محمود حسن الگنگوهى قدس سره سياقاً و سباقاً من أوجز المسالك، والعبارة المذكورة أيضاً مرقومة فى الأوجز كما ترىٰ.

(۳) (أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالك، باب ماجاء فى الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فى السفر: =

فقہ مالکیہ کی مختصر الخلیل میں ہے:" شرط الجمعة وقوع كلها بالخطبة وقت الظهر باستيطان بلد أو خصاص لاخيم و بجامع مبنی متحد، الخ"(۱)، یہ اہلِ حدیث اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔

حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک: "لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر". ہدایہ(۲) وغیرہ کتب میں مشہور ومعروف ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ "حجة الله البالغة" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وقد تلقّت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة و نوع من التمدن، وكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاؤه وأصحابه رضي الله تعالىٰ عنهم والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالىٰ يجمّعون في البلدان، و لا يؤاخذون أهل البدو، بل و لا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرناً بعد قرن عصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن. أقول: و ذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد، وجب أن ينظر إلى تمدن و جماعة"(۳)۔

یعنی جمعہ کے لئے ایک قسم کی شہریت اور جماعت بالاتفاق شرط ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء اور مجتہدین نے بُلدان میں جمعہ قائم کیا ہے، بوادی میں قائم نہیں کیا، جس سے ہر زمانہ کے لوگوں نے سمجھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت اور تمدن شرط ہے اور یہ اس لئے کہ جمعہ کی حقیقت وغایت اشاعة الدين في البلدان ہے، لہٰذا جماعت اور تمدن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ اربعہ اور محدثین میں سے کسی کے نزدیک بھی میدان اور جنگل میں آبادی سے دور جمعہ جائز نہیں ہے:"لا تقام الجمعة في المفازة

= ۲/۲۴۵، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۱) (أوجز المسالک، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۵۴، ادارہ تالیفات، ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، رشیدیہ)

(۳) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة: تجب الجمعة في البلدان: ۲/۷۶، قدیمی)

(وكذا في أوجز المسالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۴، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

عند الأربعة" عینی(۱)۔

آیت ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ کی تخصیص یا تقیید حنفیہ خبرِ واحد سے نہیں کرتے، بلکہ اس کے عام مخصوص البعض ہونے پر اس کے خلاف اجماع سے استدلال کرتے ہیں، فلا اشکال:

"الإجماع يخصص القرآن كتنصيف حد القذف على العبد، فإن الكتابِ عامٌ للأحرار والعبيد، وكتخصيص الإجماع السكوتي على نزح ماء الزمزم حين وقع الزنجي حديث: "إن الماء طهورٌ لا ينجسه شيء" -رواه الترمذي (۲)- بالغدير العظيم. و تفصيله في فتح القدير و شرح سفر السعادة۔

والتحقيق أن الإجماع ليس مخصصاً حقيقةً وأنه يتضمن وجود المخصّص ولو بالقياس لعدم اعتباره من الوحي والتخصيص بعده كما لو علموا بخلاف النص الخاص، فإنه إجماعٌ رافعٌ لحكم النص لتضمنه ناسخاً؛ لأن الإجماع لا يكون على الخطأ، فالفرق بين التخصيص والنسخ به بأن الأول جائزٌ دون الثاني، كما وقع عن أهل الأصول لايعود إلى أمر معنوي، فإن الإجماع نفسه ليس بمخصص ولا ناسخ حقيقةً و باعتبار التضمن مخصّصٌ وناسخٌ، فإطلاق التخصيص باعتبار التضمن، و في النسخ اعتبروا الحقيقة كما في شرح المختصر، الخ". فواتح الرحموت(۳)۔

---

(۱) (البناية للعيني، كتاب الصلاة، باب الجمعة، تحت عبارة الهداية: "و لا تجب الجمعة على مسافر و لا امرأة و لا مريض الخ": ۱/۱۰۰۰، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد)

(وكذا في أوجز المسالک، باب ما جاء في الإمام ينزل يوم الجمعة الخ: ۲/۲۴۴، إدارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

(۲) الحديث بتمامه: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله! أنتوضأ من بير بضاعة و هي بئر يلقى فيها الحيض و لحوم الكلاب و النتن؟ فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الماء طهور لا ينجسه شئ". (جامع الترمذي، أبواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء طهور لا ينجسه شئ: ۱/۲۱، قديمي)

(۳) (فواتح الرحموت لعلامة عبد العلى الهندي، التخصيصات، الرابع: الصفة، مسألة: الإجماع =

اگر یہ آیت اپنے اطلاق وعموم پر ہو تو چاہئے کہ ہر جگہ کی فرضیت واقامت کا حکم کیا جاوے "وهو خلاف الإجماع كما مر آنفا، بلکہ جس طرح اس سے بعض نماز پڑھنے والوں عورت، مسافر، غلام وغیرہ کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے اسی طرح نماز کی جگہ کو بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے:

"إن قوله تعالىٰ: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ ليس على إطلاقه اتفاقاً بين الأئمة؛ إذ لا يجوز إقامتها في البراري إجماعاً اهـ، قاطع للشغب". فتح القدير (۱)۔

قال أبو بكر الرازي في كتابه: "الأحكام": "اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع، لا يجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مُجمِعون على الجمعة لا يجوز في البوادي ومناهل الأعراب، اهـ" (۲)۔

جب یہ آیت بالاتفاق اپنے اطلاق پر نہیں ہے تو روایات:" الجمعة حقٌ واجبٌ على كل مسلم في جماعة" (۳) اور "رواح الجمعة واجب على كل محتلم" (۴) کیسے اپنے اطلاق پر باقی رہ سکتی ہے، عبد وغیرہ چار کو "ابو داؤد شریف" میں مستثنیٰ کیا ہے۔ اہلِ بادیہ کے استثناء کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:"روى من طُرقٍ شتى يقوى بعضها بعضاً: "خمسةٌ لا جمعة عليهم" وعدّ منهم أهل البادية" (۵)۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان اہل بحرین کو:" جمّعوا حيثما كنتم" (۶) کس طرح بلا تقیید قابلِ استدلال نہیں۔

= يخصص القرآن والسنة: ۱/۳۷۷، ۳۷۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في أوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل يوم الجمعة في القرية في السفر: ۲/۲۴۴، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۲) (أحكام القرآن للجصاص، پ ۲۸، سورة الجمعة، فصل: ۳/۶۶۲، قديمي)

(۳) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الجمعة للمملوك والمرأة: ۱/۱۶۰، إمداديه، ملتان)

(۴) (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف: ۱/۲۰۳، قديمي)

(۵) (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۲/۷۶، قديمي)

(۶) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۳۸۰، دار المعرفة، بيروت)

جب یہ امر مسلّم ہوگیا کہ جمعہ کے لئے کچھ نہ کچھ تمدن سب کے نزدیک ضروری ہے تو اصل مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں اور اختلاف ہے تو اس کی تحدید وتعریف میں ہے پس ہر مجتہد نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق اپنے زمانے کے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے تمدن کی تحدید وتعریف کی اور چونکہ تعریف عرف کے اعتبار سے تھی اس لئے عرف کے بدلنے کی وجہ سے تعریف بھی بدلتی رہی، تاہم شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان فرمودہ غایت جمعہ کے مطابق جس کو صاحبِ بدائع وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے، حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحدید وتعریفِ تمدن أنسب وألیق ہے۔ بدائع صنائع میں ہے:

"ولنا ما روى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال:" لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع" وعن علي رضي الله تعالىٰ عنه:" لا جمعة و لا تشريق و لا فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع"۔

"وكذا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقيم الجمعة بالمدينة و ما رُوي الإقامةُ حولها. و كذا الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم فتحوا البلاد، و ما نصبوالمنابر إلا في الأمصار، فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصر شرطٌ، ولأن الظهر فريضة فلا يترك إلا بنصٍ قاطع، والنص ورد بتركها إلا الجمعة في الأمصار، و لهذا لا تؤدى الجمعة في البراري، ولأن الجمعة من أعظم الشعائر فتختص بمكان إظهار الشعائر، وهو المصر، اهـ".(۱)۔

حنفیہ کی کتب میں مصر کی تعریف مختلف ملتی ہے، اس کا منشاء بھی یہی ہے جس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مصر کی تعریف امام اعظم سے مروی ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، وأما شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴، رشيديه)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۲۵، ۲۲۶، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

فيما يقع من الحوادث، و هذا هو الأصح. انتهىٰ". كبيرى(۱)۔

اگر گاؤں میں جس میں شہریت بالکل نہ ہو جمعہ جائز ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ضرور منقول ہوتا جیسا کہ شہر میں پڑھنا بتواتر منقول ہے۔ اگر گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز اور گاؤں والوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہوتا تو اہلِ عوالی سات سات میل سے جمعہ پڑھنے کے لئے مدینہ طیبہ میں علی سبیل المناوبۃ کیوں جایا کرتے تھے، اپنے یہاں کیوں نہیں پڑھا کرتے تھے؟ اور جو نہیں جاتے تھے تو کیا ان پر فرض نہیں تھا (۲)۔

مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے جدامجد شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی شرح مؤطا میں تحریر فرمایا ہے: "اتفقوا علىٰ أن لا جمعة في العوالي، اهـ" (۳)۔ اگر آیت اور روایت میں عموم ہے اور گاؤں میں جمعہ فرض ہے تو اس کے خلاف یہ اتفاق کیسا ہے؟ پھر مولانا اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا چھوٹی بستی میں (اگر اس کا گاؤں ہونا مصرح اور متیقن ہو جائے) جمعہ پڑھنا کس طرح حجت ہو سکتا ہے؟

"روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع" وروى عن عليّ مثله. و أيضاً لو كانت الجمعة جائزةً في القرىٰ لَوَرَد النقل به متواتراً كوروده في فعلها في الأمصار لعموم الحاجة إليه، وأيضاً لمااتفقوا على امتناع جوازها في

---

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي، فيأتون في الغبار يصيبهم الغبار والعرق، فيخرج منهم العرق فأتى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إنسانٌ منهم وهو عندي، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو أنكم تطهرتم ليومكم هذا". (الصحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة: ۱/۱۲۳، قديمي)

(۳) (مسوّى شرح مؤطا، بابٌ: لا جمعة في العوالي، ص: ۱۵۵، مكتبه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(وكذا في اوجز المسالك، باب ما جاء في الإمام ينزل يوم الجمعة في القرية في السفر: ۲/۲۴۴، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

البوادی؛ لأنها ليست بمصر و جب مثله فی السواد. و روی أنه قيل للحسن: إن الحجاج أقام الجمعة بالأهواز فقال: لعن اللّٰه الحجاج يترك الجمعة فی الأمصار و يقيمها فی حلاقيم البلاد، اهـ". أحكام القرآن (۱)۔

"عن حذيفة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: ليس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدينة، اهـ". عينی (۲)۔

"لا جمعة و لا تشريق" موقوفاً ومرفوعاً دونوں طرح مروی ہے اور جب کہ مرفوعاً ثابت ہے تو اس کا موقوف ہونا کچھ مضر نہیں، نیز ما لا يدرك بالرأی عن الصحابی باتفاقِ ائمہ مرفوع کے حکم میں ہے:

"من المرجحات لقول الحنفية قولُه عليه السلام:" لا جمعة و لا تشريق، الخ" الحديث المشهور ذكره أبو يوسف فی الأمالی مسنداً مرفوعاً، و هو إمامٌ فی الحديث والفقه، فلا يضره وقف مَن وقفه؛ إذ هو من شيوخ مشايخ البخاری۔ و قال العينی فی شرح البخاری: إن أبا زيد زعم فی الأسرار أن محمد بن الحسن رحمه اللّٰه تعالیٰ قال: رواه مرفوعاً معاذُ وسراقةُ ابن مالك رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما، اهـ. قال العينی: والإثبات مقدم علی النافی، و لو سُلّم فرضاً صحةُ وقفه و هو لا يُدرَك بالقياس، وأجمعت أئمة أصول الحديث أن ما لايُدرك بالرأی فی حكم المرفوع، ففی اٰثار السنن عن شرح ألفية العراقی: و ما جاء عن الصحابی موقوفاً عليه ومثله، لايقال من قبل الرأی: حكمه حكم المرفوع، كذاقال الرازی فی المحصول. وعن تدريب السيوطی: ومن المرفوع أيضاً ما جاء من الصحابی و مثله لايقال بالرأی: و لا مجال للاجتهاد فيه، فيحمل علی السماع، جزم به الرازی وغير واحدٍ من أئمة الحديث انتهی". أوجز(۳)۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة، پ: ۲۸، فصل: ۶۶۲/۳، قديمی)

(۲) (أخرجه العلامة العينی فی شرحه البناية علی الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۹۸۲/۱، ملک سنز فيصل آباد)

(۳) (أوجز المسالک شرح مؤطا إمام مالک، باب ما جاء فی الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة فی السفر: ۲۴۵/۲، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

عبارتِ بالا سے واضح ہوگیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، یہ امر سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ جمعہ قیامِ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً میں فرض ہو چکا تھا جیسا کہ سیوطی نے ''اتقان'' اور ''ضوء الشمعہ'' میں، شیخ ابن حجر مکی نے ''شرح منہاج'' میں، شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں وثوق کے ساتھ تحریر کیا ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنی عمرو بن عوف میں چودہ شب قیام فرمایا- کمافی روایۃ الشیخین - اور جمعہ نہیں پڑھا، لہٰذا گاؤں میں جمعہ جائز نہیں (۱)۔

حالانکہ ''منتهى الأرب'' میں ہے: ''جواثی، کجباری شہر خط یا قلعہ است ببحرین'' (۲)۔ ''صراح'' میں ہے: ''جواثیٰ نام حصے بحرین'' قاموس میں ہے: ''مدينة الخط وحصنٌ بالبحرين''۔ مرقاۃ الصعود میں ہے: ''مدينةٌ بالبحرين لعبد القيس''۔ عمدۃ القاری میں ہے: ''حكى ابن أبي أنيس عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة''۔ صحاح اور بدائع میں ہے: ''حصنٌ بالبحرين، وقال أبو عبيد البكري: مدينة بالبحرين'' (۳)۔

---

(۱) ''منها أنه ثبت في محله أنها فرضت بمكة، و هذا مما يبعد الإنكار عنه، به جزم الشيخ أبو حامد والسيوطي في الإتقان و رسالته ضوء الشمعة، والشيخ ابن حجر المكي في شرح المنهاج، والشوكاني في النيل، و هو الأصح .... ثم قدم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة، فأقام بقباء في بني عمرو بن عوف، ثم خرج يوم الجمعة، فأدركته الجمعة في بني سالم .... وقد أخرج الشيخان أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نزل في بني عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلةً. الحديث. و لم يصلّ عليه السلام فيها الجمعة''. (أوجز المسالك شرح مؤطا الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۷، إداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچى)

(وكذا في نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين وإقامتها في القرى: ۳/۲۸۳، دار الباز، مكة المكرمة)

(۲) (منتهى الأرب لعبد الرحيم صفى پورى، الكتاب الخامس في الجيم، باب الجيم، فصل الهمزة: ۱/۱۷۴، مطبع اسلاميه لاهور)

(۳) ''ففي الصراح نام حصن ببحرين۔ و في القاموس: '' مدينة الخط أو حصنٌ بالبحرين. و في مرقاة الصعود:=

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جواثی شہر ہے، گاؤں نہیں ہے، لفظ "قریہ" سے اشتباہ ہوتا ہے حالانکہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے، قال الله تعالى: ﴿لو لا نزّل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم﴾ الآية. قال القاضي البيضاوي في تفسيرها: "إحدى القريتين: مكة و طائف"(۱)۔ قال الله تعالىٰ: ﴿واسئل القرية التي كنّا فيها﴾ الآية. قال القاضي: "يعنون مصر و قريةً بقربها"(۲)۔

وقال الله تعالى: ﴿ واضرب لهم مثلاً أصحاب القرية﴾ الآية، قال الحلبي: "أي إنطاكيه"(۳)۔

اسی طرح: ﴿إن الملوك إذا دخلوا قريةً أفسدوها﴾ (٤) اور﴿و كأيّ من قرية هي أشد قوةً من قريتك التي أخرجتك﴾۔ الآية (٥) وغیر ذلک۔

قاموس میں ہے: "القرية: المصر الجامع"(٦) اور قریہ کا اطلاق گاؤں پر بھی ہوتا ہے۔ پس جس روایت میں آتا ہے کہ "قریہ" میں جمعہ جائز نہیں وہاں قریہ سے مراد گاؤں ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر عینی شرح بخاری سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ: "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل

= مدينةٌ بالبحرين لعبد القيس. و في عمدة القاري: حكى ابن التين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة. و في الصحاح للجوهري والبلدان لزمخشري: حصنٌ بالبحرين. و قال أبو عبيد البكري: مدينة بالبحرين، انتهى". (أوجز المسالک شرح مؤطا الإمام مالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۸، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۱) (تفسير البيضاوي، (سورة الزخرف، پ: ۲۵، آية: ۳۱) : ۲/۲۸۰)

(۲) (تفسير البيضاوي، (سورة يوسف: پ: ۱۳، آية: ۸۲)، ۱/۴۰۳)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۴) (سورة النمل: پ: ۱۹ آیت: ۳۴)

(۵) (سورة محمد: پ۲٦، آیت: ۱۳)

(٦) "و به جزم أهل اللغة ففي القاموس: "القرية" المصر الجامع". (أوجز المسالک شرح مؤطا الإمام مالک، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۷، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

الأمصار مثل المدينة"(۱)۔

امصار کے مقابلہ میں "قریٰ" کا لفظ شاہدِ عدل ہے اس پر کہ قریہ سے مراد گاؤں ہے اور جس جگہ آتا ہے کہ قریہ میں جمعہ پڑھا گیا وہاں قریہ سے مراد شہر ہے جیسا کہ جواثیٰ کے متعلق مختلف عبارات سے واضح کر دیا گیا۔

"زاویہ" اور "سالم" کے متعلق کوئی نقل صحیح نہیں ہے کہ وہ گاؤں ہیں، پھر یہ کہ جمعہ فرض ہوئے مدت گزر گئی تھی اور اسلام کی بہت کچھ اشاعت ہو چکی تھی- کما لا يخفى على أهل العلم- تو مدینہ منورہ کے علاوہ سب سے پہلا جمعہ "جواثیٰ" میں کیوں ہوا، دوسرے دیہات میں کیوں نہیں پڑھا گیا(۲)۔

جو بڑا گاؤں ہے کہ اپنی آبادی اور ضروریات کے لحاظ سے شہر کے مثل ہے وہ شہر ہی کے حکم میں ہے اس کے مقابلے میں معمولی اور چھوٹے گاؤں کو جو آبادی اور ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے بالکل ادنیٰ درجہ کا ہو مصر کہنا قرینِ دانشمندی نہیں، فنائے مصر اور مصلیٰ مصر کسی طرح مصر سے علیحدہ نہیں، لہٰذا وہاں بھی جمعہ مثلِ شہر کے درست ہے، اگر سلطان یا نائبِ سلطان کا موجود ہونا فتنہ یا موتِ سلطان کی وجہ سے متعذر ہو تو اتفاق کر کے کسی صالح شخص کو امام بنالیا جائے اور وہ نماز پڑھائے نماز صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ اس کی اصل موجود ہے:

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ في شرح البخاري للعيني، و لكن أخرجه في شرح الهداية، كما صرح به شيخ الحديث رحمه الله تعالىٰ في أوجز المسالك: "قال العيني في شرح الهداية: و عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه الخ". (باب ماجاء الإمام ينزل بقرية .... اهـ: ۲/۲۴۶، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

(وأخرجه العلامة العيني في البناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۹۸۲، ملک سنز فيصل آباد)

(ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع، (رقم الحديث: ۵۰۶۰): ۱/۴۳۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وعلى قول الواقدي: إن قدومهم كان سنة ثمان قبل فتح مكة، وفي أثناء هذه المدة كان الإسلام قد انتشر في أكثر القرىٰ، و كثيرٌ من أهلها لا يشهدون الجمعة بالمدينة، ولو كانت الجمعة جائزةً في القرىٰ، لأقيمت في قريتهم قبل جواثىٰ، انتهى". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الاسلامي)

(وكذا في أوجز المسالك شرح مؤطا الإمام مالك، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۷، إدارہ تاليفات اشرفيه ملتان)

" وإذا لم يكن استيذان السلطان بموته أو فتنة، واجتمع الناس على رجل، فصلى بهم، جاز للضرورة، كما فعل عليّ رضي الله عنه في محاصرة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه".
طحطاوی علی مراقی الفلاح(۱)۔

اور گاؤں کے لوگ اگر جمعہ پڑھنے کو شہر میں حاضر نہ ہوں تو ان کو ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہئے کیوں کہ ان پر جمعہ فرض نہیں (۲)، اگر شہر میں آجاتے تو جمعہ فرض ہوجاتا اور دیہات میں رہتے ہوئے ان پر جمعہ فرض نہیں، کما فی رد المحتار (۳) وغیرہ من کتب الفقہ۔ اگر وہ گاؤں میں جمعہ پڑھیں گے تو اس میں چند قسم کی خرابی ہے: فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا (۴)، جس کو نمازِ جمعہ سمجھ کر پڑھیں گے وہ نفل ہوگی اور نفل کی جماعت علی سبیل التداعی منع ہے (۵) اور نفلِ نہاری میں قرأت بلاجہر بھی منع ہے (۶) اور گاؤں میں

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۰۷، قديمي)
(وكذا في عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة، في القرى والمدن: ۱۹۱/۶، سهيل اكيڈمی لاهور)
(۲) "من لا تجب عليهم الجمعة لبُعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعيد)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)
(۳) "و إن دخل القَرَوِيُّ المصر يوم الجمعة، فإن نوى المكث إلى وقتها لزمته، و إن نوى الخروج قبل دخوله لا تلزمه، و إن نواه بعد دخول وقتها تلزمه". (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۶۳/۲، سعيد)
(۴) "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)
(۵) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ و منبرٌ و خطيب كما في المضمرات، والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة". (رد المحتار، كتاب الصلاة باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)
"التطوع بالجماعة إذاكان على سبيل التداعي يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة: ۸۳/۱، رشيديه)
(۶) "عن يحى بن أبي كثير، قال: قالوا: يارسول الله! إن قوماً يجهرون بالقراءة بالنهار، فقال: "ارموهم بالبعر". قال الشيخ ظفر العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: دلالته على وجوب إخفاء القراءة في صلاة النهار ظاهرة". (إعلاء السنن، أبواب القرأة، باب وجوب الجهر في الجهرية والسر في السرية: ۹،۶/۴، إدارة القرآن، كراچی) =

رہتے ہوئے ان پر جمعہ کو فرض کہنا اور پھر گاؤں میں جمعہ کا حکم کرنا بے اصل ہے، اس لئے درست نہیں (۱)۔

"لا جمعة" میں "لا" نفی کمال کا نہیں لے سکتے کیونکہ عباراتِ بالا سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہی نہیں، اگر جمعہ خلافِ اولیٰ ہوتا تو یہ احتمال تھا، نیز قائل بالفصل کوئی نہیں جن کے نزدیک جائز ہے، شہر اور گاؤں دونوں میں کمال کے ساتھ ہے جو منع کرتے ہیں، گاؤں میں بالکل منع کرتے ہیں۔ مصر کی تعریف معلوم ہونے کے بعد امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب پر قیاس کرتے ہوئے جواب دینا قیاس مع الفارق ہے، والبسط فی بذل المجهود فی حل أبی داؤد (۲) وأوجز المسالك

= "وأما نوافل النهار، فيخفي فيها حتماً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشيديه)

(۱) "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزومٍ والتخصيص من غير مخصصٍ مكروهاً كما صرح به ملا على القاري في شرح مشكوة المصابيح والحصكفي في الدر المختار و غيرها". (مجموعة الرسائل للشيخ عبد الحيّ اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر: ۳/۳۴، إدارة القرآن كراچی)

"قال الطيبي: و فيه أن من اصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد: ۳/۳۱، رشيديه)

(۲) "قلت: و اصرح من ذلك أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قبا .... أربعة عشر يوماً أو أربعةً وعشرين —كما في البخاري على نسخها— و وقعت الجمعة في أثنائها، و لم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمّعوا فيها. وسار يوم الجمعة يريد المدينة، فجمّع في مسجد بني سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج —وهي محلة من المدينة— فكانت أول جمعة جمّعت في الإسلام: فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى و لم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرىٰ ليست محل إقامة الجمعة الخ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچی)

إلی مؤطا إمام مالك (۱) وأحسن القری وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۳۰/ربیع الثانی/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: و هذا الكلام إذا كان السائل والمجیب غیر مقلد للإمام الهمام، وأما إذا كان كلٌّ منهما مقلداً له، فلا یسوغ للمقلد الاجتهاد و ترك ظاهر الروایة، لاسیماً فی هذا الزمان. وأنا العبد الأفقر إلی الله الصمد: سعید أحمد الأجراروی المبتلی بأمانة الإفتاء بمدرسه مظاهر علوم سهارنپور، ۳۰/ربیع الثانی/۱۳۵۴ھ۔

گاؤں میں نمازِ جمعہ، فنائے شہر اور اس کی حد

سوال [۳۷۰۷]: ایک ایسی جگہ جہاں بازار ڈاک خانہ وآبادی تقریباً تین چار ہزار ہے، کیا اس کو شہر کہہ سکتے ہیں، نیز ایسی جگہ جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہاں جمعہ قائم کر سکتے ہوں تو اس کے قرب وجوار کے لوگ وہاں جمعہ پڑھنے آویں ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں، یہ لوگ فنائے شہر میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ فنائے شہر کس کو کہتے ہیں، اس کی حد شہر سے کہاں تک ہوتی ہے؟

اظہار الدین، فیض آبادی۔

---

(۱) "عن حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لیس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمع علی أهل الأمصار مثل المدائن. أخرج بسنده عن هشام عن الحسن (البصری) و محمد (بن سیرین) أنهما قالا: الجمعة فی الأمصار. وأخرج عن الحسن أیضاً أنه سئل علی أهل الأیلة جمعة؟ قال: لا. و أخرج عن أبی بكر بن محمد أنه أرسل إلی ذی الحلیفة: لا تجمّعوا بها، وأن تدخلوا إلی المسجد مسجد الرسول صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... فهذه الآثار صریحة فیماقاله الحنفیة، هذا، و قد ورد بطرق عدیدة مرفوعة و موقوفة الخ". (أوجز المسالک، ما جاء فی الإمام ینزل بقریة یوم الجمعة فی السفر: ۲/۲۴۲، إدارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (أحسن القری فی توضیح أوثق العری (اردو) تصنیف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی جگہ شہر کے حکم میں ہے لہذا جمعہ واجب ہوگا۔فناء شہر کی تعریف یہ ہے:"فناء ه ما حوله اتصل به أولا لأجل مصالح كدفن الموتى وركض الخيل، والمختار للفتوىٰ تقديره بفرسخ". درمختار: ۱/۸۳۷(۱)۔لہٰذا اس حد کے اندر رہنے والوں کو جمعہ کے لئے حاضر ہونا چاہئے اور فنائے شہر کی حد میں فقہاء کے آٹھ قول ہیں اور مفتی بہ قول علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرسخ (تین میل) نقل کیا ہے، والبسط فی ردالمحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ ۲۵/۲/۵۳ھ۔

گاؤں میں نمازِ جمعہ

سوال[۲۷۰۸] : موضع شیخ پورہ جس کی مردم شماری ۱۰۴۰/ کی ہے، اس میں قصاب، عطار، لوہار، حلوائی، پنواڑی، پرچون، بزاز کی دوکانیں بھی ہیں، ایک حکیم بھی ہے، مسلمان زیادہ ہیں، سب قسم کی اقوام آباد ہیں۔ موضع موصوف میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

عبداللہ خان نوریاف۔

---

(۱) (الدرالمختار، باب الجمعة: ۱۳۹/۲، سعید)

"(أو فناء ه) بكسر الفاء(و هو ما حوله) اتصل به أولا .... (لأجل مصالح) كدفن الموتى و ركض الخيل، والمختار للفتوى تقديره بفرسخ ذكره الولوالجي". (الدرالمختار).

"(قوله: والمختار للفتوى الخ) اعلم أن المحققين أهل الترجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة، و كذا محرر المذهب الإمام محمد، و بعضهم قدره بها. و جملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة، سماع الصوت، سماع الأذان. والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر و صغره .... فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعدّ لمصالح المصر، فقد نص الأئمة على أن الفناء ما أعِدّ لدفن الموتى و حوائج المصر الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۹/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۵/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی و بازار وغیرہ ضروریات کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو ہونا ضروری ہے، آبادی کم از کم تین چار ہزار ہونا چاہئے، لہٰذا موضع شیخ پورہ مذکورہ میں جس کی آبادی صرف ایک ہزار چالیس ہے جمعہ جائز نہیں، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہئے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر أو في مصلى المصر، ولا تجوز في القرى". هدايه، ص:١٤٨(١) "ومن لا تجب عليه الجمعة من أهل القرى والبوادي، لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة". عالمگيرى:١/١٢٣ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ایضاً

سوال[۳۷۰۹]: زید کہتا ہے کہ قریہ میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف وحدیث شریف وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کیا ہے اور اس پر علمائے دیوبند کا عمل ہے۔

بکر کہتا ہے کہ قریہ میں نماز جمعہ کو ناجائز کہنے والا اور کرنے والا راندہ جائے گا مثل فرعون وقارون کے، بلکہ وہ شخص ملعون ومردود ہے جیسے اُبی بن خلف رئیس المنافقین۔ یہ تمام الفاظ بکر نے بکے ہیں، لہٰذا زید کا کہنا

---

(١) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١/١٦٨، مكتبه شركة علميه ملتان)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ١/٨، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٤٥، ١٤٨، مكتبه رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٥، رشيديه)

" من لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٥٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٢٦٩، رشيديه)

قرآن شریف وحدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وآثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وائمہ کے اقوال سے ثابت فرما کر بکر کی اس قسم کی بکواس کے مصداق کون ہوئے، اس کو شرعاً کیا کہا جائے گا؟

بکر کا کہنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل پیش کرو کہ آپ رقیہ میں گئے اور نماز جمعہ نہیں پڑھا۔ مدلل ومفصل بیان کر کے عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص گاؤں میں جمعہ کی فرضیت کا قائل ہے اس کے ذمہ دلیل ہے، منکر کے ذمہ دلیل نہیں، لأن البينة على المدعى(١)، تاہم ازید کے قول کا منشاء امور ذیل ہیں:

١ – "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق إلافي مصر جامع، اهـ". كتاب الآثار لأبي يوسف، ص: ٦٠ (٢)۔

یہ حدیث مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح مروی ہے، چنانچہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر،ص:۴۰۹، میں ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق سے اس کی روایت اور ابن حزم سے اس کی تصحیح نقل کی ہے(۳)۔

حافظ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "أن أبا زيد زعم في الأسرار أن محمد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ و سراقة بن مالك"(٤)۔

---

(١) الحديث بتمامه: "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في خطبته: "البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء أن البينة على المدعي الخ: ١/٢٤٩، سعيد)

(٢) (أخرجه الإمام أبو يوسف في كتاب الآثار، في باب صلاة العيدين، رقم الحديث: ٢٩٧، ص: ٦٠، دار الكتب العلمية بيروت)

(٣) "وإنما رواه ابن أبي شيبة موقوفاً على عليّ رضي الله تعالىٰ عنه: "لاجمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أومدينة عظيمة". صححه ابن حزم، ورواه عبد الرزاق من حديث عبد الرحمن .... و كفى بقول علي رضي الله تعالىٰ عنه قدوةً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ٢/٥١، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(٤) (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى والمدن: ٦/١٨٨، سهيل اكيڈمي لاهور)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ درایہ میں اس کے متعلق کہتے ہیں: "إسناده صحيح". جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا جیسا کہ سیوطی نے اتقان اور ضوء الشمعہ میں اور علامہ شوکانی نے نیل الأوطار میں اور ابن حجر مکی نے شرح منہاج میں تصریح کی ہے(۱)۔

۲-اور مکہ معظمہ میں اس کے ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ قدرت نہیں تھی پھر بوقت ہجرت چودہ روز یا چوبیس روز جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے آپ نے بنی عمرو بن عوف میں قیام کیا اور وہاں جمعہ ادا نہیں کیا اور نہ دوسروں کو حکم فرمایا ادائے جمعہ کا۔

۳-حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز عرفات میں قیام کیا اور وہاں جمعہ ادا نہیں کیا بلکہ ظہر کی نماز ادا فرمائی، صرح به مسلم(۲)۔

۴-حافظ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں: "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة

---

(۱) "قلت: قال الحافظ في الدراية: روى عبد الرزاق عن علي رضي الله تعالىٰ عنه: "لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". و إسناده صحيح .... قلت: لأن الجمعة فرضت بمكة قبل نزول سورة الجمعة على ما قاله الشيخ أبو حامد، والعلامة السيوطي في "الإتقان" و رسالته "ضوء الشمس" والشيخ ابن حجر المكي في "شرح المنهاج" والشوكاني في "النيل" وهو الأصح، خلافاً للحافظ ابن حجر. و لم يتمكن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن إقامتها هناک، فصلى أول جمعة بالمدينة". حين قدم .... وأصرح من ذلک أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لماهاجر إلى المدينة أقام في قبا -وهي قرية قرب المدينة ، قال يعقوب بن عبد الله في معجم البلدان: "قبا" و أصله اسم بير هناک، عرفت القرية بها، و هي مساكن بني عمرو بن عوف-، أربعة عشر يوماً أوأربعةً وعشرين، -كما في البخاري على اختلاف نسخها- و وقعت الجمعة في أثنائها ولم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة، ولم يأمرهم أن يجمّعوا فيها، اهـ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۱۷۰/۲، معهد الخليل الإسلامي كراچي)

(۲) "فسار رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... حتى أتى عرفة .... ثم أذّن، ثم أقام، فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۳۹۶/۱، ۳۹۷، قديمي)

مخصوصة بموضع، لايجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مُجمِعون على أن الجمعة لايجوز في البوادي ومناهل الأعراب، اهـ". (۱)۔

۵..... شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں: "و قد تلقت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقى لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوعٌ من التمدّن، وكان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفائه وأصحابه والأئمة المجتهدون يجمّعون في البلدان، و لا يؤاخذون أهل البدو، بل لا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرناً بعد قرن عصراً بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن. أقول: ذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعةَ الدين في البلد، وجب أن ينظر إلى جماعة و تمدن، اهـ" (۲)۔

بکر کو چاہئے کہ اولاً اپنے دعویٰ پر دلائل پیش کرے پھر دلائلِ مذکورہ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وعمل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل ائمۂ مجتہدین کے عمل اور اجماع کا جواب دے اور گالیاں دینے اور ملعون کہنے سے اجتناب کرے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أربع من كنّ فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلةٌ منهن كانت فيه خصلةٌ من النفاق حتى يدعها: إذا أوتمن خان، و إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق عليه(۳)۔ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده"(٤)۔ "سباب المسلم

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، فصل سورة الجمعة: ۲۶۶/۳، قديمى)

(۲)(حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، باب الجمعة، تجب الجمعة في البلدان: ۷۶/۲، قديمى)

(۳) (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قديمى)

(٤) (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون الخ: ۶/۱، قديمى)

وفي باب: أيّ الإسلام أفضل، والحديث بتمامه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" و لفظ آخر أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيّ الإسلام أفضل؟ قال: "من سلم المسلمون من لسانه و يده". (الصحيح لمسلم، باب بيان تفاضل الإسلام الخ: ۴۸/۱، قديمى)

فسوق"(۱)۔ "إن اللّعانين لايكونون شهداء و لا شفعاء يوم القيامة"(۲)۔ "ليس المؤمن بالطعّان و لاباللّعان و لا الفاحش و لا البذئ"(۳)۔

"لأن العبد إذا لعن شيئاً، صعدت اللعنة إلى السماء، فتغلق أبواب السماء دونها، ثم تهبط إلى الأرض فتغلق أبوابها دونها، ثم تأخذ يميناً و شمالاً، فإذا لم تجد مساغاً، رجعت إلى الذى لعن، فإن كان لذلك أهلاً وإلا رجعت إلى قائلها، اهـ". مشکوۃ شریف(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۳۷۱۰]: ۱......ایک بستی کی آبادی تقریباً تین ہزار ہوگی، جس کی نوعیت ایسی ہے کہ اکثر مکانات اور گلی کوچے پختہ ہیں، دوکانیں پچیس سے بھی زائد ہیں اور ایک مرکزی دینی مدرسہ بھی ہے اور سات مساجد ہیں، ہندی اسکول بھی ہے، ضرورت کی تمام اشیاء روزمرہ کی ضرورت میں مل جاتی ہیں، گوشت کی بھی چار پانچ دوکانیں ہیں اور قربانی بھی یہاں ہوتی ہے اور بس کا بھی صحیح انتظام ہے کہ یہیں سے بیٹھ کر اہلِ میرٹھ، بروقت

(۱) الحديث بتمامه: "أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر".
(صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن أن يحبط عمله وهو لا يشعر: ۱/۱۲، قديمى)
(الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان فى قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: سباب المسلم فسوق و قتاله كفر": ۱/۵۸، قديمى)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب البر و الصلة، باب النهى عن لعن الدواب وغيرها: ۲/۳۲۳، قديمى)
(ومشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان اهـ: ۲/۴۱۱، قديمى)
(وجامع الترمذى، أبواب البر الصلة، باب ماجاء فى اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

(۳) (سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب فى اللعن: ۲/۲۷۲، دار الحديث ملتان)

(۴) (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان: ۲/۴۱۳، قديمى)

اور دیگر اطراف کا سفر بسہولت ہوجاتا ہے، بس یہاں آکر رات کو بھی رکتی ہیں ان کے کھانے اور قیام کا بھی انتظام ہے۔ غرض! اس طرح ہے کہ اگر یہ تمام دوکانیں یکجا طور پر ہوں تو بازار کی صورت ہوجائے، اب یہ دوکانیں سب منتشر اور جدا ہیں اس بستی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

۲......بعض علماء جو کہ یہاں آتے بھی رہتے ہیں مگر وہ جمعہ نہیں پڑھتے عدم جواز کے قائل ہیں اور بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں جواز کے قائل ہیں اور یہاں کے تمام مدرسین بھی جو کہ علماء بھی ہیں جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

۳......بعض علماء بعض جگہوں پر عدم جواز جمعہ کو سمجھتے ہوئے قائل ہیں مگر پھر بھی جمعہ پڑھتے ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں جب ان سے سوال ہوتا ہے کہ آپ تو عدم جواز کے قائل ہیں، پھر کیوں پڑھتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ میں نہ تو مجتہد ہوں نہ مفتی، مجھے اپنے قول پر عمل کرنے کے بجائے مفتیان میں سے کسی کے قول پر بھی عمل کرنا درست ہے۔ تو کیا یہ درست ہے؟

نوٹ: جیسا کہ فی زمانا مسئلہ جمعہ فی القریٰ کے متعلق کافی خلفشار وانتشار ہو رہا ہے اگر آپ جیسی شخصیت مظاہر علوم و دارالعلوم کے مفتیانِ کرام واہلِ فتاوی نویسوں کے اجماع واتفاق سے اس مسئلہ کو شائع کردیں جس میں قریہ کبیرہ اور سوق کے مصداق جو مفہومِ صحیح کو واضح تر فرما کر تحریر فرمائیں تو یہ افراط وتفریط ختم ہوجائے جو کہ ہو رہی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......تحریر سوال سے تو ظاہر ہے کہ یہ مقام قریہ کبیرہ ہے یہاں جمعہ کی اجازت ہے (۱)، احتیاطاً کسی ایسے عالم کو بُلا کر معائنہ کرادیں جس کو فقہ اور فتاویٰ میں تجربہ اور بصیرت ہو پھر وہاں کے سب حالات دیکھ کر جو

---

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشریق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القری: ۸/۱، ادارة القرآن کراچی)

"عن أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة فیها سکک و أسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعید)

شرعی حکم بتائے اس پر عمل کیا جائے (۱)۔

۲..... جس عالم اور مفتی پر زیادہ اعتماد ہو اس کی بات پر عمل کیا جائے (۲)۔

۳..... جو شخص فقہ کی روشنی میں خود کوئی رائے قائم نہ کرسکے اس کے لئے راہِ عمل یہی ہے کہ قابلِ اعتماد مفتی کے فتویٰ پر عمل کرلیا کرے، کیونکہ ہر عالم میں شرعی رائے قائم کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔

نوٹ: مسئلہ تو زمانۂ قدیم سے اختلافی چلا آرہا ہے اس پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں، قریب کے اکابر نے بھی کتابیں لکھی ہیں، اوثق الکبری (۳) احسن القریٰ (۴) وغیرہ میں دلائل حدیث وفقہ کی رو سے موجود ہیں، اس لئے سب کو ایک رائے پر اتفاق کرنا دشوار ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ (صدر مفتی) دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۱۴۰۶ھ۔

ایضاً

سوال [۳۷۱۱]: ایک چھوٹا گاؤں ہے جس کی آبادی دو یا ڈھائی ہزار کی ہوگی، ہفتہ میں دو روز بازار لگتا ہے، ضرورت کی ہر چیز بھی مل جاتی ہے، گاؤں میں تقریباً دس دکانیں پرچون کی ہیں، مگر سب منتشر ہیں ایک جگہ نہیں ہیں جن میں ہر وقت سامان مل جاتا ہے، تین حلوائیوں کی دوکانیں ہیں وہ بھی منتشر ہیں ایک جگہ نہیں ہیں، کپڑے کے بیچنے والے بہت ہیں، ڈاکخانہ بھی ہے اسپتال بھی ہے، پرائمری اسکول ہے وجونیئر ہائی اسکول بھی ہے، لڑکیوں والا الگ اسکول ہے، جانوروں کے لئے ڈاکٹر علیحدہ ہیں، مسجد بھی ہے، غلہ گودام بھی ہے، دو

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لیس الخبر کالمعاینة". (مسند أحمد، رقم الحدیث: ۲۴۴۳، ۱/۴۴۷، داراحیاء التراث العربی)

(۲) "قال فی البحر: لأن العامی یجب علیه تقلید العالم إذا کان یعتمد علی فتواه ثم قال: و قد علم من هذا أن مذهب العامی فتوی مفتیه من تقیید بمذهب ولهذا قال فی الفتح: الحکم فی حق العامی فتوی مفتیه الخ". (رد المحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده: ۲/۴۱۱، سعید)

(۳) غالباً یہ لفظ "اوثق الکبریٰ" کی بجائے "اوثق العریٰ" ہے جو کہ جمعہ فی القریٰ کے مسئلے پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے، اور اسی کا تذکرہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ کرتے ہیں، سہو کاتب ہے کہ "العریٰ" کی جگہ "الکبریٰ" لکھا گیا ہے۔

(۴) (احسن القریٰ تالیف حضرت شیخ الهند مولانا محمد حسن رحمه اللہ تعالیٰ)

چکیاں آٹا پیسنے والی لگی ہیں۔ ایسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اگر نماز جمعہ پڑھ لے تو ظہر کا فرض اتر جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس بستی کا معائنہ کرا دیا جائے وہاں کے حالات دیکھ کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چار ہزار روالی آبادی میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۱۲]: موضع کیبرہ وہ جس کی مردم شماری چار ہزار ہے اور مختلف قسم کی تیرہ معمولی دکانیں: لوہار، بڑھئی، سنار، کمہار، عطار وغیرہ کی ہیں، ڈاکخانہ بھی ہے۔ یہاں تقریباً چالیس سال سے جمعہ پڑھایا جارہا ہے، مگر پہلے سے اختلاف بھی چلا آرہا ہے۔ چار مسجدیں ہیں اور ایک عیدگاہ بھی ہے۔ یہ بستی نہ قصبہ ہے اور نہ مثلِ قصبہ ہے، مکانات کچے اور پکے مخلوط طریقہ پر ہیں، مگر کثرت کچے مکانوں کی ہے۔ مذکورہ حالات میں جب کہ حنفیہ کے نزدیک مصر اور شہریت جواز جمعہ کے لئے شروط اولیں ہے، آیا مذکورہ بستی اپنی نوعیت میں شہرتِ حکمیہ کی حاصل عند الشرع ہے یا نہیں؟

عام طور پر جمعہ کے بارے میں ایسی بستیوں کے متعلق شامی وغیرہ کی عبارت ذیل یا اس کے مثل تحریر کر دی جاتی ہے: "وتجوز في القصبات والقریٰ الکبیرہ التي فیها أسواق، الخ"(۱)۔ مگر اس عبارت "والقری الکبیرۃ الخ". کو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ قصبات کا بیان قرار دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے، اس بارے میں آپ کے نزدیک قولِ فیصل اور راجح واقویٰ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ نماز جمعہ کا حال دیگر صلوۃ خمسہ کی طرح نہیں کہ جب بھی اور جہاں بھی (آبادی، صحرا، کشتی میں) اور جیسے بھی (تنہا یا جماعت سے) پڑھی جائے تو درست ہو کر فریضہ ذمہ سے ساقط

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، سعید)

ہوجایا کرے، حافظ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے(۱)۔

نماز جمعہ کے لئے کچھ خصوصیات وشرائط ہیں ان میں سے ایک شرط "مصریت" بھی ہے(۲)، مصریت کی تعریف جو کی جاتی ہے وہ حدِ حقیقی نہیں کہ (جنس وفصل سے مرکب ہوکر اجزائے حقیقیہ پر مشتمل ہو) جب کہ وہ تعریف محض علامت کے طور پر ہے اور علامات عرف کے بدلنے سے بکثرت بدلتی رہتی ہیں (۳)، قدرِ مشترک کے طور پر سب تعریفوں میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ اس جگہ "مدنیت" ہو جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "حجة الله البالغه" میں بیان فرمایا ہے(۴)۔

مردم شماری کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، حتی کہ زیلعی شرح کنز میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دس ہزار مردم شماری ہو(۵)۔

---

(۱) "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مجمعون على أن الجمعة لاتجوز في البوادي ومناهل الأعراب". (أحكام القرآن للجصاص: سورة الجمعة، فصل: ۲۶۶/۳، قديمي)

(۲) "واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لايجوز فعلها في غيره؛ لأنهم مُجمعون على أن الجمعة لاتجور في البوادي ومناهل الأعراب". (أحكام القرآن للجصاص رحمه الله تعالىٰ، سورة الجمعة، پ:۲۸، فصل: ۲۶۶/۳، قديمي)

(۳) "ان شرط المصر فمسلّم، لكنهم اختلفوا في مايتحقق به المصرية، فقيل: مافيه أمير يقيم الحدود، وليس فيه تصريح بإقامة الحدود، بل المراد بذلك قدرة الأمير على ذلك، إذلولم يرد ذلك لما صحت الجمعة في شئ من الأمصار في وقتنا هذا، إذلا يجرى الحدود أحد. وقيل: مافيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم، جازت الجمعة فيه، وماليس بمصرلم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۳۱۳/۱، ۳۱۴، إدارة القرآن، كراچى)

(۴) "وقد تلقّت الأمة تلقياً معنوياً من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة ونوع من التمدن". (حجة الله البالغة، كتاب الصلوة الجمعة، خطبتا الجمعة: ۶۷/۲، قديمى)

(۵) "وهذا رواية عن أبي يوسف .... وعنه أنه يبلغ سكانه عشرة آلاف". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۵۲۳/۱، سعيد)

مولانا گنگوہیؒ نے تین چار ہزار کا تخمینہ تحریر فرمایا ہے (۱)، بعض حضرات نے اس سے بھی کم پر اجازت دے دی ہے۔ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ کسی معتبر ماہرِ فقہ وفتویٰ عالم کو بُلا کر مشاہدہ کرا دیا جائے پھر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔حضرت گنگوہی کا ''اوثق العری''، حضرت شیخ الہند کا ''احسن القریٰ''، حضرت تھانوی کا ''القول البدیع'' اگر مطالعہ کرلیا جائے تب بھی رائے قائم کرنے کے لئے بہت بصیرت حاصل ہوگی۔

ائمۂ اربعہ میں اختلاف دراصل روایت کا نہیں درایت کا ہے، اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، پھر حقیقت میں مصر کی تعریف میں جو اختلاف ہے اس کا مدار عرف پر ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مذکورہ بستی کی مردم شماری چار ہزار ہے اور مختلف قسم کے پیشہ ور لوگ اس میں رہتے ہیں کہ روزمرہ کی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء میسر ہوتی ہیں تو قریہ کبیرہ مشابہ قصبہ ہے کہ ڈاکخانہ بھی ہے،قریہ کبیرہ کی مردم شماری علامہ عینی نے چار ہزار بیان فرمائی ہے،اس پر مدار رکھا گیا ہے۔فقط۔

سید مہدی حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ''ان شرط المصر فمسلّم، لكنهم اختلفوا في مايتحقق به المصرية، فقيل: مافيه أمير يقيم الحدود، وليس فيه تصريح بإقامة الحدود، بل المراد بذلك قدرة الأمير على ذلك، إذلولم يرد ذلك لما صحت الجمعة في شئي من الأمصار في وقتنا هذا، إذلا يجرى الحدود أحد. وقيل: مافيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديداً له، بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً، فماهو مصر في عرفهم، جازت الجمعة فيه، وماليس بمصر لم يجز فيه، إلا أن يكون فناء المصر''. (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۴۱۳، ۴۱۴، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) ''واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء المصر على العرف''. (فيض البارى، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۳۲۹، خضر راه بک ڈپو، ديوبند)

جمعہ فی القریٰ

سوال[۳۷۱۳]: دریائے جہلم کے کنارے دہلی روڈ پر ایک قریہ ہے جہاں ایک جامع مسجد تیار ہوئی ہے، اس کے متصل بازار بھی ہے اور تقریباً بیس دکانیں ہیں اور کچھ کاریگر بھی ہیں اور نفری تقریباً تین چار ہزار جمع ہوسکتی ہے، روز جمعہ اگر لوگ جمع ہوں تو ان کو تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ کیا یہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس وقت وہاں آبادی ہے اور وہ آبادی قریہ کبیرہ کی حیثیت رکھتی ہے یعنی تین ہزار کے قریب مردم شماری ہے اور روزمرہ کی ضروریات وہاں ہمیشہ ملتی ہیں، بازار میں ڈاک خانہ وغیرہ بھی ہے تو وہاں جمعہ کی نماز درست ہے۔ اگر محض مسجد ہے اور زمانہ قدیم کی بنی ہوئی دکانیں ہیں مگر آبادی نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ویران ہے جیسا کہ شاہی زمانہ کی اس قسم کی اور بعض عمارات قدیمہ ہیں مگر وہ ویران ہیں، یا وہاں آبادی تو ہے لیکن بہت معمولی ہے، قریہ کبیرہ نہیں تو وہاں جمعہ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسو گھروں پر مشتمل آبادی میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۱۴]: گاؤں کرن پور تقریباً دوسو گھروں پر مشتمل ہے، ۲۵، ۳۰/ گھروں کے سوا باقی تمام گھر غیر مسلم ہیں، گاؤں پختہ سڑک کے کنارے ہے، متصل ہی بس اسٹینڈ ہے، یہاں موٹر ٹیمپو رکشہ سواری ملتی

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: لاجمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱، إدارة القرآن، کراچی)

"وأما شروط الأداء فستة أیضاً: الشرط الأول المصر أو فناء ہ، فلا تجوز فی القری ....

عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنہ بلدة کبیرة، فیها سکک وأسواق، ولها رساتیق، وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ أو علم غیرہ، یرجع الناس إلیہ فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، انتهی". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

ہے، اسٹینڈ پر چار دکانیں مٹھائی وغیرہ کی ہیں، گاؤں میں چند کھڑی فروش دکانیں ہیں جن میں اشیائے خوردنی وانگریزی دوا بھی ملتی ہے، گاؤں میں ایک مسجد، مکتب ایک اسکول، ڈاکٹر سرکاری نرس، کمپاؤنڈر موجود ہے، آٹے اور چاول کا مل ہے، گاؤں سے باہر ایک ہائی اسکول ہے جس میں ۵۰/ یا ۶۰/ مسلم بچے پڑھتے ہیں، جو اس گاؤں میں آکر جمعہ میں شریک ہوتے ہیں۔

گاؤں کے لوگ بہت دن سے بغیر جمعہ ادا کئے ہوئے عیدین کی نمازیں گاؤں میں پڑھتے ہیں اور اب کچھ دنوں سے جمعہ بھی قائم کرلیا ہے، لیکن کچھ لوگ مخالف ہیں ان کا کہنا ہے: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة"(۱) اس تصریح کے تحت یہاں جمعہ غیر واجب الاداء اور ناجائز ہے اور جو لوگ جمعہ کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارا گاؤں قریہ کبیرہ میں داخل ہے اور حکم: "وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق"(۲) کا متحمل ہے، لہٰذا جمعہ واجب الاداء اور جائز ہے۔ براہِ کرم از روئے تحقیق مطلع فرمائیں کہ گاؤں مذکورہ بالا میں جمعہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ نیز ظہر ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں فریق کی دلیل صحیح ہے، نفسِ مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے بلکہ انطباق میں اختلاف ہے کہ صورتِ مسئولہ میں کون سی دلیل منطبق ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں قطعِ نزاع کی شکل یہ ہے کہ دونوں فریق کسی ایسے ایک یا دو تین اہلِ علم پر متفق ہو جائیں جن کو فقہ میں بصیرت ہو، وہ معائنہ ومشاہدہ کے بعد جو حکم دیں اس پر دونوں فریق عمل کریں، تحریر سے پوری کیفیت سامنے نہیں آتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تین ہزار سے زائد آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال[۳۷۱۵]: ہماری بستی موضع جلال پور کی آبادی تین ہزار سے کچھ زائد ہے اور نوعیت بستی اس طرح پر ہے کہ اَسّی {۸۰} فیصد مکانات پختہ اور اکثر گلیاں نیم پختہ ہیں اور دو دکانیں صرف کھدر کپڑے کی ہیں جن

---

(۱) (إعلاء السنن، ابواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، ادارة القرآن)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

پر کافی کپڑا رہتا ہے اور چھوٹی چھوٹی پرچون کی فصلی دس گیارہ دوکانیں ہیں ان میں سے چار پانچ دوکانیں تو مستقل رہتی ہیں اور معمولی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، باقی جو دوکانیں فصلی ہیں وہ صرف فصل کے موقع پر چلتی ہیں، ورنہ بند ہوجاتی ہیں۔ اس کے علاوہ تین کپڑا سلائی کی اور سائیکل مرمت کی دکان ہے، اور یہ سب دکانیں پورے گاؤں میں منتشر اور کافی فاصلہ پر ہیں، آمنے سامنے بھی نہیں کہ ایک گلی پر ایک دوکان اس طرف اور ایک دوسری طرف سوائے ایک دوجگہ کے سب بالکل جدا جدا ہیں۔

ڈاکخانہ بھی نہیں بلکہ جیسے عام طور سے ہر گاؤں اور بستی میں لیٹر بکس لگادیا جاتا ہے ایسے ہی ڈاک روزانہ آتی ہے صرف اپنے ہی گاؤں میں مستقل ڈاکخانہ نہیں، ہندی اسکول بھی ہے اور لڑکیوں کی پاٹ شالا بھی ہے۔ نیز خاص ضرورت کے واسطے قصبہ چھپروالی ایک میل پر واقع ہے وہاں سے پوری کرلیتے ہیں، ایک مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز اذان باجماعتِ عام وعلی الاعلان ہوتی ہے۔ یہاں پر جمعہ کے متعلق الجھن ہے کہ مسئلہ جمعہ فی القریٰ مسلکِ احناف صحیح قول کے مطابق بیان فرمائیں کہ یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ایسے عالم کو بلا کر بستی کا معاینہ کرادیں جس کو فقہ اور فتویٰ میں تجربہ اور بصیرت ہو پھر جو کچھ وہ شرعی حکم بتائے اس پر عمل کریں (۱)۔

اتنا تو بالاتفاق احناف کے نزدیک مسلّم ہے کہ قریۂ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں، لیکن قریۂ صغیرہ (۲) اور

---

(۱) "و قد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من تقييد بمذهب و لهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه الخ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لايفسده: ۴۱۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۵۱۳/۲، رشيديه)

(۲) "لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

"وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۲۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

کبیرہ کی علامات اور تعیین میں عرف کے بدلنے سے فرق پڑتا رہتا ہے، اس لئے اختلاف ہوکر الجھن پیدا ہوتی ہے اس کے دفع کرنے کی صورت تحریر کردی گئی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

گاؤں میں نمازِ جمعہ

سوال[۴۷۱۶]: گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟اگر جائز نہیں تو پھر اس زمانہ میں بہت سے گاؤں میں جمعہ پڑھ رہے ہیں ان گاؤں میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمادیں۔بینوا و توجروا۔

محمد زین العابدین راجشاہی۔یکم/صفر/۵۸ھ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جمعہ کے لئے حنفیہ کے نزدیک شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں جو اپنی آبادی، بازار و دیگر ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو شرط ہے، شرط مفقود ہونے کی صورت میں جمعہ نا جائز ہے، ظہر کی نماز فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے نا جائز کا ارتکاب اور فرض کا ترک لازم آئے گا:" الشرط الأول المصر و فناء ہ، فلا تجوز في القریٰ عندنا اھـ". کبیری(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف، ۴/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "و لیس ھذا کلہ تحدیداً لہ بل إشارة إلی تعینہ وتقریب لہ إلی الأذھان، وحاصلہ إدارة الأمر علی رأی أھل کل زمان في عدھم المعمورة مصراً، فما ھو مصر في عرفھم جازت الجمعة فیہ، وما لیس بمصر لم یجز فیہ، إلا أن یکون فناء المصر".(الکوکب الدري، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترک الجمعة من غیر عذر: ۱۹۹/۱، مکتبہ یحویہ سھارنپور)

"واعلم أن القریة والمصر من الأشیاء العرفیة التي لا تکاد تنضبط بحال وإن نص، و لذا ترک الفقھاء تعریف المصر علی العرف".(فیض الباري، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القری: ۳۲۹/۲، خضر راہ بکڈپو دیوبند)

(۲) (الحلبي الکبیر، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، سھیل اکیڈمی، لاھور) =

گاؤں میں جمعہ اور تعزیہ پر قیاس

سوال [۳۷۱۷]: دیہاتوں میں جمعہ ہوتا ہے منع کیا جائے کہ نہیں؟ اگر روکا جائے تو بعض لوگ جو جمعہ کے دن صرف جمعہ پڑھنے آتے ہیں وہ بالکل چھوڑ دیں گے، بعض لوگ اس کو اسلام کی نشانی قرار دیتے ہیں جیسا کہ تعزیہ کو نشانی خیال کرتے ہیں اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس دیہات میں جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں وہاں ظہر با جماعت پڑھنا فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ساقط نہیں ہوتا: "و لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر". شامي: ۵۳۷ (۱) البتہ اگر جمعہ کی مخالفت کرنے سے اختلاف ہو کہ مسجد ویران ہونے کا اندیشہ ہو تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کر لیں اور خود جمعہ میں شرکت نہ کریں۔ تعزیہ کو جائز قرار دیکر اس پر اسی مسئلہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

گاؤں میں جمعہ

سوال [۳۷۱۸]: ایک جگہ ایسی ہے کہ اس میں پانچ چھ مسجد پنجگانہ ہیں اور آبادی تقریباً دو ہزار ہے

= "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لاجمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب كما في المضمرات .... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۸، رشيديه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

"عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدينة". (البناية شرح الهداية للعلامة العيني رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۹۸۲/۱، ملک سنز، فيصل آباد)

"وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۸/۲، رشيديه) .... =

اور علاوہ مسجد پنجگانہ کے ایک جامع مسجد ہے جس میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے اور قریب جامع مسجد کے بازار ہے جو ہر جمعہ کے روز اور پیر کو بازار ہوتا ہے اور ان دو دن کے علاوہ اشیائے ضروریہ بلا تکلف ملتی ہیں، چونکہ دوکانیں ہیں اور بازار کے متصل سرکاری راستہ پڑا ہوا ہے، کوئی پون میل پر دوسرا بازار واقع ہے، اس میں باقاعدہ آفس بھی ہے مگر مکانات اینٹ کے نہیں بلکہ ٹین اور لکڑی کے ہیں، چونکہ بارش زیادہ ہوتی ہے لہٰذا پختہ اینٹ کے مکانات برقرار نہیں رہ سکتے اور وہاں کے علماء اس کو شہر یا قصبہ کہتے ہوئے جمعہ پڑھتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں کہ علمائے ہندوستان سے اگر اس کے بابت فتویٰ طلب کیا جائے تو ہندوستان کے گاؤں پر قیاس کرتے ہوئے گاؤں ہی کا حکم لگائیں گے، حالاں کہ یہاں کے گاؤں اور ملکِ ہند کے گاؤں میں آسمان زمین کا فرق ہے، اگر علمائے ہند یہاں کے گاؤں کا مشاہدہ کریں تو ضرور جمعہ کے قائل ہوں گے۔ نیز وہ لوگ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ شرح وقایہ کے حاشیہ وغیرہ میں وارد ہے کہ امام صاحب کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس محلہ میں جتنے آدمی ہیں خواہ جمعہ پڑھیں یا نہ، وہ سب اگر مسجد میں نہ سمائے جائیں تو اس جگہ بھی جمعہ جائز ہے(۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس تفصیلِ سابق سے جمعہ جائز ہے یا نہیں، ان علماء کی دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ غرض تفصیلاً یہاں کے گاؤں پر قیاس کرتے ہوئے مدلل جواب مع حوالہ کتب عنایت فرماویں۔ نیز بصورتِ عدم جواز یہ بھی بتلاویں کہ اگر کوئی ہندوستان سے تعلیم حاصل کر کے جاوے تو اس کو مجبوراً جمعہ کا خطبہ پڑھواتے ہیں، آیا صرف سطبہ پڑھے، نماز نہ پڑھاوے جائز ہے یا نہیں؟ اور احتیاط الظہر کی صورت کیسی ہے از روئے مہربانی سے امور کا تفصیلاً جواب تحریر فرما کر شفا عطا فرماویں۔

المستفتی: بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ، ارکانی برما، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر، قصبہ، بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے

= (وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "إذا اجتمع أهله المراد بالأهل هم الذين تجب عليهم الجمعة، والمراد بأكبر المساجد قيل: إنه المسجد الجامع، وقيل: أكبر المساجد للصلوات الخمس، كما في فتاوىٰ الزاهدي". (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲۳): ۱/۱۹۸، سعيد)

لحاظ سے قصبہ کے مانند ہو شرط ہے(۱)، چھوٹے گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا، وہاں ظہر کی نماز فرض ہے (۲)،
"ویشترط لصحتها المصر". تنویر (۳)، یہی حال نمازِ عید کا ہے (۴)۔

مصر کی تعریف میں بہت سے اقوال ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر اور قریہ ہونا عرفی چیزیں ہیں، جس زمانہ میں جیسا عرف ہوا، ویسی ہی علامات متعین کر کے علماء نے تعریف کردی (۵)۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) " ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى، ولم يأمر فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي، كراچی)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر".(الدرالمختار). " عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(۲) "لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب .... ألاترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۳۸، سعيد)

(۳) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في تبين الحقائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱/۵۳۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما صلاة العيدين، وأما شرائط وجوبها: ۱/۶۲۱، رشيديه)

(۴) "(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها، وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريماً أي؛لأنه اشتغال بمالا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، ۱۶۷، سعيد)

(۵) "وحاصله: إدارة الأمر على رأى أهل كل زمان في عدّهم المعمورة مصراً فما هو مصر، في عرفهم جازت الجمعة فيه، ومالیس بمصرلم يجزفيه، إلا أن يكون فناء المصر". (الكوكب الدرى، أبواب الجمعة، باب ماجاء في ترك الجمعة من غير عذر: ۱/۱۹۹، المكتبة اليحيويه، سهارنپور)

"واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط بحال وإن نص، ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف". (فيض الباري، كتاب الجمعة ، باب الجمعة في القرى والمدن: ۲/۳۲۹، ديوبند)

سے یہ تعریف منقول ہے:

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح، اه". ردالمحتار (۱)۔

اورآبادی مذکورہ فی السوال کا حکم فتویٰ ذیل سے معلوم ہوجائے گا:

مسئلہ: "یہ موضع قصبہ سردھنہ کے قریب پانچ کوس کے واقع ہے اوراس سے زیادہ قریب کوئی شہرنہیں اورموضع مذکورمیں قریب دوہزارمردم شماری کے ہے جس میں زیادہ نصف سے مسلمان اورباقی ہندوہیں۔مسلمانوں کے دینی احکام سے کوئی مانع نہیں۔ ضروری احتیاج کے واسطے دوکانیں بیس بائیس موجودہیں، روزمرہ تیس بتیس سے زیادہ نمازی پنجوقتہ میں جمع ہوتے ہیں، رمضان شریف میں ساٹھ ستر تک اور جمعہ رمضان میں دو سواورعیدین میں ایک ہزارسے زیادہ جمع ہوتے ہیں۔

موضع مذکورہ میں جمعہ کی نمازجائزہے یانہیں؟ اوربعض عالم امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پرعمل کرتے ہیں اورگاؤں میں جمعہ جائزکہتے ہیں اوراحتیاط الظہر بھی ایسی حالت میں پڑھنی چاہیے یانہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس موضع میں دوہزارآدمی ہندومسلمان ہیں اس جگہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ ادانہیں ہوتاہے، وہاں ظہرکی نمازجماعت سے پڑھنی چاہیے اورجمعہ نہ پڑھناچاہیے، پس جب جمعہ نہیں ہوا، احتیاط الظہرکہاں (۲)، بلکہ ظہرکی نمازباجماعت مثل

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشية: ۲)

دیگر ایام کے پڑھنی چاہیے(۱) اور ہندوستان کے سب شہر اور قصبہ میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے، احتیاط الظہر کی کچھ حاجت نہیں (۲)۔

اور امام شافعیؒ کے یہاں گاؤں میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے ان کے نزدیک بھی کچھ تفصیل اصل احتیاط الظہر کی نہیں، پس جو صاحب اس مسئلہ پر شافعی بنیں ان پر حنفی کیا الزام دے سکتے ہیں، کیونکہ یہ بات اپنی اختیاری ہے جو مذہب چاہو اختیار کرو، غیر مقلد بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بات کسی مذہب کی پسند آئی وہ اختیار کر لیتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ۳/ ذی قعدہ/ ۱۳۱۲ھ۔

فتاویٰ رشیدیہ، حصہ دوم، ص: ۱۳۴ (۴)۔ مہر

---

(۱) "من لاتجب عليهم الجمعة لِبُعد الموضع، صلوا الظهر بجماعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۲) "وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۳) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا منشا یہ ہے کہ اس طرح کرنا تلفیق بین المذاہب کی بناء پر ناجائز ہے، کیونکہ اس میں انسان کی گمراہی کا خطرہ ہے، وفي ردالمحتار: "حكي أن رجلاً من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجلٍ من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني، فأبى إلا أن يترك مذهبه، فيقرأ خلف الإمام، ويرفع يديه عند الانحطاط ونحو ذلك، فأجابه فزوجه. فقال الشيخ بعد ماسئل عن هذه وأطرق رأسه: النكاح جائز ولكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع؛ لأنه استخف بمذهبه الذي هو حقٌّ عنده، وتركه لأجل جيفة منتنة .... ليس للعامي أن يتحول من مذهب إلى مذهب، ويستوي فيه الحنفي والشافعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۸۰/۴، سعيد)

(۴) (فتاوىٰ رشيديه، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، اداره اسلاميات، لاهور)

آبادی مذکورہ فی السوال بھی تقریباً دو ہزار ہے اور فتویٰ بالا میں بھی دو ہزار کی تصریح ہے، لہٰذا اس فتویٰ کی رو سے وہاں جمعہ نہیں ہوتا، ظہر کی نماز فرض ہے، جب جمعہ ادا نہیں ہوتا تو فریضۂ ظہر بھی ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی (۱)، حتی الوسع ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے روکنا چاہیے، اگر وہ لوگ باز نہ آئیں تو خود ظہر پڑھے۔ باقی جس جگہ جمعہ ادا ہو جاتا ہو وہاں امام اور خطیب کا اتحاد ضروری نہیں اگرچہ بہتر یہی ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہو:

"لاینبغی أن یصلی غیر الخطیب؛ لأنهما شئ واحد، فإن فعل بأن خطب صبی بإذن السلطان وصلی بالغ، جاز، هو المختار، اھ". درمختار، ص: ۸٦١ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذی الحجہ/۵۵ھ۔

قریۂ صغیرہ میں جمعہ

سوال [۳۷۱۹]: اس بستی کی آبادی تخمیناً دو ہزار ہے جس میں پانچ سو مسلم آبادی ہے، دو مسجدیں ہیں، ایک پرائمری ہندی اسکول ہے، تین چار معمولی پرچون کی دوکانیں ہیں جن میں ضروریات کا سامان صرف نمک، مرچ، تیل مٹی وغیرہ ملتا ہے، ہفتہ میں ایک بار بازار بکریوں کا لگتا ہے جس میں کپڑا، سبزی وغیرہ ملتی ہے۔ ایسی صورت میں یہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ نہ پڑھنے پر فساد کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔

نیاز وارث، ڈاکخانہ صفدر گنج (بارہ بنکی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چھوٹی بستی میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں، جمعہ پڑھنے سے فریضۂ وقت ادا نہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۱، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٦۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

(۳) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع". (إعلاء السنن، =

ایضاً

سوال [۴۲۷۰]: ایک چھوٹی سی بستی ہے جس میں مسلمانوں کی بہت قلیل آبادی ہے اور اس قلیل آبادی میں دو مسجدیں ہیں، جس جگہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں ایک مسجد ہے جس میں پاس پڑوس کے مسلمان بھی نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کے لئے آتے ہیں اس طرح ملا کر مع بچوں کے کل دو صفیں ہو جاتی ہیں، جہاں پر دوسری مسجد واقع ہے وہاں پر مسلمانوں کے دو چار گھر ہیں، لیکن ایک صاحب نے پہلا جمعہ اس دوسری مسجد میں بھی کرایا۔ اب اتنی قلیل آبادی کے باوجود اس مسجد میں نماز جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں جب کہ اس سے پہلے اس مسجد میں جمعہ کبھی نہیں ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی، کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو(۱)۔ پھر ایسی بستی میں بہتر یہ

= أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۱/۸، إدارة القرآن كراچي)

"(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، كما في المضمرات .... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، رشيديه)

(۱) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصلي الجمعة في القرىٰ ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب الجمعة في القرىٰ: ۲/۱۷۰، إمداديه، ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ =

ہے کہ جمعہ ایک ہی جگہ ہو، اگر ایک مسجد میں سب نمازی نہ آسکیں تو متعدد جگہ بھی درست ہے (۱)۔ اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو، وہ چھوٹا گاؤں ہے وہاں جمعہ درست نہیں (۲)۔ اب سوال میں مذکورہ دونوں بستیوں کو منطبق کر کے عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۳۷۲۱]: ایک چھوٹے گاؤں کی مجموعی آبادی ۳۳۲ افراد پر مشتمل ہے، ایسے گاؤں میں مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں؟

محمد التفات احمد عراقی، ہردوئی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ فرض نہیں بلکہ ظہر فرض ہے اسلئے وہاں جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر

= عليه أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرفع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

وفيه أيضاً: "تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲-۲۴۸، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (احسن القرىٰ في توضيح اوثق العرىٰ تاليف شيخ الهند حضرت مولانا محمود حسن رحمه الله تعالىٰ)

(۱) "(وتؤدى في مصر واحد في مواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، سعيد)

"يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۱۴۵، رقم الحاشية: ۱)

پڑھا کریں (۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس بستی میں شرائط نہ ہوں اور پھر بھی جمعہ پڑھا جائے، اس کا حکم

سوال [۳۷۲۲]: ۱..... میں دارالعلوم کے فیضِ علم سے کچھ مستفید ہوا ہوں، ہمارے علاقے کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں عام طور پر جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ میرے گاؤں میں بھی روکنے سے لوگ رکتے نہیں، خود رکنے اور مسئلہ کو اٹھانے سے خطرہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ لوگ مخالف ہو جائیں گے اور جو کچھ دین کی باتیں سن کر عمل کر لیتے ہیں اس بدظنی اور مخالفت کے بعد وہ بھی بند ہو جائے گا حتی کہ باتیں سننے کو بھی تیار نہ ہوں گے۔ اسی مصلحت سے اب تک ہمارے علاقے کے علماء اس مسئلہ میں ساکت ہیں، اور خود بھی ان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مصلحت سے کیا ہم بھی ساکت رہیں اور جمعہ کی نماز وہاں پڑھا کریں، اگر ہم نے ایسا کیا تو کیا ہمیں گناہ بھی ہوگا؟

۲..... گاؤں میں جمعہ سے روکئے تو لوگ ہرگز تیار نہ ہوں گے، کیا انہیں یہ بتایا جائے کہ خیر جمعہ کے

---

(۱) "أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یصل الجمعة فی القری، ولم یأمر بها فیها، فعلم بهذا أن القری لیست محل إقامة الجمعة". (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القری: ۲/۱۷۰، إمدادیه ملتان)

"(ویشترط لصحتها) سبعة أشیاء: الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکک وأسواق، ولها رساتیق، و فیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، و هذا هو الأصح". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

"لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضٍ و منبر و خطیب کما فی المضمرات .... ألا تری أن فی الجواهر: لوصلوا فی القری، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، رشیدیه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (أحسن القری فی توضیح أوثق العری، تالیف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ)

ساتھ ظہر کی نماز بھی پڑھ لیا کرو، تا کہ ظہر کی قضاء کے گناہ سے بچ جائیں؟ اور اگر لوگ اس پر راضی ہوں تو منفرداً ظہر ادا کی جائے یا جماعت کے ساتھ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کا مسلک اس مسئلہ میں بالکل صاف ہے اور اس پر مستقل رسائل مع الدلائل شائع شدہ ہیں: أوثق العرى، أحسن القرى، القول البديع وغیرہ، حدیث وفقہ کے دلائل سے مزین ہیں۔ جس مقام پر جمعہ درست نہیں وہاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے، جمعہ پڑھنے سے وہاں فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا: "لو صلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر، اهـ". شامی: ۱/۷۴۸(۱)۔ جمعہ پڑھ کر احتیاط الظہر پڑھنا لوگوں کو شبہ میں ڈالنا ہے کہ ایک دن میں اور ایک وقت میں دو فرض ہیں: ایک جمعہ، دوسرا ظہر، اس لئے اس سے کلیۃً اجتناب کرنا چاہیے۔

جن مصالح کی بناء پر بعض حضرات نے احتیاط الظہر کی تجویز کی تھی، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے البحر الرائق میں ان کو مخدوش قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو، بحر: ۲/۱۴۳(۲)، اور احتیاط الظہر میں اِخفاء کی تاکید ہے نہ کہ

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۲) علامہ ابن نجیم نے جو احتیاط الظہر والے قول پر رد کیا ہے، اس کا تعلق صورتِ مسئولہ کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس مسئلہ سے ہے: ایک ہی شہر میں متعدد جگہ نماز جمعہ پڑھنے کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ متعدد جگہ نماز جمعہ نہیں ہوتی، لہٰذا جن لوگوں نے سب سے پہلے نماز جمعہ پڑھی ان لوگوں کی نماز صحیح اور بعد میں پڑھنے والوں کی باطل ہو جائے گی، بعض علماء کے نزدیک اگر چہ سب کی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن پھر بھی بعد میں پڑھنے والے لوگ احتیاط الظہر پڑھ لیا کریں۔ اس احتیاط الظہر کو علامہ ابن نجیم نے مخدوش قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ احتیاط الظہر والی بات ضعیف قول پر مبنی ہے:

"يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، و هو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح .... وإذا علمت ذلك فما في القنية: ولما ابتلي أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء في جوازهما، ففي قول أبي يوسف والشافعي ومن تابعهما باطلتان إن وقعتامعاً، وإلا فجمعة المسبوقين باطلة، أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً .... مبنى كله على القول الضعيف المخالف للمذهب .... مع مالزم من فعلها في زماننا من المفسدة العظيمة، وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لِمَا يشاهدون من صلاة الظهر، فيظنّون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۵۰-۲۵۲، رشيديه)

جماعت کی۔ مسئلہ تو صاف بتادیا جائے، پھر اگر لوگ نہ مانیں تو فساد کرنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں، جمعہ ایسی جگہ جہاں شرائط موجود نہ ہوں، نہ پڑھیں، اگر مجبور کیا جائے تو یہ کہو کہ: ''جمعہ درست نہیں، نفل کی نیت سے شرکت کرتا ہوں، شریک ہوجائیں، ایسی حالت میں جمعہ درست نہیں، مجھے مجبور کیا جارہا ہے، اس لئے پڑھ رہا ہوں، اس سے فریضہ ادا نہیں ہوگا، اس امید پر کہ لوگ بدظن نہ ہوں اور دین کی بات سن لیا کریں''۔ غلط طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

شہر سے متصل گاؤں والوں پر جمعہ

سوال[۳۷۲۳]: ایک موضع میں تین مسجدیں ہیں جس میں سے ایک کو عوام نے جامع مسجد کے ساتھ ملقب کیا ہے، محض اس بناء پر کہ اس کی تعمیر کے وقت (تقریباً سو برس) سے اس میں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آئی ہے۔ موضع ہٰذا کی موجودہ سے پیشتر کی یہ حالت تھی کہ کافی بڑا بازار لگتا تھا، لیکن عرصۂ دراز سے بازار شکست ہوگیا جس سے آبادی کم ہوکر قریب دو ہزار کے رہ گئی ہے اور مختلف پیشہ ور مثلاً نیاری، عطار، حکیم، بزاز، حجام، تنبولی، حلوائی وغیرہ اپنی دکانیں پیشہ کی چیزیں ہروقت موجود رکھتے ہیں۔ گردونواح کی تعداد مع بچوں کے ایک سو کے قریب پہونچ جاتی ہے۔

بہشتی زیور (مصنفہ) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ''ایسے مواضعات جن کی آبادی تین ہزار سے کم ہو جمعہ جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے''۔ اس قسم کے دو چار مواضعات حضرت مولانا کا فتویٰ عدم جواز کے لئے آچکا ہے۔ ان سب صورتوں کو دیکھ کر عوام جمعہ صحیح نہ ہونے کے وجوہات سے باخبر کیا گیا، مگر اس قائل کو وہابی کا خطاب اور اکثر وبیشتر لوگ خلاف ہوگئے۔ علاوہ اس کے چند لوگ جو حق کے متلاشی تھے ان کو کتاب بہشتی زیور دکھلانے سے یقین ہوگیا کہ جمعہ یہاں درست نہیں ہوتا۔

موضع ہٰذا سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک ایسا مقام جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے، وہ ہفتہ میں دو مرتبہ بہت بڑا بازار بھی لگتا ہے اور اس بازار میں قرب وجوار کے لوگ یعنی (اطراف مواضعات) اکثر شریک ہوکر ضروری اشیاء خرید کرتے ہیں، بازار کے علاوہ اور دنوں میں بھی ضرورت کی سب چیزیں مل جایا کرتی ہیں۔ علاوہ بریں مقامِ مذکور میں تھانہ، ڈاک خانہ، سرکاری ہسپتال و مڈل اسکول وغیرہ بھی موجود ہیں اور ہر چیز کی

دکانیں بھی بہت بڑی بڑی ہیں اور مسجدیں صرف دو ہیں۔ان سب باتوں کی وجہ سے اس کولفظِ ''قصبہ'' کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔اب اس صورت میں موضع ہذا میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے، یا موضع میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور کتنی مسافت طے کر کے جمعہ میں شریک ہونا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

احقر: ضمیر الدین، احاطہ دار السلام، دار العلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قصبہ میں جمعہ درست ہے اور موضع میں درست نہیں۔جس جگہ جمعہ درست نہیں ہوتا وہاں فریضۂ ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، اگر اس قصبہ سے اس موضع میں اذان کی آواز آتی ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موضع والوں پر جمعہ واجب ہے، درمختار میں یہی قول مفتی بہ ہے۔اور بعض علماء نے اس کا انداز ایک فرسخ بیان کیا ہے۔صاحبِ بحر کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ جمعہ پڑھ کر بلا کلفت اپنے مکان لوٹ کر آسکتے ہیں تو ان پر جمعہ واجب ہے ورنہ نہیں۔قاضی خاں کی رائے یہ ہے اگر شہر کے گردونواح میں رہنے والے چند کھیتوں کے فصل پر رہتے ہوں تو جمعہ کے لئے حاضر ہونا ان کے ذمہ واجب نہیں، اگرچہ اذان کی آواز سنتے ہوں، لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر اور شہر کے متصل رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے اور اہلِ سواد پر واجب نہیں، اسی کو اصح کہا ہے، پس اس موضع والوں پر جمعہ واجب نہ ہوگا۔اگر کوئی قصبہ میں جا کر ادا کرے تو اس کو اختیار ہے اور باقی کو چاہیے کہ جماعت سے ظہر پڑھیں، ردالمحتار: ۱/ ۸۳۵، میں اس کی تفصیل موجود ہے (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) ''(وشرط لافتراضها) تسعة تختص بها (إقامة بمصر). وأما المنفصل عنه، فإن كان يسمع النداء، تجب عليه عند محمد، وبه يفتي، كذا في الملتقى. وقد منا عن الولوالجية تقديره بفرسخ، ورجح في البحر اعتبار عوده لبيته بلا كلفة اهـ''. (الدر المختار).

''وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجةٌ من مزارع، لا جمعة عليه وإن بلغه النداء، وتقدير البُعد بغلوة أو ميل ليس بشئ .... وفي التاتارخانية: =

قصبہ سے قریب گاؤں والوں پر جمعہ

سوال[۳۷۲۴]: زید جس گاؤں میں رہتا ہے اس کی آبادی ۵۰۰/ کی ہے، پھر قصبہ سے ڈیڑھ میل دور ہے، کبھی کبھی اذان قصبہ کی گاؤں میں بھی آجاتی ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ میرے گاؤں میں قصبہ کی اذان کی آواز آجاتی ہے، اس لئے ہم پر جمعہ فرض ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کے ذمہ سے ظہر ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں، جب کہ جمعہ کی اذان قصبہ میں جاکر پڑھتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کے اس گاؤں میں رہتے ہوئے جمعہ لازم نہیں، اس کے ذمہ یہ لازم ہے کہ اس گاؤں میں پڑھے، اس لئے کہ یہ گاؤں قریۂ صغیرہ ہے۔ اس کے ذمہ یہ لازم ہے کہ ایک میل یا ڈیڑھ میل دور جاکر قصبہ میں پڑھے اگرچہ وہاں سے کبھی اذان کی آواز بھی سنائی دیتی ہو، یہی قول اصح ہے:

"والإقامة بمصر أوفيما هو داخل في حد الإقامة بها: أى بالمصر وهو المكان الذى مَن فارقه بنية السفر، يصير مسافراً، ومن وصل إليها يصير مقيماً فى الأصح. ولا يجب على من كان خارجه ولو سمع النداء من المصر سواء كان سواده قريباً من المصر أو بعيداً على الأصح، فلا يعمل بما قيل بخلافه وإن صح، اهـ". مراقى الفلاح، ص: ٢٧٤، مصرى، ص: ٤١٧ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

= ثم ظاهر رواية أصحابنا لاتجب إلا على من يسكن المصر أو يتصل به، فلا تجب على أهل السّواد ولو قريباً، وهذا أصحّ ماقيل فيه .... واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لاعبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۱۵۳، باب الجمعة، مطلب فى شروط وجوب الجمعة، سعيد)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۴، باب صلوة الجمعة، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۲۴۷، باب صلوة الجمعة، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۵۰۴، ۵۰۵، كتاب الصلوة، باب الجمعة، قديمى)=

دیہات میں تعلیمِ مسائل کی خاطر جمعہ پڑھنا

سوال[۳۷۲۵]: دیہات میں اگر جمعہ اس لئے پڑھا جائے کہ مجمع ہو جائے گا اور کچھ مسائل وغیرہ ان کو معلوم ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھا جائے تو لوگ مسائل سے ناواقف رہ جائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۱)، مسائل سکھانے کے لئے دوسرے طُرق پنچایت وغیرہ کے ذریعہ سے مجمع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قریۂ صغیرہ میں امام کے پیچھے نمازِ جمعہ میں اقتداء

سوال[۳۷۲۶]: ایک ایسا قریہ ہے جہاں صلوۃ جمعہ جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص فتنہ سے بچنے کے لئے صلوۃ جمعہ میں امام کے پیچھے اقتداءِ نفل کرتا ہے، کیا اس شخص کے لئے اقتداءِ نفل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

= "وصحح في مواهب الرحمن قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة: أي الذي مَن فارقه يصير مسافراً، وإذا وصل إليه يصير مقيماً. وعلله في شرحه المسمّى بالبرهان بأن وجوبها مختصٌ بأهل المصر، والخارج عن هذا الحد ليس أهله. اهـ". (ردالمحتار: ۱۵۳/۲، كتاب الصلوة، باب الجمعة، سعيد)

"قال العلامة الحلبي رحمه الله: "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلةٌ إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجةٌ من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. اهـ". (غنية المستملي شرح المنية (الحلبي الكبير)، ص: ۵۵۲، فصل في صلوة الجمعة، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي ومنبر وخطيب". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی مفرنہیں، اس کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بنگال کے دیہات میں جمعہ

سوال[۳۷۲۷]: بعض قری بنگال بلکہ اکثر متصل و مسلسل پے درپے دور دراز مسافت غالباً تین چار روز کم وبیش چلے گئے ہیں، ایک دوکوملا کے تین چار ہزار مردم شماری ہوگی اور مجموعہ اس آبادی وبستی میں لاکھوں بلکہ بے شمار مردم شماری ہے اور بعضے میں ڈاکخانہ اور بازار اور تھانہ، بورڈ محکمہ بھی ہیں، ایسی بستیاں قریۂ کبیرہ ہیں یا نہیں اور ان میں نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں اور احتیاط الظہر پڑھنا چاہئے یانہیں؟ بینوا بحوالہ الکتب والدلیل۔

الجواب حامداًومصلیاً:

قری بنگال کا حال بہت مشتبہ ہے اور وہاں کے عام سکان بلکہ عام اہلِ علم کا حال بھی بہت ہی تعجب خیز ہے وہ یہ کہ جب وہ حضرات سفر کا ارادہ کرتے ہیں تو اپنے تالاب کے دوسرے کنارہ پر پہونچ کر قصر شروع کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری بستی ختم ہوگئی اور جب جمعہ کا تذکرہ آتا ہے تو تمام دور دراز کی آبادی کو اپنی

---

(۱) "عن أبی ذر قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "یا أبا ذر! کیف أنت إذا کانت علیک أمراء یُمیتون الصلوۃ" أو قال: "یؤخرون الصلوۃ"؟ قلت: یارسول اللہ! فماتأمرنی؟ قال: "صل الصلوۃ لوقتها، فإن أدرکتها معهم، فصلّه فإنهالک نافلة".

"صل الصلوۃ لوقتها": ای إذا أخر الإمام الصلوۃ وأماتها "فصلّ الصلوۃ أنت لوقتها: ای منفرداً "فإن أدرکتها معهم". بأن حضرت الجماعة "فصلّه" بتذکیر الضمیر بتأویل الفرض .... "فإنها": أی الصلوۃ التی صلیت مع الجماعة "لک نافلة": أی زائدة علی الفرض؛ لأن الفرض هو الذی صلّیته منفرداً، أو فإنها لک زیادة خیرٍ. قال الملا علی القاری رحمه اللہ تعالیٰ: وهو محمول علی اظهر والعشاء عندنا .... وظاهر الحدیث الاطلاق فترفع الکراهة للضرورة إذا لضرورات تبیح المحظورات". (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، بابٌ: إذا أخر الإمام الصلوۃ عن الوقت: ۱/۲۴۹، إمدادیه، ملتان)

بستی کی آبادی شمار کر کے کہتے ہیں کہ ہماری بستی یہاں تک ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ خود وہاں کے ارباب فتویٰ واہلِ دیانت سے اس مسئلہ کی تحقیق کی جاوے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ رمضان المبارک/ ٦٦ھ۔

مزرعہ قریبہ میں نماز جمعہ

سوال[۳۷۲۸]: جس قصبہ میں بلا شک وشبہ جمعہ جائز ہو، کیا اس قصبہ کے مزرعہ میں جب کہ اس مزرعہ میں صرف پندرہ گھر ہوں اور وہ مزرعہ باغ اور کھیتی کی وجہ سے اہلِ قصبہ کی آبادی سے الگ ہو اور خواہ وہ مزرعہ قصبہ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو، کیا مزرعہ میں جمعہ جائز نہ ہوگا؟ مثلاً مزرعہ پانچ فرلانگ تک کے فاصلہ پر ہو، جیسا کہ میرا مزرعہ پانچ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔

(الف) اگر قصبہ کا کوئی محلّہ قصبہ کی اصل آبادی سے الگ ہو، درمیان میں بنجر زمین وکھیت باغات ہوں، فاصلہ قصبہ سے محلّہ مذکورہ تک خواہ ایک یا دو فرلانگ تک ہو، خواہ چار یا پانچ فرلانگ تک ہو، کیا اس محلّہ میں بھی نماز جمعہ جائز نہ ہوگی؟

(ب) جمعہ کے جواز کے لئے تمام شرائط کے ماسوا ایک شرط یہ بھی ہے کہ گاؤں کی آبادی معہ مزرعہ جات کے تین ہزار سے کم نہ ہو یعنی مزرعہ جات ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ کتنے فرلانگ تک فاصلہ گاؤں سے مزرعہ کا ہو تو اس کی آبادی گاؤں کی آبادی میں تین ہزار کی تعداد دیکھنے کے لئے شامل ہوگی؟

(ج) فرض نماز جمعہ کے بعد دیر تک امام کا دعاء مانگنا غیر افضل تو نہیں، اس بناء پر کہ رسول کریم صلی اللہ

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لیس الخبر کالمعاینة". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۲۴۴۳، ۱/۴۴۷، دار إحياء التراث العربی)

"و قد علم من هذا أن مذهب العامی فتوی مفتيه من تقييد بمذهب، ولهذا قال فی الفتح: الحكم فی حق العامی فتوی مفتيه، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالايفسده: ۲/۴۱۱، سعيد)

(و كذا فی البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فی العوارض: ۲/۵۱۳، رشيديه)

تعالیٰ علیہ وسلم جن نمازوں کے بعد سنن وغیرہ ہوتے تھے، سلام پھیر کر فوراً مختصر دعاء: "اللهم أنت السلام و منك السلام الخ "(۱) مانگا کرتے تھے۔

الجواب حامداًومصلياً:

(الف، ب) جو مزرعہ اتنے فاصلہ پر ہو کہ دیکھنے سے بالکل جداگانہ بستی معلوم ہو وہاں جمعہ درست نہیں اسی طرح محلّہ کا حال ہے، جو محلّہ یا مزرعہ دیکھنے سے اسی بستی کا جزء معلوم ہوتا ہو اگرچہ درمیان میں کوئی کھیت یا تالاب وغیرہ بھی آگیا ہو وہاں جمعہ درست ہے اور اس کی آبادی کو بھی اصل بستی کی ہی آبادی تصور کیا جائے گا، ڈیڑھ میل کا فاصلہ تو بہت ہے، چار پانچ فرلانگ کا فاصلہ بھی کافی ہے، دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ وہ لوگ آبادی سے باہر جنگل میں رہتے ہیں، یہ نہیں کہیں گے کہ بستی وہاں تک ہے(۲)۔

(ج) فرضِ جمعہ کے بعد بھی مختصر دعاء مناسب ہے، زیادہ طویل نہ ہو(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب مایقول إذا سلم: ۱/۶۶، سعید)

(۲) "و من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه و بين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

"ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع و بين عمران المصر فرجة، فعليه الجمعة، ولو كان بين ذلك الموضع و بين عمران المصر فرجة من مزارع أو مراع كالقلع ببخاری، لا جمعة على أهل ذلك الموضع وإن سمعوا النداء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۵، رشيديه)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا سلّم لا يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللهم أنت السلام و منك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام". (جامع الترمذي، أبواب الصلاة، باب مايقول إذا سلم: ۱/۶۶، سعيد) .... =

ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۲۹]: ایک موضع جس کی آبادی ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے، یہاں پر تقریباً نصف صدی سے برابر پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس موضع کی آبادی بالکل قصبہ جیسی ہے، ہر قسم کی دوکانیں مثلاً جو چیزیں ضروریاتِ زندگی ہیں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہیں، اکثر علماء آئے دن یہاں آتے ہیں نماز جمعہ بھی پڑھتے ہیں، بعض علماء انکار بھی کرتے ہیں۔

انکار کرنے والے علماء سے جب کہا جاتا ہے کہ آپ جمعہ بند کرانے کی ذمہ داری لیجئے بند کردیا جائے گا، یہ سن کر خاموش ہوجاتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ پڑھتے جاؤ بندمت کرو۔ بہرحال اختلاف ابھی تک بدستور ہے، آپ صحیح فتوی دیں کہ اس موضع میں کیا واقعی جمعہ بند کردیا جائے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ایسے چھوٹے موضع میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ درست نہیں، جمعہ کے لئے بلد یا قصبہ یا قریۂ کبیرہ ضروری ہے، یہ موضع قریۂ صغیرہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "و یکره تأخیر السنة إلا بقدر اللهم أنت السلام الخ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۳۰، سعید)

"(فإن کان بعدها): أی بعد المکتوبة (تطوع یقوم إلی التطوع) بلا فصل إلا مقدار ما یقول: "اللهم أنت السلام" .... (ویکره تأخیر السنة عن حال أداء الفریضة بأکثر من نحو ذلک القدر".

(الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ص: ۳۴۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۱) "(ویشترط لصحتها) سبعة أشیاء: الأول المصر". (الدرالمختار). "عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکک و أسواق، ولها رساتیق، و فیهاوالٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث و هذا هو الأصح" .... لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب، کما فی المضمرات .... ألا تری أن فی الجواهر: لوصلوا فی القری، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۷، ۱۳۸، سعید)

"وأما القری، فإن أراد الصلاة فیها، فغیر صحیحة علی المذهب". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

دو ہزار کی آبادی میں جمعہ وعیدین وقربانی

سوال[۳۷۳۰]: ۱......زید کے گاؤں کی آبادی تقریباً دو ہزار ہے، زمانہ سے نمازِ عیدین اور جمعہ کی نماز یہاں پڑھی جاتی ہے۔ضرورت کی چیزیں گاؤں میں دستیاب ہیں، اشیائے ضروریہ کی دوکانیں گاؤں میں ہیں۔کیا ایسی آبادی میں احناف کے نزدیک جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؟ نیز کیا ایسی آبادی میں متعدد مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

۲......جس آبادی کا اوپر ذکر ہوا ہے، کیا اس آبادی میں عید الضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے اور کسی نے قربانی کردی ہے تو کیا اس شخص کو قربانی کے عوض صدقہ کرنا پڑے گا؟ مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عالم مفتی کو بلا کر معائنہ کرادیا جائے، وہ پورے طور پر دیکھ کر جو فتویٰ دے اس پر عمل کیا جائے محض تحریر سے پوری کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں جمعہ بھی ادا کی جائے اور عیدین کی نماز بھی پڑھی جائے، اور قبل از نمازِ عید الاضحیٰ قربانی درست نہیں، اگر قربانی کردی ہے تو اس سے واجب ادا نہیں ہوا، قربانی کی قیمت صدقہ کی جائے۔جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود نہ ہوں، وہاں جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے۔صلوٰۃ العیدین بھی وہاں پڑھنا مکروہ ہے، قربانی سویرے (صبح) ہی سے درست ہے۔جمعہ کے شرائط یہ ہیں:

"وحرٌّ صحيحٌ بالبلوغ مذكرٌ　　مقيمٌ وذو عقلٍ لشرط وجوبها
ومصرٌ وسلطانٌ ووقتٌ وخطبةٌ　　وإذنٌ كذا جمعٌ لشرط أدائها

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب. لوصلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر". شامي: ۱/۵۳۶، ۵۳۷(۱)۔ "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، ۱۳۸، سعيد)

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "قوله: شرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لاتصحّ في قرية ولا مفازة. اهـ". (البحر الرائق: ۲/۲۴۵، باب صلوة الجمعة، رشيديه) =

بشرائطها المتقدمة سوىٰ الخطبة، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً". درمختار: ۱/۵۵۵(۱)۔ "أول وقتها (أي الأضحية) بعد الصلوة إن ذبح في مصر: أي بعد أسبق صلوة عيد، وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره، اھ". درمختار۔ "فيه تسامح؛ إذ التضحية لاتختلف وقتها بالمصر وغيره، بل شرطها، فأول وقتها في حق المصريّ والقرويّ طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصريّ تقديم الصلوة عليها، اھ". شامي: ۵/۲۰۲(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۱۴۰۶ھ۔

جس بستی میں مسلمانوں کے تیس گھر ہوں، وہاں جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۳۱]: ۱......ایک موضع میں جس میں تیس گھر مسلمانوں کے ہیں وہاں ایک چھوٹی مسجد ہے اور موضع مذکور سے دو میل کی دوری پر قصبہ میں ایک بڑی مسجد ہے جس میں کافی مسلمان ہیں اور جمعہ ہوتا ہے۔ایسی صورت میں موضع مذکورہ بالا جس میں صرف تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اس میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲......کتنے مسلمانوں کے مکان موضع میں ہوں تو جمعہ کی نماز درست ہے؟

۳...... جمعہ کی نماز میں کم سے کم کتنے آدمی ہونا ضروری ہے جب نماز جمعہ درست ہوگی؟

۴......کیا جس گاؤں میں مسجد نہ ہو اور مسلمانوں کے تیس بتیس مکانات ہوں کسی باغیچہ یا چبوترہ منتخب کر

= (وكذا في البناية شرح الهداية: ۳/۲۸۲، باب الجمعة)

(۱) (الدر المختار: ۲/۱۶۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۷۵، باب صلاة العيدين، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۲۷، ۵۲۸، قديمي)

(۲) (ردالمحتار: ۶/۳۱۸، كتاب الأضحية، سعيد)

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا يذبح مصريّ قبل الصلاة، وذَبَحَ غيرُه) يعني لايجوز لأهل المصر أن يذبحوا الأضحية قبل أن يصلوا صلاة العيد، ويجوز لأهل القرىٰ والبادية أن يذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد. اھ". (البحر الرائق: ۸/۳۲۱، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، رشيديه)

کے نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....: اس تیس گھر والی بستی کی اور کوئی حالت آپ نے تحریر نہیں کی، اگر یہ بستی ایسی ہے جس میں مثلاً تین چار ہزار کی مردم شماری ہے، اس میں بازار ہے، گلی کوچے ہیں، سب ضروریاتِ روزمرہ مل جاتی ہیں تب تو وہاں جمعہ درست ہے اگر چہ مسلمانوں کے صرف تیس گھر ہوں (۱)، اگر یہ بستی ایسی نہیں بلکہ چھوٹی ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں (۲)۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن". (مصنف ابن أبي شيبة ، من قال لا جمعة و لا تشريق الخ، (رقم الحديث: ۵۰۶۰): ۱/۴۳۹، دار الكتب العلمية ، بيروت)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر".(الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

"أما المصر الجامع فقد اختلف الأقاويل في تحديده، ذكرالكرخي، أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود و نفذت فيه الأحكام. وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء: كل مصر فيه منبر و قاضي ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة .... و روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شرائط الجمعة: ۱/۵۸۴،۵۸۵، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۲۴۷، رشيديه)

(و كذا في إمداد الأحكام ، كتاب الصلوة ، باب الجمعة والعيدين: ۱/۷۵۶، ۷۵۹، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) "إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة أقام في قبا .... أربعة عشر يوماً أو أربعة وعشرين –كما في البخاري على نسخها– و وقعت الجمعة في أثنائها، ولم يثبت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى فيها الجمعة ولم يأمرهم أن يجمّعوا .... فثبت بهذا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى و لم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة الخ". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى: ۲/۱۷۰، معهد الخليل الإسلامي كراچی) ..... =

۲......مسلمانوں کی تعداد کچھ نہیں، بستی ایسی ہونی چاہئے جس کا بیان نمبر: ا میں ہوا (۱)۔

۳......بستی تو کم از کم نمبر: ا کے موافق ہو اور شریکِ جماعت اگر امام کے ساتھ کم از کم تین بالغ مرد ہوں تب بھی جمعہ ادا ہو جائے گا (۲)۔

۴......اگر وہ نمبر: ا کے موافق ہو تو جائز ہے، مسجد ہونا شرط نہیں ورنہ جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

= "لا تصح في قرية و لا مفازة لقول علىّ رضي الله تعالىٰ عنه: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۹، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "(والجماعة وهم ثلاثة): أي شرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر لإجماع العلماء.......... و لا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۶۲، رشيديه)

" (و) السادس (الجماعة) و أقلها ثلاثة رجال (ولو غير الثلاثة الذين حضروا) الخطبة (سوى الإمام) الخ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۳) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع و القرية كبيرةٌ لها قرى و فيها والٍ و حاكم، جازت الجمعة فيه بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

کیا تین گاؤں مل کر ایک جگہ جمعہ پڑھیں؟

سوال[۳۷۳۲]: موضع بمی والا، ڈاکخانہ ملکوال، تحصیل بھلوان، ضلع سرگودھا پاکستان، اس گاؤں کی آبادی آٹھ سونو سو کے قریب ہے، نماز ظہر وعصر میں نمازی کاروبار کی وجہ سے ۲۵، ۳۰/ ہو جاتے ہیں، مغرب وعشاء وفجر کی نماز میں پچاس ساٹھ ہو جاتے ہیں۔ نمازیوں کا خیال ہے کہ اس گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کی جائے۔ یہاں سے شہر ملکوال اور میانوالی سات سات میل کے فاصلہ پر ہیں، وہاں دو مسجدوں میں نمازِ جمعہ ہوتی ہے، وہاں نمازیوں کا جانا مشکل ہے۔ ایک قصبہ جوٹ قریب ایک میل ہے وہاں بھی دو مسجدیں ہیں، نماز جمعہ ہوتی ہے مگر بد قسمتی سے سب بریلوی عقیدہ کے ہیں، وہ دیوبندی خیال کے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں، طرح طرح کے اعتراض وطعن کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے بالکل پاس دو گاؤں اور ہیں جہاں دیوبندی خیال کے حضرات ہیں، ہمارے یہاں سے اذان کی آواز خوب جاتی ہے۔ ایک میل کے قریب اس طرح مل کر تین گاؤں کے لوگ یہاں نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ تینوں گاؤں اپنے نام اور آبادی کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور ایک ایک میل کا فاصلہ ہے اور جداگانہ کسی میں بھی شرائطِ جمعہ موجود نہیں تو پھر تینوں مل کر ایک گاؤں میں جمعہ پڑھنا بھی درست نہیں، سب کو ظہر کی نماز ادا کرنی چاہئے (۱)۔ اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ (جہاں شرائط جمعہ موجود ہوں) جا کر جمعہ پڑھے گا تو اس کے ذمہ سے بھی فریضۂ ظہر ساقط ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "و من كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه و بين المصر فرجةٌ من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۸، رشيديه)

(۲) "عن عائشة زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم =

پندرہ سو کی آبادی میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۳۳]: ایک بستی فاطمہ چک ہے جس کی ہندو مسلم آبادی تقریباً پندرہ سو ہے، ضرورت کی کوئی شئی فراہم نہیں، البتہ اس کے متصل دو بستیاں اور ہیں، تینوں مل کر ایک معلوم ہوتی ہیں، حکومت کے کاغذات میں ان کا رقبہ بالکل الگ ہے، بازار تقریباً چار میل پر ہے، مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جارہی ہے لیکن کچھ لوگ نہیں پڑھتے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ مقامی علماء کا کہنا ہے کہ یہاں جمعہ فرض نہیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ترکِ صلوٰۃِ جمعہ سے لوگوں کا مستقبل گمراہ ہوجائے گا، تو جب ترکِ نماز پنجگانہ سے گمراہ نہیں ہوتا تو نمازِ جمعہ کو ترک کرنے سے کیسے گمراہ ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی بستی فاطمہ چک تو ظاہر ہے کہ چھوٹی بستی ہے وہاں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ اس کی آبادی ہندو و مسلم پندرہ سو ہے، ضرورت کی کوئی شئی وہاں فراہم نہیں، اب دوسری دو بستیاں اگر سرکاری کاغذات میں اس کے ساتھ مل کر ایک بستی شمار ہوتی ہیں مگر دیکھنے میں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بازار چار میل کی دوری پر ہے تو بھی آپ کی بستی میں جمعہ جائز نہیں، ہاں! اگر دیکھنے میں تینوں بستیاں ایک ہی، آبادی کے تین حصے معلوم ہوں اور محلّہ میں بازار ہے، وہاں سب غیر مسلم ہیں تب بھی مجموعہ ایک بستی ہونے کی وجہ سے جمعہ درست ہوگا(۱)۔

= و من العوالي". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من يجب عليه الجمعة : ۱/۱۵۸، امداديه ملتان)

"ومن لاجمعة عليه إن أدّاها، جاز عن فرض الوقت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱/۱۴۴، ۱۴۵، رشيديه)

"(و فاقدها): أى هذه الشروط أو بعضها (إن) اختار العزيمة و (صلاها و هو مكلف) بالغ عاقل، (وقعت فرضاً) عن الوقت الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۵۵، سعيد)

(و كذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ۲/۲۶۶، رشيديه)

(۱) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمی، لاهور) =

بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے عالم کو بلا کر معائنہ کرا دیا جائے جس کو فقہ اور تقویٰ میں بصیرت ہو، پھر اس کے فتوے پر عمل کیا جائے (۱)۔ جب فریضہ خدائے پاک کی طرف سے عائد ہو تو اس کی طرف سے بے فکر ہو جانا تباہی و بربادی کا سبب ہے، اگر فریضہ عائد نہ ہو تو غیر فریضہ کو فرض قرار دینا شرعاً غلط اور مستقل جرم ہے، اس لئے حکمِ خداوندی کی تعمیل ہر حال میں لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

موضع دادری میں جمعہ

سوال [۳۷۳۴]: ہاپوڑ سے دو میل کے فاصلہ پر "دادری" ایک گاؤں ہے جس کی کل آبادی ڈھائی ہزار اور مسلم آبادی چار سو ہے، اس میں ایک مسجد بھی ہے جس میں برسوں سے جمعہ ہوتا رہا، اس سال ایک امام صاحب آئے انہوں نے مسئلہ پوچھ کر جمعہ بند کر دیا، اس کے بعد ایک دوسرے امام صاحب آئے انہوں نے بھی

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس الخبر كالمعاينة، إن الله عزوجل أخبر موسى بماصنع قومه في العجل، فلم يلق الألواح، فلما عاين ما صنعوا، ألقى الألواح، فانكسرت". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۲۴۴۳): ۱/۴۴۷، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوى مفتيه من تقييد بمذهب، ولهذا قال في الفتح: الحكم في حق العامي فتوى مفتيه". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۲/۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۱۳، رشيديه)

(۲) "ثم إذا فهمنا التوسعة، فلا بد من اعتبار أمر آخر، وهو أن يكون العمل بحيث لايوهم التخصيص زماناً دون غيره، أو مكاناً دون غيره، أو كيفية دون غيرها، أو يوهم انتقال الحكم من الاستحباب -مثلاً- إلى السنة أو الفرض؛ لأنه قديكون الدوام عليه على كيفية ما، في مجامع الناس أو مساجد الجماعات أو نحو ذلك موهماً لكونه سنّة أو فرضاً........ بل هو كذلك. (الاعتصام، باب في ماخذ أهل البدع بالاستدلال، فصل: ومنها تحريف الأدلة عن مواضعها، ص: ۲۰۴، دارالمعرفة، بيروت)

جمعہ نہیں پڑھایا، جولوگ صرف جمعہ پڑھتے ہیں ان لوگوں کا بہت اصرار ہوا۔ بہر کیف ۱۹/محرم کو جو جمعہ گذرا، اس میں امام صاحب نے مجبوراً جمعہ پڑھایا۔ اس گاؤں میں دو تین بہت چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جس میں پوری ضروریات نہیں ملتیں حتی کہ چینی بھی نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں کیا جمعہ وہاں پڑھا جا سکتا ہے، جب کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پچاس نفر کے گاؤں میں بھی جمعہ جائز کہتے ہیں (۱) اور اس کے علاوہ اَور بھی اقوال ہیں؟ اختلاف سے حکم توسع ہو جاتا ہے، لہٰذا آپ اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے گاؤں کی حالت مشتبہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ کسی عالم کو جو تجربہ کار ہو اور فقہی مسائل میں مہارت رکھتا ہو بلا کر معائنہ کرا دیں، وہ سب حالات دیکھ کر جمعہ جائز بتلائے تو پڑھنا شروع کر دیں منع کرے تو نہ پڑھیں۔

عوام کی دلیل کہ "ہم باقی ہفتہ نماز پڑھتے، جمعہ کے روز ہاتھ منہ دھولیں، وضو کرلیں الخ"، شرعی دلیل نہیں، عامیانہ و جاہلانہ بات ہے۔ خدا و رسول کا حکم پنجگانہ نماز کا ہے جو کہ فرضِ عین ہے جس پر سب امت کا اجماع ہے (۲)، اس کو تو ترک کر دیں اور جہاں اجازت نہ ہو وہاں پڑھنے پر اصرار کریں، کس قدر جہالت بلکہ احکامِ شرع کا مقابلہ ہے۔ اگر پچاس نفر کے گاؤں میں جمعہ کی اجازت دی جائے تو آپ کے ہی گاؤں کی کیا خصوصیت رہے گی، جس کی وجہ سے آپ نے دو ڈھائی ہزار کی آبادی بتلائی ہے، بلکہ ہر گاؤں میں جمعہ کی اجازت دینی پڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۴ھ۔

(۱) قال العلامة الشاه ولی الله رحمه الله: "والأصح عندی أنه يكفی أقل مايقال فيه قرية، لماروی من طُرقٍ شتّی يقوی بعضها بعضاً: "خمسة لاجمعة عليهم". وعدّمنهم أهل البادية، قال صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "الجمعة علی الخمسين رجلاً". أقول: الخمسون بتقريبهم قرية، وقال صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "الجمعة واجبةٌ علی كل قرية". (حجة الله البالغة: ۲/۲۷۸، الجمعة، دارالكتب الحديثية، القاهرة)

(۲) "هی فرض عين علی كل مكلف بالإجماع". (الدرالمختار). "(قوله: هی): أی الصلوة الكاملة، وهی الخمس المكتوبة. (قوله: علی كل مكلف): أی بعينه. (قوله: بالإجماع): أی بالكتاب والسنة". (ردالمحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

آبادی سے چالیس میل دور کارخانہ میں نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۳۵] : ا...... چالیس میل دور میرا ایک کارخانہ ہے، دیگر کارخانے اور طویلے جانوروں کے موجود ہیں (۱)، ان میں مسلمان کام کرتے ہیں، وہ چھوٹی مسجد بنا کر نماز پڑھتے ہیں با جماعت، تو اس میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

۲...... جب کہ دس دس میل تک جمعہ نہیں ہوتا تو یہاں کے لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... اگر وہاں مستقل آبادی نہیں، صرف ایک کارخانہ اور جانوروں کا طویلہ ہے، وہاں کے لوگ محنت مزدوری کے لئے جاتے ہیں اور چائے بیڑی کی دکان بھی ہے جیسا کہ اکثر بس اڈوں پر ہوتی ہے تو شرعاً وہاں جمعہ درست نہیں، جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز با جماعت پڑھا کریں (۲)۔

۲...... ان لوگوں کے ذمہ جمعہ کے لئے دوسرے مقام پر بھی جانا ضروری نہیں ہے (۳)۔

جس بستی میں مسجد نہ ہو وہاں جمعہ وعید

سوال[۳۷۳۶] : موضع ناگل پٹی بھگوان پور کی آبادی پانچ ہزار کی ہے مگر مسجد نہیں، مگر پٹی بھگوان پور

---

(۱) ''طویلہ: اس مکان یا عمارت کو کہتے ہیں جس میں گھوڑے رکھے جاتے ہیں''۔ (نور اللغات، لفظ ''طویلی'': ۳/ ۵۲۷)

''گھوڑوں کا تھان، اصطبل''۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۸۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن حذيفة رضي الله عنه ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن".

(أوجز المسالك، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/ ۲۴۶، إداره اسلاميات)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدر المختار). "عن أبي حنيفة رحمة الله عليه أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۶، رشيديه)

(۳) "وأما القرى، فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب، وإن أراد تكلفهم وذهابهم إلى المصر فممكن لكنه بعيد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۴۸، رشيديه)

میں ایک مکتب دینی تعلیم کا قائم کیا ہے مگر مسجد بننے کی قوی امید ہے نمازی کافی ہیں تو اس میں نماز جمعہ وعیدین ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ ایک ہی بستی ہے تو شرعاً وہاں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے (۱)، مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجد بنالیں اور جب تک مسجد نہ بنے، کسی اَور جگہ مثلاً مکتب میں اس طرح جمعہ پڑھیں کہ وہاں آنے کی کسی کو رکاوٹ نہ ہو بلکہ جس کا دل چاہے نماز کے لئے آجائے (۲)، وہیں پنجگانہ نماز اذان وجماعت کے ساتھ ادا کریں۔ عیدین کے لئے عیدگاہ ہونا ضروری نہیں، جنگل، باغ اور میدان میں جہاں مناسب سمجھیں ادا کرلیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۳۰ھ۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال : لا جمعة و لا تشریق و لا صلوة فطر و لا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة". (إعلاء السنن ، أبواب الجمعة ، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ۸/۱ ، إدارة القرآن، کراچی)

"(و یشترط لصحتها) سبعة أشیاء : الأول : المصر". (الدرالمختار). "عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة کبیرة، فیها سکک و أسواق، و لها رساتیق، وفیها والٍ یقدر علی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، و هذا هو الأصح".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة ، باب العیدین : ۱۳۷/۲ ،سعید)

(وکذا فی البحر الرائق،کتاب الصلاة باب الجمعة: ۲۴۶،۲۴۵/۲ ، رشیدیه)

"(تجب صلاتهما) فی الأصح (علی من تجب علیه الجمعة بشرائطهما)المتقدمة(سوی الخطبة)". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین : ۱۶۶/۲ ، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة ، الباب السابع عشر فی العیدین: ۱۵۰/۱ ، رشیدیه)

(۲) "(و) السابع : (الإذن العام)". (الدرالمختار). "(قوله: الإذن العام): أی أن یأذن للناس إذناً عاماً بأن لایمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلی فیه، و هذا مراد من فسر الإذن العام =

جمعہ کی نماز کے لئے کسی بستی میں جانا

سوال[۳۷۴۷]: جب دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگ قصبہ میں جو کہ گاؤں سے تین یا چار میل کے فاصلہ پر ہے اور وہاں جمعہ کی نماز بالکل جائز ہے اور سائیکل سے یا پیدل آسانی سے جاسکتے ہیں۔

۲......مگر محض کسل کی بناء پر یا دنیا کمانے میں انہماک کی بناء پر نہ جائیں بلکہ اپنے گاؤں میں جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز تنہا پڑھ لیں اور عیدین کی نماز قصبہ میں پڑھنے نہ جائیں تو گنہگار تو نہ ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......نہایت ہمدردی اور دلسوزی سے مسئلہ بتا کر بند کرانے کی کوشش کی جائے، اگر فتنہ پیدا ہو مثلاً لوگ پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دیں یا فساد کریں، سر پٹول اور مقدمہ بازی کی نوبت آئے تو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کی جائے(۱)۔

= بالاشتهار". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۴/۲، رشيديه)

"لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى و فيها وال و حاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۸/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله، ولكتابه، ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمة الله تعالىٰ عليه: "وأما نصيحة عامة المسلمين وهم مَن عَدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم، ورحمة صغيرهم". (الصحيح لمسلم مع شرح للنووي، كتاب الإيمان، بابٌ: الدين النصيحة: ۵۴/۱، قديمي)

۲..... بالکل گنہگار نہیں کیونکہ ان کے ذمہ وہاں جانا واجب نہیں، ان کی خوشی پر موقوف ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ۔

لوگوں کے نماز ترک کرنے کے اندیشہ سے نمازِ جمعہ کا قیام

سوال[۳۷۳۸]: یہاں ایک آبادی ہے جو کہ صدہا سال سے آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے قریب پچاس ساٹھ گھر آباد تھے اور اس آبادی میں ایک پختہ مسجد بھی ہے، جو زمانۂ قدیم سے موجود ہے۔ اس وقت موجودہ آبادی مسلمانوں کی قریب دس بارہ گھر کے ہے اور اس مسجد میں قدیم زمانہ سے نماز جمعہ ہوتی ہے۔ اور یہیں ایک مقام ہے تین میل کے درمیان جہاں قبرستان اور مسجد وغیرہ موجود ہے اور عیدین کی نماز ہوتی ہے، اَور کہیں نہیں ہوتی۔ اس وقت اس کی مردم شماری پانچ سو یا چار سو کی ہے اور یہیں پر ضروریات کی ساری چیزیں مل سکتی ہیں۔ یہاں پندرہ، سولہ دکانیں اور بازار بھی ہے اور ڈاکخانہ، تار گھر بھی ہے، میڈل اسکول اور پرائمری دونوں موجود ہیں اور موسمِ سرما میں چار ماہ کے لئے تحصیلدار اور ڈپٹی وغیرہ آجاتے ہیں اور دیوانی وفوج داری وغیرہ کے مقدمات ہوتے ہیں۔

اب کچھ عرصہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے کہ یہاں جمعہ جائز نہیں اور معترض خود نمازی ہے اور نماز جمعہ میں پچیس تیس نمازی جمع ہوجاتے ہیں اور کبھی زیادہ بھی ہوجاتے ہیں اور خاص کر موسمِ سرما میں چکروتے سے

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله عنه: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن". (أوجز المسالک، باب ماجاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

"ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر الخ". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره، ويرجع إليه الناس فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۶، رشيديه)

تفصیل کے لئے دیکھئے: (القول البديع في اشتراط المصر للتجميع، تاليف حكيم الأمة تهانوی رحمه الله)

تحصیل آنے کی وجہ سے نمازیوں کی زیادتی ہوتی ہے۔ اب اعتراض کی وجہ سے نمازیوں کی کمی ہوگئی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو نمازی بہت ہی کم ہوجائیں گے۔ نماز جمعہ ہی کی وجہ سے بہت سے نوجوان اور بوڑھے وضو تک نہیں جانتے تھے جن کو اسی کے طفیل میں وضو وغیرہ آ گیا، اب اعتراض کی وجہ سے ان کو بھی موقعہ ملا کہ ہم کو تو کوئی اب نماز کے لئے تو نہیں کہہ سکتا۔

اور اس قصبہ میں ایسے ایسے آدمی موجود ہیں جن کو اچھی طرح کلمۂ اول بھی نہیں آتا اور شعارِ اسلام سے تو کوسوں دور ہیں، باوجود اس کے ہم لوگ ان لوگوں کو نماز کی رات دن تاکید کرتے ہیں، پھر بھی نہیں مانتے، یعنی دیکھئے یہاں پر نماز جمعہ ہوتی ہے پھر بھی شریک نہیں ہوتے اور بالکل خلافِ شرع ہیں، باوجودیکہ ان کو نماز کے لئے بہت ترغیب دیتے ہیں پھر بھی نماز سے نفرت کرتے ہیں۔ اب پھر دوبارہ نماز میں شریک کرنے کی کوشش کررہا ہوں اور دوسروں سے بھی کوشش کراتا ہوں۔ جب کہ یہاں کے لوگوں کی یہ حالت ہو کہ نماز کے نزدیک تک نہ جاتے ہوں اور نماز سے گھبراتے ہوں تو۔ حضرت! ہم لوگ لوگوں کو بڑی منت وخوشامد سے نمازِ جمعہ میں شریک کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگیں، ایسی حالت میں نمازِ جمعہ بند کردی گئی تو پھر خیر صلاح ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ لوگ نماز سے اور شعارِ اسلام سے متنفر ہوں، نماز جمعہ کے بارے میں کیا خیال ہے، آیا بدستور باقی رکھیں یا روک دیں؟

بشیر احمد انصاری گنگوہی، پیش امام مسجد کالسی، ضلع دہرہ دون، ۲۴/مئی/۳۱ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بستی میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں (۱)، بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے، اگر نماز جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہوگی جو کہ جماعت سے پڑھنا اور دن میں جہر سے قرأت کرکے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (۲) اور اس سے

---

(۱) "لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيديه)

(۲) "(ولا يصلي الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان): أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعةٌ بواحد". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۴۸، ۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۳، رشيديه) .... =

ظہر کا فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا وہ بدستور باقی رہے گا(۱)، لہٰذا جمعہ کو موقوف کر کے ظہر کو قائم کرنا ضروری ہے۔

رہی یہ بات کہ لوگ بالکل نماز چھوڑ دیں گے تو آپ نے خود لکھا ہے کہ ''اب باوجود جمعہ پڑھنے اور اتنی کوشش کرنے کے بھی رغبت نہیں کرتے، بلکہ متنفر ہیں''۔ اس لئے ایک ممنوع فعل کر کے لوگوں کو متوجہ کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں، ویسے نماز کے لئے آپ اپنی کوشش کو جاری رکھیں۔ اللہ پاک امداد فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۴/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/۴/۵۸ھ۔

ایضاً

سوال[۳۷۳۹]: یہاں ایک آبادی ہے جو کہ صدہا سال سے آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے قریب پچاس ساٹھ گھر آباد تھے اور اس آبادی میں ایک پختہ مسجد بھی ہے، جو زمانہ قدیم سے موجود ہے، اس وقت موجودہ آبادی مسلمانوں کی قریب دس بارہ گھروں پر مشتمل ہے اور اس مسجد میں نماز جمعہ ہمیشہ سے ہو رہی ہے۔ آبادی کی مردم شماری میں یہ مقام کالسی تین میل کی وسعت کے لحاظ سے صرف خود ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں پر قبرستان ہے اور مسجد اسی میں ہے اور عیدین کی نماز بھی یہاں پر ہوتی ہے۔ اس مقام میں ہندو مسلمان کی مشترکہ آبادی پانچ سو یا چار سو کے ہے اور یہاں پر معمولی بازار ہے اور تار گھر، ڈاکخانہ، مڈل اسکول سے پرانہ قصبہ ہے اور موسمِ سرما میں تین ماہ کے لئے تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر آجاتے ہیں اور دیوانی وفوج داری مقدمات ہوتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے ایک شخص نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اس مقام پر نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور وہ شخص پکا نمازی بھی ہے، نماز جمعہ پڑھنے کے واسطے یہاں پر پختہ پچیس تیس نمازی جمع ہو جاتے ہیں اور ایامِ سرما میں نمازیوں کی مقدار میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

اب اس شخص کے اعتراض پیدا کرنے سے نمازیوں کی مقدار میں دس پندرہ آدمیوں کی کمی ہوگئی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو کچھ عرصہ بعد شاید یہ نمازی اَور بھی کم ہو جاویں گے، اس نماز جمعہ کے طفیل سے دور دور سے

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلوة، باب الوتر وأحكامه، ص: ٣٨٦، قديمي)

(١) "لو صلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ١٣٨/٢، سعيد)

مسلمان جمع ہوتے ہیں، اب اس میں عام طور سے لوگوں کو نماز نہ پڑھنے کا بہانہ مل گیا، اس نماز جمعہ ہی کی برکت سے بہت سے نوجوان، اور بوڑھوں کو وضو کرنے کی تمیز ہوگئی تھی اور یہاں اس صورت میں کہ نماز جمعہ ہوتی ہے تب بھی نماز سے متنفر ہیں اور اگر خدانخواستہ نمازِ جمعہ بند ہوگئی یہاں پر، تو یہ بالکل ہی نماز چھوڑ دیں گے۔ خیر باعثِ طلب یہ امر ہے کہ نماز جمعہ جائز ہے یہاں پر یا نہیں؟

الجواب از: دھـــــــــــــــــــلی:

ان حالات میں نمازِ جمعہ جاری رکھی جائے، بند کرنا درست نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

اس استفتاء کا جواب اس سے قبل مظاہر علوم سے جا چکا تھا، اس کے بعد یہ استفتاء مع جواب آیا، جس کا جواب مندرجہ ذیل ہے:

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں کا جواب تو اب بھی وہی ہے، جو پہلے تھا۔ جس شخص کو عمل کرنا ہوتا ہے وہ کسی ایسے شخص سے جس پر اعتماد ہو، ایک دفعہ دریافت کر کے عمل کر لیتا ہے، جس کو عمل نہ کرنا ہو وہ مختلف اشخاص سے دریافت کرتا ہے کہ دیکھیں فلاں جگہ سے کیا جواب ملتا ہے اور فلاں جگہ سے کیا، اگر کہیں دو جگہ سے مختلف جواب ملا تو اس کو شور مچانے اور گالیاں دینے کا ذریعہ بنا لیتا ہے، ایسے شخص کا مقصود درحقیقت عمل کرنے کے لئے دریافت کرنا نہیں ہوتا۔ اب آپ کے سامنے دونوں قسم کے جواب موجود ہیں۔ جاہل لوگ علماء کو گالیاں دیتے ہیں اور آپ مختلف مقامات سے مسئلہ دریافت کر کے اور مختلف جوابات حاصل کر کے ان جاہلوں کو سنا کر گالیاں دلواتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔

اب دوبارہ یہاں پہونچنے سے بھی غالباً مقصود ہوگا کہ یہاں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتویٰ کی تردید کی جائے تاکہ آپ پھر جاہلوں کو سنا کر بتلائیں اور گالیاں دلوائیں کہ دیکھو مولوی آپس میں لڑتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں، یا یہ مقصود ہوگا کہ یہاں سے پہلے فتویٰ کے خلاف جواب دیا جائے تاکہ عوام جاہلوں کو آپ سنائیں کہ دیکھو ایک فتویٰ دیا پھر دوبارہ اس کے خلاف فتویٰ دیدیا، ایک بات پر قرار نہیں اور پھر وہ عوام گالیاں دیں، جس سے آپ کو مزہ آئے اور آپ خیر خواہانہ طریقہ سے اظہار ہمدردی کریں کہ عوام جب گالیاں دیتے ہیں، ہمیں بہت افسوس ہوتا ہے۔

اگر آپ عالم ہیں تو کتب فقہ وحدیث میں دلائل موجود ہیں دیکھ کر اطمینان کر لیجئے، اگر آپ جاہل ہیں تو جس پر اعتماد ہو اس سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کیجئے، مختلف مقامات پر سوال بھیجنے اور جواب منگانے کی ضرورت نہیں۔ رہا جاہلوں کے گالیاں دینے کا قصہ سو آپ نے خود ان کا مقولہ نقل کیا ہے کہ "ہم ان مولویوں اور حدیثوں کو نہیں مانتے" اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نہ مولوی کی ضرورت ہے اور نہ حدیث کی، نہ وہ کسی سے مسئلہ پوچھیں اور نہ عمل کریں۔ پھر تو گالیاں دینے کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں کہ مسئلہ کا جواب مختلف ہے تب ہی گالیاں دیں، بلکہ وہ تو ہر طرح گالیاں دیں گے، اس کا علاج نہ میرے قبضہ میں ہے نہ آپ کے قبضہ میں۔

اگر آپ کو علمِ دین اور علماء سے ہمدردی ہے تو ایسی حرکات نہ کیجئے جس سے عوام مشتعل ہو کر گالیاں دیں، بلکہ نہایت نرمی اور حسنِ تدبیر سے ان کو سمجھایئے کہ مسائل میں اختلاف اب سے نہیں، بہت پہلے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور اس سے گھبرا کر حدیث کو اور علمِ دین کو چھوڑ کر بیٹھنا تو بہت بڑی جہالت ہے، بلکہ اس اختلاف میں تو ہر شخص کو ایک قسم کی گنجائش ہے کہ جس عالم کے قول پر عمل کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں سہولت ہوگی، جواب دہی جو کچھ ہوگی وہ خود ان عالموں کے ذمہ رہے گی جن سے پوچھ کر ہم نے عمل کیا ہے، ہماری گرفت نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۲/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

بستی میں نمازِ جمعہ بند کرنے سے لوگ فرض نماز، روزہ چھوڑ دیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۳۷۴۰]: ہمارے گاؤں کی آبادی اس وقت ۱۱۰۰/سو ہے، پرچون کی دکانیں ہیں، تمام ضرورتیں ایک قصبہ دو میل پر ہیں، وہاں سے سب ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں، آپ کے پاس تین فتویٰ روانہ کئے تھے جمعہ کے بارے میں، آپ نے بند کرا دیا، یہ لوگ نہ رمضان کے روزے رکھیں گے، نہ تراویح پڑھیں گے اور نہ نماز پڑھیں گے اور نہ خیرات زکوٰۃ دیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"شرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر، حتى لا تصح في قرية ولا مفازة لقول علي رضي الله تعالىٰ عنه: "لاجمعة ولاتشريق ولاصلوة فطرولا أضحى إلا في

مصر جامع أو فی مدینة عظیمة". رواه ابن أبی شیبة، وصححه ابن حزم، وکفیٰ بقوله قدوةً وإماماً الخ". البحر الرائق، ص: ٤٠ (١)۔

حافظ عینی نے شرح بخاری میں ابوزید کی "کتاب الأسرار" سے اس کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے (٢)۔

بذل المجہود (٣) اور اوجز المسالک (٤)، اعلاء السنن (٥)، آثار سنن (٦)، مرقاۃ (٧)، سب کتابوں میں یہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ کے آس پاس چھوٹے گاؤں تھے جن کو "عوالی" کہا جاتا ہے، وہاں جمعہ نہیں پڑھا جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی وہاں جمعہ کے لئے نہیں فرمایا، وہاں کے لوگ باری باری جمعہ کے لئے مدینہ پاک میں حاضر ہوا کرتے تھے، یہ بخاری شریف میں موجود ہے (٨)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(١) (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ٢/٢٤٥، رشیدیه)

(٢) "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع .... أن أبا زید زعم فی الأسرار أن محمد بن الحسن قال: رواه مرفوعاً معاذ وسراقة بن مالک رضی الله تعالیٰ عنهما". (عمدة القاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، وذکر مایستفاد منه: ٦/١٨٨، منیریه، بیروت)

(٣) (رواه الشیخ خلیل احمد سهارنفوری رحمه الله فی البذل، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری: ٢/١٧٠، امدادیه)

(٤) (رواه شیخ الحدیث مولنا زکریا رحمه الله فی أوجز المسالک، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الإمام ینزل فی قریة یوم الجمعة: ٢/٢٤٥، اداره تالیفات اشرفیه ملتان)

(٥) (رواه الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ فی إعلاء السنن فی کتاب الصلاة، باب عدم جواز الجمعة فی القری: ٨/١، إدارة القرآن، کراچی)

(٦) (رواه الشیخ محمد بن علی رحمه الله تعالیٰ فی آثار السنن، فی کتاب الصلاة، بابٌ: لاجمعة إلا فی مصر جامع، ص: ٢٩٢، امدادیه ملتان)

(٧) (رواه الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ، فی مرقاة المفاتیح، فی کتاب الصلاة، باب: وجوب الجمعة: ٣/٤٧٠، رشیدیه)

(٨) "عن عائشة –رضی الله تعالیٰ عنها– زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی، فیأتون فی الغبار یصیبهم الغبار". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب من أین الجمعة الخ: ١/١٢٣، قدیمی)

نے بنی عمرو بن عوف کی بستی میں قیام فرمایا اور وہاں جمعہ بھی آیا مگر جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بخاری شریف (۱) اور اس کی شرح فتح الباری میں یہ مذکور ہے (۲)۔

میں نے تو حدیث شریف کا حوالہ دے دیا لیکن آپ نے جو کلمات لکھے ہیں جن پر میں نے لکیر کھینچ دی، آپ ان کو لکھ کر کسی عالم سے جس پر آپ کا اعتماد ہو دریافت کرلیں کہ ایسا لکھنا شرعاً کیسا ہے، اس سے ایمان تو برباد نہیں ہوجاتا اور ایسا لکھنے پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اس کی مکافات کس طرح کی جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بستی میں نماز جمعہ سے منع کرنے کی صورت میں لوگوں کی ملامت کا خوف ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۷۴۱]: ایک جگہ ایسی بستی ہے جہاں احناف کے مذہب کی بنیاد پر جمعہ نہیں ہوتا لیکن وہاں بہت دنوں سے صلوة جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے تو اب صلوة جمعہ وہاں پڑھی جائے یا نہیں؟ جب کہ چھوڑ دینے سے لوگوں کی ملامت کا خوف ہو؟ ویسے تو لوگ یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو ایک پنجوقتی نماز نہیں ادا کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے خدا کی یاد سے غافل رہے ہیں، اب اگر جمعہ کی نماز سے منع کردیا جائے تو غفلت میں اور بھی زیادتی ہوجائے گی اور غفلت میں زیادتی شریعتِ مطہرہ میں کہاں جائز ہے؟

---

(۱) "أن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت: لم أعقل أبویّ قط إلا وهما يدينان الدين" ....وذكر الحديث......... وفيه: "فلبث رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بنی عمرو بن عوف بضع عشرة ليلةً". الحديث. (صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم: ۱/۵۵۵، قدیمی)

(۲) (رواه ابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالیٰ فی فتح الباری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم: ۷/۳۰۴، قدیمی)

(۳) بظاہر مستفتی کا انداز دھمکی آمیز ہے کہ اگر اس طرح جمعہ بند کرادیا گیا تو اس کے مقابلے میں سارے لوگ نماز، روزہ وغیرہ کا انکار کر کے ادائیگی چھوڑ دیں گے اور یہ الفاظ انتہائی سخت ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو احتیاطاً تجدیدِ ایمان ونکاح ضروری ہے: "ما كان فی كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك، وتجديد النكاح بينه وبين امرأته احتياطاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب السیر، قبیل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک غلط کام اگر پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہو تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہایت شفقت، ہمدردی سے، حسن تدبیر سے اس کی اصلاح کی جائے، اس کی اجازت نہیں کہ غلط کام کی تائید کر کے اس کو اور بھی پختہ کر دیا جائے، وہ پانچ وقت کا فرض ادا نہیں کرتے تو اس کا وبال وعذاب ذہن نشین کرایا جائے کہ یہ کس قدر خطرناک حالت ہے، احادیث میں اس پر کس قدر وعید ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوازِ جمعہ میں اختلاف ہو تو راہِ عمل کیا ہے؟

سوال[۳۷۴۲]: بعض جگہوں پر بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے، اور بعض جگہوں پر بعض علماء جوازِ جمعہ کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور بعض عدمِ جواز کا، مثلاً مذکورہ بستی ہی ہے یہاں بھی بعض علماء جو کہ یہاں آتے بھی رہتے ہیں مگر وہ جمعہ نہیں پڑھتے، عدمِ جواز کے قائل ہیں، اور بعض علماء جمعہ پڑھتے ہیں اور جواز کے قائل ہیں۔ اور یہاں کے تمام مدرسین جو کہ علماء بھی ہیں، جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس عالم اور مفتی پر زیادہ اعتماد ہو اس کی بات پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

احتیاط مذہب حنفی میں ہے کہ قریۂ صغیرہ میں جمعہ نہیں

سوال[۳۷۴۳]: حضرت مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ ''جمعہ کے معاملہ میں اگر امام شافعی رحمہ اللہ

---

(۱) ''جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑنے سے لوگ نماز پنج وقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہیے تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں، ان کو جھگڑا نہیں کرنا چاہیے''۔ (کفایت المفتی، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجمعۃ: ۲۳۵/۳، دارالإشاعت)

''لما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس، لايمنعون؛ لأنهم إذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى او من تركها اصلاً''.

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۲، سعيد)

تعالیٰ کے قول پر احتیاط ہوتی تو میں اس پر فتویٰ دے دیتا، مگر احتیاط حنفی مذہب میں ہے"۔ تو جس گاؤں میں اختلاف قریہ اور مصر ہونے میں ہو، اس میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے، احتیاط حنفی مذہب پر عمل کرنے میں ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۵/ ۹۵ھ۔

جمعہ کی نماز میں شوافع کے یہاں کتنے آدمی ضروری ہیں

سوال [۳۷۴۴]: ۱...... ایک قریہ میں شافعیوں کی دو مسجدیں ہیں: ایک مسجد میں جمعہ میں بیس آدمی، دوسری میں تیس آدمی جمع ہوتے ہیں۔ چونکہ شافعی مذہب میں جمعہ کے لئے یہ افراد شرط ہیں، باوجود ہونے کے یہ دونوں مسجد والے ایک جگہ جمع نہیں ہوتے، الگ الگ ہی نماز پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک قول میں نماز جمعہ کے لئے بارہ آدمی بھی کافی ہیں۔ کیا یہ قول صحیح ہے؟

ایضاً

سوال [۳۷۴۵]: ۲...... ایک قریہ میں پندرہ ہی گھر ہیں، ایک ہی مسجد ہے جمعہ میں محض تیرہ چودہ آدمی ہوتے ہیں، شوافع کے لئے نماز جمعہ کے واسطے مذکورہ قول کفایت کرتا ہے کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... الدراسات الفقہیہ: ۲/ ۱۱۵، میں متعدد اقوال بیان کئے ہیں، چالیس کے عدد کو معتمد لکھا ہے، بارہ کا عدد امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے (۱)۔ سیوطیؒ نے الحاوی الفتاویٰ: ۱/ ۶۶ میں ارجح المذاہب اس چیز کو لکھا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت میں جمعِ کثیر ہونا چاہیے، کوئی عدد معین ضروری نہیں (۲)۔ چالیس کے عدد کو دلیل

---

(۱) (لم اظفر علیه)

(۲) "الرابع عشر: جمعٌ كثيرٌ بغير قيد، وهذا مذهب مالك .... قال الحافظ ابن حجر في شرح البخاري: لعل هـذا المذهب أرجح المذاهب من حيث الدليل، وأقول: هو كذلك؛ لأنه لم يثبت في شيءٍ من الأحاديث تُعين عدد مخصوص وأنا أبين ذلك". (الحاوي للفتاوي: ۱/ ۷۶، باب صلوة الجمعة، ضوء الشمعة، دار الفكر، بيروت)

کے اعتبار سے قوی قرار نہیں دیا، لہذا بیس یا تیس آدمی اگر جماعت میں ہوں تب بھی بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مزید تحقیق اپنے مذہب کی شوافع بتا سکیں گے، حنفیہ کے نزدیک تو اس جماعت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں بشرطیکہ وہ قریۂ کبیرہ ہو۔

۲.....شوافع کے نزدیک صرف جماعت میں شریک ہونے والوں کا عدد مذکور کافی نہیں، بلکہ دیگر شروط بھی ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

بازار کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۷۴۶]: مسجد درگاہ حضرت شاہ کلیم اللہ میں نماز پنجگانہ، نماز عیدین، تراویح رمضان باقاعدہ مسلسل ہوتی ہے، مسجد کشادہ اور مسجد سے متعلق کئی مارکیٹ، سبزی مارکیٹ، کوٹ پتلون مارکیٹ، کبوتر مارکیٹ وغیرہ واقع ہے، ہمہ وقت زائرین کی آمد و رفت رہتی ہے، مسجد سے ملحق مارکیٹ اور بازار وغیرہ کا طویل سلسلہ ہے، دو طرفہ مسجد سے متصل شاہراہ پر ہر دم مسلم مسافروں کی آمد و رفت بھی رہتی ہے۔ کیا مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ مسجد آبادی سے دور شہر سے خارج نہیں ہے جیسا کہ تحریر سوال سے ظاہر ہوتا ہے تو یہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "ولكن لا تنعقد الجمعة بالعدد المطلوب، وهو أربعون بالمسافر، بل لابدمن كون الأربعين متوطنين، فالاستيطان شرط الانعقاد لاشرط الوجوب للجمعة، كما أن شرط صحة الجمعة هو وقوعها في بناء لاصحراء". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۲۸۷/۲، كتاب الصلوة، المبحث الثاني: صلاة الجمعة، المطلب الثالث، رشيديه)

(وكذا في المجموع شرح المهذب للنووي: ۴۲۴/۴، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، دارالفكر، بيروت)

(۲) "عن عليّ رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، =

اگر بغیر جمعہ کے مسجد آباد نہ ہوتو کیا کرے؟

سوال[۳۷۴۷]: ہم لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس سے دومیل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں پر مسجد غیرآباد ہے، صرف جمعہ کی وجہ سے مسجد آباد ہوسکتی ہے تو اس جگہ جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ چھوٹا گاؤں ہے تو وہاں جمعہ جائز نہیں، مسجد آباد ہو یا ویران ہو، جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ پانچوں وقت اذان و جماعت کا انتظام واہتمام کیا جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس مسجد میں پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو اس میں جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۴۸]: موضع دیوکلی میں جمعہ کے سب شرائط ہیں، آبادی تین ہزار سے زائد ہے،

= أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

"وأما شروط الأداء فستة أيضاً: الشرط الأول: المصر أو فناء ه، فلاتجوز في القرى ....

عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك وأسواق، و لهارساتيق، و فيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيمايقع من الحوادث، و هذا هو الأصح، انتهى". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن كراچي)

"و أما شروط الأداء فستة أيضاً: الشرط الأول المصر أو فناء ه، فلا تجوز في القرى". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سهيل)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

مسلمانوں کے گھر پندرہ سو کے قریب ہیں، یہاں ایک مسجد ہے جمعہ ہوتا ہے مگر مسجد میں پانچ وقت نماز نہیں ہوتی نہ جماعت کے ساتھ نہ بلا جماعت، کوئی آدمی آ گیا تو پڑھ لیا، مقامی لوگ نماز نہیں پڑھتے صرف جمعہ، عید، بقر، عید ہوتی ہے، ان حالات میں جمعہ صحیح ہوگا؟ اور موضع پہاڑ پور کی آبادی پندرہ سو کے قریب ہوگی، چالیس گھر مسلمانوں کے ہیں، یہاں دو مسجدیں ہیں، ۶،۵/ دوکانات ہیں، مسجد میں جمعہ پہلے سے ہوتا آ رہا ہے، پنجوقتہ نماز بھی کبھی جماعت سے کبھی بلا جماعت، جمعہ میں تیس چالیس آدمی شریک ہو جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیوکلی میں جمعہ کے شرائط موجود ہیں یعنی گلی کوچہ محلے ہیں، ڈاک خانہ ہے، بازار ہے، ضرورت کی ہر شئی ہمیشہ مل جاتی ہے، تین ہزار کی مردم شماری ہے تو وہاں جمعہ بھی درست ہے اور عید بھی (۱) مگر وہاں کے لوگوں کو لازم ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کا بھی اہتمام کریں، کسی کو اذان وامامت کے لئے مقرر کرلیں اور سب نماز پڑھا کریں ورنہ سخت دبال میں گرفتار ہوں گے اور سب پر نحوست طاری رہے گی (۲)۔

---

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالیٰ عنه "ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن". (أوجز المسالک، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۶، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر". (الدرالمختار). "عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكک وأسواق، ولها رساتيق، و فيهاوالٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(و كذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹، ۵۵۰، سہیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن أثقل صلوة على المنافقين صلوة العشاء و صلوة الفجر و لو يعلمون ما فيهما، لأتوهما ولو حبواً، ولقد هممت أن آمر رجلاً بالصلوة فتقام، ثم آمر رجلاً فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لايشهدون الصلاة فأحرّق عليهم بيوتهم بالنار".

قال عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه: لقد رأيتنا و مايتخلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه، =

موضع پہاڑ پور آپ کی تحریر کے مطابق چھوٹا گاؤں ہے وہاں جمعہ درست نہیں، جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز ادا کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

گھر یا حجرہ میں جماعت یا جمعہ

سوال [۳۷۴۹]: حجرہ یا گھر میں ۲۰،۲۰/ طالب علم وقتی نماز ادا کرتے ہیں، قریب آس پاس میں جامع مسجد بھی موجود ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو کیا گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جمعہ کی نماز ہوگی تو آس پاس کے محلّہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں پارٹی بازی یا جھگڑا ہوسکتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ہر نماز کو مسجد میں ادا کیا جائے، مسجد کو چھوڑ کر بلا عذرِ شرعی گھر میں نماز کا اہتمام کرنا مسجد کے حق کو تلف کرنا ہے، خاص کر نماز جمعہ، اس کے لئے جامع مسجد کا اہتمام کیا جائے اپنے ذاتی گھر میں ہرگز جمعہ نہ پڑھا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= أومريض إن كان ليمشي بين رجلين حتى يأتي الصلاة. و قال: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلاة في المسجد الذي يؤذن فيه".

"عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: من سره أن يلقى الله تعالىٰ غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادىٰ بهن، فإن الله تعالىٰ شرع لنبيكم سنن الهدى وأنهن من سنن الهدىٰ و لو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلي هذا المتخلف في بيته، لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة، بيان التشديد في التخلف عنها الخ: ۱/ ۲۳۲، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۱۸۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لو أن رجلاً دعا الناس إلى عرق أو مرماتين، لأجابوه و هم يدعون إلى هذه الصلوة في جماعة فلا يأتونها، لقد هممت =

جیل یا گھر میں جمعہ

سوال[۳۷۵۰]: چند حضرات سیاسی جدوجہد کے سلسلہ میں نظر بند اور گرفتار ہیں، نماز جمعہ کے متعلق انہیں خیال رہتا ہے کہ بحالتِ اسیری ومجبوری ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا انہیں ظہر پڑھنی چاہئے یا جمعہ؟ براہِ کرم مختلف فقہی مذاہب کی جزئیات کا استیعاب فرماتے ہوئے حنفی مسلک کو دلائل وشواہد کے ساتھ واضح فرمایا جائے کہ یہ اہلِ علم حضرات اس سے روشنی پاسکیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قال ابن نجيم: "والإذن العام: أى شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن و صلى فيه بأهله و عسكره صلوة الجمعة، لا تجوز، كذا فى الخلاصة

= أن آمر رجلاً أن يصلي بالناس في جماعة، ثم أنصرف إلى قوم سمعوا النداء فلم يجيبوا فأضرمها عليهم ناراً، إنه لا يتخلف عنها إلا منافق"

"قال الشيخ ظفر أحمد العثماني نور الله مرقده: " قلت: دلالته على الجزء الأول ظاهرة حيث بولغ في تهديد من تخلف عنها و حكم عليها بالنفاق، ومثل هذا التحديد لا يكون إلا في ترك الواجب، ولا يخفى أن وجوب الجماعة لو كان مجرداً عن حضور المسجد لَمَا هَمّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بإضرام البيوت على المتخلفين لاحتمال أنهم صلوها بالجماعة في بيوتهم، فثبت أن إتيان المسجد أيضاً واجب كوجوب الجماعة". (إعلاء السنن، أبواب الإمامة، باب وجوب إتيان الجماعة في المسجد: ۱۶۴/۴، إدارة القرآن، كراچى)

"وقال ابن مسعود: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علّمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذى يؤذن فيه". و فى رواية: قال: "من سره أن يلقى الله تعالىٰ غداً مسلماً، فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فإن الله تعالىٰ شرع بينكم سنن الهدى، وأنهن من سنن الهدى و لو أنكم صليتم فى بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف فى بيته لتركتم سنة نبيكم، و لو تركتم سنة نبيكم لضللتم". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب فضل صلوة الجماعة و بيان التشديد فى التخلف عنها الخ: ۲۳۲/۱، قديمى)

اھـ". بحر: ۲/۱۵۱(۱) کذا فی البدائع: ۱/۲۲۹ (۲) و شرح المنیۃ الکبیر، ص: ۵۱۸ (۳)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ صحتِ جمعہ کے لئے اذنِ عام شرط ہے، اگر جیل کا دروازہ بند ہو کہ وہاں جانے کی عام اجازت نہ ہو تو وہاں جمعہ درست نہیں، ظہر ادا کی جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۶۳، رشیدیه)

(۲) "و ذکر في النوادر شرطاً آخر یذکر في ظاهر الروایة و هو أداء الجمعة بطریق الاشتهار حتی أن أمیراً لو جمع جیشه في الحصن وأغلق الأبواب و صلی بهم الجمعة، لا تجزئهم". (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، الجماعة من شروط الجمعة: ۱/۲۰۲، رشیدیه)

(۳) "الشرط السادس: الإذن العام، حتی لو أن السلطان أو الأمیر إذا أغلق باب قصره، و صلی فیه بحشمه، لا تجوز جمعته، و إن فتحه و أذن للناس بالدخول، جازت سواء دخلوا أولا، و ذلک لما مرّ غیر مرة أنها شرعت بخصوصیاتٍ لا تجوز بدونها، والإذنُ العام والأداء علی سبیل الشهرة من جملة تلک الخصوصیات، فلا تجوز بدونه". (الحلبي الکبیر، کتاب الصلوة، فصل في صلوة الجمعة، ص: ۵۵۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: أذن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الجمعة قبل أن یهاجر، و لم یستطع أن یجمّع بمکة، فکتب إلی مصعب بن عمیر رضی الله تعالیٰ عنه: "أما بعد! فانظر الیوم الذي تجهر فیه الیهود بالزبور، فاجمعوا نساء کم وأبناء کم، فإذا مال النهار عن شطره عند الزوال من یوم الجمعة، فتقربوا إلی الله برکعتین" قال: فهو أول من جمّع حتی قدم النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم المدینة فجمع عند الزوال من الظهر وأظهر ذلک".

قال الشیخ ظفر أحمد العثماني: "قلت: و فیه دلالة علی الشرط الجمعة أن تؤدی علی سبیل الاشتهار لما فیه أن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أذن الجمعة قبل أن یهاجر، و لم یستطع أن یجمع بمکة .... ولا یخفی أن مکة موضع صالح للجمعة حتماً لکونها مصراً، ولم یکن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عاجزاً عن الوقت و لا عن الخطبة والجماعة لأجل کونه مختفیاً في بیت، فإنه کان یقیم سائر الصلوات بالجماعة کذلک، ولکنه لم یستطع أن یؤدی الجمعة علی سبیل الاشتهار والإذن العام لما فیه من مخافة أذی الکفار و هجوهم علی المسلمین، ففیه دلیل قول الحنفیة باشتراط الإذن العام للجمعة".

(إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب أن وقت الجمعة بعد الزوال: ۸/۴۵، ۴۶، إدارة القرآن، کراچی)

(۴) "اگر جیل میں حکومت کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت ہو اور جیل کے دروازوں کو بند رکھنے کا مقصد نمازیوں کو روکنا نہ ہو بلکہ محض حفاظت ہو تو درجہ ذیل جزئیات سے جیل میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"۔ (احسن الفتاوی، =

قیدخانہ میں جمعہ کی نماز

سوال[۳۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین حدیثین شریفین کی روشنی میں بابت جمعہ مبارکہ کی نماز کے متعلق، کیا قیدی جن کو ہر قسم کی مذہبی آزادی ہو اور کھانے پینے کا انتظام بھی ان کا اپنے ہاتھ ہو، صرف حکومت کے قانون کے مطابق اندر سے باہر جا کر جمعہ کی نماز ادا نہیں کر سکتے اور ایک جگہ ہزاروں ایسے آدمی موجود ہوں اور ایک جگہ پر نماز جمعہ پڑھ سکتے ہوں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس وقت ہم لوگ جمعہ کی نماز برابر پڑھتے رہتے ہیں اور بعض عالموں نے یہ رائے دیا کہ جمعہ کی نماز قیدیوں یا نذر حوالہ کئے ہوئے لوگوں کو پڑھنی جائز نہیں بلکہ قصر بھی منع ہے۔ اس لئے ہمیں خلاصہ حدیثوں کی روشنی میں آگاہ فرمائیں تاکہ تسلی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ حالات، کے تحت وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، درمختار اور شامی میں یہ مسئلہ مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

= كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱۲۲/۴، سعيد)

"(و) السابع (الإذن العام) .... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدرلمختار).

"(قوله: وقصره) قلت: و ينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت، فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱۵۲/۲، سعيد)

(۱) "اگر جیل میں حکومت کی طرف سے نماز پڑھنے کی اجازت ہو اور جیل کے دروازوں کو بند رکھنے کا مقصد نمازیوں کو روکنا نہ ہو بلکہ محض حفاظت ہو تو درج ذیل جزئیات سے جیل میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے"۔ (احسن الفتاوی، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱۲۲/۴، سعيد)

"(و) السابع (الإذن العام) .... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدو لا المصلي". (الدرالمختار). "(قوله: وقصره) قلت: و ينبغي أن =

فیکٹری میں جمعہ

سوال[۳۷۵۲]: ایک مدت سے یہاں ایک استفتاء رکھا ہے جس کا جواب پورے طور پر کچھ حل سمجھ میں نہ آنے کی بنا پر نہیں دیا جا سکا جس کی خاص وجہ امداد الفتاوی میں ذکر کردہ ایک فتوی ہے، پھر شامی وغیرہ کی عبارتوں کا محمل تجویز کرنے میں الجھن ہے۔ استفتاء درج ذیل ہے:

ایچ اے ایل فیکٹری (یعنی کانپور اسلحہ فیکٹری) میں نماز جمعہ گذشتہ چھ سات سال سے ہوتی چلی آ رہی ہے اور مسجد فیکٹری سے میل سوا میل کے فاصلہ پر ہے اور وقتِ طعام صرف آدھ گھنٹہ (ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک) مقرر ہے ایسی صورت میں مسجد تک پہنچنا اور نماز ادا کرنا محال ہے اور عوام کی نماز میں شرکت ممنوع ہے کیوں کہ مسجد فیکٹری کی حد میں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جملہ ملازمینِ فیکٹری کی نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوگی تو گذشتہ نمازوں کا اعادہ کس طرح کیا جائے؟ پھر اگر یہاں جمعہ نہ ہو تو کیا دوسری فیکٹری میں تبادلہ کرا لیا جائے جہاں نماز کی سہولت ہو یا یہیں جمعہ اور احتیاط الظہر دونوں پڑھ لیں؟ امید ہے کہ بحوالہ جواب عنایت فرمائیں گے۔ امداد الفتاوی: ۱/۱۲، ۱۱، میں ایک قلعہ کے اندر رہنے والوں کی نماز سے متعلق تحریر ہے:

الجواب:

''اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائط، شرائطِ صحتِ جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی روک ٹوک کسی اَور ضرورت سے ہو وہ اذنِ عام میں مخل نہیں:

في الدر المختار: والإذن العام من الإمام، و هو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي، فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله و غلقه لمنع العدوّ لا للمصلي، نعم! لو لم يغلق لكان أحسن، اهـ''۔ في رد المحتار: و ينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده

= يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل''. (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

التعلیل". انتھی(۱)۔ پس بنابرروایت مذکورہ اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے"(۲)۔

احقر کے خیال میں ہے کہ استفتاء میں مذکورہ صورت امداد الفتاوی میں ذکر کردہ قلعہ والی صورت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت کے فتوئی اور پھر مذکورہ بالا عبارت کتاب سے جواز ہی سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ فیکٹری میں عوام کے نہ آنے کی ممانعت مصلحۃً ہے، مقصود عوام کو نماز سے روکنا نہیں بلکہ فیکٹری کے حفاظتی انتظامات کے تحت ہے اور اس میں کام کرنے والوں میں سے کسی کو ممانعت نہیں ہے۔ مزید علامہ شامی کا قول اَور زیادہ جواب کا معین ہے۔ امداد الفتاوی میں ایک اسی قسم کے سوال کا جواب ان الفاظ میں بھی دیا گیا ہے کہ "جس جگہ پر عام ممانعت ہے وہاں سے باہر نکل کر کسی میدان میں جمعہ پڑھ لیں۔ اس فیکٹری میں بھی کام کرنے والوں کے لئے بھی ایک صورت یہ نکل سکتی ہے۔ اب حضرت والا کی خدمت میں یہ استفتاء بغرضِ دریافت ارسال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت کے مطابق مذکورہ فیکٹری میں بھی جمعہ کی اجازت ہے، اگر باہر نکل کر پڑھنے کا موقعہ ہوتو اس کی بھی اجازت ہے کیونکہ مسجد کا ہونا جواز کی شرط نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۲۲ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۲، سعيد)

(۲) (امداد الفتاوی، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة والعيدين: ۱/۴۱۱، ۴۱۲، مكتبه دار العلوم كراچى)

(۳) "لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع والقرية كبيرة لها قرى و فيها والحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهيل اكيڈمی لاهور)

"والحكم غير مقصور على المصلى، بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلته في حوائج أهله". (الهداية، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۱۶۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

ہوسٹل میں جمعہ

سوال[۳۷۵۳]: ہماری آبادی سے قریب ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک ہوسٹل ہے، اس کے قرب وجوار میں مکان بھی ہے، یہاں عبادت گاہ بنائی گئی جو صرف کمرہ نما ہے، وقت پر نماز گیارہ سال سے ہورہی ہے، لیکن اس سال کچھ حضرات کا اعتراض ہورہا ہے کہ نمازِ جمعہ وہاں ادانہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ آبادی میں نہیں ہے اور مسجد نہیں ہے، نوے طلباء مختلف علاقے کے اس ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ اب آپ مطلع فرمادیں کہ نماز جمعہ وہاں پر درست ہے یا نہیں؟ اس مقام کی آبادی اٹھارہ ہزار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کالج اور ہوسٹل بھی شہر کی ضروریات میں داخل ہے اس لئے حکماً وہ مقام بھی شہر کی طرح ہے، اگر اس شہر میں شرائطِ جمعہ موجود ہیں تو وہاں بھی جمعہ درست ہے، جمعہ کے لئے باقاعدہ مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے، جو جگہ عبادت کے لئے بنا رکھی ہے وہاں جمعہ بھی ادا ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

کواڑ بند کر کے نمازِ جمعہ

سوال[۳۷۵۴]: نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند رکھنا کیسا ہے؟ اگر کواڑ بند کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز میں کچھ فرق آیا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کے کواڑ بند نہ کئے جائیں، وہاں اذنِ عام ضروری ہے ورنہ نماز

---

(۱) "لو صلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری و فیها والحاکم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم یبنوا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۱، سهیل اکیڈمی لاهور)

"والحکم غیر مقصور علی المصلی، بل یجوز فی جمیع أفنیة المصر؛ لأنها بمنزلته فی حوائج أهله". (الهدایة، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة: ۱/۱۶۸، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

درست نہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "(و) السابع (الإذن العام)". (الدر المختار) . "(قوله: الإذن العام): أی أن يأذن للناس إذناً عاماً بأن لا يمنع أحداً ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذی تصلی فيه، وهذا مراد مَن فسّر الإذن العام بالاشتهار". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۱، سعيد)

"الشرط السادس: الإذن العام حتی لو أن السلطان أو الأمير إذا أغلق باب قصره و صلی فيه بحشمه، لاتجوز جمعته، وإن فتحه وأذن للناس بالدخول، جازت سواء دخلوا أولا". (الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۸، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: الجماعة من شروط الجمعة: ۱/ ۲۰۲، رشيديه)

الفصل الثالث فی تعدد الجمعة

(متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کا بیان)

تعددِ جمعہ

سوال[۳۷۵۵]: اس بستی میں دو مسجدیں ہیں اور پہلے جمعہ جامع مسجد میں ہوتا تھا، لیکن ایک مولوی صاحب نے کسی وجہ سے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کر دیا، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب جمعہ ایک مسجد میں ہونا چاہیے یا کہ دو مسجدوں میں ہونا چاہیے؟

محمد یاسین، موضع بہائی، تحصیل ڈسمو، رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ تمام مسلمان جمع ہوکر ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کریں، بلاضرورت دو جگہ جمعہ نہ کریں، ضرورت پیش آنے پر دوسری جگہ بھی مضائقہ نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ

سوال[۳۷۵۶]: ۱...... ہمارے گاؤں کی تقریباً پانچ چھ ہزار مردم شماری ہے جس میں ۲/۳ مسلمان، ۱/۳ ہندو رہتے ہیں، اس میں ایک جامع مسجد ہے جس میں تمام مسلمان نماز جمعہ ادا کرنے جاتے ہیں، میرے محلّہ والوں کو جامع مسجد کے امام صاحب سے اَور کسی کی امام صاحب سے شکایت پیدا ہوگئی، انہوں نے جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے محلّہ کی مسجد میں ہی جمعہ قائم کرلیا، اس کے بعد تیسرے محلّہ والوں کو بھی کوئی

---

(۱) "(وتؤدی فی مصر واحدٍ بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتویٰ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۵۳، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۴۹، رشیدیه)

شکایت پیدا ہوگئی تو انہوں نے بھی اپنے محلّہ کی مسجد میں جمعہ قائم کرلیا، اس صورت میں چار جگہ جمعہ ہونے لگا۔ اب نمازیوں کا یہ حال ہے کہ ۲۵،۲۵/ یا ۳۰،۳۰/ نمازی نماز جمعہ میں ہوتے ہیں، جامع مسجد میں اس سے کچھ زائد ہوجاتے ہوں گے۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ:

۲...... چار جگہ جمعہ ہونے کی صورت میں شریعتِ مطہرہ کے نزدیک جمعہ کی حیثیت اور جو مقصد ہے وہ باقی رہتا ہے یا فوت ہوجاتا ہے جب کہ نمازیوں کی بھی اتنی کم تعداد ہو؟

۳...... چاروں جگہ جمعہ قائم رہنے دینا چاہیے یا نہیں، یا سب جگہ بند کرکے صرف جامع مسجد ہی میں جمعہ ادا کیا جائے؟

۴...... میرے گاؤں میں جو علماء رہتے ہیں ان کو جامع مسجد کے علاوہ اَور مساجد میں جمعہ بند کرانے اور صرف جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے، پڑھوانے کی جدوجہد کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگر علماء اس بات کی جدوجہد نہ کریں تو وہ شرعاً مجرم ہوں گے یا نہیں؟ جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر علماء کوشش کریں تو میرے گاؤں میں سب مساجد سے جمعہ بند ہوسکتا ہے اور صرف جامع مسجد ہی میں سب لوگ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے تیار ہوسکتے ہیں؟

۵...... جمعہ بند کرانے کی کوشش کی گئی تو جن مساجد میں جمعہ ابھی فی الحال شروع ہوا ہے انہوں نے یہ بات کہی کہ محلّہ چودھریاں میں جمعہ بند کراؤ، وہ ہم سے پہلے پڑھتے ہیں اور اس محلّہ میں علماء بھی رہتے ہیں اور وہ علماء بھی اپنے محلّہ کی مسجد ہی میں جمعہ پڑھتے ہیں، اگر ان کے لئے جائز ہے تو ہمارے لئے بھی جائز ہے۔ اس محلّہ کی مسجد والوں سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں تو جمعہ چالیس سال سے ہوتا ہے، ہم کیسے بند کریں۔ تو کیا ان کا یہ عذر شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر عذر شرعاً درست نہیں تو جمعہ بند کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۶...... اگر میرے گاؤں کے علماء جامع مسجد کے علاوہ اَور مسجدوں سے جمعہ کو بند کرانے کی جدوجہد کریں لیکن محلّہ والے جمعہ بند نہ کریں تو جس محلّہ میں جو عالم رہتے ہیں وہ اپنے محلّہ کی مسجد میں جمعہ ادا کریں یا نماز جمعہ کے لئے ان کا جامع مسجد میں آنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہارِ شوکت ہے جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے زیادہ واضح طور پر حاصل ہوتا ہے، بلاضرورت جگہ جگہ جمعہ کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے یہ طریقہ

ناپسند ہے(۱)۔

۲......بہتر یہ ہے کہ سب متفق ہوکر جمعہ ایک ہی (جامع) مسجد میں پڑھیں اور جھگڑا بند کردیں، لیکن اگر بند کرنے میں فتنہ وفساد ہوتو اس سے پرہیز کریں(۲)۔

۳......اگر بغیر فتنہ کے بند کرسکتے ہیں تو بند کرکے جامع مسجد میں جایا کریں اس سے دوسروں کو بھی اجر ملنے کی توقع ہے(۳)۔

۴......ترغیب وتذکیر کے طور پر سعی کرنا مناسب وافضل ہے، اگر سعی نہیں کریں گے تو افضل کے تارک ہوں گے(۴)۔

---

(۱) "الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفاة، ومن تركها تهاوناً بها، طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة، وسبقهم إلى الزيادة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل: هدية النبي صلى الله عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۴۱، دارالفكر، بيروت)

(۲) فتنہ وفساد کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منع کیا گیا ہے، قال الملا علي القاري: "وشرطهما: (أي الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر) أن لايؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار الشعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۲۲/۸، رشيديه)

(۳)"عن تميم الداري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدين النصيحة" قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "وأما نصيحة عامتهم: وهم مَن عدا وُلاة الأمر، فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم وكف الأذى عنهم، فيعلمهم مايجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف، ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص، والشفقة عليهم، وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره الخ".
(الصحيح لمسلم مع شرح للنووي، كتاب الإيمان، بابٌ: ان الدين النصيحة: ۵۴/۱، قديمي)

(۴) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

۵.....عوام تو علماء کے فعل سے استدلال کرتے ہیں لہٰذا ان کا جواب اسی پر مبنی ہے، علماء حدود کو خوب سمجھتے ہیں وہ اگر افضل کو اختیار کریں تو عوام کو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداءً اسی مسجد میں (جامع مسجد) کے علاوہ جمعہ شروع کیا گیا ہو پھر رفتہ رفتہ دوسری مساجد میں بھی ہونے لگا ہو، پس اگر یہ بند کر کے جامع مسجد میں آنے لگیں تو کیا بعید ہے کہ دوسری مساجد والے بھی ان کا اقتداء واتباع کرلیں اور جامع مسجد پُر ہوکر رونق وشوکتِ اسلام کا ذریعہ ہوجائے (۱)۔ مدت (چالیس سال) کا عذر کوئی قوی اور شرعی عذر نہیں کہ یہ حضرات اگر بند کردیں گے تو قیامت میں پکڑ کا اندیشہ ہوگا۔

۶...... جامع مسجد میں جا کر جمعہ ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے (۲)، جس کو زیادہ ثواب حاصل کرنا ہوگا وہ جائے گا، جو زیادہ ثواب حاصل کرنا نہ چاہے وہ محلّہ کی مسجد پر ہی کفایت کرے گا، لیکن اس کی وجہ سے اس کو مجرم اور گنہگار نہیں کہا جائے گا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں ایک سے زائد جگہ جمعہ درست ہے اور اس سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے حتیٰ کہ بلا حاجت کے بھی اگر متعدد جگہ پڑھا جائے تب بھی:

"وتؤدیٰ فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتویٰ، شرح المجمع للعینی، وإمامة فتح القدیر، دفعاً للحرج .... اهـ". درمختار۔ "(قوله: مطلقاً): أی سواء کان المصر کبیراً أولا، الخ". (۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۹۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وعن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "صلوٰة الرجل فی بیته بصلوة، وصلوته فی مسجد القبائل بخمسٍ وعشرین صلوةً، وصلوته فی المسجد الذی یجمع فیه بخمسمائة صلوة، وصلوته فی المسجد الأقصیٰ بخمسین ألف صلوة، وصلوته فی مسجدی بخمسین ألف صلوة، وصلوته فی المسجد الحرام بمائة ألف صلوة". (مشکوة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوة، ص: ۷۲، قدیمی)

(۳) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعید)

"قوله: (وتؤدی فی مصر فی مواضع): أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجاً بیّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشیدیه) .... =

بڑی جامع مسجد ہوتے ہوئے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا

سوال[۳۷۵۷]: قصبہ نان پارہ کی آبادی تقریباً پچیس ہزار ہے، اس میں تقریباً ۱۵/ ہزار مسلمان ہیں، ان میں تقریباً ساڑھے سات ہزار مسلمان بریلوی مکتبۂ فکر کے اور ساڑھے سات دیوبندی مکتبۂ فکر کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس تعداد میں عورتوں اور بچوں کی تعداد زائد ہوگی۔ اس طرح تقریباً ڈھائی تین ہزار ایسے مردوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جن کی نماز جمعہ کے لئے ایک ایسی جامع مسجد کی ضرورت ہے کہ جہاں وہ سب نماز جمعہ ادا کرسکیں۔

تقریباً زائد یکصدی قصبہ میں جامع مسجد کے نام سے ایک کافی وسیع اور کشادہ مسجد موجود ہے اور اس میں ہمیشہ سے نماز ادا ہوتی ہے جس میں صرف دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ نماز جمعہ پڑھنے آتے ہیں، مسجد اپنی وسعت کی وجہ اپنے دامن میں سب کو لے لیتی ہے، یہاں تک کہ نماز الوداع میں جب کہ دیہات سے لوگ آجاتے ہیں، تمام مسلمان بآسانی نماز ادا کرسکتے ہیں پھر بھی جگہ باقی رہ جاتی ہے۔ بہرحال مسجد بہت کشادہ ہے جس میں ابھی تک جگہ کی تنگی کا سوال نہیں پیدا ہوا ہے، ایسی جامع مسجد ہونے کے باوجود تقریباً دس سال سے اسی مسجد سے ایک دو فرلانگ کی دوری پر دیوبند مکتبۂ فکر ہی کے لوگوں نے ایک دوسرا جمعہ قائم کر رکھا ہے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اول الذکر جامع مسجد سے اتنی ہی دوری پر بازار میں ایک مسجد واقع ہے جس کو از سرِنو تعمیر کر کے وسیع کیا جاچکا ہے، اب ۲۲/ جون/ ۹۷ء سے اس مسجد میں بھی نماز جمعہ قائم کرنے کی تحریک ہورہی ہے، اس کے منتظمین بھی دیوبند مکتبۂ فکر کے ہیں قیامِ جمعہ سے ایک ہی مکتبہ فکر کے مسلمانوں میں انتشار ہونے کا شدید خدشہ ہے اور اس میں نماز جمعہ ہونے پر جامع مسجد کی اہمیت ختم ہوجائے گی، صرف قریب کے محلّہ کے چند مصلیان ہی اس میں نماز جمعہ پڑھنے والے رہ جائیں گے۔ بازار کی مسجد کا تعلق زیادہ تر سرمایہ دار اور دکاندار طبقہ سے ہے جو اپنی سہولت کے لئے جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور جامع مسجد قدیم کے متولی ایک ادارہ (انجمنِ اسلامیہ) تیسرا جمعہ قائم ہونے پر اس دینی ادارہ کو سخت مالی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ادارہ جو تبلیغی اور دینی تعلیم کی خدمات انجام

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۵، رشيديه)

دے رہا ہے، جدید جامع مسجد میں منتقل ہوجانے والے مسلمانوں کے عدم اشتراک کے سبب ٹھیک طور پر انجام نہ دے سکے گا۔

تیسرا جمعہ قائم کرکے آباد مسجد کو غیر آباد بنانا اور ایک دینی ادارہ کو نقصان پہونچانا کہاں تک مناسب ہے؟ اس چھوٹے سے قصبہ میں دو جامع مسجد کی موجودگی میں جو کافی وسیع اور کشادہ ہیں تیسرا جمعہ قائم کیا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ جواب نفی میں ہونے کے باوجود اگر جمعہ قائم کیا جاوے تو اس میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے لئے ایک بڑی مسجد کا ہونا اعلیٰ وانسب ہے تاکہ سب مسلمان متفق ہوکر اس فرض کو بطور شعار ادا کریں (۱)، تھوڑی سی سہولت کے لئے جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے سے یہ مصلحت حاصل نہیں ہوتی، بڑی جامع مسجد کا غیر آباد ہوجانا اور دینی ادارہ کو نقصان پہونچانا مستقل خسارہ ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پرانی جامع مسجد میں سب مل کر جمعہ ادا کیا کریں اگرچہ دوسری مسجدوں میں جمعہ پڑھنے سے بھی فریضہ ادا ہوجائے گا اور یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ ان کی نماز نہیں ہوئی۔

فقہاء نے ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کو بھی درست لکھا ہے جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے (۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۹۹ھ۔

---

(۱) "الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آكد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاوناً بها، طبع الله على قلبه. وقُرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيادة يوم المزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكير هم". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل: هديه صلى الله عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۴۱، دارالفكر، بيروت)

(۲) "(وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

"قوله: (وتؤدى في مصر في مواضع): أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن في معنى الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة =

مزارعِ متعدّدہ میں تعددِ جمعہ

سوال[۳۷۵۸]: ایک موضع مارکھم آنٹ ضلع دہرہ دون میں ہے، جس کا نقشہ منسلکہ عریضۂ ہٰذا خدمت میں پیش ہے، موضعِ مذکور کی آبادی مردم شماری جملہ مذاہب کی تقریباً چار ہزار ہے، یہ آبادی چودہ مزرعہ جات جو موضعِ مذکور کے ہیں، مشتمل ہے۔ مزرعہ نمبر: ۵ بڑول والا میں مسجد ہے، مسلمانان کی بڑی آبادی ہے، مسجد مذکور میں پیشِ امام بدعتی خیال کا ہے اور اس درجہ خیال ناقص ہے کہ حقیقۃً اہلِ دیوبند کو کافر کہتا ہے، اپنے اہل گروہ سے کہلاتا ہے۔ اس کی نسبت فتاویٰ حاصل کئے جاچکے ہیں اور وہ نماز پڑھانے کے ناقابل ٹھہرا دیا جاچکا ہے۔ چونکہ اس مزرعہ کے اکثر اشخاص جو اسی کے خیال کے ہیں، اس کی اعانت کرتے ہیں، بدین وجہ اسے علیحدہ نہیں ہونے دیتے۔ ایسی صورت ہونے سے دیگر مزرعہ جات کے مسلمان جو کافی تعداد میں ہیں، نمازِ جمعہ پڑھنے سے محروم ہیں۔ اب چونکہ مہینہ رمضان المبارک کا عنقریب ہے، مسلمانان کی پریشانی اَور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

واقعاتِ مذکورۃ الصدر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مسلمانان آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اس موضع میں دو ایک ایسے مزرعہ جات ہیں، جن میں مساجد ہیں، چونکہ مزرعہ بڑول والا جس میں ہمیشہ سے جمع ہوتا چلا آتا ہے اس میں جملہ اشیاء حسبِ ضرورت دستیاب نہیں ہوسکتیں، جب تک دوسرے مزرعہ جات اس کے معاون نہ ہوں، ایسی ہی حالت اول و دوسرے مزرعہ جات کی ہے جن میں مساجد ہیں۔ اگر مزرعہ نمبر: ۵ بڑول والا میں جمعہ ہوسکتا ہے تو دوسرے مزرعہ جات نمبر: ۶، ۳، میں بھی نماز جمعہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ درمیان میں معمولی ندی ہے اس کی وجہ سے آمد و رفت بند نہیں ہوتی۔ ہم مسلمانانِ موضع مارکھم آنٹ التجا کرتے ہیں کہ اس کے جواب سے براہِ مہربانی بہت جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ موضع ایک ہی ہے اور مزرعہ جات میں زیادہ فصل نہیں، نہ وہ مستقل آبادی ہیں بلکہ مجموعہ مل کر ایک ہی آبادی اور بستی ہے تو اس میں بصورتِ موجودہ دوسری جگہ جمعہ پڑھنا شرعاً درست ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک جس بستی میں جمعہ درست نہیں ہوتا اس میں ایک جگہ بھی درست نہیں ہوتا:

= حرجاً بيّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيديه)

"(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ) مطلقاً علی المذهب، وعلیه الفتویٰ، شرح المجمع، إمامة فتح القدیر، دفعاً للحرج، اھ". درمختار: ۸۴۳/۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، ۶۱/۸/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،　　صحیح: عبداللطیف غفرلہ، ۲۴/شعبان/۶۱ھ۔

مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ میں ضرورت کے وقت جمعہ ادا کرنا

سوال[۳۷۵۹]: ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کے لئے زیادہ لوگ آگئے اور جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے مسجد کے اندر اتنی گنجائش نہ تھی کہ تمام لوگ نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کرسکیں لہٰذا تمام لوگوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ چل کر عیدگاہ میں نماز جمعہ ادا کرلی جائے جب کہ مسجد میں اذان ہوچکی تھی اور اذان کی آواز عیدگاہ تک پہونچ جاتی ہے۔

۱......ایسی صورت میں عیدگاہ میں دوبارہ اذان دی جائے گی یا نہیں جب کہ اذان ہونے کے بعد تمام لوگ مسجد سے عیدگاہ روانہ ہوئے تھے؟

۲......ایسی صورت میں مسجد کو بالکل خالی چھوڑ کر سبھوں کا عیدگاہ میں نماز جمعہ ادا کرنا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے، مسجد میں حسب سابق جمعہ پڑھنا چاہیے تھا، جو لوگ زائد رہ جاتے، عیدگاہ میں جاکر............اذان وخطبہ کے ساتھ جمعہ ادا کرلیتے، مسجد کو خالی چھوڑنا ٹھیک نہیں تھا، اس سے مسجد کا حق ادا نہیں ہوا، حق تلفی ہوئی، عیدگاہ یا جس جگہ بھی جمعہ ادا کیا جائے اذانِ اول واذان ثانی کے ساتھ ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، ۱۴۵، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجمعة: ۵۳/۲، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة: ۲۴۹/۲، رشیدیه)

(۲) "عن الزهری قال: سمعت السائب بن یزید یقول: إن الأذان یوم الجمعة کان أوله حین یجلس =

بدعتی امام سے بچنے کے لئے مدرسہ میں قیامِ جمعہ

سوال[۳۷۶۰]: قصبہ بھیکن گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کے تمام اراکین بدعتی ہیں اور زیادہ تر بدعتی لوگ دیوبندی عقیدہ والوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اور ہم لوگ کسی قسم کی تبلیغ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو اپنے کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتے، پھر اپنی بات کیونکر سنے یا مانے۔

اس قصبہ میں ایک مدرسہ ہے جس کو وہ لوگ دیوبندی مدرسہ کہتے ہیں اور حقیقت بھی مدرسہ کی یہی ہے، فی الوقت مدرسہ میں پانچوں وقت نماز باجماعت معلم، طلباء و دیگر اراکینِ مدرسہ ہی میں ادا کرتے ہیں اور جمعہ کے روز مسجد میں جا کر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، بدعتی امام کے پیچھے اور ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ: ''بدعتی کا روزہ، نماز، حج، زکوۃ، دیگر اس کے نیک افعال اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا اور اس کے نیک اعمال ایسے کردیئے جاتے ہیں جیسے آٹے میں سے بال کو''(۱)۔..........ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

= الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما ، فلما كان في خلافة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه، وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ۱/۱۲۵، قديمي)

"وهو (أي الأذان) سنة للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (في وقتها) الخ". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

"(ويؤذن) ثانياً (بين يديه): أي الخطيب .... إذا جلس على المنبر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة : ۲/۲۷۴، رشيديه)

(۱) "عن حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يقبل الله لصاحب بدعةصوماً، ولا صلوةً ولا صدقةً، ولا حجاً، ولا عمرةً، ولاجهاداً، ولا صرفاً، ولا عدلاً، يخرج عن الإسلام كماتخرج الشعرة من العجين". (سنن ابن ماجة، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل: ۱/۶، مير محمد كتب خانه)

جواب عنایت فرمادیں کہ ہم لوگ مدرسہ میں جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں، جس کی اصل وجہ مسجد کے متعلقین اور امام کا بدعتی ہونا ہے، وہ امام دیوبندی مسلمانوں کو سلام کرنا بھی منع قرار دیتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مدرسہ میں سب کو آنے کی اجازت ہو، دروازہ کھلا رہتا ہے تو وہاں بھی جمعہ پڑھ سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(ومنها (أی من شرائط الجمعة) الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع، فيؤذن للناس كافةً".
(فتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۴، رشيديه)

"قوله: (والإذن العام): أی شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۳، ۲۶۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

الفصل الرابع فی خطبة الجمعة

(جمعہ کے خطبہ کا بیان)

خطبہ دینے کا مسنون طریقہ

سوال[۳۷۶۱]: جمعہ کا خطبہ دینے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح خطبہ دیتے تھے؟ قرآن کی تلاوت کی طرح یا بلند آواز تقریر جس طرح بعض لوگ خطبہ کو تقریر کی شکل میں پڑھتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلند آواز سے وعظ وتذکیر کے طریقہ پر خطبہ دیتے تھے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ ایک منبر پر بیٹھ کر، ایک کھڑے ہو کر دینا

سوال[۳۷۶۲]: جمعہ کا ایک خطبہ منبر پر بیٹھ کر اور ایک کھڑے ہو کر دینا کہاں تک درست ہے؟

---

(۱) "خطب صلی الله علیه وسلم علی الأرض وعلی البعیر وعلی الناقة، وكان إذا خطب احمرت عیناه، وعلا صوته، واشتد غضبه". (زاد المعاد لابن قیم الجوزیة، فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی خطبته، ص: ۷۰، دار الفکر، بیروت)

"ومن المستحب أن یرفع الخطیب صوته". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۹/۲، رشیدیه)

"والظاهر أنه یشترط كونها جهراً بحیث یسمعها من كان عنده". (الحلبی الكبیر، کتاب الصلوة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۵، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے: "ثم قیامه بعد الأذان في الخطبين، ولو قعد فيهما أوفي أحدهما، أجزأ، وكره من غير عذر". مراقي الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے ہو؟

سوال[۳۷۶۳]: ۱...... خطبہ منبر کے تینوں زینوں میں سے کون سے زینے پر پڑھنا چاہیے، پہلے سے یا دوسرے سے یا تیسرے سے؟

۲......اگر دوسرے یا تیسرے سے پڑھنا چاہیے تو کیوں، اگر نہیں تو کیوں؟

۳......اگر کوئی پہلے سے پڑھتا ہے یا پڑھنے کو گناہ نہ سمجھے تو اس پر کیا جرم عائد ہوتا ہے؟ اور حضرت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما نے مسجدِ نبوی کے منبر پر دوسرے یا تیسرے پر پڑھا تھا تو اس خاص منبر کے لئے تھا یا اور کسی کے لئے بھی یہی حکم ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وبلوائیوں کا تھا یا صرف بلوائیوں کا؟

۴......علماء کا معمول کیا رہا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴......تیسرے زینے سے پڑھنا منقول ہے، پہلے اور دوسرے زینے سے پڑھنا بھی ممنوع نہیں،

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"(ويسن خطبتان) .... (بجلسة بينهم) .... (وطهارة وستر) عورة (قائماً)". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، ۱۵۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۸/۲، رشيديه)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب يوم الجمعة قائماً، ثم يجلس، ثم يقوم. قال: كما يفعلون اليوم". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل: يخطب الخطبتين قائماً الخ: ۲۸۳/۱، قديمي)

كذا في فيض الباری(۱)۔ حضرت عثمان پر اعتراض عامۂ مخالفین کرتے تھے، جیسا کہ فتح الباری میں تفصیل مذکور ہے(۲)، ان کی ریشہ دوانیوں سے گاہ بہ گاہ مخلصین کو بھی شبہات پیدا ہوجاتے تھے مگر وہ دیرپا نہیں ہوتے تھے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۳۷۶۴]: جمعہ کے دن خطیب منبر کے کس درجہ میں کھڑا ہوکر خطبہ پڑھے یہ تو ظاہر ہے کہ منبر کے تین درجے اور سیڑھی ہوتی ہے لیکن (خطبہ) اُولیٰ کس درجہ میں کھڑا ہوکر پڑھنا چاہیے، اگر کوئی پہلے درجہ میں کھڑا ہوکر خطبہ پڑھے تو کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ دوسرے درجہ پر بھی ادا ہوجائے گا، تیسرے درجہ پر کھڑا ہونا اعلیٰ بات ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۷/۹۲ھ۔

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

سوال[۳۷۶۵]: ہمارے امام صاحب درمیانِ خطبہ بیٹھتے نہیں بلکہ اس کی تفسیر یا ترجمہ بیان کرنے

(۱) لم أجده في فيض الباري وقد ذكره البيهقي رحمه الله تعالىٰ في دلائل النبوة: "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم مسنداً ظهره إلى جذع منصوب في المسجد يوم الجمعة، فخطب، فجاءه رومي، فقال: يارسول الله! ألا أضع لك شيئاً تقعد عليه كأنك قائم؟ فصنع له منبراً درجتين، ويقعد على الثالثة". الحديث. (باب ذكر المنبر الذي اتخذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم وما ظهر عند وضعه وجلوس النبي صلى الله عليه وسلم من دلائل النبوة الخ: ۵۵۸/۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) لم أجده في فتح الباري وانظر للتفصيل: (عادلانه دفاع، تاليف سيد نور الحسن بخاري رحمه الله تعالىٰ، وإزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ص: ۲۴۷، المقصد الثاني)

(۳) (راجع، رقم الحاشية: ۱)

لگ جاتے ہیں، پھر آخر میں وہ چند جملے پڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مستقلاً خطبۂ جمعہ کا ترجمہ یا تفسیر حالتِ خطبہ میں بیان کرنا مکروہ ہے اور دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلافِ سنت ہے، كذا في الشامي (١) و آكام النفائس (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(١) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يخطب يوم الجمعة، ثم يجلس، ثم يقوم فيخطب، قال: مثل ما يفعلون اليوم". (جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب ماجاء في الجلوس بين الخطبتين: ١/١١٣، سعيد)

"(و يسن خطبتان) .... و بجلسة بينهما". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٤٨، سعيد)

"وأما سننها فخمس عشر .... و سابعها الجلوس بين الخطبتين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٢٥٩، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٧، رشيديه)

(٢) "الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعاجم، و حضروا مجالس الجمع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية و مع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية. ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أوفى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ٤/٤٧، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ٢، ١/٢٠٠، سعيد)

خطبہ اور نمازِ جمعہ میں فصل کی مقدار

سوال[۴۷۶۶]: ۱......اختتامِ خطبۂ جمعہ اور افتتاحِ جماعت کے درمیان کسی مجبوری کے تحت یا بلا مجبوری پانچ دس منٹ ٹھہرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ نیز خطبۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بزبانِ اردو اسی خطبہ کا ترجمہ یا اس سے متعلق کوئی تقریر وغیرہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں جب کہ مقتدی اس کو اچھا سمجھتے ہوں؟ نیز خطبۂ علمی وغیرہ ہر ماہ کا خطبہ الگ الگ بالترتیب لکھا ہے، کیا اس طرح ترتیب سے پڑھنا افضل وبہتر ہے، نیز الوداع کے جمعہ کو الوداع کے خطبہ کے علاوہ کوئی دوسرا خطبہ پڑھ لے تو کیا افضل کے خلاف ہوگا؟ اسی طرح رمضان میں رمضان کے خطبہ کے علاوہ دوسرا خطبہ پڑھنا۔

۲......ایک ایسا گاؤں جس کی کل ہندو مسلم آبادی تقریباً ڈھائی سو ہے لیکن وہاں ضروریاتِ زندگی کے کل سامان مل جاتے ہیں تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک اور گاؤں ہے جہاں کی کل ہندو مسلم آبادی تقریباً تین چار سو ہے اور ہفتہ میں دو دن بازار لگتا ہے جس میں تمام ضروری اشیاء مل جاتی ہیں، تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

۳......دو ایسے گاؤں جن میں جمعہ شرعاً جائز ہے اگر دونوں گاؤں کی دوری تقریباً ایک میل ہے اور ان دونوں گاؤں کے بیچ میں ایک مدرسہ ہے جس میں صرف ایک سو طالب علم رہتے ہیں تو اس مدرسہ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں یا وہ مدرسہ بھی گاؤں ہی کا جز قرار دیا جائے گا؟

۴......ایک ایسا گاؤں جہاں ضروری اشیاء ہر وقت مل جاتی ہیں اور آبادی بھی تقریباً ایک ہزار ہے لیکن مسلمانوں کی کل تعداد اس گاؤں میں صرف پچاس ساٹھ ہے، تو کیا وہاں جمعہ جائز ہے؟

۵......ہمارے یہاں ایک عارضی طور پر میلہ لگتا ہے صرف سال بھر میں ایک ماہ کے لئے، تو کیا اس میلہ میں کچھ لوگ اکٹھے ہو کر جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز جوازِ جمعہ کے لئے تقریباً کتنے آدمی ہونے چاہئیں یعنی جماعت کے لئے؟ نیز دس آدمی سفر کرتے ایسے گاؤں میں پہونچے جہاں کے لوگوں پر جمعہ جائز نہیں ہے اور ان کو جائز ہے تو کیا یہ لوگ اس گاؤں میں جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز بزبانِ اردو خطبہ کسی مجبوری کے تحت جائز ہے یا نہیں جب کہ وہاں عربی پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، اور ان لوگوں پر جمعہ واجب ہے تو کیا کرنا چاہئے؟ نیز دس آدمی گاؤں سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر کام کر رہے ہیں تو کیا وہاں یہ لوگ جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز

خطبہ کی کم سے کم مقدار کیا ہے نزدیکِ حنفیہ وحنابلہ وشوافع ومالکیہ؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... "ویؤذن بین یدیہ إذا جلس علی المنبر، فإذا أتم أقیمت، ویکرہ الفصل بأمر الدنیا، ذکرہ العینی، اھ". در مختار(۱)۔ "(قولہ: فإذا أتم) أی الإمام الخطبة (قولہ: أقیمت) بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة، وتنتھی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلوۃ، اھ". شامی(۲)۔ "(قولہ: بأمر الدنیا) أما بنھی عن منکر أو أمر بمعروف فلا، وکذا بوضوء أو غسل لو ظھر أنہ محدث أو جنب کما مر بخلاف أکل و شرب حتی لوطال الفصل استأنف الخطبة کما مر فافھم، اھ". شامی(۳)۔

"ولو فصل بأجنبی، فإن طال بأن رجع بیتہ فتغدی أو جامع واغتسل، استقبل، خلاصة: أی لزوماً لبطلان الخطبة". درمختار (٤)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

"(وإذا تمت (الخطبة (أقیمت): أی أوقعت الإقامة بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة و ینتھی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلوۃ". (جامع الرموز للقھستانی، کتاب الصلوۃ، باب الجمعة: ۱/۲۷۵، مکتبہ کریمیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشیدیہ)

(۲) (ردالمحتار: ۲/۱۶۱)

(۳) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۲/۱۶۲، سعید)

"فلو خطب قاعداً أو محدثاً أولم یفصل بینھما، جاز ویکرہ، و یستحب إعادتھا إذا کان جنباً .... وأقیم: أی وأتی بإقامة الجمعة (بعد تمام الخطبة)، والفصل بینھما بأمر الدنیامکروۃ". (شرح العینی علی الکنز المسمی برمز الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۱/۵۸، ۵۹، إدارۃ القرآن کراچی)

(٤) (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعید)

"ولو خطب ثم رجع إلی بیتہ فتغدی أو جامع فاغتسل ثم جاء، استقبل الخطبة". (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث والعشرون فی الجمعة: ۱/۲۰۵، رشیدیہ)

"و لا يُعد الغسل فاصلاً؛ لأنه من أعمال الصلوة، ولكن الأولى إعادتها كما تطوع بعدها أو أفسد الجمعة أو فسدت يتذكر فائتة فيها، كما في البحر. (قوله: فإن طال) الظاهر أنه يرجع في الطول إلى نظر المبتلي، اهـ". شامی: ۱/۵۵۲(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ آخرِ خطبہ کے ساتھ ہی اقامت شروع کردی جائے اور امام منبر سے اتر کر جب مصلی پر پہونچے تو اقامت ختم ہوجائے، دنیاوی کام کی وجہ سے خطبہ اور اقامت میں فصل نہ ہو، نماز ہی سے متعلق کسی شی کا فصل ہوجائے تو مضائقہ نہیں، فصل طویل ہوجائے تو خطبہ کا اعادہ کیا جائے، مقدارِ طول رائے مبتلی بہ پر موقوف ہے جب کہ وہ صاحب الرائے ہو۔ خطبۂ جمعہ خالص عربی میں ہونا چاہئے، درمیان میں کوئی تقریر یا ترجمہ غیر عربی میں نہ کریں (۲)۔ خطبۂ علمی کی پابندی ضروری نہیں، کسی مہینہ اور کسی عشرہ کے لئے کوئی خطبہ متعین طور پر لازم نہیں کہ بغیر اس کے جمعہ کی شرط ہی ادا نہ ہونے کا حکم کردیا جائے (۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۱)

(۲)" الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية". (مجموعه رسائل اللكنوى، آكام النفائس : ۴/۴۴، إدارة القران كراچى)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، (رقم الحاشية :۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(وكذا في المصفىٰ شرح مؤطا ، باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر، ص: ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(۳) خطبہ کا حمد وثناء، قراۃ ودعاء، وصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وعظ ونصیحت پر مشتمل ہونا مستحب ہے، کوئی متعین خطبہ ضروری نہیں۔

"روى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه قال: ينبغي أنه يخطب خطبةً خفيفةً: أن يفتتح بحمد الله تعالىٰ، و يثني عليه، و يتشهد، و يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ويعظ، ويذكر، ويقرأ سورةً .... و يدعو للمؤمنين والمؤمنات الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة ،باب الجمعة : ۲/۲۸۵، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما سنن الخطبة : ۱/۵۹۱، رشيديه)

"چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرّا ملاحظه =

۲......آج کل عرفِ عام میں بڑی بستی - جہاں جمعہ جائز ہے - وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، محلے ہوں، مستقل بازار ہو، ڈاکخانہ ہو، ضروری پیشہ ور رہتے ہوں، حکیم یا ڈاکٹر ہو، کچہری یا گرام سماج ہو، روزمرہ کی ضروریات ہمیشہ ملتی ہوں۔ دو ڈھائی سو[۲۵۰] کی آبادی میں یا تین چار سو کی آبادی میں عامۃً یہ سب مجموعی چیزیں نہیں ہوتیں بلکہ دو ڈھائی ہزار کی بستی میں بھی مشکل سے ہوتی ہیں (۱)۔

۳......وہاں جمعہ جائز نہیں، وہ کسی گاؤں کا جز قرار نہیں دیا جائیگا (۲) لا إلی هؤلاء ، و لا إلی هؤلاء۔

۴......مذکورہ بالا جوابات سے اس کا جواب ظاہر ہے۔

۵......اگر وہ بڑی بستی نہیں (جس کی تشریح نمبر:۲ میں آچکی ہے) تو محض میلے کی وجہ سے وہاں جمعہ درست نہیں۔ امام کے علاوہ تین نمازی ہوں تب بھی شرط جماعت متحقق ہوجائے گی (۳)۔ وہ لوگ مسافر ہیں

= کردیم.......... تنقیح آں وجود چندچیز است....."و عربی بودنِ خطبه .... و عربی بودن نیز بجهت عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند". (مصفی شرح مؤطا ، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ص:۱۵۴ ، کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(۱)" عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: لا جمعة و لاتشریق إلا فی مصر جامع". (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة ، باب القری الصغار ، (رقم الحدیث: ۵۱۷۵): ۱۶۷/۳ ، مکتبه الاسلامی)

"و یشترط لصحتها سبعة أشیاء :الأول: المصر الخ". (الدرالمختار)."عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة، فیها سکک وأسواق، و لها رساتیق، و فیها والٍ یقدرعلی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره، یرجع الناس إلیه فیمایقع من الحوادث .... لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب الخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۱۳۷/۲ ، ۱۳۸ ، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق ، کتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲۴۵/۲ ، رشیدیه)

(وکذا فی الخلاصة الفتاوی، کتاب الصلاة ، الفصل الثالث والعشرون فی الجمعة : ۲۰۷/۱ ، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة)

(۳) "عن طارق بن شهاب رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة". الحدیث. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوک والمرأة : ۱۵۳/۱ ، مکتبه دار الحدیث، ملتان) .... =

ان پر جمعہ نہیں اور جس بستی میں پہونچے جہاں شرائط موجود نہیں، اس لئے ان کو وہاں جمعہ کی اجازت نہیں (۱)۔

اردو میں خطبہ جمعہ کی اجازت نہیں (۲)۔

خطبہ میں "سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، لا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر"، التحیات، درود شریف اوراس کے بعد کی دعاء اور ﴿قل هو اللّٰہ﴾ ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں، ان کو پڑھنے سے بھی خطبہ ادا ہو جائے گا (۳)۔ جو لوگ

= "والسادس: (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال .... (سوی الإمام)". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، سعید)

"والجماعة وهم ثلاثة سوی الإمام". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۱/۲، رشیدیه)

(وکذا في الهداية، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۹/۱، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۱) "عن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: لیس علی المسافر جمعة". (مصنف ابن أبي شيبة، کتاب الصلاة، باب من قال: لیس علی المسافر جمعة، (رقم الحدیث: ۵۰۹۵): ۴۴۲/۱، دار الفکر، بیروت)

"قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا غیلان وأیوب بن عائذ الطائي عن محمد بن کعب القرظي رضي الله تعالیٰ عنه عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أربعة لا جمعة علیهم المرأة والمملوک والمسافر والمریض". قال أبو حنيفة: فإن فعلوا أجزأهم، قال محمد: و به نأخذ". (کتاب الآثار، کتاب الصلاة، باب صلوة یوم الجمعة الخ: ۴۰، إدارة القرآن کراچی)

"(و شرط لافتراضها) .... إقامة بمصر)". (الدر المختار). وفي رد المحتار: "(قوله: إقامة) خرج به المسافر". (کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۳/۲، سعید)

"و شرط وجوبها الإقامة .... فلا تجب علی المسافر". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۳/۲، رشیدیه)

(۲) (راجع، ص: ۲۰۴، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "ولو خطب بتسبيحة فقال: سبحان الله، أو لا إله إلا الله، أو الحمد لله، ولم یزد علی هذا، جاز عند أبي حنیفة، و عندهما لا یجزیه حتی یکون کلاماً یسمی خطبةً". (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة: ۲۰۵/۱، رشیدیه)

"والرابع: والخطبة فيه .... (وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة) للخطبة المفروضة مع الكراهة، و قالا: لا بد من ذکر طویل، وأقله قدر التشهد الواجب". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، سعید) ....=

آبادی سے باہر اور مقام پر ہوں کہ وہ فنائے مصر نہ ہو تو ان کو وہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں (۱)۔ مقدار تشہد پڑھنے سے حنفیہ کے نزدیک خطبہ ادا ہو جائیگا، کذا فی ردالمحتار (۲)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق خود ان کے متبعین سے کیجائے، جو قول ان کے نزدیک راجح ہو وہ متعین فرمادیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۹ھ۔

خطبہ کے بعد مصلی پر بیٹھنا

سوال [۳۷۶۷]: امام کو خطبہ سے فارغ ہو کر جائے نماز پر قدر قلیل بیٹھ جاتا ہے واسطے انتظار قول مؤذن "قد قامت الصلوۃ" کے، شرعاً درست ہے یا نہیں یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت ہے، لأنه لم يثبت ممن يقتدى به (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الأولی/ ۶۷ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۶۱، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۲۰۵، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۲۰۲، الحاشية: ۳)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو ردٌّ". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ص: ۲۷، قديمي)

قال الملا علي القاري: "من أحدث": أي جدد وابتدع، وأظهر واخترع "في أمرنا هذا": أي في دين الإسلام .... "فهو ردٌّ": أي مردودٌ عليه .... قال القاضي: المضى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهر أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه، قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة أن أمر الإسلام كمل وانتهى، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لايخفى على كل ذي بصر وبصيرة، فمن حاول زيادة، فقد حاول أمراً غير مرضيّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً .... فذلك الشخص ناقصٌ مردودٌ عن جنابنا، مطرودٌ عن بابنا، فإن الدين اتباع آثار =

خطبہ کے بعد امام کا منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھنا

سوال[۳۷۶۸]: جمعہ کے دن دونوں خطبوں کے بعد امام کا ممبر سے اتر کر مصلے پر قبلہ رو بیٹھنا پھر اقامت کے "حی علی الصلوة" پر امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا سنت کے موافق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب خطبہ ختم ہو فوراً تکبیر شروع کردی جائے یعنی خطبہ کے ختم کے ساتھ تکبیر کا شروع متصل ہو جائے اور جب امام منبر سے مصلے پر پہنچے تو تکبیر ختم ہو جائے:

"ویوذن ثانیاً بین یدیه، فإذا أتم أقیمت". درمختار۔ "(قوله: فإذاأتم): أی الإمام الخطبة (قوله:أقیمت) بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة و تنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلوة". ۱/۵۵۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خطبۂ جمعہ کا حکم

سوال[۳۷۶۹]: جمعہ کے دونوں خطبے افضل ہیں یا واجب یا سنت اور ایک کو یاد سے یا دونوں کو یاد سے پڑھنا، یا دوسرے خطبہ کو کتاب دیکھ کر پڑھنا، یا دونوں کو کتاب دیکھ کر پڑھنا سنت ہے یا واجب ہے؟

= الآیات والأخبار واستنباط الأحکام منها". (مرقاة المفاتیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، (رقم الحدیث: ۱۴۰)، رشیدیه)

"(البدعة) ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من قولٍ أو فعلٍ أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

"وإذا تمت الخطبة، أقیمت: ای أوقعت الإقامة بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وینتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلاة". (جامع الرموز، للقهستانی، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۷۵، مکتبه کریمیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسِ خطبہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے اور دو خطبے سنت ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں حفظ ہی ثابت ہیں اگر کسی کو حفظ نہ ہوں تو کتاب میں دیکھ کر پڑھے:

"والرابع: الخطبة، وكفت تحميده أو تهليله أو تسبيحة بنيتها، ويسن خطبتان بجلسة بينهما، اهـ". درمختار۔ "إلا أن المسنون هو تكرارها مرتين والشرط إحداهما". ردالمحتار: ۱/۸٤٧(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ وعیدین کا حکم

سوال[۳۷۷۰]: عیدین اور جمعہ کا خطبہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور اس کا سننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کا خطبہ شرط (فرض) ہے اور عیدین کا سنت ہے، حاضرین کے لئے ہر دو کا سننا واجب ہے:

"وشرط صحتها (أي الجمعة) الخطبة". بحر: ۲/۱٤٦(۲)۔ "جميع شرائط الجمعة

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

"عن جابر بن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كانت للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرأ و يذكر الناس". (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل يخطب الخطبتين الخ: ۱/۲۸۳، قديمي)

"وأما الخطبة فالكلام في الخطبة في مواضع: في بيان كونها شرطاً لجواز الجمعة ...... أما الأول: فالدليل على كونها شرطاً قوله تعالىٰ: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ .... وأما سنن الخطبة فمنها: أن يخطب خطبتين الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، خطبة الجمعة: ۱/۵۸۹، ۵۹۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۲۵۶، رشيديه)

"وشرط لصحتها (أي الجمعة) سبعة أشياء .... (و) الرابع: (الخطبة فيه)". (كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۴۷، سعيد) .... =

وجوباً وصحةً شرائط للعيد إلا الخطبة، فإنها ليست بشرط حتى لولم يخطب أصلاً صح".

بحر: ۱۵۸/۱(۱)۔ "الاستماع إلى سائر الخطبة واجب". بحر: ۱۵۶/۲(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

خطبہ کا سننا جمعہ کے لئے شرط نہیں

سوال[۳۷۷۱]: اگر کوئی شخص جمعہ کے اندر خطبہ نہ سننے پائے اور جب جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوجائے تب آکر شریک ہوتو کیا اس کی جمعہ کی نماز ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی نماز جمعہ ادا ہوجائے گی، کیوں کہ خطبہ کا سننا ہر شخص کے لئے شرط نہیں: "الرابع: الخطبة، والخامس: كونها قبلها بحضرة جماعة تنعقد بهم و لو كانوا صمّاً أو نياماً، اهـ". درمختار(۳)۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۶/۱، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۷/۲، رشيديه)

"قوله: فإنها سنة بعدها .... حتى لولم يخطب أصلاً، صح، وأساء لترک السنة".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

(۲) "لم أجده في البحر وقد قال العلامة الحصكفي: "وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۷/۲، سعيد)

"أن المقتدى بالإمام تصح جمعته وإن لم يدرک الخطبة، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان محظورات الخطبة: ۵۹۶/۱، رشيديه)

"و لو خطب والقوم نيام أو صمّ، جازت". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۶/۱، رشيديه)

"ألا ترى إلى صحتها من المقتدين الذين لم يشهدوا الخطبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۷/۲، رشيديه)

ایضاً

سوال[۳۷۷۲]: جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھنے کے وقت اس کا سننا غیر ضروری سمجھ کر نہ سننا اور چلا جانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

العبد: محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۷، ۲۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سننا واجب ہے اور اس کو غیر واجب سمجھنا اور چلا جانا درست نہیں:

"و كل ما حرم في الصلوة، حرم فيها: أي الخطبة، فيحرم أكل و شرب و كلام، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت، و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة النكاح و خطبة عيد و ختم على المعتمد، اهـ". درمختار: ۱/ ۸۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ رجب/ ۵۶ھ۔

خطبۂ اُولیٰ وثانیہ میں کس قدر طول ہو؟

سوال[۳۷۷۳]: ۱...... جمعہ کے دن خطبۂ اُولیٰ جمعہ کا پڑھا گیا، مگر ثانی خطبہ عیدین کا پڑھا، اس طرح خطبہ پڑھنے کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی تو کیا نماز جمعہ ادا ہوگئی یا نہیں؟

۲...... جمعہ کے خطبہ میں اُولیٰ بہت مختصر یعنی بقدر تین آیتوں کے اور خطبۂ ثانیہ بھی اسی مقدار کے

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۹، سعيد)

"إن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/ ۱۲۷، قديمي)

"وأما المستمع، فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، وينصت، ولا تكلم، و لا يرد السلام الخ".

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۵۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/ ۱۴۷، رشيديه)

پڑھا گیا، مگر نمازِ جمعہ میں بہت بڑی بڑی سورتیں پڑھی گئیں، ایسی حالت میں نمازِ جمعہ میں کوئی خلل ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جمعہ سے پہلے دوسرا خطبہ عید کا خطبہ پڑھا گیا تو اس سے بھی جمعہ کی نماز درست ہوگئی، فکر مت کریں (۱)۔

۲...... جمعہ کا خطبۂ اُولیٰ تین آیات کے مقدار اور خطبۂ ثانیہ بھی اتنا ہی اور قرأت طوالِ مفصل کی ہو تو ایسی حالت میں خطبہ بھی درست ہے اور نمازِ جمعہ بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

خطبۂ جمعہ دیکھ کر پڑھنا

سوال[۳۷۷۴]: ما تقولون فی حق الإمام الذی یقرأ الخطبة المکتوبة بالنظر فی الکتاب کما راج فی ملك البنجال والهند، ولکنه لا یفهم معانیها و لا یقدر علی تصحیح الإعراب والألفاظ إن وقع الغلط فیها هل تجوز له قرأة الخطبة والإمامة للجمعة أم لا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرأة الخطبة بالنظر فی الکتاب جائزة لا قدح فیها، ولکن تصحیح الإعراب والاجتناب عن الغلط لازمٌ، مع هذا إن غلط فی بعض أعاریب الخطبة و أدی الصلوة بالشروط المعتبرة

---

(۱) "فمنها: أن یخطب خطبتین علی ماروی عن الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة أنه قال: ینبغی أن یخطب خطبةً خفیفةً، یفتح فیها بحمد الله تعالیٰ، ویثنی علیه، ویتشهد، ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم، ویعظ، ویذکر، ویقرأ سورةً، ثم یجلس جلسةً خفیفةً، ثم یقوم فیخطب خطبةً أخری یحمد الله تعالیٰ، ویثنی علیه، ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم، ویدعو للمؤمنین والمؤمنات، ویکون قدر الخطبة قدر سورة من طوال المفصل". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، سنن الجمعة: ۱/۵۹۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۵۸، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۱۴۸، سعید)

(۲) (راجع رقم الحاشیة المتقدمة آنفاً)

والفرائض المقررة، صحت صلوته وإن كانت الخطبة مكروهةً(۱)، فمن كان قادراً على قرأة خطبة صحيحة وأداء صلوة كاملة، وكان تبعاًللسنة، فهو اللائق بالإمامة؛ لأنه ضامنٌ لصلوة المقتدين (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کا تذکرہ

سوال[۳۷۷۵]: خلفائے راشدین کے ناموں کا تذکرہ کرنا جمعہ کے خطبہ میں کیسا ہے؟

---

(۱) "لما رأيت أكثر الخطباء يوم الجمعة و غيرها جاهلين غير قادرين على جمع كلمات عربية، و من ثم ترى بعضهم يخطبون باللسان الفارسية والهندية، و بعضهم يخلطون اللسان العربية باللسان العجمية غافلين عن أنه خلاف السنة". (مجموعة رسائل اللكنوى، مجموعة الخطب اللكنوية : ۲/۳، إدارة القرآن كراچى)

"و لما كانت أكثر شريعتنا بالعربية، يلزم على الناس أن يتعلموا اللسان العربى بقدر ما يرتفع به الحاجة، فإن ما لا يتم الواجب إلا به واجبٌ، و من هنا صرّحوا أن تعلم الصرف والنحو و غيرهما من مَبادى العلوم بقدر ما يحتاج إليه فى فهم الشريعة واجبٌ". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، قال: رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : "الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم! أرشِدِ الأئمةَ، واغفر للمؤذنين". (مسند أحمد، (رقم الحديث : ۷۱۲۹): ۲/۲۶۲، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

"عن أوس بن ضمعج، قال: سمعت أبا مسعود الأنصارى رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا فى القراءة سواء فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا فى السنة سواء فأقدمهم هجرةً، فإن كانوا فى الهجرة سواء فأكثرهم سناً". الحديث. (جامع الترمذى، أبواب الصلوة، باب ما جاء من أحق بالإمامة : ۱/۵۵، سعيد)

"(والأحق بالإمامة) .... (الأعلم بأحكام الصلوٰة). فقط صحةً و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة و حفظه قدر فرض .... (ثم الأحسن تلاوةً) و تجويداً (للقراءة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱/۶۰۷، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام خطبۂ جمعہ میں لینا اور ان کے مناقب وفضائل بیان کرنا شرعاً نہایت پسندیدہ ہے، شرح موطا امام مالک میں اس کی تاکید ہے، اس کو بند نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: العبد محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۱/۲۵ھ۔

خطبہ میں نواب کا نام لینا

سوال [۳۷۷۶]: ہمارے یہاں خطبہ میں ہمارے یہاں کے نواب کا نام لیا جاتا ہے، کیا عید الفطر کے خطبہ میں نواب کا نام لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلیفۂ اعظم امیر المومنین کا نام لیا جائے تو گنجائش ہے (۲)، کیا نواب صاحب کا حال بھی یہی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے امیر اور حاکم ہیں۔ فقط۔

خطبۂ جمعہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا ہونا

سوال [۳۷۷۷]: خطبۂ جمعہ جب خطبۂ ثانیہ کے آخری جملے پر پہونچتے ہیں تو سامعین کھڑے ہونے

---

(۱) لم أجده في شرح مؤطا الإمام مالك ولكن في الدر المختار، "ويندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين الخ". (كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۴۹/۲، سعيد)

"وذكرُ الخلفاء الراشدين مستحسنٌ، بذلك جرى التوارث، ويذكر العمّين". (كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱، رشيديه)

(۲) "ثم يدعوا لسلطان الزمان بالعدل والإحسان مجتنباً في مدحه". (جامع الرموز، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجعة، ص: ۲۷۵، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۹/۲، سعيد)

لگتے ہیں، ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اس طرح لوگوں کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، خطیب کے منبر سے اتر جانے کے بعد لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔ شرعی فیصلہ مع حوالہ مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكل ماحرم في الصلوة، حرم فيها: أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً أورد سلام أو أمر بمعروف، الخ". درمختار: ۵۵۱/۱ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے ختم ہونے سے پہلے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شخص نمازِ جمعہ پڑھائے، دوسرا خطبہ پڑھے

سوال [۳۷۷۸]: جمعہ کا خطبہ کسی دوسرے شخص نے پڑھا، امام آخری خطبہ میں پہونچا اور امام نے ہی نماز پڑھائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز ہو جائے گی، اعلیٰ بات یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے، وہی نماز پڑھائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

"ويحرم في الخطبة مايحرم في الصلاة، حتى لا ينبغي أن ياكل أو يشرب والإمام في الخطبة، هكذا في الخلاصة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمى)

(۲) "وقد صرح في الخلاف بأنه لوخطب صبيٌّ باذن السلطان، وصلى الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۵۸/۲، رشيديه)

"صبي خطب باذن السلطان، وصلى الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب =

مراہق خطبہ پڑھے اور بالغ جمعہ پڑھائے

سوال[۳۷۷۹]: ایک لڑکا بالغ یا مراہق جمعہ کا خطبہ پڑھے اور بڑی عمر کا آدمی جو اس وقت پہلے بھی موجود ہو نماز پڑھادے جائز ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جواب تحریر فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل اور اَشہر یہ ہے کہ امام اور خطیب ایک ہی ہونا چاہیے، تاہم اگر مراہق ذی شعور خطبہ پڑھے اور بالغ آدمی نماز پڑھائے تب بھی درست ہے: "لا ینبغی أن یصلی غیر الخطیب، فإن فعل بأن خطب صبیٌّ بإذن السلطان وصلی بالغ، جاز، هو المختار". رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبۂ جمعہ بزبانِ عربی (مفصل)

سوال[۳۷۸۰]: محترم مولانا صاحب مدظلہ العالی!　　　سلام مسنون

مسلمانوں کی جہالت اور ان کی دین سے غفلت امر مسلّمہ ہے، اس پر مزید طرہ یہ ہوا ہے کہ جو ذرائع اسلام نے تعلیم وتذکیر کے مقرر کئے ہیں ان کو مادری زبان سے بعید تر کر کے غیر معلوم زبان کے ذریعے ادلہ بنادیا گیا ہے، آپ حضرات جتنا بھی انکار فرماویں مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت بے حد ضروری ہے مگر فہم اور بلافہم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، ثواب دونوں کو یکساں ملے گا، اسی طرح نماز کو لیجئے وہاں بھی فہم اور عقل کی کوئی شرط ملحوظ نہیں ہے، نماز ہر طرح صحیح ہوتی ہے، نہیں

= الصلاة، الفصل الثالث والعشرون فی صلوة الجمعة : ۱/۲۰۵، رشیدیه)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۲/۱۴۱، سعيد)

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۴۱، سعيد)

"و قد صرح فی الخلاف بأنه لو خطب صبیٌّ بإذن السلطان و صلی الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۵۸، رشيديه)

"صبیٌّ خطب بإذن السلطان و صلی الجمعة رجلٌ بالغٌ، يجوز". (خلاصة الفتاوی، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون فی صلوة الجمعة : ۱/۲۰۵، رشيديه)

معلوم صلوۃ اصلاح کے لئے کیونکر مفید ہوجائے گی جب کہ فہم واعتبار کی کوئی بات ہی نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إن الصلوة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر﴾ (۱) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿لا تقربوا الصلوة (إلى) حتى تعلموا ما تقولون﴾ (۲) تیسری جگہ علم وعدم علم میں نمایاں فرق بتلایا گیا ہے: ﴿هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون﴾ (۳)۔

اسی طرح خطبۂ جمعہ کی افادیت کو ختم کردیا گیا ہے، اس پر عربی کا ملمع چڑھا کر، مولانا! میری اس صاف گوئی کو معاف فرمایئے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ خطبۂ جمعہ میں عربی کو ضرور نہیں سمجھتے، عوام اور مخاطبین کو ہر کسی زبان میں سمجھایا جاسکتا ہے، صاحبین قدرت علی العربیہ کے فقدان کی وجہ سے عربی میں خطبہ ضروری نہیں کہتے، مگر ان اسلاف کے اقوالِ حکیمانہ کو ہمارے ہندی علماء نے شاید ناپسند فرمایا ہے اور وجوب عربیت پر مُصر ہیں اور اسی کو ضروری کہتے ہیں۔

ص: ۵۹۶، ۵۹۷، شامی مصری باب الجمعہ کو ملاحظہ فرمالیجئے:

"لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاءً بما قدمه فى باب صفة الصلوة من أنها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده، خلافاً لهما حيث شرطاها إلا عند العجز كالخلاف فى الشروع فى الصلوة" (۴)۔ یہ عبارت ہندوستان کے لئے عربی کو لازم نہیں قرار دیتی عند الشیخین الا ماشاء اللہ۔

الہامی کتب منزل من اللہ ورسل اللہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ عربیت کو ضروری نہیں فرماتا، ملاحظہ ہو آیت کریمہ: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ (۵) ایک دوسری آیت بھی ملاحظہ فرمالیجئے: ﴿حمٓ تنزيلٌ من الرحمن الرحيم، كتبٌ فصلت آياته قرآناً عربياً لقوم يعلمون......﴾ (٦): أى لقوم

---

(۱) (سورۃ العنکبوت: ۴۵/۲۱)

(۲) (سورۃ النساء: ۴۳/۵)

(۳) (سورۃ الزمر: ۹/۲۳)

(۴) (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ: ۱۴۷/۲، سعید)

(۵) (سورۃ إبراهيم: ۴/۱۳)

(٦) (سورۃ حم السجدۃ: ۳/۲۴)

العرب۔ تیسری آیت شریفہ: ﴿و لو جعلناه قرآناً أعجمياً لقالوا لو لا فصلت﴾(۱)۔ کس قدر واضح اور صاف طور پر اس حقیقت کو عریاں کرتی ہے کہ تفصیل، تبیین کسی قوم پر اس وقت تک کارگر نہیں بن سکتی جب تک مفہومہ زبان میں نہ ہو، اور دیگر آیاتِ کریمہ ہیں جو اس مقصد کو اور واضح فرماتی ہیں۔

جب منزل من اللہ کے لئے عربیت عند اللہ ضروری نہیں ہے تو پھر خطیب کا خطبہ کیوں عربی میں لازم قرار دیا جارہا ہے، منزل من اللہ باعتبارِ قوم دیگر اَلسنہ میں آسکتے ہے تو پھر ہندوستان میں قوم کی زبان کی رعایت کیوں غیر ضروری سمجھ گئی؟ اور ہندی اردو جاننے والوں کے سامنے عربی کہنا کیوں فرض و واجب کا درجہ پا گئی، یہ وجوب بلا دلیل ہے: ﴿هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين﴾ (۲) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عامۂ مسلمین جاہل واپس ہوتے ہیں حالانکہ افادہ استفادہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سعی واجب فرمادی ہے مگر عربی کا لیکچر سن کر واپس آنے والے کورے لوٹ آتے ہیں، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ خود خطیب بھی کورا ہی رہتا ہے: ﴿فاعتبروا ياأولى الأبصار﴾ (۳)۔

رہ گیا یہ قصہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عجم میں حاکمانہ حالت میں آکر بھی عربی میں خطبہ دیا، عین صواب تھا، عربی کو فتح حاصل ہونا ضروری تھا، چنانچہ اس حکیمانہ سیاست کا یہ اثر تھا کہ تمام ممالکِ مفتوحہ عربی ملک بن گئے، شام عراق، مصر سب اسی طرح عربیت کا لباس پہن کر توسیعِ ملکِ عرب کا باعث بنے ہیں۔ حاکم اور محکوم میں فرق ہوتا ہے آپ بھی ہندوستان میں حکمران ہو کر یہی کریں، مگر محکوم ذلیل ہو کر زیب نہیں دیتا۔

مولانا عبدالحئ فرنگی محلی نے اس عربیت کی تخم ریزی فرمائی جس کی قدر فرمائی گئی اور اب عام طور سے اس کو مان لیا گیا ہے مگر غلط ہے، قرآن کریم کے اصولِ بیّنہ کے خلاف ہے، احادیث کی روشنی میں بھی غلط ہے: "کلموا الناس علی قدر عقولهم" (۴)۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ میں اوپر واضح کر چکا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ ہوشمند اور ذکی عالم ہیں اسی لئے آپ کی خدمت میں اس عرض کو اس

---

(۱) (سورة حم السجدة : ۴۴/۲۴)

(۲)(سورة البقرة : ۱۱۱/۱)

(۳)(سورة الحشر :۲/۲۸)

(۴) (لم اجده)

لئے ترسیل کر رہا ہوں کہ آپ احقر الزمن کے معروضات کو پڑھیں گے اور حلِ مشکلات کے لئے میری مدد فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زیدَ احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس اعتراض کی بنیاد دو نظریوں پر ہے، ایک کا تعلق عمومی طور پر جمیع علماء سے ہے، دوسرے کا خصوصی طور پر مولانا عبدالحی سے ہے اور دونوں نظریے غلط ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے:

پہلا نظریہ: ''علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے'' اس کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ فتح المنان، موضح القرآن، فتح العزیز، ترجمان القرآن، تفسیر حسینی، خلاصۃ التفاسیر، بیان القرآن، تفسیر حقانی، ترجمہ شیخ الہند، ترجمہ مولانا عاشق الٰہی وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے کہ علماء نے کس طرح قرآن پاک کو حل اور سہل کر دیا ہے۔

نیز تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر روح المعانی کے تراجم ملاحظہ کیے جائیں کہ عربی تفاسیر کو علماء نے کس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

نیز صحاحِ ستہ: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور دیگر بے شمار کتبِ حدیث کی شروح وتراجم اردو میں کر کے حدیث پاک کو کس قدر سہل کر دیا ہے۔

نیز نور الایضاح، قدوری، منیہ، کنز، شرح وقایہ، ہدایہ، درمختار، فتاوی عالمگیری، وغیرہ کتبِ فقہ کو جن میں تمام زندگی کا دستور العمل کتاب وسنت سے ماخوذ موجود ہے، کس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

نیز علم الفقہ، بہشتی زیور، تعلیم الاسلام، حیاۃ المسلمین، تعلیم الدین، فتاوی عثمانیہ، فتاوی اشرفیہ، فتاوی دارالعلوم، نماز کی کتاب وغیرہ بے شمار کتب براہ راست اردو میں بڑوں اور بچوں کے لئے کس طرح تصنیف کی گئی ہیں۔

اگر کسی شخص میں اتنی قابلیت نہ ہو کہ وہ خود ان کتابوں سے استفادہ کر کے اپنے سوئے ظن کی اصلاح کر سکے تو وہ ہمارے مدارس، مدارس عربیہ، ہمارا تعلیمی نظام، دینی مدرسے وغیرہ کا مطالعہ کرے تو معلوم ہوگا کہ علمائے کرام نے کس قدر جدوجہد سے دین کی اشاعت کی اور تعلیمات کا سلسلہ قائم کیا؟ اگر کوئی شخص ان سب کو بھی یہ کہہ کر اڑا دے کہ یہ سب افسانے ہیں تو پھر اس کو سفر کرنا چاہئے، دیوبند، سہارنپور، دہلی، جلال آباد، مراد

آباد، لکھنؤ، کانپور ہردوئی، اعظم گڑھ وغیرہ جاکر اپنی آنکھ سے دیکھے کہ اب بھی کتنے مدارس تدریس، تذکیر، تصنیف، تبلیغ کے ذریعے سے دینی خدمت کررہے ہیں، یہ سب دیکھ کر شاید توفیق مساعدت کرے اور پہلا نظریہ اصلاح پذیر ہوجائے، اگر یہ خدمات سامنے ہونے کے باوجود یہی نظریہ ہے جیسا کہ سائل کی عبارتِ ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

''آپ حضرات جتنا بھی انکار فرمائیں مگر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ علماء نے اجتماعی طور پر اسلام اور تعلیماتِ اسلام کو مخفی رکھنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے''۔

کہ سائل نہ دل سے سمجھ کر، نہ کان سے سن کر، نہ آنکھ سے دیکھ کر کسی طرح بھی اپنا نظریہ بدلنے کو تیار نہیں، خواہ کتنے ہی دلائل اس کے سامنے پیش کیے جائیں مگر وہ اپنی ضد پر قائم ہے، تو پھر کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے، آفتاب سے زیادہ روشن حقائق کو دیکھ کر بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ تسلیم نہ کرے اور اپنی ضد پر قائم رہے تو اس کے لئے بجز دعائے خیر کے اور کوئی راستہ نہیں، ایسی ضد کا انجام اگر اس کو اس زندگی میں نظر نہ آئے، تو ایک دوسری زندگی بھی آرہی ہے اس میں بالکل صاف نظر آجائے گا۔

کچھ ایسے نفوس بھی اس دنیا میں آباد ہیں جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں، دل، آنکھ، کان سے کوئی صحیح کام نہیں لیتے: ﴿لهم قلوب لا يفقهون بها، ولهم أعين لا يبصرون بها، ولهم آذان لا يسمعون بها﴾(۱)۔

دوسرا نظریہ: ''مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اس عربیت کی تخم ریزی فرمائی''۔ اس کی اصلاح کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مصفّٰی شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''کتاب الجمعة'' ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

''چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و ھلم جرا ملاحظہ کردیم، تنقیحِ آن وجودِ چندچیز است''. اور پھر چند چیزوں کی تشریح کرتے ہوئے نمبر:۷ پر بیان کیا ہے: ''و عربی بودنِ خطبہ''. پھر آگے تفصیل میں لکھا ہے: ''وعربی بودن نیز بجھتِ عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی

(۱) (سورۃ الأعراف: ۱۷۹)

بودندالخ"(۱)۔

جب کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا عمل شرقاً وغرباً یہی ہے(۲) کہ خطبہ عربی میں ہو تو اس کو مولانا عبدالحیٔ کی تخم ریزی کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

الفاظِ قرآنیہ کی تلاوت پر فہم اور بلافہم ثواب کا برابر ہونا، یہ کس کی تخم ریزی ہے، اس پر بھی روشنی ڈالدیتے تو بہتر ہوتا۔ کیا نماز کے متعلق بھی رائے عالی یہی ہے کہ مادری زبان میں پڑھی جائے(۳)؟

---

(۱) (مصفی شرح مؤطا، کتاب الصلوة، باب التشدید علی من ترک الجمعة من غیر عذر، ص: ۱۵۴، مکتبہ رحیمیہ سنہری مسجد دهلی)

"الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغةَ العربيةَ، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خيرالبرية .... و مع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية، و لما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل و نحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الصلاة". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبةً و لو خطبة غيرالجمعة بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس : ۴/۴۴، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب للصلوة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۳) "وليت شعري! ماذا يقول القائل في القرآن الذي هو عربي، فإنه لا شبهة في أن نزوله للتدبر والتذكر وفهم معناه للعمل بمراده، وهذا للعجم مشكل أيّ إشكال، فيجوز أن يقرأ عليهم القرآن بالفارسية أو يكتب لهم بالفارسية ليزول عنهم الإشكال، كلا والله! بل هم مكلفون بتحصيل ما به يتيسر لهم فهمه و يحصل لهم علمه، و قس عليه الكلام في الأخبار النبوية و سائر أمور الشريعة الواردة بالعربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان =

علم او رعدمِ علم میں نمایاں فرق بتلایا گیا ہے، بالکل صحیح ہے اسی لئے مدارس قائم کئے گئے، کتابیں تصنیف کی گئیں اور جن کو طلب وتوفیق ہوتی ہے وہ حاصل بھی کرتے ہیں اور جن کو علم سے عناد ہے یا جہلِ مرکب میں گرفتار ہیں وہ محروم رہتے ہیں جن کے نمونوں کا بکثرت مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

خطبۂ جمعہ پر عربی کا ملمع کس نے چڑھادیا، کیا اصل خطبہ اردو زبان میں تھا جس پر ہندی علماء نے عربی کا ملمع چڑھادیا، یا اگر مصفی ہی دیکھ لیں تو بات واضح ہوجائے۔

صاف گوئی کی معافی چاہنے کے متعلق عرض ہے کہ اگر یہ حق ہے تو کیا حق گوئی سے معافی طلب کرتے ہیں؟ اگر یہ باطل ہے تو اس سے توبہ اور پختہ عہد کر لیجئے کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا، بالکل معاف ہے۔ جو شخص عربی پر قادر نہ ہو اس کو عربی پر کسی نے مجبور نہیں کیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جس قول کی آڑ لے کر آپ زور وشور سے استدلال کر رہے ہیں کاش اس کی حیثیت کو بھی ملاحظہ فرمالیتے، شامی: ۱/۱۱۱(۱) عنایہ: ۱/۲۰۱(۲) طحطاوی، ص: ۲۱۷(۳) میں اس سے رجوع نقل کیا ہے، آپ خود ہی انصاف کریں کہ جس قول کو امامِ اعظم خود ہی ناپسند فرمائیں بلکہ اس سے رجوع کرلیں تو اس کے متعلق یہ اعتراض کہ "ہمارے ہندی علماء نے شاید ناپسند فرمایا ہے"۔ کہاں تک برمحل ہے، اگر کسی کو رکوع سے انکار ہو اور اسی قول پر استدلال پر اصرار ہو تو پھر امام اعظم رحمہ اللہ

= الفارس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۱) "قيد القراءة بالعجز؛ لأن الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، قلت : و جعل العيني الشروع كالقراءة الخ". (الدرالمختار) . "(قوله : كالقراءة): أي في اشتراط العجز فيه أيضاً، وفي أن الإمام رجع بذلك إلى قولهما؛ لأن العجز عندهما شرط في جميع أذكار الصلاة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة : ۱/۴۸۴، سعيد)

(۲) "(ويروى رجوعه) روى أبوبكر الرازي أن أبا حنيفة رجع إلى قولهما (وعليه الاعتماد) لتنزله منزلة الإجماع". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۱/۲۸۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "(و) يصح الشروع أيضاً (بالفارسية) وغيرها من الألسنة إن عجز عن العربية، وإن قدر لايصح شروعه بالفارسية ونحوها (ولا قراءة بها في الأصح) في قول الإمام الأعظم موافقةً لهما". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۰، قديمي)

تعالیٰ کے اس قول کی تشریح بھی دیکھ لی جائے، وہ فرماتے ہیں کہ: "نفسِ خطبہ ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" یا لفظ "الحمد للہ" یا لفظ "لا إله إلا الله" کہنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور اس پر اکتفاء کرنے میں جو کراہت ہے وہ تنزیہی ہے:

"وكفت تحميدة، أو تهليلة، أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة اهـ".

درمختار۔ قال الشامي: "ظاهر القهستاني أنها تنزيهية، اهـ". ص: ۵۴۳(۱)۔

آپ بتائیے کہ جو شخص ساری جہالت دور کرنے کا ذریعہ صرف خطبۂ جمعہ کو قرار دے اور کہے کہ نہ کسی مدرسہ میں جاؤں گا، نہ کوئی کتاب پڑھوں گا، نہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کروں گا، نہ وعظ سنوں گا بلکہ امام اعظم کے حکیمانہ قول پر عمل کرتے ہوئے خطبہ میں سارا دین سیکھوں گا، تو کس قدر جہالت میں گرفتار ہے (۲)، ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" عربی نہ سہی، اس کا ترجمہ اردو میں سن کر وہ کتنا دین حاصل کر لے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطبہ کی مقدار اس سے کچھ زیادہ ہے یعنی تشہد کے برابر "و قالا: لا بد من

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، سعيد)

"(وكفت تحميده أو تهليله أو تسبيحه): أي وكفى في الخطبة المفروضة مطلق ذكر الله تعالىٰ على وجه القصد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ لإطلاقه في الآية الشريفة، وقالا: الشرط أن يأتي بكلام يسمى خطبةً في العرف، و أقله قدر التشهد إلى عبده ورسوله الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۶۱/۲، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان خطبة الجمعة: ۵۹۰/۱، رشيديه)

(۲) "والحل في هذا المقام و به يتم الإلزام أنه كما وضعت الخطبة للتعليم وأمر الخطباء والعلماء بالتفهيم كذلك أمر الجاهلون بطلب العلم حيث قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" .... ولما كانت أكثر شريعتنا بالعربية، يلزم على الناس أن يتعلموا اللسان العربي بقدر الحاجة مالرفع به الحاجة، فإن ما لا يتم الواجب إلا به واجبٌ. .... فإذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربية، فإلزام عدم الفهم عائد إليهم لا إلى الخطباء ولا يلزم للخطباء أن يغيروا اللسان العربي و يخطبوا بلسان يفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس: ۴۷/۴، إدارة القرآن، كراچي)

ذکر طویل، وأقله قدر التشهد الواجب، اهـ". درمختار: ۱/۵۴۳ (۱) اس سے وہ آٹھویں روز کتنا دین سیکھ سکتا ہے؟

رسل اور کتب سماویہ کیلئے عربیت لازم نہیں یہ صحیح ہے، لیکن آپ کو جس رسول اور کتاب کا پابند بنایا، نجات کو اس میں منحصر کردیا گیا ہے وہ تو رسول بھی عربی ہے اور کتاب بھی عربی ہے: ﴿إنا أنزلناه قرآناً عربياً﴾ (۲) ﴿قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ (۳)۔ تبیین کے لئے تراجم وتفاسیر بے شمار ہیں، اس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن قرآن پاک کی عربیت کو ختم کر کے صرف دوسری زبان میں خواہ وہ اردوئے مبین ہی کیوں نہ ہو کلیۃً لکھنا اور پڑھنا ہرگز جائز نہیں نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے، فتح القدیر: ۱/۲۰۱، میں ہے: "إن المعتاد القراءة بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع" (٤)، وکذافی الشامی: ۱/۳۲۷ (٥)۔ اتقان میں لکھا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے اس پر ائمۂ اربعہ: ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے (٦)۔

اب بتایا جائے کہ وہ کونسی برہان ہے جس کی بناء پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور تمام امتِ مسلمہ کے پونے چودہ سو سال کے عمل متوارث ومتواتر کو ترک کر کے خطبہ جمعہ سے عربیت کو ختم کردیا جائے (۷) اور خطیب صاحب منبر پر چڑھ کر اردو

---

(۱) (الدرالمختار، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعید)

(۲) (سورة يوسف: ۱۲/۲)

(۳) (سورة الأعراف: ۹/۱۵۸)

(۴) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۵) (رد المحتار نقله عن الفتح، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۴۸۶، سعيد)

(۶) "وقال أشهب: سئل مالک: هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس عن الهجاء؟ فقال: لا، إلا على الكتبة الأولى. رواه الداني في المقنع. ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة". (الإتقان في علوم القرآن للإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالىٰ، النوع السادس والسبعون في مرسوم الخط وآداب كتابته، فصل: ۱/۳۲۸، ۳۲۹، ذوي القربى)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (جواهر الفقه، تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، رسالہ: کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے: ۱/۹۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۷) (راجع، ص: ۲۲۱، رقم الحاشية: ۲)

میں فرمایا کریں کہ ''خدا پاک ہے'' یا ہندی میں کہہ یا کریں ''پرمیشور نردھار ہے''(۱) اس سے کونسی جہالت ختم ہوجائے گی اور سامعین کس قدر دین سیکھ لیں گے، سامعین کا عربی خطبہ کے مطالب سے محروم رہنا یا خود خطیب صاحب کا کورا رہنا یہ خود ان کی کوتاہی کا نتیجہ ہے، اسلام پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد وعظ کہہ دیا جایا کرے۔ جس میں دین کے ضروری عقائد واحکام بیان کردیا جایا کریں اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا اور سنایا جاتا ہے اس کا مطلب بھی بتادیا جایا کرے اس کی کہیں ممانعت نہیں (خطبوں کا ترجمہ بھی اردو میں کردیا گیا ہے)(۳)۔

---

(۱) ''پرمیشور: خدائے تعالیٰ''۔(فیروز اللغات، ص:۲۹۱، نور اللغات:۲/۸۲۹)

''نرد: ''ایک بازی جسے تختۂ نرد بھی کہتے ہیں۔ ۲- چوسر کی گوٹ۔ ۳- شطرنج کا مہرہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۶)(ونور اللغات:۴/۱۵۰۰)

''ہار: مرکبات میں بطور لاحقہ مستعمل ہے بمعنی: والا، صاحب، مالک سونے والا''۔ (فیروز اللغات، ص:۱۴۲۸)

(۲) "فإذا لم يفهم الحاضرون الخطبة، العربية فإلزام عدم الفهم عائد إليهم لاإلى الخطباء، ولا يلزم للخطباء أن يغيروا اللسان العربي و يخطبوا بلسانٍ يفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس في أداء الأذكار بلسان الفارس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۳) "وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضى الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

تنبيه : ذكر الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. انظر (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد أصح المطابع).(شاهوانى)

(وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان ، باب، إن الدين النصيحة ۱/۵۴، قديمى)

زبان عربی کو ہر زبان پر فوقیت وشرف حاصل ہے، اس کا مدار حکومت پر نہیں بلکہ جس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت ہوگی اس کو اس زبان سے بھی محبت ہوگی، فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق روایات جمع کی ہیں (۱)۔ جن لوگوں کو ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قوی تعلق ہے اور اتباعِ سنت کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت تصور کرتے ہیں وہ بغیر حکومت کے بھی اس زبان کو ترجیح دیتے ہیں، اگر حکومت حاصل نہ ہو تو کیا ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی اتباع اور آپ کی زبان مبارک کی تعلیم وتعلم کو بھی ختم کر دیا جائے، البتہ جن کے نزدیک حکومت کی حیثیت یہ ہو کہ حکومت کے بغیر کسی نظریہ وضابطہ کو پیش کرنا یا اس کا معتقد ہونا محض بے معنی ہے تو وہ اپنے معتقدات وضوابط کو بغیر حکومت کے بے معنی سمجھتے رہیں اور جب تک محکومیت کی ذلت کو ختم نہ کر دیں، نہ کوئی ضابطہ پیش کریں نہ کوئی عقیدہ دل میں جمائیں۔

قرآن پاک کی کوئی آیت آپ نے ایسی پیش نہیں کی جس سے خطبہ کا اردو میں ہونا ثابت ہو، نہ ایسی حدیث پیش کی، نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل پیش کیا، فقہائے کرام کی جو تصریحات پیش کی ہیں ان کا حال میں تفصیل سے عرض کر چکا، ان سے آپ کا مقصد ہرگز ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ "کلموا الناس علی قدر عقولهم" (۲) یہ کیا چیز ہے، یہ قرآن پاک کی آیت تو یقیناً نہیں، اس کو حدیث کہیں گے یا فقہاء کا کلام، جب آپ اس کی تشخیص فرمائیں گے تو اس کے متعلق بھی عرض کر دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

---

(۱) قال الفقيه السمرقندی رحمه الله تعالىٰ: "إن لسان العربية لها فضلٌ على سائر الألسنة، فمن تعلمها أو علم غيره فهو مأجور؛ لأن الله تعالىٰ أنزل القرآن بلغة العرب فمن تعلمها، فإنه يفهم بها ظاهر القرآن و معاني الأخبار، و قد روى ابن أبي بردة عن أبي بريدة عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: كلام أهل الجنة بالعربية و روى عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: من تعلم الفارسية فقد خب، ومن خب فقد ذهب مروته. يعني لو اقتصر على لسان الفارسية و لم يتعلم العربية، فإنه عجمي. وقال الزهري: كلام أهل الجنة العربية، و روى عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: عليكم بالتفهم بالعربية الخ". (بستان العارفين للفقيه أبي الليث السمرقندي، باب تفضيل لسان العربية على غيرها، ص: ٦٨، مطبع فاروقي دهلي)

(۲) (لم أجده)

جواب پر چند اعتراضات

حضرت اقدس مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا جواب کے بعد سائل کا مندرجہ ذیل چند اعتراضات پر مشتمل خط آیا، سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیں۔

نحمد اللّٰہ و نستعین باللّٰہ

محترم مولانا مدظلہ! سلام مسنون

سوال[۳۷۸۱]: ا......اتفاقی نظر رسالہ ''نظام'' پر آپ کے اس مضمون پر احقر العباد کی پڑ گئی جس کو جناب والا نے بجواب خط تحریر فرمایا تھا، میں نے پڑھا، معلوم ہوا کہ رجوع کے مسئلہ میں جو مفصل بحث شامی در مختار کے اندر کی گئی ہے اس پر آپ کی نگاہ نہیں پڑی، ورنہ آپ یہ نہ تحریر فرماتے کہ مسئلہ ہذا میں امام صاحب نے رجوع فرمالیا ہے، درمختار میں یہ عبارت ملاحظہ فرمالیجئے:

"اعلم أيها الواقف على هذا الكلام أن رجوع الإمام إنما ثبت في القرأة بالفارسية فقط، ولم يثبت رجوعه في تكبيرة الافتتاح، بل هي كغيرها من أذكار الصلاة على الخلاف، كما حرره شارح المجمع، وكتب الأصول وعامة الكتب المعتبرة، الخ"(۱)۔

اس سے پہلے درمختار کی یہ عبارت بھی دیکھ لیجئے:

"و شرطا عجزه، وعلى هذا الخلاف الخطبة و جميع أذكار الصلوة وأما ذكره، فقوله: (أو أمّن أولبىّ أو سلم أو سمى عند ذبح) و شهد عندحا كم أورد سلاماً، ولم أر لو شمّت عاطساً (أو قرأبها عاجزاً) فجائز إجماعاً، قيد القراء ة بالعجز؛ لأن الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، وجعل يعني الشروع كالقراء ة لاسلف له فيه ولا سند له يقويه" (۲).

---

(۱) قد تتبعتُ خمس نسَخ: إحداها نسخة قديمة مطبوعة لدار إحياء التراث العربي، والثانية: أيضاً لدار الإحياء، والثالثة لدار المعرفة، والرابعة لدار النفائس بالرياض، والخامسة لمحمد سعيد بباكستان التي هي بين أيدينا، فلم أجد هذه العبارة في الدر و لا في الرد في أحد من النسخ المذكورة، بل العبارة المرقومة هي ماخوذة من تعليقات علاؤ الدين التي هي بحواشي تلك النسخ كلها تحت قول ردالمحتار: "(وفي أن الإمام)". (التعليق على الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، سعيد)

اس عبارت کو بغور آخر تک ملاحظہ فرما کر رائے عالی قائم فرمائیے، میرا مشورہ یہ ہے کہ اس بحث، کو شامی میں ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ اسکے بعد آیاتِ قرآنیہ کے متعلق بھی کچھ عرض کر رہا ہوں، اس کو نظر غائر سے ملاحظہ فرمائیے۔

۲......ایک جگہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے: ﴿و ما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾(۱) قوم کی زبان ہی معیار ہے ارسالِ رسل کے لئے، مطلب یہ ہوا کہ رسول اور امت دونوں کو ہم زبان ہونا لازم ہے: ﴿و لو جعلناه قرانا أعجمياً﴾ (۲) اس میں بھی اسی کو ملحوظ فرمایا گیا ہے، پھر کیوں خطبہ کو اصولِ بالا کے ماتحت قوم اور مخاطبین کی زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے؟ قرآن مجید عربی زبان میں کیوں نازل فرمایا گیا ہے، اسکی توجیہ: ﴿لقوم يعلمون﴾ (۳) "أي الأمة العربية" سے فرمائی گئی ہے، ان ہی اشاروں کا نتیجہ تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عربیت کو کسی جگہ بھی ضروری نہیں فرمایا ہے مگر قرأۃ فی الصلوۃ میں۔ یہ بات کہ امام صاحب نے رجوع فرمالیا تھا اس کو میں نے مفصل طور پر اوپر لکھ دیا ہے۔

۳......یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی کہ صحابۂ کرام نے بلادِ عجم میں عربی میں خطبہ دیا، آج ہندی پرست اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں کس طرح دیگر اقوام وملل پر ہندی کو لازم کر رہے ہیں، پھر اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عربی کو عجم میں اپنایا کیے تو کیا بُرا ہوا؟ اچھا ہی ہوا، اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے: مصر عربی ملک بن گیا، عراق بھی، ایران میں بھی عربی کا رواج ہو گیا تھا۔

۴......مگر آج ایمان باللہ سے اعراض کرتے ہوئے ہم محض خطبہ کی زبان سے عربی کی ترویج کا خواب کیوں دیکھ رہے ہیں۔ مولانا! اَقل مقدار خطبہ کی التحیات ہے ورنہ: "لا بد من ذكر طويل" اصل ہے، خطبہ کے لئے یہ ذکرِ طویل نصیحت کے لئے شئی وافر ہے، پھر ایک کلمۂ حق بھی خلوصِ نیت کی شرط سے تریاق کا کام انجام دے سکتا ہے بقدر التحیات تو بہت زیادہ ہے ﴿فاعتبروا يا أولي الأبصار﴾(٤)۔

---

(۱) (سورة إبراهيم: ۴/۱۳)

(۲) (سورة حم السجدة: ۴۴/۲۴)

(۳) (سورة حم السجدة: ۳/۲۴)

(۴) (سورة الحشر: ۲/۲۸)

اب ایک بات پر آپ اعتراض فرمارہے ہیں کہ میں نے آپ سے معافی کیوں طلب کی؟ سچ کہہ کر میں نے معافی نہیں طلب کی تھی بلکہ نزاکتِ طبع پر اگر کوئی بات گراں گزری ہو (کیونکہ پڑی ہوئی عادتِ مستمرہ کے خلاف بات پیش کررہا ہوں) اس لئے گرانی اگر کچھ ہو یدا ہوئی ہو، تو اس سے میں نے عفو کی مانگ مانگی تھی نہ کہ حق کی بات کہنے سے۔

۵......خطبہ سننے والوں کی اکثریت جاہل محض ہوتی ہے ان کو بھی تو آپ آٹھویں دن کچھ موقعہ نصیحت گری کا دیں گے۔

۶......اس شعارِ اسلامی کو خدارانہ اٹھایئے: "أیّ لسان کان یحصل منه ذکر اللہ أو یحصل".
پھر آپ ذکر اللہ کے لئے کسی زبان کو کیوں مخصوص کررہے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بموقع فتوحات کسی دوسری زبان کے استعمال سے مجبور بھی تھے، اور سیاست کا تقاضا بھی یہی تھا کہ عربی کو ترجیح دی جاتی، ورنہ عام حالات میں سامعین کی زبان کا ہمیشہ خیال رکھا گیا ہے، خطبہ ہمہ گیر نصیحت کا حامل رہا ہے اور سو فیصد عرب کے سامنے عربی ہی میں خطبہ دیا جاتا تھا، تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں، پھر ہند نے کیا قصور کیا ہے کہ وہاں غیر مفہوم زبان استعمال ہو۔

"کلموا الناس علی قدر عقولهم" (۱) میری زبان پر جاری ہے، کہیں اس کو میں نے پڑھا ہے، مگر کہاں، حوالہ صحیح نہیں پیش کرسکتا، غالباً یہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ہو اچھا، اس سے استشہاد فی الحال ملتوی رکھتا ہوں۔

۷......**نوٹ**: کیا ''نظام'' کے صفحات میں ان معروضات کو جگہ ملے گی؟ آپ کے شافی جواب کی توقع رکھوں گا، اگر فی الحال نظام میں نہ طبع ہو تو پھر بذریعۂ ڈاک جواب مرحمت فرمایئے بے رنگ بھیج دیجئے انشاء اللہ میں وصول کرلونگا۔ آپ کا ادنی خادم: محمد سلیم از بنکی ضلع بارہ بنکی۔

الجواب:

مکرم محترم زیدت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، میں سفر میں تھا، واپسی پر ملا، جواباً گزارش ہے کہ:

---

(۱) (لم أجده)

ا......شامی کی یہ بحث اس سے پیشتر بھی متعدد مرتبہ دیکھ چکا تھا اور دیکھنے کی نوبت آتی رہتی ہے، اب آپ کی دعوت پر پھر دیکھی جو کچھ احقر نے تحریر کیا خود شامی کو بھی فی الجملہ اس کا اعتراف ہے، حافظ بدر شارح بخاری شریف شارحِ ہدایہ وشارحِ کنز نے اس کو بسط سے لکھا ہے(۱)۔ابوالاخلاص حسن شرنبلالی بھی حافظ بدر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دوش بدوش ہیں(۲)۔خود صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح منتقی اور خزائن الاسرار شرح تنویر میں وہی لکھا ہے جو کہ حافظ بدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے(۳)،لیکن ان کو یہاں حافظ عینی کے ساتھ اتفاق نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"وجعل العينى الشروع كالقراءة، لاسلف له فيه، ولا سند له يقويه، بل جعله فى التاترخانية كالتلبية يجوز اتفاقاً، فظاهره كالمتن رجوعهما إليه لا هو إليهما، فاحفظ، فقد اشتبه على كثيرٍ من القاصرين حتى الشرنبلالية فى كل كتبه، فتنبه".

اس پر شامی لکھتے ہیں: "(قوله: رجوعهما إليه الخ): أى أنهما رجعا إلى قوله بصحة

---

(۱) "وأما الشروع بالفارسية أو القراءة بها فهو جائز عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ مطلقاً، وقالا: لا يجوز إلا عند العجز، وبه قالت الثلاثة، وعليه الفتوى. وصح رجوع أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلى قولهما". (رمز الحقائق شرح العينى على الكنز، كتاب الصلاة، فصل فى صفة الصلاة: ۳۲/۱، إدارة القرآن كراچى)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (البناية فى شرح الهداية للعينى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۰۱/۲، ۲۰۶، رشيديه)

(۲) "ويصح الشروع أيضاً (بالفارسية) وغيرها من الألسنة إن عجز عن العربية، وإن قدر لا يصح شروعه بالفارسية ونحوها (ولا قراءته بها فى الأصح) فى قول الإمام الأعظم موافقةً لهما؛ لأن القرآن اسمٌ للنظم والمعنى جميعاً الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى كيفية ترتيب أفعال الصلاة، ص: ۲۸۰، قديمى)

(۳) "أو كبّر بالفارسية صح) فى الكل .... (وكذا لو قرأ بها)، و هذا إذا كبر و قرأ بالفارسية (عاجزاً عن العربية) بأن كان لا يحسن العربية بشرط أن لا يخل بالمعنى، وهذا قولهما، وبه قالت الثلاثة، وإليه صح رجوع الإمام، وعليه الفتوى، قاله العينى وغيره". (الدر المنتقى فى شرح الملتقى للحصكفى، كتاب الصلاة، فصل فى صفة الشروع: ۱۴۰/۱، غفاريه كوئٹه)

الشروع بالفارسية بلا عجز كما رجع هو إلى قولهما بعدم الصحة في القراءة فقط لا في الشروع أيضاً كما توهم العيني اهـ"۔

یہاں تک تو شارح کے مطلب کی توضیح تھی، مگر شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خود شارح سے اتفاق نہیں اس لئے لکھتے ہیں: "لكن قولهما: رجعا إلى قوله في الشروع، لم ينقله أحدٌ، وإنما المنقول حكايته الخلاف، وأما عبارة المتن فهي مبنية على قول الإمام، فالحاصل أن ما أورده على العيني في دعوى رجوعه إلى قولهما يرد عليه في دعواه رجوعهما إلى قوله"۔

پھر آگے چل کر "(قوله حتى الشرنبلالية)" کے تحت لکھا ہے: "اعلم أن الشارح نفسه خفي عليه ذلك، فتبع العيني في شرحه على الملتقى و في الخزائن، بل خفي أيضاً على البرهان الطرابلسي في متنه مواهب الرحمن حيث قال: والأصح رجوعه إليهما في عدم جواز الشروع والقراءة بالفارسية لغير العاجز عن العربية"(۱)۔

اب غور کیجئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک کیا ہے؟ جن کتب کا احقر نے حوالہ دیا، غالباً وہ بھی جناب نے ملاحظہ نہیں کیں ورنہ شاید عدمِ رجوع امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ پر اتنا اصرار نہ ہوتا۔ احقر چونکہ یہ بحث باب الأذان، تأليف الصلوة، جمعہ وغیرہ میں مفصل دیکھ چکا تھا اور اس کے سب گوشے سامنے تھے اور جانتا تھا کہ بعض اذہان اس رجوع کو تسلیم نہیں کریں گے، اس لئے اصل سوال کے جواب کو رجوع کی جہت پر منحصر نہیں کیا بلکہ آگے دیا تھا کہ اگر کسی کو رجوع سے انکار ہو اور اسی قول سے استدلال پر اصرار ہو تو پھر امام اعظم کے اس قول کی تشریح بھی دیکھ لیجائے۔ لہٰذا اس کے بعد عدمِ رجوع کے مسئلہ پر بحث کرنا بھی چنداں سودمند نہیں۔

۲......آیت: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾(۲) آپ نے قوم کی تفسیر "امت" سے کر کے رسول اور امت کے ہم زبان ہونے کا قاعدہ کلیہ استنباط فرمایا ہے، یہی قاعدہ کلیہ عیسائیوں اور یہودیوں نے سمجھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کو اہلِ عرب کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ جس کی زبان عربی نہیں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اس کے ذمہ ضروری نہیں، علمائے اسلام نے اس

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۴، ۴۸۵، سعيد)

(۲) (سورة إبراهيم: ۴)

قاعدہ کلیہ کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ ''امت'' اَور چیز ہے اور ''قوم'' اَور چیز ہے(۱)، پہلے پیغمبر اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے، جیسا کہا:﴿إنا أرسلنا نوحاً إلی قومه﴾ الایة (۲) وغیرہ میں مذکور ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے، آپ کی امت انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جنات آپ کی قوم نہیں۔ آپ کی بعثت اسود واحمر سب کی طرف ہے(۳) امریکہ، لندن، جرمن، ہند، چین،

---

(۱) قال الله تعالیٰ : ﴿قل یأیها الناس إني رسول الله إلیکم جمیعاً﴾ الایة. (سورة الأعراف: ۱۵۸/۹)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ تحت هذه الآیة: "لما حکی ما في الکتابین من نعوته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و شرف من یتبعه علی ما عرفت، أمر علیه السلام بأن یصدع بمافیه تبکیتٌ للیهود الذین حرموا اتباعه، وتنبیهٌ لسائر الناس علی افتراء من زعم منهم أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مرسل إلی العرب خاصةً. و قیل : إنه أمرٌ له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ببیان أن سعادة الدارین المشار إلیهما فیما تقدم غیر مختصة بمن اتبعه من أهل الکتابین بل شاملة لکل من یتبعه کائناً من کان، و ذلک ببیان عموم رسالته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و هي عامةٌ للثقلین کما نطقت به النصوص حتی صرحوا بکفر منکر، وما هنا لا یأبی ذلک، والمفهوم فیه غیر معتبر عند القائل به لفقد شرطه و هو ظاهر".
(روح المعاني: ۸۲/۹، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

(۲) (سورة نوح : ۱/۲۹)

"قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أعطیت خمساً لم یعطهنّ أحدٌ من الأنبیاء قبلي .... و کان النبي یبعث إلی قومه خاصةً وبُعثتُ إلی الناس کافةً، وأعطیت الشفاعة". (صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "جعلت لي الأرض مسجداً و طهوراً": ۶۲/۱، قدیمي کراچي)

(۳) قال الله تعالیٰ:﴿ وما أرسلناک إلا کافةً للناس بشیراً و نذیراً، ولکن أکثر الناس لا یعلمون﴾ (سورة السبا : ۲۸/۲۲)

قال ابن کثیر تحت هذه الآیة: "یعني إلی الناس عامةً، وقال قتادة رحمه الله تعالیٰ: في هذه الآیة أرسل الله تعالیٰ محمداً صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إلی العرب والعجم .... أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "بعثت إلی الأسود والأحمر". قال مجاهد رحمه الله تعالیٰ: یعني الجن والإنس. وقال غیره: یعني العرب والعجم، والکل صحیح". (تفسیر ابن کثیر :۵۳۸/۳، ۵۳۹، سهیل اکیڈمی لاهور) =

ترک سب آپ کی امت ہیں، مگر آپ کی قوم نہیں۔ اگر رسول اور امت کا ہم زبان ہونا ضروری ہوتا تو وحی بھی ہر زبان میں آتی، پھر کسی ترجمان کی ضرورت نہیں تھی، جن بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے ہیں وہ صرف عربی زبان میں نہ بھیجتے بلکہ خود ان کی زبان میں بھیجتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو اسی قاعدہ کلیہ کی آڑ لے کر بہت کچھ فتنہ پردازی کا موقعہ ملا اور بے شمار لوگوں کو یہی کہہ کر اسلام سے روکا کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہوتے اور وہ تمہارے رسول ہوتے اور تمہارے ذمہ ان کی اطاعت لازم ہوتی تو وہ تمہارے ہم زبان ہوتے اور تمہاری زبان میں ان پر وحی آتی، مگر جب کہ ایسا نہیں تو وہ تمہارے رسول نہیں بلکہ ان کی رسالت صرف عرب کے لئے ہے۔ آپ اپنے قاعدہ کلیہ کو نظرِ غائر سے دیکھیں کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے اور یہ کس قدر فتنے اپنے اندر لئے ہوئے ہے، پھر اس پر مسئلۂ خطبہ کا متفرع کرنا بالکل بدیہی البطلان ہے۔

۳..... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلادِ عجم میں بھی عربی میں خطبہ دیا ہے اس کو محدّث ہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلیل میں پیش کیا ہے اور نہ صرف صحابۂ کرام بلکہ اپنے زمانہ تک ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک کا عملِ متوارث قرار دیا ہے(۱)۔ آپ کو حق ہے کہ اپنے علم و فہم کی روشنی میں خلفائے راشدین، اکابر

= "عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعطيت خمساً لم يعطهن أحدٌ قبلي: بعثت إلى الأحمر والأسود". الحديث. (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۲۰۸۰۷): ۱۸۲/۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "چون خطبِ آن حضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم تنقیح آں وجود چندچیز است" و عربی بودن خطبه .... وعربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین درمشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودندالخ". (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۴، رحيميه سنهری مسجد دهلی)

"الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه، فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجُمَع والأعياد و غيرها =

صحابہ، تابعین، محدثین فقہائے مجتہدین، اولیاء اللہ، صالحین کے تعامل، توارث، وتواتر کو یہ کہہ کر اڑادیں کہ یہ دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی اور مزید برآں یہ کہ اس سنت متوارثہ کو آپ تشبیہ دے رہے ہیں آج کے حالات کے ساتھ کہ:

''آج ہند پرست اپنی اکثریت کے گھمنڈ میں کس طرح دیگر اقوام وملل پر ہندی کو لازم کررہے ہیں اسی طرح صحابہ کرام نے بھی کیا''۔

تو گویا آج ہندی پرست طبقہ کو آپ عربیت ختم کرنے اور ہندی لازم کرنے کا زبردست ہتھیار صحابۂ کرام کی سنتِ متوارثہ سے استنباط کر کے عنایت فرمارہے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کے نفوسِ مقدسہ اس گھمنڈ سے بالاتر تھے، ان کے پیش نظر ہرگز ہرگز وہ عصبیت نہیں تھی جن کا آج دنیا میں پرچار ہے، انہوں نے اقوامِ مفتوحہ کی جس قدر حفاظت فرمائی، ان کو پروان چڑھایا، ان کو ذہنی، علمی، اخلاقی، معاشی، صنعتی، بین الاقوامی، ہرنوع کی ترقی دی، ان کے کمالات کی تکمیل کی، ان کو انسانیت کے بلند مقام پر پہنچایا، آج دنیا میں کوئی قوم اس کا خواب بھی نہیں دیکھ رہی ہے، آپ کی اس تشبیہ سے ان پاکیزہ نفوس کی پوزیشن کس قدر مجروح ہوجاتی ہے؟

۴......ایمان باللہ سے اعراض کرنے کو کس نے کہا اور محض خطبہ کی زبان پر عربی کی ترویج کو کس نے منحصر کیا ہے؟ ایمان باللہ کی تکمیل کیلئے تدریس، تذکیر، تلقین، تبلیغ کی صورتیں اختیار کی جاچکی ہیں، آج بھی دنیا میں رائج ہے اور بے شمار مخلوقِ خدا فیضیاب بھی ہورہی ہے، البتہ جن کو علم سے عناد ہے یا جہلِ مرکب میں گرفتار ہیں وہ پہلے بھی محروم رہے اور اب بھی محروم ہیں۔

۵......میں پہلے عرض کرچکا ہوں، آپ بتائیے کہ جو ساری جہالت دور کرنے کا ذریعہ صرف خطبۂ جمعہ کو قرار دے اور کہے کہ نہ کسی مدرسے میں جاؤں گا، نہ کوئی کتاب پڑھوں گا، نہ تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کروں گا، نہ وعظ سنوں گا بلکہ خطبہ میں سارا دین سیکھوں گا تو وہ کس قدر جہالت میں گرفتار ہے، ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ لفظ "سبحان اللہ" عربی میں نہ سہی اس کا ترجمہ اردو میں سن کر وہ کتنا دین حاصل کرے گا، آپ نے وہیں پہنچ کر منزل کردی کہ ''پھر ایک کلمہ سن کر خلوصِ نیت کی شرط کے ساتھ تریاق کا کام انجام دے سکتا ہے''،

= من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، و مع ذلك لم يخطب لهم أحدٌ منهم بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

سو کچھ مضائقہ نہیں، اس نظریہ کی رعایت بھی اصل جواب میں کرلی گئی تھی، شاید آپ نے طائرانہ نظر سے اس کو پڑھا تھا، نظر غائر نہیں ڈالی، اس میں یہ عبارت بھی درج ہے: ''یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد وعظ کہہ دیا جایا کرے جس میں دین کے ضروری عقائد و احکام بیان کردیئے جایا کریں اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا اور سنایا جاتا ہے اس کا مطلب بھی بتادیا جایا کرے اس کی کہیں ممانعت نہیں (خطبوں کا ترجمہ بھی اردو میں کردیا گیا ہے)(۱)۔

۶......آپ فرماتے ہیں: ''اس شعار اسلامی کو خدارانہ مٹائیے''۔ شعار اسلامی وہ ہے کہ جس کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور آپ کے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین، ائمۂ مجتہدین، فقہائے محدثین اولیاء اللہ، صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا اور تقریباً پونے چودہ سو سال سے شرقاً و غرباً شمالاً و جنوباً تمام امت نے اختیار کیا یعنی عربی خطبہ پڑھنا (۲) جس کو آپ مٹارہے ہیں، لہٰذا اس شعارِ اسلامی کو خدارانہ مٹائیے، وہ ہرگز ہرگز شعار اسلامی نہیں جس کو آپ تجویز کررہے ہیں یعنی اردو میں خطبہ پڑھنا۔

۷......آپ کے خط کا جواب دفتر ''نظام'' میں بھیجتا ہوں اس کی اشاعت اربابِ نظام کی صوابدید پر ہے۔ والسلام۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

الخطبة بغير العربية

سوال[۳۷۸۲]: ما قولكم دام فضلكم في خطبة العربية المترجمة في لسان العجم هل تجوز عند الأحناف بغير كراهة أم لا؟ فإن جازت فهل جوازها بالكراهة التحريمية أو التنزيهة أو بدونها؟ بينوا طريق الحق ياأهل الحق۔

الجواب حامداً ومصلياً:

السنة المتوارثة في خطبة الجمعة هي أن تكون بالعربية والخطبة بغير العربية سواء كانت مترجمة بالهندية أو بالفارسية أو بغيرهما لكونهما خلاف السنة بدعة مكروهة، قال

---

(۱) (راجع، ص: ۲۲۵، رقم الحاشية: ۳)

(۲) (راجع، ص: ۲۳۳، رقم الحاشية: ۱)

مولانا ولی اللہ المحدث الدهلوی فی المصفی شرح الموطا:

"لما لاحظنا خُطب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وخلفاء ه رضی اللہ تعالیٰ عنهم وهلم جراً، فنجد فیها وجود أشیاء: منه الحمد والشهادتین والصلوة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم والأمر بالتقوی و تلاوة آیة والدعاء للمسلمین و للمسلمات وکون الخطبة عربیةً .... وأما کونها عربیةً فلاستمرار عمل المسلمین فی المشارق والمغارب أن فی .... کثیر من الأقالیم کان المخاطبون أعجمین، اهـ"(١)۔

قال فی آکام النفائس :"الخطبة بالفارسیة التی أحدثوها واعتقدوا حسنها، لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، و هذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیرالبریة، وإن کانت فی اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعین و من تبعهم من الأئمة المجتهدین، حیث فُتحت الأمصار الشاسعة والدیار الواسعة وأسلم أکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الأعجام، و حضروا مجالس الجُمُع والأعیاد و غیرها من شعائر الإسلام، وقد کان أکثرهم لا یعرفون اللغة العربیة و مع ذلک لم یخطب أحد منهم بغیر العربیة. ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة و فقد ان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم یبق إلا الکراهة التی هی أوفی درجات الضلالة"(٢)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢٦/٥/٥٩ھ۔

ایضاً

سوال[٣٧٨٣]: ا......خطبہ جمعہ کا محض عربی زبان میں ہو یا اس کے ساتھ ترجمہ اور وعظ بھی ہو، اگر وعظ ہو تو کیسا ہے؟

---

(١) "چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم، تنقیح آں وجود چندچیز است .... و عربی بودنِ خطبه .... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند". (مصفی شرح مؤطا، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ص:١٥٤، کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(٢) (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللہ تعالیٰ، رسالة آکام النفائس : ٤٧/٤، إدارة القرآن، کراچی)

۲......خطبہ کس قدر طویل ہو؟

۳......عام مقتدی اگر وعظ یا ترجمہ کی طوالت سے گھبرا جائیں تو خطیب کو کیا کرنا چاہئے؟

۴......کیا خطیب کا پابند ہونا کہ ترجمہ یا وعظ ضرور کروں گا جائز ہے جب کہ مقتدی روک نہیں رہے ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خطبہ محض عربی زبان میں ہونا لازم ہے اس کا ترجمہ کرنا یا اس کے ساتھ اَور کسی زبان میں مستقل وعظ کہنا جائز نہیں، اگر اتفاقیہ طور پر کوئی وقتی مسئلہ اثنائے خطبہ میں حاضرین کو سمجھا دیا جائے تو درست ہے(۱)۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ اس مضمون پر تحریر فرمایا ہے(۲)۔ مصفی شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه کردیم، تنقیحِ آن وجود چندچیز است: حمد و شهادتین، و صلوة بر آنحضرت صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وامر بتقوی، و تلاوتِ قرآن پاک، ودعائے مسلمین و مسلمات، و عربی بودن خطبه، وعربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمین در مشارق و مغارب

---

(۱)"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما استوی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم الجمعة قال: "اجلسوا" فسمع ذلک ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، فجلس علی باب المسجد، فرآه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: "تعال یا عبد الله بن مسعود!". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۱/۱۵۶، دار الحدیث ملتان)

"قال الطیبی رحمه الله تعالیٰ: فیه دلیل علی جواز التکلم علی المنبر، وعندنا کلام الخطیب فی أثناء الخطبة مکروه إذا لم یکن أمراً بالمعروف". (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل الخ: ۲/۱۸۱، امدادیه ملتان)

"و یکره تکلمه فیها إلا لأمر بمعروف؛ لأنه منها". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

"و یکره للخطیب أن یتکلم فی حالة الخطبة .... إلا إذا کان الکلام أمراً بالمعروف فلایکره". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۷، رشیدیه)

(۲)(آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس، مجموعة رسائل اللکنوی: ۴/۴۷، إدارة القرآن کراچی)

باوجود آنکہ در بسیارے از أقالیم مخاطبان عجمی بودند"(۱)۔

۲.....طوالِ مفصل کی ایک سورت کے برابر یا اس سے کم، اس سے زیادہ طویل کرنا مکروہ ہے: "وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل، اهـ". درمختار: ۱/۵٦٧ (۲)۔ سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں طوالِ مفصل ہیں۔

۳.....خطیب کی یہ ضد، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وطریقِ سلف و تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہے، خطیب کو اس ضد کا ترک کرنا لازم ہے، اگر وعظ کہنا ہے تو خطبہ سے پہلے وعظ کہہ دیا جائے (۳) اور خطبہ کے بعد دس منٹ سنتوں کے لئے وقفہ دے کر پھر خطبہ خاص عربی میں سنت کے موافق پڑھا جاوے، تاکہ خطیب کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور خلافِ سنت کا اشکال بھی باقی نہ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر، ص: ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۸، سعيد)

"عن عمار بن ياسر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بإقصار الخطب". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب إقصار الخطب: ۱/۱۵۷، ۱۵۸، دار الحديث ملتان)

"وأما سنن الخطبة .... و منها: أن لا يطول الخطبة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أمر بتقصير الخطب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما سنن الخطبة: ۱/۵۹۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(۳) "وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميمًا الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع، كراچى)

تنبيه: ذكر الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. انظر (الموضوعات الكبرى، المقدمة، فصل: و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع) ...... =

ایضاً

سوال[۳۷۸۴]: ہمارے شہر میں ایک رسم معتقد علیہ یہ پڑی ہوئی ہے کہ جمعہ کا خطبہ اردو میں بھی ہو، ورنہ فساد کا حق الیقین ہے، ایسی حالت میں زید جو کہ مسائل سے واقف ہے اردو میں بھی خطبہ ادا کرسکتا ہے، اگر نہیں کرتا تو عموم بلوی کا اندیشہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ زید کو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اردو میں خطبہ مکروہ تحریمی ہے(۱)"من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= (وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب، إن الدين النصيحة ۱/۵۴، قديمي)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ: "وأما نصيحة عامتهم و هم مَن عدا وُلاة الأمر، فإرشاد هم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم، و كف الأذى عنهم، فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم و دنياهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه تقبل نصحه و يطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووي، كتاب الايمان، بابٌ: إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمي)

(۱) "الخطبة الفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فُتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة، واسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجمع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۲) (الأشباه والنظائر، (رقم القاعدة: ۳۵): ۱/۲۸۶، إدارة القرآن كراچی)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: ما خُيّر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بين =

8

اردو میں خطبہ

سوال[۳۷۸۵]: کیا اردو میں خطبہ دینا جائز ہے،بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخاطب عربی دان تھے اور ہمارے مخاطب عربی دان نہیں اس لئے خطبہ اردو میں دے رہے ہیں۔کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبۂ جمعہ عربی ہی میں ہونا متوارث ومتواتر رہا ہے،صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلادِ عجم کو فتح کیا وہاں بھی خطبہ عربی ہی میں دیا ہے،تمام دنیا میں یہی طریقہ چلا آیا ہے،حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا امام مالک کی شرح میں ایسا ہی لکھا ہے (۱)۔ زیادہ تفصیل ''آکام النفائس'' میں ہے(۲)۔ ہندوستانی علماء کے متعدد رسائل تحقیق الخطبہ والجمعۃ وغیرہ اس مسئلہ پر شائع ہو چکے ہیں، ماہنامہ ''نظام'' میں بھی اس پر دو مرتبہ مفصل بحث آچکی ہے،سائل نے اردو میں خطبہ دینے کے مصالح وضروریات پر بہت زور دیا تھا اور اس کے لئے عقلی ونقلی دلائل کی بھی تفتیش کی تھی اور عربی میں خطبہ دینے کو بیکار،غلط اور مضر بتایا تھا ان سب کا جواب رسالہ نظام میں شائع کیا جا چکا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مذہب شافعی میں خطبۂ جمعہ کا ترجمہ

سوال[۳۷۸۶]: مذهب الشافعي رحمه الله تعالىٰ نرجو منكم جواباً في كتب الفقه من

= الأمرين إلا اختار أيسرهما مالم يكن فيه مأثم". (مسند احمد (رقم الحديث : ۲۵۲۲۸) :۷/۲۹۹، دار إحياء التراث)

(۱) "چون خطبِ آن حضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه كرديم، تنقيح آن وجودِ چندچيز است: حمد و شهادتين و صلوة......... وعربى بودنِ خطبه .... و عربى بودن نيز بجهتِ عملِ مستمرهٔ مسلمين در مشارق و مغارب باوجود آنكه در بسيارے از اقاليم مخاطبان عجمى بودند". (مصفى شرح مؤطا ، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(۲) (آكام النفائس من مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

مذهب الشافعی رحمه الله تعالی عن ترجمة توابع خطبة الجمعة الأولی بلا تطويل، وهل يستوی ترجمة توابع الخطبة علی المنبر؟ و ما ذا حكم ترجمة الأركان فی مذهب الشافعی رحمه الله تعالیٰ وأقوال أصحابه؟ نرجو منكم جواباً من كتب الفقه من مذهب الشافعی رحمه الله تعالیٰ۔

الجواب باسمه تبارك و تعالیٰ حامداً و مصلياً:

قال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ فی المنهاج و شارحُه ابن حجر المكی فی تحفة المحتاج: "و يشترط كونها: أی الأركان دون ما عداها عربية الاتباع نعم إن لم يكن يفهم من يحسنها و لم يكن تعلمها قبل ضيق الوقت خطب منهم واحد بلسانهم، وإن أمكن تعلمها و جب علی كل منهم، فإن مضت مدة إمكان تعلم واحد منهم و لم يتعلم عضوا كلهم و لا جمعة لهم بل يصلون الظهر اهـ". و قال محشيه: "(قوله: دون ما عدا ها) يفيد أن كون ما عدا الأركان من توابعها بغير العربية لا يكون مانعاً من الموالات كالسكوت بين الأركان إذا طال (قوله: بلسانهم): أی ماعدا الآية، فيأتی ما تقدم و لا يترجم عنها" : ۲ / ۵٤۰ (۱)۔ *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱/۹۵ھ۔

ترجمۂ خطبۂ عربیہ

سوال[۳۷۸۷]: أردنا أن نفهم مسئلة ترجمة الخطبة العربية يوم الجمعة والعيدين بغير العربية، فهل يجوز أن يكون الأركان بغيرالعربية أم لا؟ و هل يجوز غيرالأركان من التوابع بغير العربية أم لا؟ وإن قلتم بالجواز، هل يكون ذلك خلاف الأولیٰ أو مع الكراهة أو بلا كراهة أم لا؟ أفتونا علیٰ مذهب الإمام الأعظم أبی حنيفة النعمان رحمة الله عليه، و علیٰ مذهب الإمام الشافعی رحمة الله عليه تفصيلاً مع بيان المآخذ من كتب الحنفية والشافعية للمتقدمين والمتأخرين؟

(۱) (منهاج الطالبين و عمدة المفتيين للإمام النووی رحمه الله تعالیٰ ، كتاب الصلاة، الجماعة، باب صلاة الجمعة، ص: ۱۹ ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

خطبة الجمعة لا بد أن تكون من أولها إلى آخرها باللغة العربية، وتكره تحريماً بغير العربية مكروهة تحريماً هذا عند الأحناف، كذا في عمدة الرعاية(١) وآكام النفائس(٢)، وأما الشافعية فهم يقولون باشتراط العربية للأركان دون التوابع، كذا في إعانة الطالبين و تحفة المحتاج"(٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۴/۹۵ھ۔

---

(١) "لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروها تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية ٢): ١/٢٠٠، سعيد)

(٢) "الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فُتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجُمَع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، و قد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية و مع ذلك لم يخطب احدٌ منهم بغير العربية. و لما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أوفي درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ٤/١٤٧، إدارة القرآن، كراچی)

(٣) "(و) شرط فيهما (عربية) لاتباع السلف والخلف وفائدتها بالعربية مع معرفتهم لهاالعلم بالوعظ في الجملة الخ".

"(قوله: وشرط فيهما): أي في الخطبتين؛ والمراد أركانهما كمافي التحفة، وعبارتهما مع الأصل: و يشترط كونها: أي الأركان دون ما عداها عربية. (قوله : لاتباع السلف والخلف) تعليل لاشتراط كونهما بالعربية: أي شرط ذلك لاتباع السلف و الخلف لوجوب اتباعهم .... و مرّ أن السلف هم الصحابة و عم الخلف من عداهم". (إعانة الطالبين للعلامة السيد البكري، فصل في صلاة الجمعة مطلب: شروط الخطبتين : ٢/٦٩، دار إحياء التراث العربي بيروت)

خطبۂ جمعہ حاضرین کی زبان میں

سوال[۳۷۸۸]: جمعہ کا اجتماع اور حکم خطبہ مسلمانوں کے فلاحِ دارین کا وسیلۂ عظمیٰ تھا، اس سے مقصود یہ تھا کہ ہفتے میں ایک بار لوگوں کو ان کی حالت اور ضرورت کے مطابق اسلام وارشاد کی دعوت دی جائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ایک دائمی ذریعہ، خطبہ دراصل ایک وعظ تھا جیسا کہ وعظ ہوتا ہے، آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی عمل رہا اور تمام عربی حکومتیں جو اس کے بعد قائم ہوئیں ان میں بھی خلفاء اور سلاطین کو مساجد کے منبروں پر وعظ کرتے ہوئے تاریخ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اب خطبے کے معنی یہ رہ گئے ہیں کہ عربی زبان میں ایک چھپی ہوئی کتاب جو بازار سے خرید لی جائے اور الف لیلہ کی طرح اس میں غلط سلط پڑھ کر سنادیا جائے، آواز بشدت کریہہ ہو اور لب ولہجہ میں عربیت پیدا کرنے کے لئے ہر جگہ تفخیم وثقالت سے کام لیا جائے، بعض لوگ قرآن شریف کی حاصل کردہ قرأت کو اس میں بھی صرف کرتے ہیں اور پھر جو شخص ہر لفظ کے آخر حروف کو پوری سانس میں کھینچ کر پڑھ دے وہ سب سے بڑا قاری ہے، بسا اوقات غریب پڑھنے والا بھی نہیں جانتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ الف لیلہ کی رات کا ایک لفافہ، قلیوبی کی کوئی حکایت ہے یا ارشاد وہدایتِ امت کا وہ عظیم وجلیل عملِ اقدس جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہو کر مجھ کو انجام دینا پڑتا ہے، پھر سننے والوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا، کوئی اونگھتا ہے، کوئی اپنے ساتھیوں سے صبح کے بازار کا بھاؤ پوچھتا ہے۔

یہ تمسخر انگیز تذلیل وتحقیر ہے، اس مذہبِ عظیم کے اعمالِ دینیہ کی جس کے داعیٔ اول نے اپنے خطبات ومواعظ سے ایک بادیہ نشین قوم کو روم وایران کے تمدن کا مالک بنادیا تھا، ﴿فما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا أنفسهم يظلمون﴾(۱)۔ جو خطباتِ عربیہ آج کل رائج ہیں تقریباً میں نے ان سب کو پڑھا ہے وہ اس وقت کے لئے بھی موزوں نہ تھے جس وقت کے لئے لکھے گئے تھے پھر آج کل کی حالت کا کیا۔ دوم خطبہ کا یہ مطلب کس نے بتلا دیا ہے کہ صرف جمعہ وعیدین کے چند مسائل بیان کردیئے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ ایک دن

---

(۱) (سورۃ العنکبوت: ۴۰/۲۰)

مرنا ہے، پس ڈرو اور موت کو یاد کرو، بیشک موت کو یاد کرنے سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی، "کفاك بالموت"، لیکن صرف یہ کہہ دینا لوگوں کے لئے کافی نہیں ہے، موت کی یاد کے ساتھ ان کو اس زندگی کا طریقہ بھی بتلانا چاہیئے کہ تذکرۂ آخرت کے ساتھ مل کر ان کو دونوں جہانوں میں نجات مل سکتی ہے۔

بڑا مسئلہ زبان کا ہے اور ضروری ہے کہ ایک مختصر سے خطبۂ ماثورہ کے بعد وعظ اس زبان میں ہو جو سامعین کی زبان ہے، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت مؤید ہے: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ (۱) قوم کی زبان ہی معیار ہے ارسال رُسل کے لئے۔ مطلب یہ ہوا کہ رسول اور امت دونوں کو ہمزبان ہونا لازم ہے: ﴿ولو جعلناه قرآناً أعجمياً﴾ الخ (۲) آیت میں بھی اس کو ملحوظ فرمایا گیا ہے، پھر کیوں خطبہ کو اصول بالا کے ماتحت اور مخاطبین کی زبان کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے؟ ان ہی ارشادوں کا نتیجہ تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عربیت کو کسی جگہ بھی ضروری نہیں فرمایا ہے، مگر صرف قرأت فی الصلوۃ میں شریعت نے کیسی عمدہ مصلحت اس میں رکھی کہ جمعہ کے خطبہ کو نمازِ فرض کا قائم مقام قرار دیا اور اس کی سماعت کو فرض بتلایا۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں خطبوں کا سماع واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف پہلے کا، اس وقت نماز پڑھنا بھی جائز نہیں اس سے مقصود وہی تھا کہ لوگ عمل وعبادت کی طرح نصائح وہدایت کو بھی سنیں، پھر ان نصائح کو ایسا اہم ہونا چاہیئے کہ مصروفیتِ نماز سے بھی اقدم وانفع ہوں۔ کیا یہ خطبات جو آج کل دیئے جاتے ہی نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھے جاتے ہیں اور لوگ بیٹھے ہوئے اونگھتے ہیں، یہی وہ مواعظ ہیں جن کی سماعت فرض اور ان کی موجودگی میں نماز تک ممنوع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر ہے کہ اس سوال کی تفصیل اور اس کا جواب ماہنامہ "نظام" جولائی ۶۰ء، اکتوبر ۶۰ء میں ملاحظہ فرمالیں، اور پھر اس کا جواب بھی ہے۔

---

(۱) (سورة إبراهيم: ۱۳/۴)

(۲) (سورة حمّ السجدة: ۴۴/۴۷)

تاہم جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں خطبہ کو ذکر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (۱)، ذکر اللہ میں اصل الفاظ وہ ہیں جو مہبطِ وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوئے اور عربی زبان میں ہیں، اس لئے یہ خطبہ عربی ہی میں دیا جاتا ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس کی پابندی کی، بلادِ عجم میں بھی اس کو رواج دیا (۲)۔ تو یوں سمجھیے کہ یہ سرکاری زبان ہے مخاطبین کی خاطر اس کو تبدیل نہیں کیا جائے گا بلکہ مخاطبین سے کہا جائے گا کہ وہ عربی زبان سیکھیں (۳)، اتنی رعایت بھی کی جائے کہ خطبہ سے قبل یا بعد نماز ان کی زبان میں خطبہ کے مضامین کو سمجھا دیا جائے اور دیگر ضروری اعتقادی، اخلاقی، عملی، معاشرتی امور کو بطورِ وعظ بیان کر دیا جائے (۴)، اگر خطبہ سے پہلے یہ سلسلہ ہو تو اذانِ خطبہ سے دس منٹ

---

(۱) (سورة الجمعة: ۹/۲۸)

(۲) "چوں خطب آن حضرت صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و خلفاء و هلم جرا ملاحظه كرديم، تنقيح آن وجود چندچيز است.......... وعربى بودن خطبه" ......و عربى بودن نيز بجهتِ عملِ مستمرة مسلمين در مشارق و مغارب باوجود آنكه در بسيارے از اقاليم مخاطبان عجمى بودند". (مصفى شرح مؤطا، باب التشديد على من ترك الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۴، كتب خانه رحيميه سنهرى مسجد دهلى)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۳) "والحل هذا المقام و به يتم الإلزام أنه كما وضعت الخطبة للتعليم وأمر الخطباء و العلماء بالتفهيم، كذلك أمر الجاهلون بطلب العلم حيث قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" .... و لما كانت أكثر شريعتنا بالعربية يلزم على الناس أن يتعلموا اللسان العربي بقدر الحاجة، ما يرتفع به الحاجة فإن ما لا يتم الواجب إلا به واجبٌ .... فإذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربية فإلزام عدم الفهم عائد إليهم لا إلى الخطباء، و لا يلزم للخطباء أن يغيروا اللسان العربي ويخطبوا بلسانٍ يفهمه الجهلاء". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

(۴) "وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري استأذن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن وآمرهم بالخير وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضى الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". =

قبل وعظ ختم کر کے سنتوں کا موقع دیا جائے، عربی میں خطبہ کا ہونا شعار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اس کو ختم نہ کیا جائے، نیز غیر شعار کو بھی اس کے ساتھ مخلوط نہ کیا جائے۔

قرآن کریم میں حکم ہے:﴿أقیموا الصلوۃ﴾ (۱) یہ بنیادی چیز ہے، دوسری آیت میں ہے: ﴿إن الصلوۃ تنهی عن الفحشاء والمنكر﴾(۲)۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے، کیا ان کے لئے آپ کہہ دیں گے کہ اپنی مادری زبان میں نماز پڑھا کریں، غیر مفہومہ زبان کو ذریعۂ ادا نہ بنا دیا جائے۔

خطبات میں جہاں تک میں نے دیکھا حمد، صلوۃ، خطاب، تلاوت، دعاء یہی چیزیں ہوتی ہیں اور حدیث شریف کے بھی مضامین ہوتے ہیں، جملے کے جملے حدیث شریف کے ہوتے ہیں، قرآن پاک کی آیات ہوتی ہیں (۳)۔ آپ نے ان سب کو الف لیلہ کے ساتھ تشبیہ دیدی، غور کیجئے اس تشبیہ کی زد کہاں پڑتی ہے۔

اگر رسول و امت کا ہم زبان ہونا ضروری ہے اور آپ کا یہی عقیدہ ہے تو پھر آپ کے نزدیک رسول

= وروی الطبرانی بسند جید عن عمرو بن دینار: "أن تمیماً الداری استأذن عمر فی القصص، فأبی أن یأذن له ثم استأذنه". الحدیث. (الموضوعات الکبری، مقدمة، فصل: ولما کان أکثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

(وبمعناه فی الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب، إن الدین النصیحة: ۱/۵۴، قدیمی)

تنبیه: ذکر الملاعلی القاري رحمه الله تعالیٰ: هذا الحدیث فی مقدمة الموضوعات الکبری ولکنه لیس بموضوع بل هو من مستدلاته علی عدم جواز القصص الطویلة التی لا ضرورة إلی بیانها.

(۱) (سورة البقرة: ۱/۴۳)

(۲) (سورةالعنکبوت: ۲۱/۴۵)

(۳) "ینبغی أن یخطب خطبةً خفیفةً یفتتح بحمد الله تعالیٰ و یثنی علیه و یتشهد و یصلی علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و یعظ و یذکر و یقرأ سورةً، ثم یجلس جلسةً خفیفةً، ثم یقوم فیخطب خطبةً أخری یحمد الله تعالیٰ و یثنی علیه و یتشهد و یصلی علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و یدعو للمؤمنین والمؤمنات". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۸، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

(وکذا فی مصفیٰ شرح مؤطا، کتاب الصلوة، باب التشدید علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ص: ۵۴، کتب خانه رحیمیه، دهلی)

اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت عرب ہی کے لئے مخصوص ومنحصر ہوگی، جیسا کہ یہود ونصاری کا بھی یہی عقیدہ ہے اور اسی بنا پر سیدھے لوگوں کو قبولِ اسلام سے انہوں نے روکا کہ اگر وہ تمہارے رسول ہوتے تو تمہاری زبان بولتے (۱)، حالانکہ آپ کی رسالت عرب، عجم، اسود، احمر، جن وانس سب کی طرف ہے (۲)، کسی ہندی، سندھی، چینی، جاپانی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہمارے ہم زبان نہیں تھے، اس لئے ہمارے رسول نہیں تھے، ہم ان پر کیوں ایمان لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قوم وامت دونوں ایک چیز نہیں، ان کو ایک سمجھنا ہی غلط ہے، پہلے رُسل مخصوص طور پر اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوتے تھے: ﴿وإلى عاد أخاهم هوداً، قال ياقوم اعبدوا الله﴾(۳) ﴿إنا أرسلنا نوحاً إلى قومه﴾(٤)۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض اپنی قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ سب کی طرف مبعوث ہوئے: ﴿قل يأيها الناس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾(٥)، ﴿و ما

---

(۱) قال الله تعالي: ﴿قل يأيها الناس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ (الأعراف: ۱۵۸)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "لما حكى ما في الكتابين من نعوته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و شرف مَن يتبعه على ما عرفت، أمر عليه السلام بأن يصدع بما فيه تبكيتٌ لليهود الذين حرموا اتباعه، و تنبيهٌ لسائرالناس على افتراء من زعم منهم أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرسل إلى العرب خاصةً". (روح المعاني: ۸۲/۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وما أرسلناك إلا كآفة للناس﴾ الاية (سورة سبا: ۲۸)

قال ابن كثير: تحت هذه الآية يعني إلى الناس عامةً، و قال: قتادة رحمه الله تعالىٰ في هذه الآية: أرسل الله محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى العرب والعجم". (تفسير ابن كثير: ۵۳۸/۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

"عن أبي ذر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أعطيت خمساً لم يعطهن أحد قبلي بعثت إلى الأحمر والأسود". الحديث. (مسند أحمد، (رقم الحديث ۲۰۸۰۷): ۱۸۲/۶، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (سورة هود: ۵۰/۱۲)

(۴) (سورة نوح: ۱)

(۵) (الأعراف: ۱۵۸) (وأيضاً راجع رقم الحاشية رقمها: ۱)

أرسلناك إلا كافة للناس﴾(۱)۔ "بعثتُ إلى الأسود والأحمر" (۲) وغير ذلك من الآيات والأحاديث۔

اس وجہ سے کوئی شخص بھی کسی خطہ کا بسنے والا ہو، کوئی زبان رکھتا ہو ہر شخص آپ کی امت میں ہے، عربی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

حاضرین کا خطبہ میں اونگھنا غیر اختیاری ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہ چیز موجود تھی (۳) حالانکہ وہاں مفہومہ زبان میں خطبہ تھا لہذا اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ مفہومہ زبان میں خطبہ ہونے سے اونگھ نہیں آئے گی، آج کل مقررین، لیڈروں اور خوش بیان واعظوں کی تقریروں میں بھی اونگھنے والے اونگھتے رہتے ہیں۔ خطبہ کو نمازِ فرض کے قائم مقام بنادینا خلافِ اصح ہے، کذا فی البحر: ۱٤٧/۲ (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۰ھ۔

(۱) (سورة سبا: ۲۸)، وأيضا (راجع، ص: ۲۴۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (أخرجه الحافظ ابن كثير في تفسيره: ۵۳۹/۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا نعس أحدكم و هو في المسجد، فليتحول من مجلسه ذلك إلى غيره". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل ينعس والإمام يخطب: ۱۵۹/۱، دار الحديث ملتان)

"عن معمر عمن سمع الحسن، يقول: إذا نعس الرجل في يوم الجمعة و الإمام يخطب، فإنه يؤمر أن يقوم فيجلس في غير مجلسه". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب النعاس يوم الجمعة، (رقم الحديث: ۵۵۴۸): ۲۵۳/۳، المكتب الاسلامي)

(۴) "و هل تقوم الخطبة مقام الركعتين ؟ اختلف المشايخ منهم من قال: تقوم، ولهذا لا تجوز إلابعد دخول الوقت، و منهم من قال: لا تقوم، وهو الأصح؛ لأنه لا يشترط لها سائر شروط الصلاة من استقبال القبلة والطهارة و غير ذلك، انتهى". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۷/۲، رشيديه)

"و هل (أي الخطبة) قائمة مقام ركعتين ؟ الأصح: لا". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۰/۲، سعيد)

خطیب کا وقتی مسئلہ اردو میں بتانا

سوال[۳۷۸۹]: کیا خطیب خطبہ پڑھتے وقت درمیان میں کسی کو اردو میں نصیحت کرسکتا ہے؟ مثلاً کوئی مقتدی سو گیا اس سے کہا سومت، یا وضو ٹوٹ گیا اور وہ بیٹھا رہا اس کو وضو کرنے کیلئے کہا وغیرہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

وقتی مختصر سا مسئلہ اردو میں بھی خطیب بتا سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کی دو اذانوں کے درمیان وعظ

سوال[۳۷۹۰]: کسی قصبہ میں ایک عظیم مشہور زمانہ کی دینی درسگاہ ہے جس کے اندر ایک جامع مسجد بھی ہے، جامع مسجد میں نماز جمعہ کا وقت مقرر ہے، مقررہ وقت پر نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے قصبہ سے ہر طبقے کے لوگ کافی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، آواز ہر شخص تک پہونچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک ہی مولوی ''ص'' صاحب ہیں جو دین کی تبلیغ کے لئے بے حد خواہش مند ہیں، چنانچہ دینی درسگاہ کی جامع مسجد میں

---

(۱) ''عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما استوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة قال: "اجلسوا" فسمع ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فجلس علی باب المسجد، فرآه رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: "تعال یا عبد اللہ بن مسعود"''. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۱/۱۶۳، امدادیہ ملتان)

''قال الطیبی: فیه دلیل علی جواز التکلم علی المنبر، وعندنا کلام الخطیب فی أثناء الخطبة مکروہٌ إذا لم یکن أمراً بالمعروف''. (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الإمام یکلم الرجل فی خطبته: ۲/۱۸۱، مکتبہ امدادیہ ملتان)

''ویکرہ تکلمه فیها لامر بمعروف؛ لأنه منها''. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

''و یکرہ للخطیب أن یتکلم فی حالة الخطبة .... إلا إذا کان الکلام أمر بالمعروف فلا یکرہ''. (بدائع الصنائع کتاب الصلاة، و أما محظورات الخطبة: ۱/۵۹۵، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۱، مکتبہ رشیدیه)

(جہاں روز ہی دین کی تبلیغ درس کی شکل میں ہوتی ہے) جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان سنت پڑھنے والے وقت میں انہوں نے دین کی تبلیغ کا وقت منتخب کیا ہے اور ہر جمعہ کو دونوں اذانوں کے درمیان اللہ ورسول کی باتیں سنانے کھڑے ہوجاتے ہیں، بلکہ اس کا ایک سلسلہ قائم کررکھا ہے جس سے سنت پڑھنے میں بے حد خلل پڑتا ہے۔

بسا اوقات لوگ بغیر کوئی آیت پڑھے محض اٹھ بیٹھ کر سنت کی تعداد پوری کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کیونکہ لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کی تیز آواز میں کوئی آیت پڑھی نہیں جاتی۔ علاوہ ازیں اگر مولوی صاحب موصوف تقریر کو طویل کردیتے ہیں تو فرض نماز جمعہ میں تاخیر ہوجاتی ہے جس سے کسی کی ٹرین چھوٹ جاتی ہے تو کسی کی بس، یا کوئی اپنے عزیز کی نماز جنازہ میں شرکت سے محروم ہوجاتا ہے جو کسی دوسری جامع مسجد میں پڑھنی ہوتی ہے اور ملازم پیشہ اشخاص الگ ڈیوٹی پر تاخیر سے پہونچ پاتے ہیں۔ اللہ اور رسول کی باتیں سننا کسی مسلمان کو بار نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کا وقت اس کے لئے منتخب کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ جو لوگوں کی بے چینی کا باعث ہے۔

فرض کی ادائیگی سے پہلے گویا لوگوں کو زبردستی تقریر سننے پر مجبور کیا جاتا ہے، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان سنت پڑھنے والے وقت میں مذکورہ بالا حالات میں وعظ فرمانا اور اس کا سلسلہ قائم کرنا شرعاً جائز ہے؟ اگر ہاں، تو بتایا جائے کہ آغازِ اسلام سے اب تک کسی دور میں ایسا سلسلہ رہا اور یہ کہ اس سے سنت کی نماز ناقص رہ جاتی ہے تو اس کا عذاب کس کے سر ہوگا، نمازی کے یا مخل ہونے والے عالم دین مولوی ''ص'' صاحب کے، درسگاہ کے اربابِ حل وعقد کو جو مولوی ''ص'' صاحب کو پیہم دخل اندازی کی اجازت دیتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر صورت یہ ہے کہ باہمی مشورہ سے اس طرح طے کرلیں کہ اذانِ اول ہوتے ہی دین کے ضروری مسائل واحکام کو بیان کرنا شروع کردیا جائے اور سامعین آآ کر بیٹھتے اور سنتے رہیں، اذان سے آٹھ دس منٹ پہلے بیان ختم کردیا جائے اس وقت سب لوگ سنتیں اطمینان سے ادا کرلیا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ دین کی تبلیغ بھی ہوجایا کرے گی اور سنتوں میں بھی خلل نہیں ہوگا، ممکن ہے کہ کچھ اہلِ علم حضرات ایسے ہوں جن کو دینی احکام

ومسائل سننے کی ضرورت نہ ہو بلکہ ان کو پہلے سے معلوم ومحفوظ ہوں اوران کوتقریر ووعظ سے گرانی ہوتی ہو،لیکن مسلمانوں کی اکثریت ایسی نہیں بلکہ وہ محتاج ہیں کہ ان کواحکام ومسائل بتائے جائیں ان کواس سے نفع بھی ہوتا ہے،عموماً اپنے دنیاوی مشاغل میں مسلمان اس قدر پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کو دینی علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا،جمعہ میں ان کوموقع مل جائے توان کوغنیمت سمجھنا چاہیے،اس میں کھنڈت (۱) نہ ڈالیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت ومشورہ سے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذانِ خطبہ سے قبل ہر جمعہ کووعظ بیان فرمایا کرتے تھے، ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کونقل کیا ہے (۲)،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر ہاتھ رکھ کر بیان فرمایا کرتے تھے (۳)،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

---

(۱)''کھنڈت:خلل''۔(نوراللغات:۴/۹۰۰)

(وفیروزاللغات،ص:۱۰۶۲،فیروزسنز،لاہور)

(۲) "وأخرج ابن عساكر عن بن حميد بن عبدالرحمٰن : "أن تميماً الداري رضى الله عنه استاذن عمر رضى الله عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فأستاذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: "ماتقول"؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضى الله عنه: "ذلك الذبح". ثم قال: "عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة". فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولمّا كان أكثر القصاص والوعاظ ،ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه كراچى)

تنبيه: ذكر الملا على القاري رحمه الله هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى، لكنه ليس موضوع، بل هومن مستدلاته على عدم جواز بيان القصص الطويلة التى لاضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز. (عبيد الله شاهوانى)

(۳) "وروى عن عطاء عن أبى هريرة رضى الله عنه أنه قال: من كتم علماً بعلمه، يلجم بلجام من النار يوم القيمة". إلى قوله: "وعن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: لو لا آية كتاب الله، ماجلست للناس، وهو قوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكتمون ماأنزلنا من البينات والهدى﴾. وروى عن عمر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "بلغوا عنى ولو آيةً، وحد ثواعن بنى إسرائيل ولا حرج، ومن كذب علىّ متعمداً، فليتبوأ مقعده من النار". وقال الحسن : لولا العلماء، لصار الناس مثل البهائم". (بستان فقيه أبى الليث، باب إباحة المجلس للعظة، ص: ۲۲، ۲۴، فاروقى دهلى)

عنہ ہفتہ میں ایک روز بیان فرمایا کرتے تھے(۱)۔آپ حضرات بھی اپنی بستی میں اس کا انتظام کرلیں تو کیا اچھا ہو۔فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اذانِ خطبہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۹۱]: ہم نے ایک مسئلہ کے متعلق چند سوال ارسال کئے تھے جس کا جواب ملا، مسئلہ خطبۂ جمعہ کے متعلق تھا اور یہ سوال تھا کہ ’’جمعہ کی دوسری اذان سے پہلے اردو میں وعظ کرنا جائز ہے یا نہیں‘‘؟ تو جناب نے یہ جواب ارسال فرمایا کہ ’’جماعت کے مشورہ سے پہلے اذان کے ساتھ ہی وعظ شروع کردینا اور خطبۂ اُولیٰ اذان سے دس بارہ منٹ پہلے قطعاً بند کردینا تاکہ سنت پڑھنے والوں کو سنت ادا کرنے کا پورا وقت مل جائے‘‘۔

اس کے ساتھ میں نے یہ سوال بھی کیا تھا کہ ’’پہلی اذان کے بعد وعظ کرنا امام یا مقتدی میں سے کسے جائز ہے‘‘؟ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے وعظ (صرف حدیثیں) بیان کرنے کے لئے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت طلب کی تھی، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے تو اجازت نہیں دی مگر کچھ عرصہ کے بعد اجازت دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ: ’’میرے آنے سے پہلے وعظ قطعاً بند ہوجانا چاہیے(۲)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد جو وعظ کی جاتی

---

(۱) ”عن أبي وائل قال: كان عبدالله رضي الله عنه يذكّر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمٰن! لوددت أنك ذكّرتنا كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملكم، وأني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخوّلنا بها مخافة السامّة علينا“. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمي)

(۲) ”عن أبي وائل قال: كان عبدالله رضي الله عنه يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمٰن! لوددت أنك ذكّر تنا كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملّكم، وأني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامّة علينا“. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمي)

”وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبدالرحمٰن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن=

تھی، وہ مقتدی کیا کرتے تھے نہ کہ امام"۔

اب آپ سے استدعا یہ ہے کہ پہلی اذان کے بعد کتاب دو ہاتھ میں لے کر وعظ کرنا، امام ومقتدی دونوں میں سے کسی کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی اذان کے بعد جب مقتدی کو وعظ کہنا، حدیثیں سنانا شرعاً درست اور دورِ صحابہ سے ثابت ہے تو امام کے لئے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، اصل تو یہ ہے کہ امام ہی وعظ کہے لیکن اگر امام دیگر دینی امور میں زیادہ مشغول اور عدیم الفرصت ہو تو مقتدی یہ کام انجام دے دے، وعظ خواہ دینی معتبر کتاب دیکھ کر ہو خواہ بلا کتاب لئے ہو سب طرح درست ہے، مگر بات جو کہی جائے وہ صحیح ہونی چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء دین باب مسئلہ ذیل:

زید کا یہ عمل ہے کہ وہ بروز جمعہ خطبہ سے قبل- جب کہ لوگ جن کا سلسلۂ آمد آغازِ خطبہ تک رہتا ہے، سنت مؤکدہ ادا کرتے ہوتے ہیں- وعظ بیان کیا کرتے ہیں، اکثر وبیشتر لوگوں کو زید کے اس موقعہ پر وعظ بیان

= عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی القصص سنین، فأبیٰ أن یأذن له، فأستأذنه فی یوم واحد، فلما أکثر علیه، قال له: "ماتقول"؟ قال: أقرأ علیهم القراٰن، وآمرهم بالخیر، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضی اللہ عنه: "ذلک الذبح". ثم قال: "عِظْ قبل أن أخرج فی الجمعة". فکان یفعل ذلک یوماً واحداً فی الجمعةً".

(الموضوعات الکبریٰ، مقدمة، فصل ولما کان أکثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد کراچی)

تنبیه: ذکر الملا علی القاری رحمه اللہ هذا الحدیث فی مقدمة الموضوعات الکبیر، لکنه لیس بموضوع بل هو من مستدلاته علی عدم جواز بیان القصص الطویلة التی لاضرورة إلی بیانها. بل الأحسن أن یکون الوعظ مختصراً جامعاً خالیاً عن الحشو والزوائد علی طریق الایجاز.

(وبمعناه فی الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، بابٌ: ان الدین النصیحة: ۱/۵۴، قدیمی)

(۱) (راجع، ص: ۲۵۲، رقم الحاشیة: ۲)

کرنے کے متعلق اس وجہ سے اعتراض ہے کہ جولوگ نماز میں مصروف ہوتے ہیں ان کی نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے اور بھول چوک ہو جاتی ہے، لیکن زید کے نزدیک اس اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں جس کی وجہ سے اکثر لوگوں میں زید کے خلاف جذبات پیدا ہو گئے اور چند مرتبہ جھگڑا بھی ہوا۔

ان حالات کی بنا پر بعض صاحبان نے آئندہ کے جھگڑوں فساد کو روکنے کے لئے -اس مسئلہ کے پیش نظر کہ جب کہ لوگ نماز پڑھتے ہوں تو اس وقت زور زور سے بات چیت کرنا حتی کہ تلاوتِ کلام پاک بھی بالجہر منع ہے- یہ طے کیا کہ زید کو ایسے موقع پر وعظ نہ کہنا چاہئے اور جس کسی کو وعظ کہنا ہو وہ بعد نماز جمعہ بیان کیا کریں، لیکن زید کو یہ فیصلہ تسلیم نہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر ایسا امتناع نصِ قرآنی یا حدیث کی رو سے ہو تو وہ بتلایا جائے، کہا جاتا ہے کہ زید فقہ، اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہدین کا قائل نہیں۔

پس اگر بصورتِ متذکرۂ صدر کسی قسم کا بھی بآواز بلند وعظ کہنا جس سے نماز میں خلل پیدا ہو درست و جائز نہیں تو اس کی تصدیق فرمائی جائے اور ساتھ ہی نصِ قرآنی و حدیث سے ایسے امتناع کے متعلق حوالہ دیا جائے تا کہ اس نزاع کا خاتمہ ہو سکے۔

احقر عبدالحی عفی عنہ، سروج مالوہ، دفتر جمعیۃ العلماء، ۲۳/ دسمبر ۵۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداری رضی الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضی الله تعالىٰ عنه فی القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال: له ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضی الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج فی الجمعة. فكان يفعل ذلك يوماً واحداً فی الجمعة"(۱)۔

---

(۱) (الموضوعات الكبرى، المقدمة، فصل: و لما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد کتب خانہ، کراچی)

"عن تميم الداری رضی الله تعالىٰ عنه أن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحة"، قلنا: لمن ؟ قال: "لله و لكتابه و لرسوله و لأئمة المسلمين و عامتهم". .... =

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دیدی تھی اور وہ وعظ فرمایا کرتے تھے اور خروجِ خطیب پر وعظ ختم کردیا کرتے تھے۔ اگر بعد نماز جمعہ مجمع ٹھہر جایا کرے تو اس وقت وعظ کہہ دیا جائے ورنہ جمعہ سے قبل وعظ کہہ دیا جائے اور سامعین آکر شریکِ وعظ ہوتے رہیں اور خطبہ سے دس منٹ قبل وعظ ختم کردیا جائے اور سب سنتیں پڑھ لیا کریں، اس صورت میں سنتوں میں بھی خلل نہیں آئے گا اور وعظ بھی ہوجایا کرے گا، یا سنتیں مکان پر پڑھ کر آئیں تو زیادہ بہتر ہے(۱)، تاہم جب منا ہمت کی صورت ہوسکتی ہے تو نزاع کیوں پیدا کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ربیع الاول/ ۷۰ھ۔

= قال الإمام النووی رحمه الله تعالى :"وأما نصيحة عامتهم و هم من عداوُلاة الأمر ، فإرشاد هم لمصالحهم في آخر تهم و دنياهم، و كف الأذى عنهم فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم و دنياهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه تقبل نصحه و يطاع أمره الخ". (الصحيح لمسلم مع شرح النووی، كتاب الإيمان ، بابٌ: إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمی)

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم:" اجعلوا فی بيوتكم من صلاتكم و لا تتخذوها قبوراً". (صحيح البخاری، كتاب التهجد ، باب التطوع فی البيت : ۱/۱۵۸، قديمی)

"عن زيد بن ثابت رضی الله تعالىٰ عنه ، أنه قال: احتجر رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم فی المسجد حجرةً .... "فعليكم بالصلوة فی بيوتكم، فإن خير صلوة المرء فی بيته إلا الصلوة المكتوبة". (سنن أبی داود ، كتاب الصلوة، باب فضل التطوع فی البيت : ۱/۲۰۴، دار الحديث ملتان)

"والأفضل فی النفل غير التراويح المنزل إلا بخوف شغل عنها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۲، سعيد)

"الأفضل فی السنن والنوافل المنزل الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة ، الباب التاسع فی النوافل : ۱/۱۱۳، رشيديه)

جمعہ سے پہلے وعظ

سوال[۳۷۹۳]: ہمارے یہاں جامع مسجد میں امام صاحب اذان کے بعد فوراً سنتوں سے پہلے وعظ وتعلیمی تقریر شروع کردیتے ہیں جس میں ضروری مسائل کی تعلیم ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب جب تعلیمی تقریر ودینی مسائل سمجھاتے ہیں تو اس وقت سب کو خاموش رہ کر سننا چاہئے، یہ طریقہ حدیث شریف سے ثابت ہے، حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا، ملا علی القاری نے اس کو نقل کیا ہے(۱)، اذانِ خطبہ سے دس منٹ پہلے تقریر ختم کردی جائے تاکہ سب لوگ سنت سہولت سے ادا کرلیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۵/ ۷/ ۷۹ھ۔

خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ

سوال[۳۷۹۴]: ا...... موجودہ زمانہ میں جمعہ کا عربی خطبہ غیر مفید اور اردو میں مفید ہونے کی وجہ سے عربی میں حمد وثناء وشہادتین کے بعد اردو نظم ونثر میں خطبہ جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز مکروہ تحریمی ہے یا

(۱) "وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداری رضی الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضی الله تعالىٰ عنه فی القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر. قال عمر رضی الله تعالىٰ عنه: ذلک الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج فی الجمعة. فكان يفعل ذلک يوماً واحداً فی الجمعة". (الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد كتب خانه كراچی)

تنبيه: ذكر الملاعلی القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث فی مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها، بل الأحسن أن يكون الوعظ مختصراً جامعاً خالياً عن الحشو والزوائد على طريق الإيجاز.

(وبمعناه فی الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، بابٌ: إن الدين النصيحة: ۱/ ۵۴، قديمی)

تنزیہی اور اردو خطبہ بدعتِ سیئہ میں داخل ہے یا حسنہ میں؟ مطابقِ مذہب احناف مسلکِ مفتی بہ سے جواب تحریر فرمادیں۔

۲......ہدایہ میں ہے کہ "وعلى هذا الخلاف الخطبة والتشهد" (۱) سے جوجوز انکلتا ہے، یہ مع الکراہیۃ ہے یا بلا کراہت اور کراہت بھی کونسی؟

۳......عربی خطبہ سنت مؤکدہ ہے یا سنن ہدیٰ میں داخل ہے یا سنن زوائد و مستحبات ہیں؟

۴......ایک شہر میں آج کل وقت زوال ۱۲:۳۶ کو ہوتا ہے اور وہاں کی جامع مسجد میں ہمیشہ جماعت جمعہ ایک بجے قائم کی جاتی ہے، عموماً لوگ ۱۲:۱۵ پر آنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہاں کا خطیب خالص عربی خطبہ کو سنت اور اختلاطِ اردو کو مکروہ کہتا ہے مگر قوم خطبہ میں اردو کے وعظ پر مصر ہے، اس لئے اس نے عربی خطبہ سے سنت کی ادائیگی اور اس کے اِحیاء کے لئے قوم کی اصلاح وضرورت وتفہیم کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ بارہ بجکر بیس منٹ پر اردو وعظ شروع کر دیتا ہے، وعظ ۱۲:۳۶ کو اذانِ اول ہوتی ہے تو وہ خاموش ہوجاتا ہے، پھر بعد اذان ۱۰/ منٹ بیان کر کے ختم کر کے چار رکعت سنت ادا کرتا ہے، قوم بھی آ آ کر بیٹھی رہتی ہے اور وعظ سنتی رہتی ہے، بعد وعظ کے سنت ادا کرتی ہے پھر مؤذن اذانِ ثانی کہتا ہے اور خطیب خالص عربی خطبہ بطریقِ مسنون پڑھ کر ایک بجے پر ختم کر کے نمازِ جمعہ پڑھا دیتا ہے۔ آیا یہ طریقہ مصالحِ قوم ورعایتِ سنت کے لحاظ سے بہتر ہے یا قبیح؟ اگر قبیح ہے تو اس سے بہتر طریقہ ارشاد فرمادیں جس میں امورِ ذیل کا لحاظ ہو:

۱- خطبہ مطابقِ سنت بلا کراہتِ تحریمی وتنزیہی ادا ہو۔

۲- اردو میں نصیحت بھی کی جاسکے۔

۳- قوم اطمینان سے سن سکے، واضح رہے کہ بعد نماز جمعہ کسی طرح بھی لوگ نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ تاجر پیشہ ہیں اور بعد نماز کھانا کھانے کے عادی ہیں۔

۵......بعض لوگ خطبہ سے قبل جیسا کہ سوال نمبر ۴ میں مذکور ہوا، یا بعد نماز وعظ کو بدعت کہتے ہیں اور مخلوط خطبہ کو بہتر اس دلیل سے کہ خطبہ کے اول وعظ سلف سے منقول نہیں خود خطبہ ہی سلف کا وعظ تھا اور اس لئے کہ بعد نماز انتشار فی الأرض کا ﴿فانتشروا في الأرض﴾ (۲) میں حکم ہے، لہٰذا بعد نمازِ جمعہ اجتماع خلافِ حکمِ

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (سورة الجمعة: ۱۰/۲۸)

خدا ہے۔ اور خطیب کہتا ہے کہ اس میں ''امر'' وجوب کے لئے نہیں اور قبل خطبہ وعظ علاوہ مباح ہونے کے زمانہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت بھی ہے جیسا کہ مقدمۂ موضوعاتِ ملاعلی، ص:۱۴ مجتبائی میں ہے:

"و أخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداری رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير وأنهاهم، عن الشر. قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه: ذلك الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة"(۱)۔

۶......جس جامع مسجد میں سوال نمبر:۴ کے طریقہ پر عمل ہورہا ہے اس میں ایک قباحت بتائی جاتی ہے کہ قوم کو عموماً یا اپنی غفلت از دین اور انہماکِ دنیا کی وجہ سے دیگر ایام میں تلاوت قرآن وغیرہ کا موقع نہیں ملتا، ایک جمعہ کے روز سوا بارہ بجے سے آ کر تلاوتِ قرآن ونوافل وغیرہ پڑھنے کا موقع خطبہ تک پا لیتے تھے، لیکن جب سے خطیب نے ۱۲:۲۰ سے وعظ کہنا شروع کر دیا ہے تب سے سوائے چار رکعت سنت کے مزید نوافل وغیرہ کا موقع نہیں ملتا اور وہ اس خیر کثیر سے محروم رہتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ اس قوم کی اکثریت میں رسومِ جاہلیت کی پابندی، فسق وفجور، فرائض سے غفلت، حلال حرام سے بے پرواہی اس قدر رائج ہوگئی ہے کہ جس کا دور کرنا سخت دشوار ہے، مگر رحمتِ خداوندی سے امید ہے کہ مواعظ کے ذریعہ خالصاً للہ اصلاح کی کوشش کی جارہی ہے اور بہت دھیمی رفتار سے اصلاح بھی ہورہی ہے جس کا ثبوت گاہے گاہے ملتا رہتا ہے۔

پس ایسی حالت میں یہاں آنے والی قوم کو بے سمجھے تلاوت قرآن کہ ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہوں ونوافل زیادہ بہتر ہیں جس کی وجہ سے خطیب کا وعظ بند کرادیا جائے، یا مخلوط خطبہ پر مجبور کیا جاوے اور یا اس قوم کو تلاوتِ قرآن بند کر کے وعظ سنتے رہنا زیادہ مفید ہوگا جس سے ان کی اصلاح ہو کر ان کے معاصی مذکورہ میں کمی

---

(۱) (أخرجه الملا علی القاری فی الموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ، ص: ۲۰، نور محمد اصح المطابع)

تنبيه: ذكر الملاعلی القاري رحمه الله تعالىٰ هذا الحديث في مقدمة الموضوعات الكبرى ولكنه ليس بموضوع بل هو من مستدلاته على عدم جواز القصص الطويلة التي لا ضرورة إلى بيانها.

آ جائے ،عقائد،اعمال درست ہوجاویں جیسا کہ امید ہے،ان دونوں امر میں کونسا شرعاً بہتر ہے؟ چونکہ اردو عربی مخلوط خطبہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور دونوں فریق اپنے دلائل پیش کررہے ہیں لہٰذا مشتبہ ہوگیا ہے، آپ ان دونوں کی تفصیل مدلل ومکمل تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....تمام خطبہ خالص عربی میں ہونا چاہئے،اردو میں پڑھنا یا اردو عربی میں پڑھنا بدعتِ سیئہ اور مکروہ تحریمی ہے، یہی مفتی بہ ہے اور قابلِ عمل ہے،اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے جو گناہ سے خالی نہیں (۱)،البتہ اگر وقتی ضرورت کی رعایت سے کوئی خاص مسئلہ اثنائے خطبہ میں اردو میں بیان کردیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں (۲) جو وجہ خطبۂ عربیہ کے غیر مفید ہونے کی آج بتائی جاتی ہے زمانۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی

---

(۱) "لا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲) : ۱/۲۰۰، سعيد)

"الخطبة الفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية .... مع ذلك لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية. ولما ثبت وجود الباعث في تلك الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوي رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال :لمااستوى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الجمعة قال:"اجلسوا" فسمع ذلك ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، فجلس على باب المسجد، فرآه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "تعال يا عبد الله بن مسعود!". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة ، باب الإمام يكلم الرجل في خطبته : ۱/۱۵۶، دار الحديث ملتان)

"قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ : فيه دليل على جواز التكلم على المنبر، وعندنا كلام الخطيب في أثناء الخطبة مكروهٌ إذا لم يكن أمراً بالمعروف".(بذل المجهود ، كتاب الصلاة، باب الإمام يكلم الرجلَ في خطبته : ۲/۱۸۱، امداديه ملتان)

"ويكره تكلمه فيها (أي في الخطبة) إلا لأمر بمعروف؛ لأنه منها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۹۲، سعيد) ....

یہ وجہ موجود تھی اور اس کا تدارک بھی وہ حضرات حاضرین کی زبان میں خطبہ پڑھ کر کر سکتے تھے مگر کسی روایت سے ثابت نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بلادِ عجم میں کبھی کوئی خطبہ غیر عربی میں پڑھایا اس کا ترجمہ کیا ہو:

"إن ذلك الخطبة يوم الجمعة و في العيدين بغير اللسان العربي أو ترجمتها بالعجمي أحدثوا ذلك بعد قرون الخير بلا إثارة من علم، واعتذروا في ذلك الأحداث بحدوث المقتضي و ضرورة الحاجة إليه، وهو عدم معرفة المخاطبين لسان العربي، وكثرة الأعاجم القاصرين عن إدراك العربي، و ما هذا لوعلموا إلا لتقصيرنا في تعلّم لسان أنزل به الكتاب من ربنا، و بعث به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فتفريطنا هذا أوردنا مهلك الابتداع.

والصحابة رضي الله تعالىٰ عنه مع توفير داعيهم على تعليم الخلق والنصيحة لهم وتذكيرهم وإهدائهم، وكان فيهم العجمي ممن لايعرف العربي و كثرة الأعاجام حين فتحوا بلادهم الفارس والروم، لم يعهد منهم الخطبة بغير اللسان العربي و لم يؤثر منهم ترجمتها لإفهام المخاطبين، ولا أمروا بذلك أحداً، فإذا كان لايخطب أحدٌ منهم بالعجمي و لا بترجمتها و لا يأمر بذلك، كان بترك هذه المصلحة.

والفضل الموهوم ملتزماً لعدم الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وخير القرون بطريقة إبلاغ دين الله أو لكتمانهم عن بعض عباد الله و تقصيرهم في الإبلاغ والتذكير المقصود الأصلي في الخطبة، وكل واحد من اللازمين منتف بالشرع والعادة، فمع وجود المقتضي وهو تعميم الإبلاغ وتعليم جميع المخاطبين من عجمي وعربي وعدم المانع من ذلك إلا الكراهة أن يتعود الرجل بغير العربية هي شعار الإسلام و لغة القرآن .... فكان هذا لا جرم من سنة الخطيب و من شرائطها في السنة والأدب و ترجمتها بغير العربية من شر الأمور محدثاتها، لا يرضى به الله و لا رسوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولأجل ذلك جعل أهل العلم كون الخطبة بالعربية شرطاً لصحة الخطبة و أداء السنة. قال الإمام النووي في الأذكار في كتاب حمد الله

= "ويكره للخطيب أن يتكلم في حالة الخطبة .... إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف، فلا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۷، رشيديه)

تعالیٰ: و یشترط کونها یعنی خطبة الجمعة و غیرها بالعربیة، اهـ". مجموعۂ فتاوی: ۲/۲۵۷(۱).

"الخطبة بالفارسیة التی أحدثوها واعتقدوا حسنها لیس الباعث إلیها إلا عدم فهم العجم اللغة العربیة، وهذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیرالبریة، وإن کانت فی اشتباه، فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعینؒ و من تبعهم من الأئمة المجتهدین، حیث فتحت الأمصار الشاسعة والدیار الواسعة؛ وأسلم أکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الأعجام، وحضروا مجالس الجُمع والأعیاد و غیرها من شعائر الإسلام، وقد کان أکثرهم لا یعرفون اللغة العربیة، ومع ذلک لم یخطب أحدٌ منهم بغیر العربیة. ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة و فقد، ان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم یبق إلاالکراهة التی هی أوفی درجات الضلالة". مجموعۂ فتاوی: ۲/۲۷۳(۲).

"ولا یتوهم أنه لم یکن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یعلم اللغة العجمیة وغیرها من اللغات الغیر العربیة، ولو کان علمها لخطب بها؛ لأنا نقول بعد تسلیم ذلک: إن بعض الصحابة کزید بن ثابت قد کان یعلم اللسان العجمی والرومی والحبشی وغیرها من الألسنة کماصرح به فی الأعلام بسیرة النبی علیه السلام وغیره من نسب الأعلام، فلم یأمره النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بأن یخطبهم ویعظمهم بألسنتهم. وبالجملة فالاحتیاج إلی الخطبة بغیر العربیة لتفهیم أصحاب العجمیة کان موجوداً فی القرون الثلاثة، ومع ذلک فلم یرو ذلک من أحد فی تلک الأزمنة، و هذا أدل دلیل علی الکراهة، اهـ". مجموعه فتاوی: ۲/۲۷٤(۳).

---

(۱) "العبارة بعینها لیست من مجموعة الفتاویٰ للکنویؒ بل هناک عبارة بمعنا هذه العبارة". (کتاب الصلوۃ: ۱/۲۸۶–۲۸۸، سعید)

(وکذا فی آکام النفائس للکنویؒ، فصل فی الخطبة: ۴/۴۳–۴۹، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللّٰه تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) (مجموعة رسائل اللکنوی رحمه اللّٰه تعالیٰ، رسالة آکام النفائس: ۴/۴۷، إدارة القرآن، کراچی)

چون خطبِ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و خلفاء و هلم جرّا ملاحظه کردیم، تنقیحِ آن وجودِ چندچیز است: حمد و شهادتین، و صلوۃ بر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، وامر بتقوی، و تلاوتِ قرآن پاک، ودعائے مسلمین و مسلمات ...... وعربی بودن خطبه .... و عربی بودن نیز بجهتِ عملِ مستمرۂ مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکه در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند اهـ". مصفی شرح مؤطا: ۱/۱۵۳(۱).

۲.....مع الکراہۃ ہے، بغیر کراہت نہیں کما مر، اور خاص کر جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس مسئلہ میں رجوع بھی ثابت ہے:"قال: الأصح رجوعه إلى قولهما، وعليه الفتوى، اهـ". درمختار: ۱/۵۰۵(۲)۔

"ورُوي أنه رجع إلى قولهما، وهو الصحيح، وعليه الاعتماد". مجمع الأنهر: ۱/۹۳(۳)۔

"كبّر بالفارسية صح في الكل مع كراهة التحريم على الراجح، كما حرر في البحر. وكذا لو قرأ بها عاجزاً عن العربية بشرط لا يخل بالمعنى، و هذا قولهما، و به قالت الثلاثة، وإليه صح رجوع الإمام، وعليه الفتوى، قاله العيني وغيره، اهـ". در منتقى: ۱/۹۳(٤)۔ "روى أبو بكر الرازي أن أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ رجع إلى قولهما، وعليه الاعتماد، ومنزله منزلة الإجماع". عناية: ۱/۲۰۱(٥)۔

۳.....عربی خطبہ سننِ مؤکدہ میں داخل ہے، لما مضی(٦)۔

---

(۱) (مصفی شرح مؤطا، باب التشديد على من ترک الجمعة بغير عذر، ص: ۱۵۴، کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد دهلی)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۸۳، سعيد)

(۳) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۱۴۰، غفاريه كوئٹه)

(۴) (الدر المنتقى في شرح الملتقى (المعروف بسكب الأنهر) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: ۱/۱۴۰، غفاريه كوئٹه)

(۵) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸٦، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(٦) "الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً =

۴.....طریقۂ مذکورہ میں خلافِ شرع کوئی چیز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک انجمنِ تبلیغ قائم کی جائے اوراس میں ہر شخص حسبِ حیثیت اپنا کچھ وقت دے اور یہ جماعت محلّہ درمحلّہ گشت کرے اور ہر مسجد میں اہلِ محلّہ کو جمع کر کے احکامِ شرع کی تلقین کرے سب کی نمازیں سنے اورقرآن شریف کی تصحیح کرائے (۱)۔

۵.....مخلوط خطبہ پڑھنا ہرگز بہتر نہیں بلکہ مکروہ ہے (۲)، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر تاکید موجود ہے، اسی طرح احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا بہت ہی شدید حکم فرمایا ہے اوراس کے ترک پر عذابِ عامہ کی وعید ہے، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِحیاء العلوم

= بالعربية". (مجموعة رسائل للكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۴، إدارة القرآن، كراچى)

"لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم و الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، (رقم الحاشية : ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "عن تميم الداری رضی الله تعالیٰ عنه : أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال : "الدين النصيحة"، قلنا لمن ؟ قال: "لله و لكتابه و لرسوله و لأئمة المسلمين وعامتهم".

قال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ : "وأما نصيحة عامتهم و هم مَن عَدا وُلاة الأمر، فإرشاد هم لمصالحهم فی آخر تهم و دنياهم، و كف الأذی عنهم فيعلّمهم مايجهلونه من دينهم و دنياهم .... والنصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه و يطاع أمره، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووی، كتاب الإيمان ، بابٌ: إن الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمی)

"عن أبی وائل، قال: كان عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه يذكّر الناس فی كل خميس، فقال له رجل: ياأبا عبد الرحمن! لوددتُ أنک ذكّرتنا كل يوم؟ قال: أما أنه يمنعنی من ذلک إنی أكره أن أملكم وإنی أتخولكم بالموعظة كما كان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاری ، كتاب العلم ، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً: ۱/۱۶، قديمی)

(۲) (راجع ، ص: ۲۶۲ ، رقم الحاشية : ۲)

جلد دوم پانچ صفحات میں وہ آیات (۱) واحادیث (۲) جمع فرمائی ہیں، پھر باقاعدہ احتساب کے درجات وطرق

(۱) "و یدل علی ذلک بعد إجماع الأمة علیه وإشارات العقول السلیمة إلیه الآیاتُ والأخبارُ والآثارُ، أما الآیات فقوله تعالیٰ: ﴿و لتکن أمة یدعون إلی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر، واولئک هم المفلحون﴾. [سورة آل عمران ۴/۱۰۴]

"ففی الآیة بیان الإیجاب، فإن قوله تعالیٰ: ﴿ولتکن﴾ أمرٌ، و ظاهر الأمر الإیجاب ....

﴿لیسوا سواء من أهل الکتاب أمة قائمة یتلون آیات الله آناء اللیل و هم یسجدون، یؤمنون بالله والیوم الآخر، ویأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر﴾ الآیة". [سورة آل عمران: ۴/۱۱۳، ۱۱۴]

"فلم یشهد لهم بالصلاح بمجرد الإیمان بالله والیوم الآخر حتی أضاف إلیه الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر .... ﴿لُعن الذین کفروا من بنی إسرائیل علی لسان داؤد وعیسی بن مریم، ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون، کانوا لا یتناهون عن منکرٍ فعلوه، لبئس ماکانوا یفعلون﴾. [سورة المائدة: ۷۸، ۷۹]

و هذا غایة التشدید إذ علل استحقاقهم للعنة بترکهم النهیَ عن المنکر، و قال عزوجل: ﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر﴾. الایة". [سورة آل عمران آیت: ۱۱۰]

و هذا یدل علی فضیلة الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر؛ إذ بیّن أنهم کانوا به خیر أمة أخرجت للناس". (إحیاء علوم الدین للإمام الغزالی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر، الباب الأول فی وجوب الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر: ۲/۳۶۸، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) "وأما الأخبار: فمنها ما روی عن أبی بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال فی خطبةٍ خطبها: أیها الناس! إنکم تقرؤ ون هذه الآیة و تؤوّلونها علی خلاف تأویلها: ﴿یاأیهاالذین آمنوا علیکم أنفسکم لا یضرکم من ضل إذااهتدیتم﴾ [سورة المائدة: ۷/۱۰۵] وإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "ما من قومٍ عملوا بالمعاصی و فیهم من یقدر أن ینکر علیهم فلم یفعل، إلا یوشک أن یعمّهم الله بعذاب من عنده". وقال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح. [جامع الترمذی، أبواب التفسیر، سورةالمائدة: ۲/۱۳۶، سعید]

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول: "مُروا بالمعروف وانهوا عن المنکر ...... و قبل أن تدعوا فلایستجاب لکم". [ابن ماجة، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف، ص: ۲۹۷، قدیمی]

وقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله لا یعذب العامة بعمل الخاصة، حتی یری المنکر بین =

وآداب کونہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان میں مستقل ایک باب وعظ وتذکیر کے احکام میں لکھا ہے(۱)۔تعجب ہے کہ جس شئی کا امر خداوند تعالیٰ کی جانب سے صراحۃً متعدد مقامات پر موجود ہواوراس کے ترک پر وعید بیان کی گئی ہواس کو کیسے بدعت کہا جاسکتا ہے۔

رہا خصوصیت کے ساتھ نمازِ جمعہ اور خطبہ سے قبل یا بعد نمازِ جمعہ،سو اس کے متعلق انکار کسی جگہ وارد نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ جس وقت سہولت سے آدمی جمع ہوجائیں یا جس وقت ضرورت پیش آئے اسی وقت اس فریضۂ تبلیغ کوادا کرنا چاہئے، جمعہ کا دن اجتماعِ مسلمین کا دن ہوتا ہے اس لئے اس دن کواختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے زادالمعاد:۱/ ۱۱۸، میں تحریر کیا ہے کہ یوم جمعہ تذکیراوروعظ کا دن ہے(۲)۔اگر جمعہ کے روزمخصوص طور پر قبل خطبہ یا بعد نماز بلادلیل شرعی وعظ کوواجب نہیں کہا جاتا تو بدعت کہنے

= أظهرهم و هم قادرون على أن ينكرون فلاينكره". [مسند أحمد، (رقم الحديث : ١٧٢٦٧): ٢١٣/٥، دار إحياء التراث العربي] (إحياء علوم الدين للإمام الغزالي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأول في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: ٣٠٧/٢، ٣٠٨، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(١) قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالىٰ: "كره بعض الناس الجلوس للعظة، وقال بعضهم: لا بأس به إذا أراد به وجه الله تبارك و تعالىٰ .... و ماحجة من قال: إنه لا بأس فقول الله تعالىٰ ﴿و ذكر فإن الذكرى تنفع المؤمنين﴾ وقال الله تعالىٰ في آية أخرى: ﴿و لينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم، لعلهم يحذرون﴾ .... وروى عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يذكّر الناس كل عشية الخميس وهو قائم على رجليه يدعو بدعوات. و روى عن عطاء عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: من كتم علماً يعلمه، يلجم بلجام من النار يوم القيامة .... وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: لو لا آيةٌ من كتاب الله، ماجلست للناس، وهو قوله تعالىٰ: ﴿إن الذين يكتمون ماأنزلنا من البينات والهدى﴾. و روى عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "بلّغوا عني و لو آيةً، و حدثوا عن بني إسرائيل و لاحرج، ومن كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار". و قال الحسن: لولا العلماء، لصار الناس مثل البهائم". (بستان فقيه أبي الليث، باب إباحة المجلس للعظة، ص: ٢٢، ٢٣، مطبع فاروقي دهلي)

(٢) "قال ابن القيم رحمه الله تعالىٰ في خصائص الجمعة : "الثالثة والثلاثون: أنه يوم اجتماع الناس =

کی بھی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ بدعت کے معنی سے ہی واقف نہیں۔

۶.....فسق وفجور کو چھوڑنا اور فرائضِ مذہبی سے واقفیت حاصل کرنا فرض ہے(۱) اور نوافل پڑھنا مستحب ہے(۲) پھر یہ کہ تلاوت اور نوافل کا تنہائی میں موقع مل سکتا ہے اور ہر روز ممکن ہے مگر اجتماع ہر روز دشوار ہوتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور،۲۴/۲/۶۱ھ۔

جوابات درست ہیں: جواب نمبر:۴ میں اتنی بات اور قابلِ اضافہ ہے کہ وعظ ایسے طریق سے کہا جائے کہ سنت پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہو۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور،۳۰/صفر/۶۱ھ۔

صحیح:عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور،۲/ربیع الاول/۶۱ھ۔

= وتذكيرهم بالمبدأ والمعاد، وقد شرع الله سبحانه تعالىٰ لكل أمة في الأسبوع يوماً يتفرغون فيه للعباد، ويجتمعون فيه لتذكر المبدأ والمعاد والثواب والعقاب، ويتذكرون به اجتماعهم يوم الجمع الأكبر قياماً بين يدي رب العالمين، وكان أحق الأيام بهذا الغرض المطلوب اليوم الذي يجمع الله فيه الخلائق وذلك يوم الجمعة". (زاد المعاد لابن القيم رحمه الله تعالىٰ، فصل: هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في تعظيم يوم الجمعة، ص: ۱۶۲، دار الفكر، بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحريم: ۸/۲۸)

"قال العلامة الآلوسي في تفسير الآية: "ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر. .... وعبارة المارزي: اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبةٌ، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً". (روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على صحيح المسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها". (الصحيح لمسلم: ۳۵۴/۲، كتاب التوبة، قديمي)

(۲) "والنفل في اللغة: الزيادة، وفي الشريعة: زيادة عبادة شُرعت لنا لا علينا". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۳/۲، سعيد) .... =

جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد کسی دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا

سوال[۳۷۹۵]: ایک شخص جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پڑھ لیتا ہے اور اتفاقاً دوسری ایک مسجد میں کوئی خطیب موجود نہیں ہے تو وہ شخص جو کہ پہلی مسجد میں نماز جمعہ ادا کر چکا ہے اگر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھ دے تو دوسرا شخص نماز پڑھا دے، یا کسی مسجد میں جمعہ کی نماز میں ایک آدمی خطبہ اور دوسرا آدمی نماز پڑھا دے تو یہ صورتیں مذموم ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ولی اللہ ارکانی، متعلم مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہاء کی ایک بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ خطیب میں امامت کی اہلیت ہونا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص پہلے کسی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ چکا ہو اس کو دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا اس جماعت کے نزدیک درست نہ ہوگا اور ایسے ہی امام کا غیر خطیب ہونا غیر مناسب ہے:

"لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى، فإنه جائز، هو المختار، اهـ". در مختار۔ "(قوله: هوالمختار) وفي الحجة: أنه لا يجوز. وفي فتاوى العصر: فإن الخطيب يشترط فيه أن يصلح للإمامة. و في الظهيرية: لو خطب صبي اختلف المشايخ فيه، و الخلاف في صبي يعقل اهـ، والأكثر على الجواز".

شامی: ۱/۸۶۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۸/۶۰ھ۔

= "والنفل لغةً: الزيادة، وفي الشرع: فعل ما ليس بفرض ولا واجب ولامسنون من العبادة".

(حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب النوافل، ص: ۳۸۷، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل: ۲/۲٦، رشيديه)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٦۲، سعيد)

"ولاينبغي أن يصلي غير الخطيب، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب =

جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا

سوال[۳۷۹۲]: محمود نے نمازِ جمعہ وخطبہ ادا کیا، بعدہ دوسری مسجد میں امام نہ رہنے کی وجہ سے صرف خطبہ پڑھا نماز نہیں پڑھائی، تو خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے لئے درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صراحۃً یہ جزئیہ کہیں نہیں دیکھا، اتنا ضرور لکھتے ہیں کہ خطیب وامام کا ایک ہی شخص ہونا ضروری نہیں، البتہ اَولیٰ یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے وہی جمعہ پڑھائے، ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اگر نابالغ لڑکے نے خطبہ پڑھا اور بالغ نے جمعہ پڑھایا تب بھی جمعہ ادا ہوجائے گا اور یہ بھی ہے کہ نابالغ جو جمعہ پڑھے گا وہ نماز نفل ہوگی، اس مجموعہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں بھی جمعہ ادا ہوجائے گا:

"اتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار، لو خطب صبي عاقل و صلى بالغ، جاز، لكن الأولى الاتحاد". طحطاوی مصری، ص: ٤١٥ (١)۔ "في البدائع فيمن لا جمعة عليه: فقال: إن كان صبياً وصلاها فهي تطوع له". البحر: ٢/١٥٢ (٢)۔

کیونکہ جو شخص جمعہ ادا کرچکا ہے اب اس کے ذمہ جمعہ نہیں رہا، وہ اگر کسی دوسری مسجد میں جمعہ میں شریک ہوجائے گا تو اس کے حق میں یہ نماز نفل ہوگی جیسے کہ نابالغ کے حق میں اور نابالغ کا خطبہ پڑھنا بھی جوازِ جمعہ کے لئے کافی ہے تو اس طرح سے بظاہر اس کا جمعہ پڑھنا بھی کافی ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۸ھ۔

= السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٧، رشيديه)

"صبي خطب بإذن السلطان وصلى الجمعة رجلٌ بالغٌ، جاز". (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة: ١/٢٠٥، رشيديه)

"لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان بالغٌ وصلى جاز". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١/٢٥٤، غفاريه كوئٹه)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ٥٠٨، قديمي)

(٢) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/٢٦٢، رشيديه) .... =

ایک شخص کا دو جگہ خطبہ پڑھنا

سوال[۳۷۹۷]: جس امام نے خطبہ اور جمعہ کی نماز پڑھادی ہو وہ کچھ تاخیر سے کسی دوسری مسجد میں خطبہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ نماز کوئی اور پڑھادے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ خطبہ نہ دے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینا

سوال[۳۷۹۸]: ۱...... زید کہتا ہے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا بدعتِ سیئہ ہے تو یہ بدعتِ سیئہ ہے یا نہیں؟

۲...... بہت سی مساجد میں عصا ہاتھ میں لینے کا معمول ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

۳...... اگر بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب و سنت ہے تو اس کو بدعت قرار دینے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

= "(لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب)؛ لأنهما كشيء واحد (فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان و صلى بالغ، جاز) هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۶۲، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۵۴، غفاريه كوئٹه)

(۱) "ولاينبغي أن يصلي غير الخطيب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/ ۱۴۷، رشيديه)

"(لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب)؛ لأنهما كشيء واحد، (فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان و صلى بالغ، جاز)، هو المختار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۶۲، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۵۴، غفاريه كوئٹه)

یعنی خطبہ نہ دینا ہی اولیٰ ہے، بالفرض اگر خطبہ دے بھی دے تو نمازِ جمعہ اپنی جگہ درست ہے جیسا کہ عنوان: "جمعہ پڑھ کر دوسری مسجد میں خطبہ پڑھنا" کے تحت تفصیل کے ساتھ مدلل مسئلہ گذر گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......خطبۂ جمعہ کے وقت عصا کا ہاتھ میں لینا بدعتِ سیئہ نہیں بلکہ مستحب ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جیسا کہ طحطاوی مصری باب الجمعہ، ص: ۴۲۱، میں ہے(۱)۔

۲......وہاں کا یہ معمول درست ہے، بدعت نہیں۔

۳......ایسا کہنا ناواقفیت کی وجہ سے ہے، ان کو کسی عالم کے ذریعہ سے تفہیم کرادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۲/ ۸۹ھ۔

خطبہ کے وقت لاٹھی ہاتھ میں لینا

سوال[۳۷۹۹]: جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے وقت لاٹھی لینا سنت ہے یا واجب ہے؟

العبد محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۷، ۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "(و) إذا قام يكون (السيف بيساره) متكئاً عليه في كل بلدة فتحت عنوةً الخ". (مراقي الفلاح).

وقال الطحطاوي: "الحكمة فيه الإشارة إلى أن هذا الدين قد قام بالسيف، وفيه إشارة إلى إنه يكره الاتكاء على غيره كعصا وقوس، خلاصة؛ لأنه خلاف السنة، محيط. و ناقش فيه ابن أمير حاج بأنه ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئاً على عصا أو قوس، كمافي أبي داؤد، وكذا رواه البراء بن عازب عنه -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- و صححه ابن السكن". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"حدثنا شعيب بن زريق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقال له: الحكم بن حزن الكلفي، فأنشأ .... ماقمنا بهاأياماً شهدنا فيهاالجمعة مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقام متوكئا على عصا أوقوس، فحمد الله وأثنى عليه كلماتٍ خفيفاتٍ طيباتٍ مباركاتٍ". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۱/۱۵۶، مكتبه دار الحديث ملتان)

"و في الخلاصة: و يكره أن يتكيء على قوس أوعصاً". (الدرالمختار). "(قوله: وفي الخلاصة) .... ونقل القهستاني عن عبد المحيط: أن أخذ العصا سنة كالقيام". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجب نہیں سنت (غیر موکدہ) ہے: "و یکرہ أن یتکأ علی قوس أوعصا، اھ". درمختار۔ قال الشامی: "متوکئاً علی عصا أو قوس اھ، ونقل القهستانی عن عبد المحیط: أن أخذ العصاسنة، اھ". رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

تلوار یا کمان لے کر خطبۂ جمعہ پڑھنا

سوال [۳۸۰۰]: فتاویٰ عالمگیری جلد اول، ص: ۶۷، باب جمعہ شرائط خطبہ میں یہ عبارت ہے:

"ویکرہ أن یخطب متکئاً علی قوسٍ أو عصا، کذا فی الخلاصة، وهکذا فی المحیط" (۲)۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ تحریر فرمائیں اور ساتھ ہی اس کا حکم بھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں باب الجمعہ میں شرائطِ خطبہ کا کوئی عنوان نہیں، ہاں شرائطِ جمعہ کے ذیل میں خطبہ کو بھی ذکر کیا ہے، پھر خطبہ کی سنتیں شمار کی ہیں، اسی ذیل میں خطبہ کے بعض مستحبات، مباحات، مکروہات کو بھی لکھا ہے، اسی میں عبارتِ منقولہ فی السوال بھی ہے "و یکرہ" پر ایک چھوٹا سا نون بھی بنا ہوا ہے جو نسخہ کی علامت ہے طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے:

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعید)

"حدثنا شعیب بن زریق الطائفی قال: جلست إلی رجل له صحبة من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقال له: الحکم بن حزن الکلفی، فأنشأ .... ماقمنا بهاأیاماً شهدنا فیهاالجمعة مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقام متوکئاً علی عصاً أو قوس، فحمد الله وأثنی علیه کلمات خفیفات طیبات مبارکات". الحدیث. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الرجل یخطب علی قوس: ۱/۱۵۶، مکتبه دار الحدیث ملتان)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، أحکام الجمعة، ص: ۵۱۵، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشیدیه)

"وناقش فيه ابن أمير الحاج بأنه ثبت أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئاً على عصا أو قوس كمافي أبي داود، وكذا رواه البراء بن عازب عنه –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– وصححه ابن السكن، اهـ" (۱)۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد: ۱۸۲/۲ میں یہ حدیث مذکور ہے (۲)۔ جو چیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہ ہو اور اس کے نسخ پر بھی دلیل نہ ہو، اس کو مکروہ نہیں کہا جاسکتا، یہ مسئلہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸۶/ (۳) اور فتاوی دار العلوم شائع کردہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ: ۳۰۹/۲ (۴) اور امداد الفتاوی: ۳۴۱/۱ (۵) میں بھی مذکور ہے، شامی میں بھی ہے: ۵۵۳/۱ (۶)۔ شرح

(۱) (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"حدثنا شعيب بن زريق الطائفي قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقال له: الحكم بن حزن الكلفي، فانشأ .... ماقمنا بها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقام متوكئاً على عصاً أو قوس، فحمد الله وأثنى عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۱۵۶/۱، مكتبه دار الحديث ملتان)

"عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبهم يوم عيد و في يده قوس أو عصاً". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، العصا يتوكأ عليها إذا خطب، (رقم الحديث: ۵۶۱۱): ۴۸۲/۱، دار الكتب العلمية)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس: ۱۸۲/۲، امداديه ملتان)

(۳) (فتاوى دار العلوم ديوبند، الباب الخامس عشر في صلاة الجمعة: ۶۲/۵، ۶۷، دار الاشاعت، كراچی)

(۴) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، ملاحظہ فرمائیں: (فتاوى دار العلوم ديوبند يعني امداد المفتيين، كتاب الصلاة، فصل في الجمعة: ۳۲۴/۲، دار الاشاعت كراچی)

(۵) (امداد الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۴۴۰/۱، ۴۴۱، دار العلوم كراچی)

(۶) "و في الخلاصة: و يكره أن يتكيء على قوس أو عصاً". (الدر المحتار). وفي رد المحتار: "(قوله: وفي الخلاصة) .... ونقل القهستاني عن عيد المحيط: أن أخذ العصا سنة كالقيام". (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۶۳/۲، سعيد)

سفر السعادۃ، ص:۲۰۹، میں ہے کہ ''منبر بننے سے پہلے عصا یا قوس لیکر خطبہ پڑھا کرتے تھے، منبر بننے کے بعد بلا عصا وقوس کے خطبہ پڑھا کرتے تھے'' (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۷ھ۔

خطبہ کے وقت خطیب کی طرف رخ ہو یا قبلہ کی طرف؟

سوال [۳۸۰۱]: (الف) خطبۂ جمعہ سننے کی غرض سے سامعین اگر خطیب کی طرف منہ نہ کرکے قبلہ رُو متوجہ ہوکر خطبہ سنا کریں تو کیا حرج ہے، کیا ایسا فعل زیادتیِ ثواب سے محرومی کا باعث ہوگا؟

(ب) کوئی شخص کہتا ہے کہ خطبۂ جمعہ روبقبلہ ہوکر سننا ہی احسن ہے جیسا کہ فتاوی برہنہ دفتر اول میں رقمطراز ہے عبارتِ برہنہ یہ ہے:

''و بقول إمام السرخسي رحمه الله تعالیٰ: مسقبل بقبله باشند، وامر کرده نشود بترکِ آن، وهو الأحسن، بنشستند بهر کیف که خواهند و بشنوند وجواب نکنند'' (۲).

ایسا ہی محیط حاشیہ شرح وقایہ (۳) اور بہشتی زیور حصہ یازدہم (۴) میں عیاں ہے، مگر اس ملک کے ایک تو مفتی فرماتے ہیں کہ خطبہ کے وقت قبلہ سے منہ گھما کر امام کی طرف رخ کرکے خطبہ سننا ہی مستحب ہے، چاہے تساویٔ صفوف میں دقت ہو یا نہ ہو۔ عالمگیری، ص:۱۵۴ (۵) اشعۃ اللمعات: ۱/۶۵۳ (۶) اور

(۱) (لم أظفر علیه)

(۲) (فتاویٰ برهنه للشیخ نصیر الدین منهائی، باب سوم در نماز، فصل بست وچهارم درمیان نماز جمعه، ص: ۳۴۴، مطبع منشی نول کشوری)

(۳) ''هو السنة أن المستقبل السامعون الخطیب بوجوههم سواء کانوا أمامه أو یمینه أو یساره الخ''. (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۲۰۲، سعید)

(۴) (بهشتي زیور، حصه یاز دهم، اصلی بہشتی گوہر، جمعہ کے خطبے کے مسائل، ص: ۷۹۶، دار الإشاعت)

(۵) ''ویستحب للرجل أن یستقبل الخطیب بوجهه، هذا إذا کان أمام الإمام الخ''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

(۶) ''آنحضرت صلی الله علیه وسلم که چون می نشست بر منبر پیش می آمدیم ما او را برو هائے خود، پس سنت آنست که مردم متوجه بجانبِ امام بنشینند، وخطبه را استماع نمایند''. (اشعة اللمعات، =

مظاہر حق (۱) مذکورہ بالا اختلافات میں سے کس کا قول صحیح اور مفتی بہ ہے؟ ازراہ مہربانی ارقام فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) کچھ حرج نہیں، بلکہ یہ فعل احسن ہے:

"قال شمس الأئمة: من كان أمام الإمام، استقبل بوجهه، و من كان عن يمين الإمام أو يساره، انحرف إلى الإمام. وقال السرخسي: الرسم في زماننا استقبال القبلة و ترك استقبالهم الخطيب لما يلحقهم من الحرج بتسوية الصفوف بعد فراغ الخطيب من خطبته لكثرة الزحام، قال: و هذا أحسن، اهـ". طحطاوی، ص:۲۸(۲)۔

(ب) احسن قول وہ ہے جو طحطاوی سے منقول ہوا، عالمگیری وغیرہ میں جو مذکور ہے اس کے ساتھ تقویت کا کوئی لفظ مذکور نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

= كتاب الصلوة، باب الخطبة، الفصل الثاني: ۱/۵۹۰، نوريه رضويه سكهر)

(۱)(مظاهر حق، كتاب الصلوة، باب الخطبة، الفصل الثاني، : ۱/۸۸۹، دارالاشاعت ، كراچی)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة ، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا". (جامع ترمذي، أبواب الجمعة، باب في استقبال الإمام إذاخطب: ۱/۱۱۴، سعيد)

قال الشيخ أنور شاه كشميري رحمه الله تعالىٰ: "السنة في الخطبة التحديق وأن يستقبلوا الإمام بوجوههم، ولكن الزمان زمان الفساد، و لو حدقوا لا يمكن استقامة الصفوف عند الجماعة، فالأولى ترك التحديق". (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي ، أبواب الجمعة ، باب في استقبال الإمام إذا خطب: ۱/۱۱۵، سعيد)

"أن السنة في المستمع استقبال الإمام مخالف لماعليه عمل الناس من استقبال المستمع للقبلة، ولهذا قال في التجنيس: والرسم في زماننا أن القوم يستقبلون القبلة، قال: لأنهم لواستقبلوا الإمام، لخرجوا من تسوية الصفوف بعد فراغه لكثرة الزحام". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۵۹، رشيديه)

دورانِ خطبہ اِدھر اُدھر دیکھنا

سوال[۳۸۰۲]: جمعہ میں دورانِ خطبہ بعض لوگ اِدھراُدھر تاک جھانک رکھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں اوراس قسم کی حرکات کرتے ہیں، اگر یہ خطبہ نماز کے حکم میں ہے تو شرعاً ایسے اعمال جومنافی نماز ہیں ان کا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ خطبہ عربی کے بجائے بعد حمد وثناء اردو میں خطبہ اگر دیا جائے تو اس کا احترام اسی طریقہ پر لازم ہے یا کچھ فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یکره الكلام حال الخطبة، وكذا كل عمل يشتغله عن سماعها من قرأة قرآن أوصلوة أو تسبيح أوكتابة ونحوها، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. وفى شرح الزاهدى: يكره لمستمع الخطبة ما يكره فى الصلوة من أكل و شرب و عبث والتفات ونحوذلك. وفى الخلاصة: كل ماحرم فى الصلوة حرم حال الخطبة و لو أمراً بمعروف، اهـ". طحطاوى، ص:۲۸۲(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز نماز میں منع ہے خطبہ میں بھی منع ہے۔ خطبۂ جمعہ تمام عربی میں ہونا لازم ہے، اس میں اردو مخلوط کرنا مکروہ تحریمی ہے(۲) اس لئے ایسے خطبہ کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، قديمى)

"أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه اخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخارى ، كتاب الجمعة ، باب الإنصات يوم الجمعة و الإمام يخطب : ۱۲۷/۱ ، قديمى)

"(و كل ما حرم فى الصلاة، حرم فيها): اى فى الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب و كلام و لو تسبيحاً، و رد سلام أو أمر بالمعروف، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت". (الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۱۵۹/۲ ، سعيد)

(و كذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة : ۵۹۲/۱، ۵۹۳، رشيديه)

(۲) "الخطبة بالفارسية التى أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة=

حالتِ خطبہ میں پنکھے سے ہوا کرنا

سوال[۳۸۰۳]: خطبہ کی حالت میں پنکھے سے خود ہوا لینا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو چیز نماز کی حالت میں حرام ہے وہ خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہے، جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے اس لئے ایسے وقت میں بھی پنکھے سے ہوا کرنا مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دورانِ سنت جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۳۸۰۴]: خطبہ جمعہ کے شروع ہونے سے پہلے کسی نے سنت شروع کر دی تو اب وہ کیا

= العربية و هذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين و من تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعجام و حضروا مجالس الجُمع والأعياد و غيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، و مع ذلک لم يخطب أحدٌ منهم بغير العربية. و لما ثبت وجود الباعث في تلک الأزمنة و فقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أوفى درجات الضلالة". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۴۷، إدارة القرآن، كراچى)

"لا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضي الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، (رقم الحاشية : ۲) : ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) "(و) كره (العبث والالتفات)، فيجتنب مايجتنبه في الصلوة". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجمعة ، ص: ۵۲۰، قديمى)

"(وكل ماحرم في الصلاة، حرم فيها): أي في الخطبة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب في الجمعة: ۲/۱۵۹ ، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوٰة ، باب الجمعة : ۲/۲۵۹، رشيديه)

کرے جبکہ خطبہ شروع ہوگیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت شروع کرنے کے بعد اگر خطبہ شروع ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ ہلکی ہلکی رکعتیں پوری کرکے سلام پھیردے، ایسے ہی نماز نہ توڑے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

خطبہ کے وقت نمازِ نفل پڑھنا

سوال [۳۸۰۵]: زید کہتا ہے کہ جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو، اس وقت دو رکعت تحیۃ الجمعہ پڑھنا چاہئے کہ جس طرح تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں۔ کیا شرع شریف میں اس کی کوئی اصل ہے اور یا احادیث سے ثابت ہے یا زید کا کہنا محض لغو ہے، جواب مرحمت فرمایا جائے۔ والسلام۔

احقر الناس محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام اهـ". شرح ملتقی (۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے

---

(۱) "ولو خرج وهو في السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل، يتم في الأصح، و يخفف القراءة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، سعيد)

"إذا شرع في الأربع قبل الجمعة ثم افتتح الخطبة، أو الأربع قبل الظهر، ثم أقيمت، هل يقطع على رأس الركعتين؟ تكلّموا، والصحيح أنه يتمّ و لا يقطع؛ لأنها بمنزلة صلاة واحدة واجبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۱/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۸، قديمي)

(۲) والعبارة بتمامها: "(وإذا خرج الإمام) .... (فلاصلوة) أصلاً خلا فائتة لم يسقط الترتيب بينها و بين الوقتية لضرورة صحة الجمعة .... و لا كلام حتى يفرغ الإمام (من خطبته) الخ". (الدر المنتقى في شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۳/۱، غفاريه كوئٹه)

"عن ابن عباس وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يقول: إذا خطب الإمام فلاتصل، (رقم الحديث: ۵۱۷۵): =

وقت کوئی نماز جائز نہیں ہے، البتہ صاحبِ ترتیب کے لئے فائتہ نماز اس سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد وغیرہ بھی اس وقت پڑھنا منع ہے(۱)۔ اور تحیۃ الجمعہ کا ذکر کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا، زید سے ہی دریافت کیا جائے کہ تحیۃ الجمعہ کی اصل کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ جمادیٰ الثانیہ/ ۵۶ھ۔

خطیب کا عینِ خطبہ کے وقت مصلے پر آنا

سوال[۳۸۰۲]: یہاں کے خطیب صاحب وقتِ مقررہ پر ہی خطبہ دینے کیلئے مسجد میں آتے ہیں، اپنے کمرے میں سنتوں سے فارغ ہو کر مسجد میں صفوں کے درمیان سے ہو کر منبر تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ منبر تک پہنچنے کیلئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، خطیب صاحب کا یہ عمل تیرہ سال سے ہے، تیرہ سال کے بعد صرف دو چار اشخاص نے اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ پہلے زمانے میں فقہاء اور امام کا عمل اس کے بارے میں کیا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطیب صاحب کا یہ طریقہ خلاف شرع نہیں، اس پر اعتراض غلط ہے جب وہ آئیں ان کو راستہ دیدیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= ۱/ ۴۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"(إذا خرج الإمام) .... (فلا صلاة و لا كلام الى تمامها) .... (خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية)". (الدرالمختار). "(قوله : فلا صلوة) شمل السنة و تحية المسجد".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۸، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "عن الزهري قال: أخبرني ثعلبة بن أبي ملك القرظي قال: قد كان عمر يجيء، فيجلس على المنبر والمؤذن يؤذن و نحن نتحدث، فإذا قضى المؤذن أذانه، انقطع حديثنا". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب جلوس الناس حين يخرج الإمام: ۳/ ۲۰۸، المكتب الإسلامي) .... =

خطبۂ جمعہ سے پہلے نعت ونظم

سوال[۳۸۰۷]: جمعہ کے خطبہ سے پہلے نعت شریف یا کوئی نظم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثابت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

خطبۂ جمعہ میں اشعار

سوال[۳۸۰۸]: جمعہ کے خطبہ کے درمیان اردو، فارسی کے اشعار پڑھنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تحریمی ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۴/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۴/۱/۸۸ھ۔

= "(إذا خرج الإمام) من الحجرة .... فلا صلوة و لا كلام الخ". (ردالمحتار، باب الجمعة : ۲/۱۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۷۰، ۲۷۱، رشيديه)

(۱) جو کام اصولِ شرعیہ قرآن وحدیث اجماع وآثارِ صحابہ سے ثابت نہ ہو اس کو ثواب سمجھ کر علی سبیل الدوام کرنا ناجائز اور بدعت ہے:"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو ردٌّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود : ۱/۳۷۱، قديمي)

وفي رد المحتار: "بأنها (أي البدعة) ما أحدِث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلبٌ: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "ومن الأمور المحدثة ما شاع في أكثر بلاد الهند والدكن وغيرها من قراءة الخطباء في خطبة آخر جمعات رمضان أشعاراً فارسيةً و هندية مشتملةً .... و هذا أمر يجب على العلماء الزجر عنه، فإن =

خطبہ کے وقت سامعین کا ہاتھ باندھنا کھولنا

سوال[۳۸۰۹]: جمعہ کے دن مقتدیوں کا خطبہ کے وقت بیٹھے ہوئے تشہد کی ہیئت بنانا اور ہاتھ باندھے رہنا، دوسرے خطبہ کیوقت ہاتھوں کو کھولکر گھٹنوں پر رکھنا، ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ طریقہ ثابت نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۶ھ۔

اذان اور خطبہ کے درمیان "إن الله و ملائكته الخ" پڑھنا

سوال[۳۸۱۰]: قدیم زمانہ کے رواج کے مطابق جمعہ کے روز خطبے سے پہلے "إن الله وملائكته

= خلط الخطبة بغير العربية وكذا قراء ة كلها بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من عصر حضرة الرسالة والصحابة ومن بعدهم من أرباب الجلالة". (مجموعة رسائل اللكنوى ، رسالة ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان : ۲/۲۴، إدارة القرآن كراچى)

"إن قراء ة الأشعار فيها إن كان بالغناء الممنوع عنه في الشريعة، فلا ريب في كراهتها .... وإن لم يكن بالغناء فالكراهة لكونه مخالفاً للسنة داخلاً في أصناف البدعة، وكذا قراء ة بعض الخطبة بالعربية وبعضها بالفارسية لا تخلوا عن الكراهة". (مجموعة رسائل للكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس : ۴/۳۸، إدارة القرآن، كراچى)

"لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و الصحابة رضى الله تعالىٰ عنه، فيكون مكروهاً تحريماً، وكذا قرأة الأشعار بالفارسية والهندية فيها". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية ، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، (رقم الحاشية : ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱)"إذا شهد الرجل عندالخطبة إن شاء جلس محتبياً أو متربعاً أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة عملاً و حقيقةً، كما في المضمرات. و يستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة ، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱/۱۴۸، رشيديه)

(وكذا في أحسن الفتاوى، كتاب الصلاة ، باب الجمعة والعيدين : ۴/۱۳۳، سعيد)

الـــخ" پڑھا جاتا ہے جس کو آج کل کے علمائے دین اس طرح خطبے سے پہلے پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں، اس لئے حدیث کی روشنی میں فتویٰ دیجئے کہ خطبے سے پہلے "إن اللّٰہ و ملائکتہ الخ" پڑھنا امامِ شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ تاکہ اس بدعت سے بچ سکیں اور صحیح دین کے راستہ پر چل سکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذانِ ثانی کے بعد "إن اللّٰہ و ملائکتہ" الخ پڑھنے کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث شریف میں ہے نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، اس لئے یہ نئی چیز ہے(۱)۔ دین میں پسندیدہ طریقہ وہ ہے جو حضرت نبی اکرم

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه، فهو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح ، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱،قدیمی)

قال الملا علی القاری: "من أحدث": أی جدد وابتدع أو أظهر واخترع "فی أمرنا هذا": أ فی دین الإسلام .... "فهو": أی الذی أحدثه "رد" : أی مردودٌ علیه .... قال القاضی: المعنی: من أحدث فی الإسلام رأیاً لم یکن له من الکتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفیٌ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ علیه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رقم الحدیث: ۱۴۰، رشیدیه)

"فالترقیة المتعارفة فی زماننا تکره عنده لاعندهما". (الدرالمختار).

"وفی ردالمحتار: (قوله فالترقیة المتعارفة الخ) ای من قراء ة آیة – إن الله وملائکته. والحدیث المتفق علیه إذا قلت لصاحبک یوم الجمعة أنصت والإمام فقد لغوت".

أقول: وذکر العلامة إبن حجر فی التحفة أن ذلک بدعة لأنه حدث بعد صدر الأول .... أقول کون ذلک متعارفاً لا یقتضی جوازه عند الإمام القائل بحرمة الکلام ولو أمراً بمعروف أو ردسلام استدلالاً بمامر ولاعبرة بالعرف الحادث إذا خالف النص؛ لأن التعارف إنما یصلح دلیلاً علی الحل إذا کان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة مطلب فی حکم المرقی بین یدی الخطیب : ۲/۱۶۰، سعید)

"بأنها (البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل دیناًقویماً و صراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة ، باب الإمامة ، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۰، سعید)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ متبوعین سے منقول و ماخوذ ہے، جو چیز ایسی نہ ہو وہ اگر چہ دیکھنے میں کتنی ہی اچھی معلوم ہوتی ہو مگر شرعاً پسندیدہ اور قابلِ اتباع نہیں بلکہ قابلِ ترک ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری شرح بخاری شریف میں امام زہری کی روایت نقل کی ہے کہ ''جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو صلوۃ وکلام سب موقوف کردیں''(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

سامعین کا حالتِ خطبہ میں درود شریف پڑھنا

سوال[۳۸۱۱]: جمعہ کے خطبہ میں اگر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سنا جاوے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دل دل میں پڑھ لے جیسے آیت ﴿إن اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی﴾ الخ پڑھی جائے۔ بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمادیں کہ درود شریف پڑھنا اچھا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں درود شریف دل میں پڑھ لے:

"والصواب أن یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ (قولہ: فی نفسہ) بأن یُسمع نفسہ أو یصحح الحروف، فإنہم فسروہ بہ وعن أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: قلباً ایتماراً لأمری الإنصات والصلوۃ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کمافی الکرمانی، اھـ". شامی(۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: إذا خرج الإمام فلاصلاۃ و لا کلام". (فتح الباری، کتاب الجمعۃ، باب إذا رأی الإمام رجلاً جاء و ہو یخطب، أمرہ أن یصلی رکعتین: ۵۲۰/۲، قدیمی)

"عن ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کانا یکرہان الصلاۃ و الکلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبی شیبۃ، کتاب الصلاۃ، من کان یقول: إذا خطب الإمام، فلا تصل، (رقم الحدیث: ۵۱۷۵): ۴۴۸/۱، دار الکتب العلمیۃ)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱۵۹/۲، سعید) .... =

خطبۂ اُولیٰ کے اخیر کی دعاء

سوال[۳۸۱۲]: ایک صاحب خطبۂ اُولیٰ کے اخیر میں دعائیہ الفاظ یوں ادا کرتے ہیں: "أستغفر الله لی و لکم و لسائر المؤمنین الخ" زید کہتا ہے کہ یہاں "لسائر المؤمنین" کی جگہ "لسائر المسلمین" بہتر ہوگا، لفظِ "مسلم" عام ہے اور "مومن" خاص ہے، مسنون دعاؤں میں عمومی الفاظ کا بکثرت استعمال اس بات کا شاہدِ عدل ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اگر زید کی بات مان کر خطبہ میں: "أستغفر الله لی و لکم و لسائر المسلمین، و لسائر المؤمنین" کی جگہ پڑھ دیا کریں تو زید کا دل بھی خوش ہو جائے گا اور دعاء میں عموم بھی ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔

= "وكذا اختلفوا في الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند سماع اسمه، والصواب أنه يصلي في نفسه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۲/۲، رشيديه)

وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۵۹۴/۱، رشيديه)

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "لسائر المومنين" کے بجائے "لسائر المسلمين" یہ محض زید کی خوشنودی کے لئے فرمایا ہے ورنہ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں "مومنین" اور "مومنات" کے الفاظ ہیں، لیکن جائز بہرحال ہے: قال الله تعالىٰ: ﴿ربنا اغفرلي ولو الدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب﴾. (سورة إبراهيم: ۴۱/۱۳) وقال الله تعالىٰ: ﴿واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾. (محمد: ۱۹/۲۶)

وقال الله تعالىٰ: ﴿رب اغفر لي و لوالديّ و لمن دخل بيتي مؤمناً وللمؤمنين والمؤمنات﴾. (سورة نوح: ۲۸/۲۹)

"إن الإمام المستغفريّ روى في دعواته عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "ما من دعاء أحب إلى الله من قوله العبد: اللهم اغفر لأمة محمد رحمةً عامةً". (الفتاوى الحديثية، مطلب: هل يجوز الدعاء للمؤمنين والمؤمنات بمغفرة جميع الذنوب، ص: ٦٧، قديمي)

"(ودَعا) بالعربية -وحرم بغيرها- لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين". (الدر المختار). "(قوله: =

درمیانِ خطبہ میں سامعین کا زور سے درود شریف پڑھنا

سوال[۳۸۱۳]: قبل اذان ثانیہ جمعہ پر تعوذ پڑھ کر ﴿لقد جاء کم﴾ الخ" (۱) اور جس وقت امام خطبہ دیتا ہے اور جس وقت ﴿إن الله وملائكته﴾ الخ" (۲) پڑھتا ہے تو مقتدی بڑے زور زور سے درود شریف پڑھتے ہیں، بظاہر: "وإذا خرج الإمام، فلاصلاة ولا كلام"(۳) کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔اس کی وضاحت فرمائیں، نیز جواذان میں درود شریف بآواز بلند پڑھتے ہیں، پیش کرتا ہے کہ درمختار یا ردمحتار میں استحباب کا قول نقل کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کی اذان ثانی سے قبل تعوذ اور آیت: ﴿لقد جاء کم﴾ الخ پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ خطبہ میں خطیب کے: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي﴾ الخ(٤) پڑھنے پر حاضرین کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ ایسے وقت دل میں درود شریف پڑھنا چاہیے جیسا کہ درمختار، ردالمحتار میں

= لنفسه وأبويه وأستاذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً، فإنه لا يجوز الدعاء لهم بالمغفرة .... وكان ينبغي أن يزيد: ولجميع المؤمنين والمؤمنات كما فعل في المنية؛ لأن السنة التعميم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۲۱/۱، سعيد)

"وقال الحافظ ابن رجب: إذا أفرد كل من الإيمان والإسلام بالذكر، فلا فرق بينهما حينئذ، وإن قرن بين الاسمين كان بينهما فرق .... فالإيمان والإسلام كاسم الفقير والمسكين إذا اجتمعا افترقا، وإذا افترقا اجتمعا، فإذا أفرد أحدهما، دخل فيه الآخر الخ". (فتح الملهم، كتاب الإيمان، البحث الثاني عن إطلاق الشرع: ۴۲۸/۱، ۴۲۹، مكتبه الحجاز حيدري كراچي)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (كشف الباری لشيخنا سليم الله خان دامت فيوضهم، كتاب الإيمان: ۲۰۶/۱، ۲۰۷، مكتبه فاروقيه كراچي)

(۱) (سورة التوبة، پ: ۱۱، آية: ۱۲۸)

(۲) (سورة الأحزاب، پ: ۲۲، آية: ۵۶)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، سعيد)

(۴) (سورة الأحزاب: ۵۶)

مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبہ سے قبل "السلام علیکم" کہنا

سوال[۳۸۱۴]: خطباتِ ماثورہ میں لکھا ہے کہ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے، مگر اب تو اس کا رواج نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ اس کو اب معمول بنایا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

میں نے مجموعہ خطبہ نہیں دیکھا، کتبِ فقہ میں تو یہ ہے کہ منبر پر آ کر سلام نہ کرے، شوافع کے نزدیک آ کر سلام کرنا ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دعاء بین الخطبتین

سوال[۳۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: مفتاح الصلوۃ میں بروز جمعہ بوقت

---

(۱) "والصواب أنه يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه فى نفسه". (الدرالمختار).

"(قوله: فى نفسه): اى بأن يُسمع نفسه او يصحح الحروف، فإنهم فسروه به". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، قديمى)

"وكان الطحاوى يقول: على القوم أن يستمعوا إلى أن يبلغ الخطيب إلى قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً﴾ فحينئذٍ يجب عليهم أن يصلوا على النبى عليه السلام ويسلموا. وفى الجامع الحسامى: ويصلى السامع فى نفسه ويخفى". (التاتار خانية، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۶۷/۲، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى صلوة الجمعة، محظورات الخطبة: ۵۹۴/۱، رشيديه)

(۲) "وترك السلام من خروجه إلى دخوله فى الصلاة، وترك الكلام. وقال الشافعى رحمه الله تعالىٰ: "إذا استوى على المنبر، سلّم على القوم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۰/۲، سعيد)

جلسہ بین الخطبتین دعاء مانگنے کو جائز لکھا ہے۔ کیا بروئے اقوالِ معتبرہ احناف واحادیث خطبتین کے درمیان دعاء مانگنا ہاتھ اٹھا کر یا بلا ہاتھ اٹھائے جائز ہے یا مکروہ ہے اور بغیر زبان ہلائے دل میں دعاء مانگ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحہ وتوجروا بیوم القیامۃ۔

المستفتی: انیس احمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت دل سے دعاء مانگے زبان سے نہ مانگے، ہاتھ بھی نہ اٹھائے: "وسئل علیہ السلام عن ساعۃ الإجابۃ فقال: "مابین جلوس الإمام إلی أن یتم الصلوۃ". وھو الصحیح". الدرالمختار: ۱/۵۵٤(۱)۔

قال ابن عابدینؒ: "قال فی المعراج: فیسن الدعاء بقلبہ لا بلسانہ؛ لأنہ مأمور

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۱٦۴، سعید)

"عن أبی بردۃ بن أبی موسی الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال لی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: أسمعت أباک یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی شأن الجمعۃ یعنی الساعۃ قال: قلت: نعم، سمعتہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "ھی ما بین أن یجلس الإمام إلی أن تُقضیٰ الصلاۃ". قال أبو داؤد: یعنی علی المنبر". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الإجابۃ أیّۃ ساعۃٍ ھی فی یوم الجمعۃ: ۱/۱۵۷، امدادیہ ملتان)

"عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذکر یوم الجمعۃ فقال: "فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم وھو قائم یصلی یسأل اللہ شیئاً، إلا أعطاہ إیاہ". و أشار بیدہ یقللھا". (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ: ۱/۱۲۸، قدیمی)

"وقد اختلف أھل العلم من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم فی ھذہ الساعۃ .... الثلاثون: عند الجلوس بین الخطبتین، حکاہ الطیبی عن بعض شراح المصابیح". (فتح الباری، کتاب الجمعۃ باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ: ۲/۵۲۸، ۵۳۲، قدیمی)

(وکذا فی بذل المجھود، کتاب الصلاۃ، باب الإجابۃ أیۃ ساعۃ ھی فی یوم الجمعۃ: ۲/۱٦۱، إمدادیہ ملتان)

بالسکوت". رد المحتار: ۱/۵۵٤، نعمانیه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۸/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ شعبان/ ۵۷ھ۔

خطبہ کے درمیان چندہ

سوال[۳۸۱۶]: عید کے روز خطبہ کے درمیان امام کے واسطے یا دیگر اَور کسی کام کے لئے جب کہ خطبہ ہو رہا ہو چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ممنوع ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۱/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعيد)

"عن ابن عباس و ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهم: كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، (رقم الحديث: ۵۱۷۵): ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا خرج الإمام .... فلا صلوة ....ولا كلام". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۳، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب: ۱/۱۲۷، قديمي)

"(و كل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل و شرب وكلام و لو تسبيحات أو رد سلام أو أمر بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"وإذا خرج الإمام، فلا صلوة و لا كلام. وقالا: لابأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه)

ایضاً

سوال[۳۸۱۷]: ہماری مسجد یوسفیہ بازار میں جمعہ کے دن "خطباتِ موعظہ" مصنفہ مولانا ذاکر حسین پھلتی صاحب کے پڑھے جاتے ہیں، اس میں عربی کے ساتھ ترجمہ تفصیل سے بطورِ وعظ لکھا گیا ہے اور خود مصنف نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اردو ترجمہ عربی سے پہلے منبر کے پاس ٹھہر کر سنانا بہتر ہے، چنانچہ امام صاحب ترجمہ پڑھتے ہیں، پھر سنت ادا کی جاتی ہے، پھر عربی خطبہ پڑھ کر فرض پڑھتے ہیں۔ اردو ترجمہ کے درمیان مصلیوں کے درمیان ایک ڈبہ گشت کرایا جاتا ہے جس میں لوگ پیسہ ڈالتے ہیں، اس ڈبہ پر "چندہ برائے طعام مسافرین وحاجتمندان مسجد یوسفیہ" لکھا ہے، اس ڈبہ کو گشت کرانے سے اور کھٹ کھٹ کی آواز سے توجہ بٹتی ہے۔

میں نے اعتراض کیا کہ اردو جو بھی پڑھا جاتا ہے وہ اس دن کے خطبہ کا ترجمہ ہوتا ہے لہذا احترام سے سننا چاہئے، اور ڈبہ اس وقت نہ پھرانا چاہئے، جس پر امام نے جواب دیا کہ مساجد میں مسلمان مسافروں یا مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے چندہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور چندہ کرنے والے دوسروں کی گردنیں پھلانگ کر ادھر ادھر نہ جائیں:"و یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم تخط رقاب الناس". شامی (۱) تو کیا مسجد میں اس عنوان سے مانگنا جائز ہے؟ اور کیا اردو ترجمہ خطبہ کے ادب واحترام سے مستثنیٰ ہوجاتا ہے؟ اوپر جو درمختار کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور عربی خطبہ کے قبل اردو ترجمہ کرنا یا وعظ سنانا بدعت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبۂ جمعہ تو فرض اور جمعہ کے لئے شرط ہے(۲) اس کو سننا ضروری ہے، کوئی ایسا کام کرنا منع ہے جو

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۹، سعيد)

(۲) "أما الأول فالدليل على كونها شرطاً قوله تعالىٰ: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ .... أو المراد من الذكر الخطبة وقد أمر بالسعي إلى الخطبة، فدل على وجوبها و كونها شرطاً لانعقاد الجمعة الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، خطبة الجمعة: ۱/۵۸۹، رشيديه)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء .... والرابع: الخطبة فيه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، ۱۴۷، سعيد) .... =

سننے میں مخل ہو(۱)، اذانِ خطبہ سے پہلے جو کچھ بھی بیان کیا جائے خواہ ترجمۂ خطبہ ہو یا کوئی اور وعظ ونصیحت ہو اس کا حکم خطبۂ جمعہ کی طرح نہیں تاہم اس کو بھی اہتمام سے سنا جائے (۲) اس وقت بھی چندہ وغیرہ جمع نہ کیا جائے، بلکہ اس کے لئے دوسرا وقت تجویز کرلیا جائے، مثلاً ترجمہ ختم ہونے کے بعد سنتوں سے پہلے یا جو وقت مشورہ سے مناسب طے ہو جائے، مسجد میں چندہ کے لئے جو کچھ امام صاحب نے بتایا ہے وہ صحیح ہے، خطبۂ جمعہ سے پہلے بعض حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا وعظ فرمانا ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے (۳) اور یہ مفید بھی ہے بدعت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۴ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱۴۶/۲، رشيديه)

(۱) "إن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب : ۱۲۷/۱، قديمي)

"(وكل ماحرم في الصلاة، حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل و شرب .... بل يجب عليه أن يستمع و يسكت". (الدرالمختار، باب الجمعة : ۱۵۹/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱۴۷/۱، رشيديه)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قام على المنبر فقال: "إنما أخشى عليكم من بعدي ما يفتح عليكم من بركات الأرض" ثم ذكر زهرة الدنيا، فبدأ بأحدهما و ثنّى بالأخرى، فقام رجل فقال: يا رسول الله! اَوَ يأتي الخير بالشر؟ فسكت عنه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: يوحى إليه وسكت الناس كأنّ على رؤوسهم الطير". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبيل الله : ۳۹۸/۱، قديمي)

"قال الطيبي: كناية عن إطراقهم رؤوسهم و سكوتهم و عدم التفاتهم يميناً و شمالاً. قال ميرك: والطير بالنصب على أنه اسمُ كان: أي رأس كل واحد الطير يريد صيده فلا يتحرك. وهذه كانت صفة مجلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا تكلم، أطرق جلساءه كأنما على رؤوسهم الطير يريد أنهم يسكتون فلا يتكلمون، والطير لا يسقط إلا على ساكت". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثالث، تحت حديث البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث : ۱۶۳۰): ۱۰۲/۴، رشيديه)

(۳) "وأخرج ابن عساكر عن حميد بن عبد الرحمن أن تميماً الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر=

خطبہ کے وقت نمازیوں سے چندہ وصول کرنا

سوال[۳۸۱۸]: ہماری مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں جمعہ میں تقریباً وہ سب فیکٹریوں کے ملازم ہوتے ہیں، ان کے پاس وقت کم ہوتا ہے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نماز جمعہ سے جلد از جلد فارغ ہوکر اپنی ڈیوٹی پر پہونچ جائیں تاکہ غیر حاضری نہ ہو، گھنٹہ دو گھنٹہ کی تاخیر سے سروس اور تنخواہ میں نقصان پیدا نہ ہو۔ اس لئے یہاں زوال کے بعد فوراً ہی پہلی اذان کہی جاتی ہے اور اذان وخطبہ کے درمیان دس پندرہ

= رضی الله تعالیٰ عنه فی القصص سنین، فأبی أن یأذن له، فاستأذنه فی یوم واحد، فلما أکثر علیه، قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ علیهم القرآن، و آمرهم بالخیر، و أنهاهم عن الشر. قال عمر رضی الله تعالیٰ عنه: ذلک الذبح، ثم قال: عِظْ قبل أن أخرج فی الجمعة. فکان یفعل ذلک یوماً واحداً فی الجمعة".

وروی الطبرانی: بسند جید عن عمرو بن دینار أن تمیماً الداری رضی الله تعالیٰ عنه استأذن عمر رضی الله تعالیٰ عنه فی القصص، فأبی أن یأذن له ثم استأذنه، الحدیث". (الموضوعات الکبری للملاعلی القاری، مقدمة، فصل: و لما کان أکثر القصاص والوعاظ الخ ص: ۲۰، نور محمد کراچی)

تنبیه: ذکر الملا علی القاری (رحمه الله تعالیٰ) هذه الأحادیث فی مقدمة موضوعاته، ولکنها لیست بموضوعة، بل هی من مستدلاته علی عدم جواز بیان القصص الطویلة التی لا ضرورة إلی بیانها، بل الأحسن أن یکون الوعظ مختصراً جامعاً خالیاً عن الحشو و الزوائد علی طریق الإیجاز. (شاهوانی)

"عن تمیم الداری رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "الدین النصیحة" قلنا: لمن: قال: "لله و لکتابه و لرسوله ولأئمة المسلمین و عامتهم".

قال الإمام النووی رحمه الله تعالیٰ: "وأما نصیحة عامتهم و هم مَن عَدا وُلاة الأمر فإرشادهم لمصالحهم فی آخرتهم و دنیاهم و کف الأذیٰ عنهم، فیعلّمهم مایجهلونه من دینهم و دنیاهم، و یعینهم علیه بالقول والفعل و ستر عوراتهم و سد خلالاتهم و دفع المضار عنهم و جلب المنافع لهم، وأمرهم بالمعروف و نهیهم عن المنکر برفق وإخلاص والشفقة علیهم، و توقیر کبیرهم ورحمة صغیرهم .... والنصیحة لازمة علی قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه یقبل نصحه و یطاع أمره وأمن علی نفسه المکروه، فإن خشی أذی، فهو فی سعة، والله تعالی أعلم". (الصحیح لمسلم مع شرحه الکامل للنوویؒ، کتاب الإیمان، باب إن الدین النصیحة: ۱/۵۴، قدیمی)

منٹ سے زائد کا وقفہ نہیں ہوتا، اگرچہ مسجد میں نماز کی غرض سے عموماً نمازیوں کی آمد نماز کی اذان سے تقریباً آدھ پون گھنٹہ پہلے شروع ہو جاتی ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مسجد کے اخراجات خطبہ کے دوران چندہ لینے اور دینے والے اور درمیان میں گشت کرنے والے مشغول ہو جاتے ہیں، جب کہ آداب وشرائطِ جمعہ میں یہاں تک تاکید ہے کہ خطبہ واجب ہے، اس کا سننا واجب ہے، جب خطبہ کی اذان شروع ہو جاتی ہے تو نماز کے سلام تک کسی دوسری طرف مشغول نہ ہونا چاہیئے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

چندہ وصول کرنے کے لئے یہ وقت متعین کرنا صحیح نہیں، غلط طریقہ ہے، یا تو اس سے پہلے وصول کیا جائے یا نماز سے فراغت پر وصول کیا جائے۔ مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ: ''جو چیز عینِ نماز کی حالت میں منع ہے وہ چیز خطبہ کی حالت میں بھی منع ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطبۂ جمعہ کے وقت چندہ کرنا

سوال[۳۸۱۹]: ا...... خطبۂ جمعہ وعیدین کے مسنون ومشروع ہونے کی غرض کیا ہے؟

الف- اگر اس کا مقصد اس مجمع کو مسائلِ جزئیہ شرعیہ اس دن یا اس نماز کے متعلق مقام خطبہ پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر سکھلانا یا تعلیم دینا ہے تو اس کا جو وقت منجانبِ شرع متعین ہو چکا ہے اس میں تغیر وتبدل یا تقدیم وتاخیر یا طریقۂ بیان میں جدت پیدا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''(و) كره (العبث والالتفات)، فيجتنب ما يجتنبه في الصلوة''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجمعة، ص: ۵۲۰، قديمي)

''ويحرم في الخطبة مايحرم في الصلاة، حتى لاينبغي أن يأكل أو يشرب والإمام في الخطبة، هكذا في الخلاصة''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱۴۸/۱، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

ب-اگر بدعت ہے تو اس کا جواز کسی مصلحت پر مبنی پیدا کرنے کا حق کسی مولوی یا مولوی نما عالی کو ہے یا نہیں؟

ج-"کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار"(۱) ارشادِ نبوی کلیہ ہے یا نہیں؟

د-بدعت کی تعریف جو متقدمین علماء وفقہاء نے بیان فرمائی ہے بیان کیجئے؟

ہ-اس ارشادِ نبوی کو کلیہ نہ ماننا اور اس کی تاویلات کرنا تعریفِ بدعت میں ہے یا نہیں؟

و-اگر نہیں تو ایسا شخص محدثِ مصطلح ہے یا نہیں؟

۲......جمعہ یا عیدین یا سب میں گداگری کی شکل اختیار کر کے لوگوں کی صفوں میں پھر کر چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الف-اگر جائز نہیں تو ایسی حالت کا ارتکاب عملاً اصلاً، دواماً کرنے والا صحیح العمل شریعت کا کام کرنے والا عند الشرع ہے یا نہیں؟

ب-اگر جائز ہے تو اس کی کوئی سند کتبِ فقہ مستند مویدہ آیتِ قرآنی یا حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو مع نقل عبارت وحوالۂ کتب وصفحہ بیان فرمائیں۔

۳......جمعہ کی نماز میں خطبہ ہے جب کہ بعض نمازی مشغول بأسنت ہوں ایسے سائل کا صفوف کے درمیان گشت کرنا شرعی ادلہ میں کس دلیل سے ثابت ہے؟

ع-مذکورہ بالا صورتوں میں کسی کو بدعت جاننے والا یا مکروہ سمجھنے والا اگر باوجود قدرتِ بیان وتردید اس پر سکوت اختیار کرے تو وہ آیا مجرم شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ہماری غرض تو تکمیل ارشاد ہے، شارع کی غرض کیا ہے؟ وہ علمِ شارع میں ہے۔

الف-کوئی تغیر نہ کیا جائے۔

ب-طریقۂ مشروعہ کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں۔

ج-کلیہ ہے(۲)۔

---

(۱)(سنن النسائی، کتاب العیدین، باب کیف الخطبة: ۱/۲۳۴، قدیمی)

(۲)بدعتِ شرعیہ (جو کہ بدعت سیئہ ہے) کے اعتبار سے یہ حدیث قاعدہ کلیہ ہے، کیونکہ لغوی اعتبار سے فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بدعت کی تقسیم کی ہے، اس اعتبار سے حدیثِ مذکور عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے، جیسے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے: .... =

د-غیر دین کو دین سمجھنا بدعت ہے(۱)۔

ھ-کلیہ کو کلیہ نہ ماننا بدعت کو غیر بدعت کہنا بدعتِ ضلالہ ہے(۲)۔

و-اوپر بیان کر دیا۔

۲......تخطی رقاب ممنوع ہے(۳)،نمازیوں کے سامنے سے مرور بھی ممنوع ہے(۴)۔

= قال: "قال في الأزهار: أي كل بدعةٍ سيئة ضلالةٌ، لقوله عليه السلام: " من سنّ في الإسلام سنةً حسنةً فله أجرها و أجر من عمل بها". و جمع أبو بكر و عمر القرآن.......... وقوله: " كل بدعة ضلالة " عامٌّ مخصوص. قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام في آخر كتاب القواعد: البدعة إما واجبةٌ كتعليم النحو لفهم كلام الله و رسوله اهـ.......... و إما مكروهة: كزخرفة المساجد الخ ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۸، رقم الحديث: ۱۴۱، رشيديه)

(۱) (البدعة) "ماأحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحت حديث: "من أحدث في أمرنا هذا .... اهـ". وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام و هو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم في رد كل البدع والمخترعات، وفي الرواية الثانية (أي بعد الحديث المذكور) زيادة، وهي أنه قد يعاند بعض الفاعلين في بدعة سبق إليها، فإذا احتج عليه بالرواية الأولى، يقول: أنا ما أحدثت شيئاً، فيحتج عليه بالثانية التي فيها التصريح برد كل المحدثات سواء أحدثها الفاعل أو سبق بإحداثها ". (شرح النووي على مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قديمي)

(۳) "عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من تخطى رقاب الناس يوم الجمعة، اتخذ جسراً إلى جهنم". (جامع الترمذي، كتاب الجمعة، باب في كراهية التخطي يوم الجمعة: ۱/۱۱۴، سعيد)

(و مرقاة المفاتيح، باب التنظيف والتبكير، قبيل الفصل الثالث: ۳/۴۸۶، رقم الحديث: ۱۳۹۲، رشيديه)

(ورد المحتار، كتاب الصلوة، قبيل باب العيدين، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد: ۲/۱۶۴، سعيد)

(۴) "قال أبو جهيم رضي الله تعالىٰ عنه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو يعلم المارّ بين يدي المصلي ما ذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيراً له من أن يمرّ بين يديه ". قال أبو النضر: لا أدري قال =

الف-صحیح العمل نہیں۔

ب-منع کی تصریح ہے فقہ میں بھی حدیث میں بھی(۱)۔

۳......اس کا جواب اوپر آ گیا۔

ج-اصلاحِ منکر حسبِ حیثیت لازم ہے، ترک پر وعید ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں ''الوداع''

سوال[۳۸۲۰]: رمضان المبارک کا آخری جمعہ جس کو الوداع کہتے ہیں اس میں جدائی، حسرت و افسوس کے مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ ردع الاخوان میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضامین ثابت نہیں، اس لئے بدعت ہے، حالانکہ ہندوستان میں خصوصاً دہلی میں ہزاروں آدمی الوداع پڑھنے جاتے ہیں۔ شرعاً الوداع پڑھنا بدعت ہے یا کیا حکم ہے؟ اور ایسے مضامین پڑھنے والوں کو منع کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور ایسے خطبوں میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

= أربعين يوماً، أو شهراً أو سنةً". (صحيح البخاری، كتاب الصلوة، باب إثم المار بين يدى المصلی: ۱/۷۳، قديمی)

(والتفصيل فی مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب السترة، الفصل الأول: ۲/۴۸۴، رقم الحديث: ۷۷۶، رشيديه)

وكذا فی الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، بعد مطلب: قرأ: تعالى جدک – بغير الف – لا تفسد: ۱/۶۳۴، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۲۹۳، رقم الحاشية: ۳)

(۲) قال القاری رحمه الله تعالىٰ تحت حديث: "من رأى منكم منكراً الخ": و لفظ "من" لعمومه شمل كل احد رجلاً أو امرأةً، عبداً أوفاسقاً أو صبياً مميزاً. ...... قال النووی رحمه الله تعالىٰ فی شرح مسلم: قوله: "فليغيره بيده" هو أمر إيجاب، وقد تطابع على وجوبه الكتاب والسنة وإجماع الأمة، .... وهو فرض كفاية، فمن تمكن منه و تركه بلا عذر، أثم. و قد يتعين، كما إذا كان فی موضع لا يعلم به إلا هو، أو لا يتمكن من إزالته إلاهو". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/۸۶۲، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ردع الاخوان میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

خطبۃ الوداع

سوال[۳۸۲۱]: رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عام طور سے الوداع خطبہ پڑھتے ہیں، مجموعۂ خطب مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر نہیں، میری نظر میں صرف خطبۂ علمی میں ہے جو محمد حسن علی بریلوی کا نوشتہ الوداع خطبہ ہے اور اکثر مسجدوں میں وہی خطبہ ہے۔کیا الوداع خطبہ بدعت ہے؟ اگر بالفرض بدعت لکھیں تو کس قسم کی بدعت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خطبہ الوداع پڑھنا قرونِ مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں، فقہاء نے اس کے پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدعت ممنوع ہونے کو تفصیل سے مدلل بیان فرمایا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند ۲۵/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) (مجموعۃ رسائل اللکنوی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان: ۲۴/۲، إدارۃ القرآن، کراچی)

"یہ خطبہ بدعت ہے کہ مرثیہ اور اشعار قرونِ مشہود لہا بالخیر میں خطبہ میں منقول نہیں، بالخصوص جب اس فعل کو ضروری جانا جاوے کہ مؤکدہ جاننا کسی امر مستحب کا بھی داخلِ تعدیٔ حدود اللہ اور بدعتِ ضلالہ ہے، چہ جائے کہ امر محدث الخ"۔ (تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، باب البدعات، ص:۱۳۹، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) "الوداع یا الفراق در خطبۂ جمعہ آخر رمضان خواندن، و کلماتِ حسرت و رخصت ادا کردن فی نفسہ امرِ مباح است، بلکہ این کلمات باعثِ ندامت و توبۂ سامعان شود، امیدِ ثواب است، مگر=

ایضاً

سوال[۳۸۲۲]: جمعۃ الوداع میں جوخطبہ متعارفہ "الوداع الوداع یا شهر رمضان الخ" پڑھا جاتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے اگر چہ وہ کتاب ذہن میں نہیں رہی، اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خطبۃ الوداع مکروہ ہے، بدعت ہے، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں جمعۃ الوداع میں جو بدعات ورسوم جاری ہیں ان کی تردیدی کی ہے، اس میں یہ خطبہ بھی ہے(۱) اس طرح اردو فتاویٰ دیوبند تھانہ بھون میں بھی اس کو بدعت لکھا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۷ھ۔

☆……☆……☆……☆……☆

= ثبوتِ این طریق در قرونِ ثلاثہ نیست .... و شاید کسے کہ ایجاد ایں طریق کردہ، خطبۂ آخرِ رمضان را بر خطبۂ استقبال قیاس کردہ، لیکن اهتمامِ خطبۂ وداع کردن چنانچہ درین زمانہ مروج است، و آن را تا بحدِ التزام رسانیدن خالی از ابتداع نیست، علمائے معتمدین را لازم است کہ التزامِ این طریق را ترک کنند، تا عوام از اعتقاد و استحباب و سنیت بلکہ از ضروری بودنِ این طریق خاص نجات یابند". (مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، کتاب الکراہیۃ: ۳۲۹/۴، امجد اکیڈمی لاہور)

(وکذا فی مجموعۃ رسائل اللکنوی رسالۃ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان: ۲۴/۲، إدارۃ القرآن، کراچی)

(۱) "ومن الأمور المحدثۃ ما ذاع فی أکثر بلاد الہند والدکن وغیرہما من تسمیۃ خطبۃ الجمعۃ الأخیرۃ بخطبۃ الوداع، وتضمینہا جملاً دالۃً علی التحسر بذہاب ذلک الشہر، فیدرجون فیہا جملاً دالۃً علی فضائل ذلک الشہر، ویقولون بعد جملۃ أو جملتین: الوداع، والوداع أو الفراق والفراق لشہر رمضان، أو الوداع والوداع یا شہر رمضان، ونحو ذلک من الألفاظ الدالۃ علی ذلک" (مجموعۃ رسائل اللکنوی، ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان: ۲۴/۲، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) (فتاوی دارالعلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاوی، باب الجمعۃ: ۳۰۶/۱، ۳۰۷، دارالاشاعت کراچی)

الفصل الخامس فی أذان الجمعة

(جمعہ کی اذان کا بیان)

جمعہ کی دو اذانوں کا ثبوت

سوال[۳۸۲۳]: جمعہ کے دن پہلی اذان، دوسری خطبہ کی اذان، یہ دو اذانیں جو ہیں ان کا بھی ثبوت دینا کہ دو اذان ہونی چاہئے یا ایک؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے تو ایک ہی اذان جمعہ کے لئے ہوتی تھی، جب مجمع زیادہ ہونے لگا تو بعض خلفائے راشدین ہی کے حکم سے دو اذانیں ہونے لگیں، کذا فی شرح البخاری:

"عن السائب بن یزید قال: کان النداء یوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام علی المنبر علی عهد النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وأبی بکر و عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما، فلما کان عثمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه و تکثر الناس، زاد النداء الثالث علی الزوراء، الخ". فتح الباری: ۲/۳۲٦، ۳۲۷ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی اذانِ ثانی

سوال[۳۸۲۴]: نماز جمعہ میں دو اذان ہوتی ہیں، ان کی کیا اصلیت ہے؟

---

(۱) (فتح الباری، کتاب الجمعة، باب الأذان یوم الجمعة: ۲/۴۹۹، قدیمی)

"(قوله: ویؤذن) ثانیاً (بین یدیه): أی الخطیب". (الدرالمختار). "(قوله: و یؤذن ثانیاً بین یدیه): أی علی سبیل السنیة". (ردالمحتار، کتاب الجمعة، باب الأذان یوم الجمعة: ۲/۱٦۱، سعید)

(فإذا جلس علی المنبر، أذن بین یدیه ثانیاً) وبذلک جری التوارث". (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۵۴، غفاریه کوئٹه)

(و کذا فی البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ قرونِ مشہودلہا بالخیر سے ثابت اور متوارث ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/۵۶ھ۔

جمعہ کے لئے اذان اول سنت ہے یا ثانی؟

سوال[۳۸۲۵]: جمعہ میں اذانِ اولیٰ سنت ہے یا اذانِ ثانی سنت ہے؟ بعد الاذان الثانی مناجات جائز ہے یا نہیں، مناجات چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں اذانیں سنت ہیں(۲)، دوسری اذان کے بعد دعاء دل میں پڑھی جائے زبان سے نہ پڑھی جائے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) "عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة أوّله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فلما كان عثمان رضي الله تعالىٰ عنه و تكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء". قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة ، باب الأذان يوم الجمعة : ۱/۱۲۴ ، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۷، رقم الحاشية : ۱)

(۳)"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام".(مصنف بن أبي شيبة ، كتاب الصلاة ، من كان يقول إذاخطب الإمام فلاتصل ، (رقم الحديث : ۵۱۷۵): ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

"قال في المعراج: فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مأمور بالسكوت". (ردالمحتار، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۲/۱۶۴ ، سعيد) .... =

جمعہ کے دن اذان کہاں دی جائے؟

سوال[۳۸۲۶]: عہدِ نبوی میں جمعہ کی اذانیں کتنی تھیں اور کہاں دی جاتی تھیں، مسجد کی چھت کے نیچے یا چھت سے باہر؟ مقام کی تعیین کرتے ہوئے لکھیں کہ آج کی مروجہ اذان ایک چھت کے نیچے اور دوسرے چھت سے باہر کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہدِ نبوی -صلی اللہ علیہ وسلم- میں اذان جمعہ ایک ہی تھی جو کہ بابِ مسجد پر ہوتی تھی، جب کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے آتے تھے اور اس اذان کے بعد خطبہ ہوتا تھا، لوگ عامۃً سنتیں اپنے مکان سے پڑھ کر آتے تھے، اس اذان کی آواز مسجد کے باہر والوں کو بھی پہونچتی تھی اور اندر والوں کو بھی پہونچتی تھی، اذانِ خطبہ سے قبل اذان نہیں ہوتی تھی، یہی کیفیت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں رہیں، پھر خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مجمع بہت زیادہ ہونے لگا تو ایک اذان بازار میں ''زوراء'' مقام پر متعین کی گئی تا کہ بیرونِ مسجد دور تک آواز پہونچ جائے اور لوگ نماز کے لئے آجائیں۔ اس کے بعد ایک اَور اذان امام کے سامنے اندرونِ مسجد کے لئے رہی تا کہ حاضرینِ مسجد اس کو سن کر نوافل، تلاوت، تسبیح سے فارغ ہو جائیں اور خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جائیں۔

اس اذان کا حال اقامت کی طرح ہے کہ وہ بھی حاضرینِ مسجد کے لئے ہے، اس میں آواز زیادہ بلند نہیں کی جاتی اور کسی بلند جگہ پر بھی اس کا ہونا مستحب نہیں (۱)۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے، جس کا نام ''تنشیط الاذان'' ہے (۲)، اس میں پوری تفصیل اور دلائل مذکور ہیں:

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۰، رشيديه)

(۱) "(لغز): أيّ الأذان لايستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) (تنشيط الأذان في تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولنا خليل احمد سهارنپوري)

"حدثنا محمد بن مسلمة المرادی حدثنا ابن وهب عن یونس عن ابن شهاب، أخبرنی السائب بن یزید أن الأذان کان أوّله حین یجلس الإمام علی المنبر یوم الجمعة فی عهد النبی –علیه السلام– وأبی بکر وعمر –رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما–، فلما کان خلافة عثمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وکثر الناس، أمر عثمان یوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به علی الزوراء، فثبت الأمر علی ذلك". (أبوداؤد)(۱)۔

"لم یکن فی زمان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وأبی بکر وعمر –رضی اللّٰه تعالیٰ عنه– قبل أذان الخطبة أذان. .... قال الحافظ فی الفتح فی روایة وکیع عن ابن أبی ذئب: فأمر عثمان بالأذان الأول، ونحوهٗ للشافعی من هذا الوجه، ولا منافاة بینهما؛ لأنه باعتبار کونه مزیداً یسمّیٰ ثالثاً، وباعتبار کونه جعل مقدماً علی الأذان والإقامة سمی أولاً. ولفظ روایة عقیل: إن التأذین بالثانی أمر به عثمان، وتسمیته ثانیاً أیضاً متوجه بالنظر إلی الأذان الحقیقی، لا الإقامة. قال أبو عبداللّٰه البخاری فی صحیحه: الزوراء موضع بالسوق بالمدینةِ الخ". بذل المجهود(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جمعہ کی اذان ثانی کس جگہ ہو؟

سوال[۳۸۲۷]: جمعہ میں اذانِ ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہیے یا بیرونِ مسجد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس اذان کا حال اقامت کی طرح ہے یعنی یہ حاضرینِ مسجد کی اطلاع کے لئے ہے کہ اب خطبہ کے لئے تیار ہو جاؤ، نفل، تسبیح، تلاوت ختم کردو، کذا فی السعایة شرح شرح وقایة(۳)۔ پس یہ اذان خطیب

(۱) (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب النداء یوم الجمعة: ۱۶۲/۱، مکتبه امدادیه، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، تفریع أبواب الجمعة، باب النداء یوم الجمعة: ۱۸۰/۲، امدادیه)

(۳) (لغزٌ) أیُّ الأذان لا یستحبّ رفع الصوت فیه؟ قیل: هو الأذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنه کالإقامة لإعلام الحاضرین، صرح به جماعة من الفقهاء". (السعایة للعلامة اللکنویؒ، کتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۳۸/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور) .... =

کے مقابل پہلی صف میں یا نمازیوں کی قلت وکثرت کے اعتبار سے جس میں مناسب ہو کہ سب تک آواز پہونچ جائے، مسجد ہی میں دی جائے، یہی متوارث ہے(۱)۔اس پر مستقل ایک رسالہ ہے"تنشیط الآذان فی تحقیق محل الأذان" (۲) اس میں دلائل مذکور ہیں۔فقط۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کا محل

سوال[۳۸۲۸]: جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے متعلق اگر کوئی شخص یہ قید لگائے کہ منبر کے سامنے ہونا چاہیے اور اس پر اصرار اور تشدد کرتا ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: محمد حسین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری اذان کا منبر کے سامنے ہونا سنت ہے اس پر ہمیشگی باعثِ ثواب ہے اسکے خلاف کرنا خلافِ سنت ہے:

= "إن بلالاً كان يؤذن على باب المسجد، فالظاهر أنه كان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات، نعم! لما زِيدَ الأذان الأول، كان للإعلام، وكان الذى بين الخطيب للإنصات". (نيل الأوطار للشوكانى، كتاب الجمعة، باب تسليم الإمام إذا رقى المنبر، والتأذين إذا جلس عليه واستقبال المأمومين: ۳/۳۲۲، دار الباز، مكة المكرمة)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۲/۵۰۰، قديمى)

(۱) "وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذلك جرى التوارث".

(الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه، ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۶۱، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) دیکھئے: (تنشيط الأذان فى تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولنٰا خليل أحمد سهارنپورى رحمه الله تعالىٰ)

"ویؤذن ثانیاً بین یدی الخطیب علی سبیل السنة، اهـ". ردالمحتار، ص: ۸٦۰(۱)۔"وفي البحر: فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه، بذلك جرى التوارث. والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس، وفي القدوري: بين يدي المنبر، وهو مجاز إطلاقاً لاسم المحل على الحال، اهـ". ۲/ ۱۵۷(۲)۔

اس مسئلہ کی تفصیل تنشیط الأذان میں ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۷/ ۵٦ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ رجب/ ۵٦ھ۔

اذانِ خطبہ کا محل

سوال[۳۸۲۹]: خطبۂ جمعہ کی اذان کے متعلق سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث میں دو روایت ہیں، اس میں "علی باب المسجد" کا لفظ نہیں اور فقہائے کرام نے اس کو نقل بھی فرمایا ہے اور سنن ابی داود کے ص:۱۵٦(۴)، میں جو حدیث محمد ابن اسحاق سے مروی ہے اس میں "علی باب المسجد" کا لفظ ہے، مگر فقہائے کرام اس کو نقل نہیں فرماتے تو محمد بن اسحٰق راوی میں کونسا عیب ہے جس کی وجہ سے فقہائے کرام نے اپنی کتابوں میں "دروازے پر" کا لفظ نہیں لکھا اور "بین یدی" کا لفظ منبر پر سے کتنی دور تک اطلاق کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کو محمد بن اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ بواسطۂ زہری نقل کرتے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں: "حدثنا النفيلي نا محمد بن سلمة عن محمد بن إسحاق عن الزهري عن السائب بن يزيد، قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۱٦۱، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة: ۵٦۱، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۳) دیکھئے:(تنشيط الآذان في تحقيق محل الأذان، تالیف: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری)

(۴) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/ ۱۵۵، مكتبه دار الحديث، ملتان)

على باب المسجد وأبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه و عمر رضي الله تعالىٰ عنه اهـ" (۱)۔

اس روایت میں دونوں لفظ موجود ہیں: "بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" اور "على باب المسجد"

احناف نے اس روایت کو ترک نہیں کیا بلکہ دونوں لفظوں کے درمیان جمع کیا ہے:

ولا منافاة بين قوله: "بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" و بين "على باب المسجد" فإن باب المسجد هذا كان في جهة الشمال، فإذا جلس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المنبر للخطبة يكون هذا الباب قُدامه، فكونه بين يديه عام شامل لما كان في محاذاته أوشيئاً منحرفاً إلى اليمين أوالشمال أو يكون على الأرض أوالجدار، اهـ". بذل المجهود: ۲/۱۸۰(۲)۔

"وأما لفظ: "على الباب" "فعلى" ههنا بمعنى "في" وحروف الجر يقوم بعضها موضع بعض كما في قوله تعالىٰ: ﴿على جذوع النخل﴾ عند بعضهم، فيكون معنىٰ قوله: "على الباب اى في الباب في داخل المسجد، وهذا الباب كان قريباً من المنبر، فلامنافاة بين قوله: "بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" و بين قوله: "على الباب" كما هو ظاهرٌ۔ و لا يخفىٰ أن باب المسجد هناك لم يكن خارجه كما في زماننا، فإن العمارة لم تكن من الخارج محيطةً بالمسجد هناك، كما يفهم من ظاهر ما رواه أبوداؤد: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كنت أبيت في المسجد في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وكنت فتىً شاباً عزباً، و كانت الكلاب تبول و تقبل و تدبر في المسجد، فلم يكونوا يرشّون شيئًا من ذلك"۔ و قد تقدم في باب طهارة الأرض بالجفاف: "وكانت له ثلاثة أبواب". كما في عمدة القاري: ۱/۳۵۸(۳)۔

---

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مكتبه دار الحديث، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۲/۱۸۰، مكتبه امداديه ملتان)

(۳) (عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۶/۳۰۴، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة: ۸/۲۸، إدارة القرآن، كراچى)

"و كان أحد الأبواب محاذياً للمنبر كما في البخاري "عن أبي نمير أنه سمع أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يذكر أن رجلاً دخل يوم الجمعة من باب كان وجاة المنبر ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الخ". ۱/۱۳۷(۱)۔

"فحاصل هذا الكلام أن الأذان كان بين يدي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في باب المسجد داخله، و هو بين يدي المنبر محاذياً له، فلم يلزم كون الأذان خارج المسجد، اهـ". إعلاء السنن:۸/٤۷ (۲)۔

"قال المهلب: الحكمة في جعل الأذان في هذا المحل ليعرف الناس جلوس الإمام على المنبر، فينصتون له إذا خطب. قال الحافظ: في الفتح:۲/۳۲۷(۳): و فيه نظرٌ لما عند الطبراني وغيره في هذا الحديث "أن بلالاً كان يؤذن على باب المسجد" فالظاهر أنه كان لمطلق الإعلام لا لخصوص الإنصات، نعم! لمّا زِيدَ الأذان الأول، كان للإعلام، وكان الذي بين الخطيب للإنصات، اهـ". نيل الأوطار:۳/۱٤۰(٤)۔

اس لئے راوی پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں، محمد بن اسحاق کا ترجمہ تہذیب التہذیب جلد:۲ میں چار ورق پر لکھا ہے، اصحابِ جرح وتعدیل کے دونوں قسم کے اقوال ان کے متعلق نقل کئے گئے ہیں(۵)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء في المسجد الجامع : ۱/۱۳۷، قديمي)

(۲) (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة : ۸/۶۹، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة : ۲/۵۰۰، قديمي)

(۴) (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجمعة، باب تسليم الإمام إذا رقى المنبر والتأذين إذا جلس عليه واستقبال المأمومين له : ۳/۳۲۲، دارالباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۵) "و قال ابن المديني: سمعت سفيان قال: قال ابن شهاب، وسُئل عن مغازيه فقال: هذا أعلم الناس بها، وقال الأثرم عن أحمد: هو حَسَن الحديث. وقال مالك: دجّال من الدجاجلة، و قال البخاري: رأيت عليّ بن عبد الله يحتج بحديث ابن إسحاق، قال يعقوب: و سألت ابن المديني: كيف حديث ابن إسحاق عندك؟ فقال: صحيح، قلت له: فكلام مالك فيه؟ قال: مالك يجالسه و لم يعرفه. وقال =

پھر ہدایہ(۱)اورشرح ہدایہ میں اس اذان کا محل "بین یدی الخطیب" لکھا ہےاوراس کی دلیل میں توارث کو پیش کیا(۲)اورصحابہ کرام سے جوامر متوارث ہو وہ بحکمِ تواتر ہے،اس لئے انکار کی گنجائش نہیں۔خود اس مسئلہ پر فریقین کے متعدد رسائل بھی شائع ہو چکے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۳/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،۱۴/شوال/۶۶ھ۔

صحیح:عبد اللطیف۔

اذانِ خطبہ کا محل

سوال[۳۸۳۰]:۱......قبل جمعہ اذانِ ثانی از روئے شرع کس جگہ سے دینی چاہیے؟

۲......اذانِ ثانی روبروئے خطیب داخلِ مسجد منبر کے قریب ہونا کیسا ہے؟اور روبروئے خطیب خارجِ مسجد سنت ہے یا نہیں؟

= ابن عيينة: سمعت شعبة يقول: محمد بن إسحاق أمير المؤمنين في الحديث، روى له مسلم في المتابعات، وعلّق له البخاري. وقال أبو يعلى الخليلي: محمد بن إسحاق عالمٌ كبيرٌ، و إنما لم يخرجه البخاري من أجل روايته المطولات وقد استشهد به، وأكثر عنه يحكي في أيام النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفي أحواله وفي التواريخ، و هو عالمٌ واسع الرواية و العلم ثقةٌ. وقال ابن البرق: لم أر أهل الحديث يختلفون في ثقته و حسن حديثه و روايته". (تهذيب التهذيب، لابن حجر العسقلاني تحت لفظ: "ميم محمد، الف"، (رقم الترجمة: ۵۱): ۹/۳۸، ۴۶، دار صادر بيروت)

(۱) "وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر، بذلك جرى التوارث". (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وأذن المؤذنون بين يدي المنبر) هذا هو الأذان الأصلي الذي كان في زمان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما من بعده، ثم حدث الأذان الآخر، و هو الأذان الأول في عهد عثمان -رضي الله تعالىٰ عنه- كما ذكرنا (بذلك): أي بالأذان بين يديه المنبر بعد الأذان الأول على المنارة (حدث التوارث) من زمن عثمان بن عفان إلى يومنا هذا". (البناية للعيني، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳/۱۰۱، ۱۰۲، رشيديه)

۳......اذانِ مذکور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں داخلِ مسجد ہوا کرتی تھی یا خارجِ مسجد؟

۴......اذانِ ثانی مذکور سطح پر ہونا کیسا ہے؟

۵......جس حدیث سے اذانِ مذکور خارجِ مسجد ہونا ثابت ہے وہ حدیث منسوخ ہے کہ نہیں؟

۶......اگر خارجِ مسجد اذان ہونے والی حدیث منسوخ ہے تو ناسخ کون سی حدیث ہے؟

۷......حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت منسوخ نہ ہو، اس کو رائج کرنا کیسا ہے؟

۸......قوم کے عمل سے جو سنت اٹھ چکی ہے اس کو رائج کرنے والے کی فضیلت بیان فرماویں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۸......مسائلِ فقہیہ کے ثبوت کے لئے چار اصول ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ بعض مسائل صاف صاف قرآن پاک میں ہیں، بعض حدیث شریف میں ہیں، بعض اجماع سے ثابت ہیں، بعض قیاس سے(۱)۔ ماخذ کو کسی ایک دلیل میں منحصر کرکے سوال کرنا منصبِ سائل کے خلاف ہے، اس کا حاصل تو یہ ہوگا (کہ) سائل فقط ایک دلیل کو تسلیم کرتا ہے، بقیہ تین دلیلیں اس کے لئے بے کار ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتا، ان سے مسائل ثابت نہیں مانتا۔ اگر سائل مقلد ہے تو اس کا یہ سوال اپنے حوصلہ سے بڑھ کر ہے، اگر سوال علمی تشنگی کی سیرابی کے لئے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے لئے اردو میں ایک رسالہ ہے "تنشیط الاذان" (۲) اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے، ادلۂ اربعہ سے ثابت کیا ہے۔

جس حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے وہ ابوداؤد شریف میں مذکور ہے (۳)، بذل المجہود شرح سنن

---

(۱) "اعلم أن أصول الشرع ثلثة .... الكتاب والسنة وإجماع الأمة .... والأصل الرابع: القياس". (نور الأنوار، تفهيم أصول الشرع، ص: ۵، سعيد)

(۲) (تنشيط الأذان في تحقيق محل الأذان، تاليف حضرت مولانا خليل أحمد سهارنپوری رحمة الله تعالىٰ عليه)

(۳) "عن ابن شهاب، أخبرني السائب بن يزيد أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما، فلما كان خلافة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه وكثر الناس، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر =

أبی داؤد شریف(۱) میں پوری اس کی تفصیل مذکور ہے، رُواۃ پر بھی کلام مذکور ہے، کانپور کرنیل گنج سے ایک ماہنامہ ’’نظام‘‘ نکلتا ہے، اس میں اس حدیث پر پوری بحث (دیرہوئی) شائع ہوچکی ہے۔

مختصراً اتنا عرض ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ پاک کی آبادی کے لحاظ سے صرف ایک اذان بابِ مسجد پر منبر کے سامنے ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک اذان کا اضافہ ہوا، وہ بلند جگہ پر بازار میں بیرونِ مسجد ہوتی تھی اور دوسری اذان اندرونِ مسجد ہونے لگی، پہلی اذان اعلامِ غائبین کے لئے اور دوسری اعلامِ حاضرین کے لئے مثلِ اقامت، اس وجہ سے پہلی اذان میں آواز زیادہ بلند کی جاتی ہے، دوسری میں معمولی آواز پر کفایت کی جاتی ہے تاکہ حاضرینِ مسجد خطبہ کے لئے تیار ہوجائیں، نوافل وغیرہ سے فارغ ہوجائیں(۲)۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس کا اہتمام ہوا، خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی حدیث پاک میں تاکید ہے، پس ان کی سنت پر عمل کرنا بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے ہے، جو کہ خلافِ حدیث نہیں بلکہ عین موافقِ حدیث ہے۔ وہ حضرات منشائے حدیث کو سمجھنے والے اور اس

= على ذلك". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب النداء يوم الجمعة : ۱/۱۶۲، مكتبه امداديه)

(۱) "قال الحافظ في الفتح في رواية وكيع عن ابن أبي ذئب: فأمر عثمان رضي الله تعالىٰ عنه بالأذان الأول، ونحوه للشافعي من هذا الوجه، ولا منا فاة بينهما؛ لأنه باعتبار كونه مزيداً يسمى ثالثاً، وباعتبار كونه جعل مقدماً على الأذان والإقامة سمي أولاً، ولفظ رواية عقيل: إن التأذين بالثاني أمربه عثمان رضي الله تعالىٰ عنه وتسميته ثانياً أيضاً متوجه بالنظر إلى الأذان الحقيقي .... قال الحافظ: والذي يظهر أن الناس أخذوا بفعل عثمان في جميع البلاد؛ إذ ذاك لكونه خليفةً مطاعَ الأمر. وروى ابن أبي شيبة من طريق ابن عمر". (بذل المجهود في حل أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب النداء يوم الجمعة : ۲/۱۸۰، مكتبه امداديه، ملتان)

(۲) "(لغزٌ) أيُّ الأذان لايستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرّح به جماعة من الفقهاء". (السعاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمی)

پرعمل کرنے والے اوراس کوشائع کرنے والے ہیں۔ایسے مواقع میں ناسخ ومنسوخ کی بحث ہی بے محل ہے(۱)۔
عینی شرح بخاری وفتح الباری وفیض الباری کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لئے مفید ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱/۸۸ھ۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کا مقام اور محمد بن اسحاق کا حال

سوال[۳۸۳۱]: ۱......سنن ابوداؤد شریف کی وہ حدیث کہ جس میں "أذان علی باب المسجد" کا ذکر ہے،اس کی سند میں جو محمد بن اسحاق ہے وہ کذاب اور دجال ہے یا نہیں؟اور حدیثِ مذکور قابلِ عمل ہے یا متروک العمل؟

۲......اگر کوئی مولوی راویٔ مذکور یعنی محمد بن اسحاق کو کذاب و دجال کہے اور پھر اس پر اصرار کرے تو شریعتِ مطہرہ کی طرف سے اس قسم کے مولوی پر کیا حکم عائد ہوگا؟

۳......اگر کسی حنفی مذہب والے کا"علی الباب المسجد" حدیث پر عمل ہو اور کوئی شخص اس کو غیر مقلد اور لامذہبی بتائے اور اس میں شمار کرے اور امام کے سامنے مسجد کے کنارے پر جمعہ کی اذانِ ثانی دینے کو بدعتِ سیئہ بتائے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴......اگر حنفی مذہب ماننے والے جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے مسجد کے کنارے پر دلوائے اور اس پر کوئی مصلی بار بار انکار کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو لے کر مسجد سے باہر ہو جائے اور لعن وطعن کہتے ہوئے کسی میدان میں جا کر نماز پڑھے تو ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟اور اس قسم کے مولوی پر شریعتِ مقدسہ کی طرف سے کیا حکم عائد ہوگا؟

---

(۱) "قال سمعت العرباض بن سارية رضی اللہ تعالیٰ عنه يقول: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، فوعظنا موعظةً بليغةً، وَجِلت منها القلوب، وذرفت منها العيون، فقيل: يارسول الله! وعظت موعظة مودّع، فاعهد إلينا بعهد، فقال: "عليكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن عبداً حبشياً، وسترون من بعدى اختلافاً شديداً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم والأمور المحدثات، فإن كل بدعة ضلالة". (سنن ابن ماجة، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين: ۱/۵، قديمی)

۵......موذن مسجد کے دروازے کے کنارے پراذانِ ثانی دے کرا قامت کیلئے صفِ اول میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اوراگر کسی عذر سے بالکل پچھلی صف میں اقامت کہے تو درست ہوگا یا نہیں؟ مسجد کے کنارے سے دروازہ مراد ہے یا کوئی دوسری جگہ مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محمد بن اسحاق کے متعلق اصحابِ جرح وتعدیل میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو کذاب بھی کہا تھا اور دوسرے حضرات نے امام المغازی بھی لکھا ہے، راجح قول یہ ہے کہ مغازی وسیر میں ان کی روایت مطلقاً معتبر ہے، چنانچہ مسلم وترمذی، ابوداود، نسائی نے ان کی حدیث لی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیق میں روایت لی ہے امام احمد اور منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو "حَسَن الحديث" فرمایا ہے، علی بن المدینی نے فرمایا ہے: "يحتج به" یعنی ان کی بیان کردہ روایت کو بطور حجت پیش کرنا درست ہے(۱)، شیخ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "أمير المؤمنين في الحديث، ثقةٌ ثقةٌ ثقةٌ"(۲)۔ اور جب اصحابِ صحاح ان پر

(۱) "و قال ابن المديني: سمعت سفيان قال: قال ابن شهاب، و سئل عن مغازيه، فقال: هذا أعلم الناس بها،......... وقال الأثرم عن أحمد .... هو حَسَن الحديث. و قال مالک: دجالٌ من الدجاجلة. و قال البخاری: رأيت علی بن عبد الله يحتج بحديث ابن إسحاق. ....قال يعقوب: و سالت ابن المدينی کيف حديث ابن إسحاق عندک؟ فقال: صحيحٌ، قلت له: فکلام مالک فيه؟ قال: مالک يجالسه و لم يعرفه......... وقال ابن عيينة: سمعت شعبة يقول: محمد بن إسحاق أمير المؤمنين فی الحديث،......... روی له مسلم فی المتابعات، وعلّق له البخاری .... وقال أبو يعلی الخليلی: محمد بن إسحاق عالمٌ کبيرٌ، و إنما لم يخرّجه البخاری من أجل روايته المطولات، و قد أستشهد به، وأکثر عنه فيما يحکی فی أيام النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم وفی أحواله وفی التواريخ، وهو عالمٌ واسع الرواية و العلم ثقةٌ. وقال ابن البرقی: لم أر أهل الحديث يختلفون فی ثقته وحسن حديثه و روايته". (تهذيب التهذيب لابن حجر العسقلانی تحت لفظ "ميم محمد، الف"،(رقم الترجمة : ۵۱، ۹/۳۸، ۴۶، دار صادر بيروت)

(۲) "كذا ذكره ابن حبان في الثقات". (لسان الميزان لابن الحجر، مَن اسمه محمد، ۷۰۶۳، ۵/۷۵، دار الكتب العلمية)

"وقال الحاكم: وذكر عن البوشيخی أنه قال: هو (محمد بن إسحاق) عندنا ثقة ثقة". (تهذيب =

اعتماد کرتے ہیں اوران کی روایت کواپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اوربطور حجت پیش کرتے ہیں تو اب ان پر اس قسم کی نکتہ چینی کرنا جس سے عوام میں فتنہ پیدا ہو، ہرگز نہیں چاہیے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جمعہ کے لئے ایک ہی اذان ہوتی تھی اور وہ مسجد سے باہر بلند جگہ پر ہوتی تھی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی یہ طریقہ رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر دور میں دو اذانیں شروع ہوئیں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کا شیوع ہوا کہ ایک اذان بلند جگہ پر ہو جس سے مسجد سے باہر تک آواز جائے اور غائبین نماز کیلئے آنے لگیں اور دوسری اذان منبر کے سامنے متعین کی گئی جس کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ مسجد میں حاضر ہیں وہ خطبہ سننے کے لئے آمادہ ہو جائیں، سنن، نوافل، تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو جائیں، اس اذان میں زیادہ بلند آواز نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ اقامت کی طرح اعلامِ حاضرین کے لئے ہے۔ پھر یہی طریقہ بطور توارث منقول چلا آ رہا ہے اور اسی پر شرقاً غرباً اہل اسلام کا عمل ہے۔

مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد میں منبر کے سامنے ہونی چاہیے خواہ پہلی صف میں ہو خواہ کسی اَور صف میں، مثلاً مسجد بہت بڑی ہے اور نمازی زیادہ ہیں تو تیسری، چوتھی صف میں جیسا مناسب ہو تجویز کر دی جائے، اس پر اختلاف اور نزاع نہیں کرنا چاہئے، نہ یہ اصرار ہو کہ باب مسجد پر ہی ہوگی، نہ یہ اصرار ہو کہ پہلی ہی صف میں ہوگی (۱)، پھر اس کی وجہ سے مسجد چھوڑ کر باہر میدان میں جا کر جماعت کرنا تو بہت غلط کام ہے

= التهذيب: ۹/۴۶، دار صادر)

"وقال العجلي: مدنيٌّ ثقةٌ". (تهذيب الكمال في أسماء الرجال: ۲۴/۴۲۴، مؤسسة الرسالة)

(۱) "عن ابن الشهاب، أخبرني السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه أن الأذان كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر يوم الجمعة في عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأبي بكر و عمر -رضي الله تعالىٰ عنه- فلما كان خلافة عثمان رضي الله تعالىٰ عنه وكثر الناس أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة: ۱/۱۵۵، مكتبه دار الحديث، ملتان)

"(لغز) أيّ أذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرّح جماعة من الفقهاء". (السعاية، كتاب الصلاة، =

اگر چہ نماز ان کی بھی ہو جائے گی۔اس مسئلہ کی وجہ سے فرقہ بندی نہ کی جائے (۱) اور ایک دوسرے پر لعن طعن نہ کریں کہ یہ سخت مذموم ہے اور عند الشرع ممنوع ہے (۲)۔

باب مسجد پر اذانِ ثانی کہہ کر صفوف کو پھلاند کر پہلی صف پر جانا شرعاً ناپسند ہے۔اس مسئلہ پر مستقل رسالے بھی لکھے گئے ہیں اور شروحِ حدیث میں اس کی تفصیل مذکور ہے جس کا خلاصہ اوپر نقل کر دیا گیا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۸۹ھ۔

جمعہ کے روز اذانِ خطبہ کا مقام

سوال [۳۸۳۲]: ۱...... جمعہ کی اذانِ ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

= باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن : ۳۸/۲، سهيل اكيڈمى)

"(فإذا جلس على المنبر، أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة) بذلك جرى التوارث. والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۴/۲، رشيديه)

"وإذا جلس الإمام على المنبر .... أذن أذاناً ثانياً.......... بين يديه: أى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أو الإمام أو يساره قريباً منه وسطهما، فيشمل ما إذا أذن في زاوية قائمة أو حادّة أو منفرجة". (جامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲۶۸/۱، مكتبه كريميه)

(۱) "عن رجل رضي الله تعالىٰ عنه قال: "انتهيت إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو يقول : "أيها الناس! عليكم بالجماعة و إياكم والفرقة، أيها الناس! عليكم بالجماعة إياكم والفرقة". ثلاث مرار". (مسند أحمد، أحاديث رجال من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، (رقم الحديث : ۲۲۶۲۵): ۵۱۱/۶، دار إحياء التراث بيروت)

(۲) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان و لا باللعان و لاالفاحش والبذىّ". هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في اللعنة : ۱۸/۲، سعيد)

۲......خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی؟

۳......فقہائے حنفیہ کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا ہے اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

۴......اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں (عمل) اس پر لازم ہے یا رسم ورواج پر؟ اور جو رسم و رواج حدیث شریف میں واحکامِ فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑ جانا؟

۵......نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین واحکامِ ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو؟

۶......مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابقِ حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف؟ اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں، یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل، اگرچہ خلافِ شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

۷......سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا مردہ؟ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے، یا جو سنت خود رائج ہو وہ مردہ قرار پائے گی؟

۸......علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنتِ مُردہ کو زندہ کریں؟ اگر ہے تو کیا اس وقت ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہیں تھے؟ اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

۹......جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرونِ مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

۱۰......جن مسجدوں میں ایسے منبر بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے، اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا، وہاں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱.....حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں یہی ایک اذان جمعہ کے لئے بابِ مسجد پر ہوتی تھی: "كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبى بكر -رضى الله تعالىٰ عنهما- وعمر -رضى الله تعالىٰ عنهما- الخ". أبوداؤد شريف: ١٦٢/١ (١)-

۲.....خلیفۂ اول وثانی کے دور میں بھی یہی صورت رہی، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس اذان سے پہلے ایک اذان کا اضافہ ہوا، جو بیرونِ مسجد مقامِ "زوراء" پر ہوتی تھی اور اذانِ سابق بدستور اپنی جگہ رہی: "فلما كان خلافة عثمان وكثُر الناس، أمر عثمان -رضى الله تعالىٰ عنه- يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك، اه". أبوداؤد شريف: ١٦٢/١ (٢)-

۳.....جس اذان کا مقصود اعلامِ غائبین ہے، اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ بلند مقام پر بلند آواز سے ہونی چاہیے تاکہ دور تک آواز پہنچے اور لوگ نماز کے لئے چل دیں، اگر مسجد کے اندر اذان ہو تو اس سے یہ مقصد پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے:

قال ابن عابدينؒ: "وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضعٍ عالٍ يكون أسمعَ للجيران،

---

(١) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم القيامة: ١٥٥/١، دار الحديث، ملتان)

"عن السائب بن يزيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: "كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما، فلما كان عثمان وكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء. قال أبوعبدالله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة".

(صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ١٢٤/١، قديمي)

(وجامع الترمذي أبواب الجمعة، باب ماجاء في أذان الجمعة: ١١٥/١، سعيد)

(٢) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم القيامة: ١٥٥/١، دار الحديث، ملتان)

ویرفع صوته". كذا في ردالمحتار(١)۔ "وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد، كذا في فتاوى قاضي خان".(٢) هكذا في الفتاوى الهنديه(٣)۔

جواذان منبر کے سامنے خطبہ کے لئے ہوتی ہے اس کا مقصود غائبین کو خبر دینا نہیں، بلکہ جو لوگ مسجد میں حاضر ہیں اور نوافل، تلاوت، تسبیح، درود شریف میں مشغول ہیں، ان کو آگاہ کرنا ہے کہ اب ان سب سے فارغ ہوکر خطبہ سننے میں مشغول ہوجائیں، اس لئے اس اذان کا نہ بلند جگہ پر ہونا مستحب ہے، نہ خارج مسجد، نہ اس میں آواز زیادہ بلند کرنا مستحب ہے، بلکہ یہ تو اقامت (تکبیر) کی طرح ہے کہ وہ مسجد ہی میں معمولی آواز سے ہوتی ہے، اس کو دوسری اذانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ چنانچہ شرح وقایہ کی شرح میں ہے:

"(لغز): أيُّ الأذان لايستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرّح به جماعة من الفقهاء، اهـ". سعايه(٤)۔

اس اذان کا یہی طریقہ متوارث چلا آرہا ہے، اس کو متغیر کرنا اور خارج مسجد تجویز کرنا اس توارث کے خلاف ہے(٥)۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ١/٣٨٤، سعيد)

(٢) (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصلاة، مسائل الأذان: ١/٣٧، المطبع العالي الواقع في اللكنو)

(٣) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والاقامة: ١/٥٥، رشيديه)

(٤) (السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ٢/٣٨، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(٥) "فإذا جلس على المنبر، أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢/٢٧٤، رشيديه)

"(ويؤذن) ثانياً (بين يديه): أي الخطيب .... (إذا جلس على المنبر)". (الدرالمختار)

"(قوله: ويؤذن ثانياً بين يديه): أي على سبيل السنية، كما يظهر من كلامهم، رملي". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ٢/١٦١، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ١/١٤٩، رشيديه)

۴......حدیث وفقہ پر عمل کیا جائے نہ کہ رسم ورواج پر، اس اذان کا مسجد میں ہونا رسم ورواج کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا یہ طریقہ ثابت ہے جیسا کہ اوپر گزرا(۱)۔

۵......حدیث وفقہ کے خلاف جو بات ہو وہ نئی اور مُحْدَث اور بدعت ہوگی، مگر اس اذان کا مسجد میں ہونا نئی بات محدث اور بدعت نہیں (۲)۔

۶......وہاں مسجد کے اندر ہوتی ہے اور یہ تنخواہ دار مؤذنوں کا اپنا ذاتی فعل نہیں کہ اس پر نکیر نہ کرنے کی وجہ سے علماء کو مطعون کیا جائے، بلکہ حدیث وفقہ کے موافق ہے اور صحیح ہے، جس پر نکیر کرنا غلط ہوگا اور نکیر نہ کرنے کی وجہ سے علماء کو مطعون کرنا غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہوگا (۳)۔

۷......اس اذان کا مسجد میں ہونا کوئی مُردہ سنت نہیں کہ اس کو مٹا کر سو شہیدوں کا ثواب حاصل کیا جائے، بلکہ یہ زندہ سنت ہے، اس کو باقی رکھنا چاہیے، اس کو مٹانا نہیں چاہیے۔ "إذا صعد الإمام المنبر، جلس وأذن المؤذن بين يدى المنبر، بذلك جرى التوارث، اه". هدایه(٤)۔

بلکہ کلامِ فقہاء سے تو اذانِ اول کے متعلق بھی تشدد معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ خارجِ مسجد ہی ہو، کیوں کہ خود اذان کوئی ایسا کام نہیں جو شانِ مسجد کے خلاف ہو، صرف دور تک آواز پہونچانے کے لئے خارجِ مسجد اور بلند جگہ پر ہونا مستحب ہے: "وإذا أذن الأول: أى أول أذان بعد الزوال سواء كان على المنارة أو

---

(۱) (راجع، ص: ۳۱۳، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: قالت: قال النبى صلى الله عليه وسلم: "من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب إذا صطلحوا على صلح جور، فهورد: ۱/۳۷۱، قديمى)

"وعرفها (أى البدعة) الشمنىّ بأنها ماأحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجُعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً".

(ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵٦۰، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۳۱۴، رقم الحاشية: ۵)

(۴) (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علميه، ملتان)

عندالخطبة، اه". جامع الرموز(۱)۔

۸...... جوکام واقعتاً حدیث وفقہ کے خلاف چل رہا ہو اس کی اصلاح علماء کے ذمہ حسب حیثیت لازم ہے(۲) اور یہ عذر کہ پہلے علماء نے اس کی اصلاح نہیں کی، کیا وہ علماء نہیں تھے قابلِ التفات نہیں، لیکن اس اذان کا مسجد میں ہونا حدیث وفقہ کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے:"وكان الحسن بن زياد يقول: المعتبر هو الأذان على المنارة؛ لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر، تفوته أداء السنة وسماع الخطبة. وكان الطحاوی يقول: المعتبر هو الأذان عندالمنبر بعد خروج الإمام، اه". عنايه (۳)۔

---

(۱) (جامع الرموز للقهستانی، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۶۶، كريميه)

"(ووجب سعيٌ إليها، وترک البيع) .... (بالأذان الأول) في الأصح الخ". (الدرالمختار). "(قوله: في الأصح) .... والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذی يكون على المنارة بعد الزوال". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۶۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير، ويأمرون بالمعروف، وينهون عن المنكر، وأولئک هم المفلحون﴾. (سورة آل عمران،پ:۴، آية: ۱۰۴)

"ففي الآية بيان الإيجاب، فإن قوله تعالىٰ ﴿ولتكن﴾ أمرٌ، وظاهره الإيجاب". (إحياء علوم الدين للإمام الغزالی، كتاب الأمربالمعروف والنهی عن المنكر، الباب الأول في وجوبها : ۲/۳۰۶، دارإحياء التراث)

"وقال صلى الله عليه وسلم : "إن الله لايعذب العامة بعمل الخاصة، حتى يرى المنكر بين أظهرهم وهم قادرون على أن ينكروه، فلا ينكره". (مسند للإمام أحمد، رقم الحديث: ۱۷۲۶۷): ۵/۲۱۳، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

"النصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه ويطاع أمره". (شرح النووی على مسلم، كتاب الإيمان، باب: ان الدين النصيحة: ۱/۵۴، قديمی)

(۳) (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۹، مصطفىٰ البابی، الحلبی، مصر) .... =

۹...... جب کہ اس اذان کا مسجد میں ہونا حدیث وفقہ کے خلاف نہیں، خارج مسجد ہونا مستحب بھی نہیں، پھر اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے (کہ) اس اذان کا عندالمنبر خطیب کے قریب ہونا مستحب ہے: "وإذا جلس الإمام على المنبر.......... أذن أذاناً ثانياً ....بين يديه: أى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر أوالإمام ويساره قريباً منه ووسطها – بالسكون– فيشمل ماإذا أذن فى زاوية قائمة أوحادة أو منفرجة، اهـ". جامع الرموز(۱)۔

۱۰...... مسجد کے اندر منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان دی جائے، حسبِ مصلحت پہلی صف کے علاوہ کسی اَور صف میں بھی منع نہیں جیسا کہ جواب نمبر:۹ سے مستفاد ہے:"فإذا جلس على المنبر، أذن بين يديه وقام بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث، والضمير فى قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس، اهـ". البحر الرائق(۲) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۳ھ۔

مسجد میں جمعہ کی اذانِ ثانی

سوال[۳۸۴۳]: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے اندرونِ مسجد، یہ اذان دینا کیا مکروہ تحریمی ہے؟ ہمارے شہر لکھیم پور میں کچھ بدعتی حضرات نے یہی استفتاء علماء رضاخانیوں سے کتب احادیث تصنیف کردہ مولانا احمد رضا خان کے حوالہ جات سے جواب کافی وشافی طلب کر کے شہر میں مشتہری کرائی جس کی وجہ سے ایک انتشار ہو گیا، ضرورتِ شدیدہ اس بات کی ہوئی کہ ایک استفتاء علمائے دیوبند سے

= "واختلفوا فى المراد بالأذان الأول، فقيل: الأول باعتبار المشروعية .... والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذى يكون على المنارة بعد الزوال". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۶۰، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۱) (جامع الرموز للإمام شمس الدين محمد الخراسانى المعروف بالقهستانى، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۶۸، مكتبه كريميه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشيديه)

طلب کروں، رضا خانی علماء نے جوابِ استفتاء میں اذان ثانی کو جو جمعہ کے روز خطیب کے روبرو ہوتی ہے اس کو اندرون مسجد مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، نیز یہ کہ جمعہ کے خطبہ والی اذان خارجِ مسجد دروازہ پر ہونا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسنت خلفائے راشدین کہا ہے۔ ابو داود شریف :۱/۱۶۲، کا حوالہ دیتے ہوئے حدیث شریف یہ ہے:

"عن السائب بن يزيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبي بكرو عمر رضي الله تعالىٰ عنهما"(۱)۔

آگے تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار مدینہ میں مقامِ زوارء پر ایک اذان کا اعلاناً واطلاعاً اضافہ فرمایا دیا اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت یہی ہے، خطبہ والی اذان مسجد کے باہر یا دروازہ پر ہی ہو۔ نیز یہ کہ انہوں نے ایک اَور حدیث جس کے راوی احمد اور ابوداود اور ترمذی وغیرہ ہیں کا حوالہ دیتے ہوئے جس کی عبارت یوں ہے:

"من يعيش منكم بعدى فيرىٰ اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، فتمسكوابها، و عضوا عليها با لنواجذ، وإياكم و محدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة"(۲)۔

اور مکروہ تحریمی ہونے کا ثبوت طحطاوی کی عبارت: "يكره أن يؤذن في المسجد، كما في القهستاني عن النظم". طحطاوی مصری على مراقی الفلاح: ۱/۱۲۸(۳)۔

---

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة : ۱/۱۵۵، مكتبه دار الحديث)

(۲) (مسند الإمام احمد بن حنبل، حديث العرباض بن سارية عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: رقم الحديث: ۱۶۹۵ : ۵/۱۰۹، ۱۱۰، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، باب الأذان ،ص:۱۹۷، قديمي)

اور فتح القدیر، ص:۲۵۱ خاص باب الجمعہ میں ہے:

"هو ذكر الله في المسجد: أي في حدوده بكراهة الأذان في داخله" (۱)۔

اس کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کا خطبہ مثلِ اذان ذکر الٰہی ہے۔ براہ کرم جواب تفصیل روانہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پنجگانہ اذان کا مقصدِ عظیم اعلانِ غائبین ہے، اس لئے اس میں مستحب یہ ہے کہ بلند جگہ پر بلند آواز سے اذان دی جائے تاکہ دور تک پہنچے اور کثیر تعداد میں لوگ اذان سن کر نماز کے لئے آسکیں، اندرونِ مسجد کہنے میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے (۲) اس لئے فقہاء نے مسجد میں اذان کو ممنوع فرمایا ہے (۳)۔

شرحبیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مینارہ پر اذان دیا کرتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ابن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینارہ اذان کے لئے بنایا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں مینارہ نہیں تھا (۴)، مسجد نبوی کے قریب سب سے اونچا مکان حضرت ام زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اذان دیا کرتے تھے، جب مسجد نبوی کی چھت بن گئی تو چھت پر اذان

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۸، مصطفى البابى)

(۲) "و ينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضعٍ عالٍ يكون أسمع للجيران، و يرفع صوته". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۴، سعيد)

"و ينبغي أن يؤذن على المِأذنة أو خارج المسجد، و لا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع جيرانه، ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة: ۱/۵۵، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلوة، فصل و أما سنن الأذان: ۱/۳۶۹، رشيديه)

(۳) (راجع، ص: ۳۱۸، رقم الحاشية: ۳ ورقم الحاشية: ۱، من هذه الصفحة)

(۴) "إن أول من رقى منارة مصر للأذان شرحبيل بن عامر المرادي، و بنىٰ سَلَمةُ المنابر للأذان بأمر معاوية رضي الله تعالىٰ عنه، ولم تكن قبل ذلك". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۱/۳۸۷، سعيد)

دینے لگے تھے حالانکہ مسجد کی چھت مسجد ہی کے حکم میں ہے:

"قال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيتٍ حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم مسجده، فكان يؤذن بعدُ على ظهر المسجد، وقد رفع له شئ فوق ظهره، اهـ". شامی: ۲۵۹/۱(۱)۔

کلماتِ اذان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو ورنہ مسجد کی چھت پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان کی اجازت نہ مرحمت فرماتے بلکہ منع فرما دیتے، نیز کلماتِ اذان تمام اقامت میں بھی موجود ہیں اور اقامت ہمیشہ سے مسجد کے اندر ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ جمعہ کے لئے شروع میں ایک ہی اذان تھی، دوسری کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوا(۲) جو کہ خلیفہ راشد تھے ان کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے(۳) اس وقت سے بطور توارث وتواتر یہ اذان منقول ہے اور مسجد میں ہوئی ہے(۴)۔

تقریباً پچھتر ۷۵/ سال پہلے تک یہ مسئلہ اجماعی تھا، بریلی سے یہ مسئلہ جب شائع ہوا تقریباً پچھتر ۷۵/ سال قبل، تب خلفشار وانتشار پیدا ہوا، صحابہ کرام، تابعین عظام، آئمہ مجتہدین، محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سب ہی اس پر عمل کرتے تھے، اگر اس کا مسجد میں ہونا منع ہوتا تو یہ حضرات ہرگز سکوت نہ فرماتے بلکہ تردید کر دیتے، جامع الرموز میں تصریح ہے کہ اذانِ خطبہ منبر کے قریب پچھواڑے یا بائیں یا سیدھ میں دی جائے(۵)۔ مولانا عبدالحیّ

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنابر للأذان: ۳۸۷/۱، سعيد)

(۲) "عن السائب بن يزيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ" قال: كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و أبي بكر و عمر، فلما كان عثمان و كثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء". قال أبو عبد الله: الزوراء موضع بالسوق بالمدينة". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة: ۱۲۴/۲، قديمی)

(۳) (راجع، ص: ۳۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۴) "إذا جلس على المنبر، أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۷۴/۲، رشيديه)

(كذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۴/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۱/۱، مكتبه شركة علميه)

(۵) "وإذا جلس الإمام على المنبر، أذن أذاناً ثانياً بين يديه: أي بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر =

رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت جونقل کی گئی ہے ایک لفظ اس سے پہلے بھی ہے جس کو بے ضرورت یا مضر سمجھ کر فاضل مجیب نے نقل نہیں کیا، وہ یہ ہے: "قولہ: بین یدیہ: أی مستقبل الإمام، فی المسجد کان أوخارجہ"(۱)۔

اگر سعایہ شرح شرح وقایہ کا مطالعہ کرلیں تو بات بالکل واضح ہوجائے، اس میں مولانا عبدالحیٰ ایک سوال لکھتے ہیں کہ "وہ کونسی اذان ہے جس میں رفعِ صوت مستحب نہیں"؟ پھر خود ہی جوابات تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ جمعہ کی اذانِ ثانی ہے جوکہ خطیب کے سامنے منبر کے قریب دی جاتی ہے کہ وہ اعلامِ حاضرین کے لئے مثلِ اقامت کے ہے یعنی جس طرح اقامت اعلام حاضرین کے لئے مسجد کے اندر ہوتی ہے اسی طرح جمعہ کی اذان ثانی اعلام حاضرین کے لئے مسجد کے اندر ہوتی ہے"(۲)۔

عنایہ شرح ہدایہ برحاشیہ فتح القدیر:۲/۶۹، مصری میں ہے:"کان الحسن بن زیاد یقول: المعتبر ھوالأذان علی المنارۃ؛ لأنہ لو انتظر الأذان عند المنبر تفوتہ أداء السنۃ: أی سماع الخطبۃ، وربما تفوتہ الجمعۃ إذاکان بیتہ بعیداً من الجامع، اھـ"(۳)۔

یہاں بھی شاید "عند المنبر" کے معنی "علی باب المسجد" کے ہوں گے، جس وقت یہ فتویٰ بریلی سے شائع ہوا تھا اس وقت ایک مستقل رسالہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے

= أو الإمام أو یسارہ قریباً منہ ووسطھما –بالسکون– فیشمل ما إذا أذن فی زاویۃ قائمۃ أو حادۃ أو منفرجۃ". (جامع الرموز للقھستانی، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱/۲۶۸، مکتبہ کریمیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۲۷۴، رشیدیہ)

(۱) (عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، (رقم الحاشیۃ: ۱): ۱/۲۰۲، سعید)

(۲) "(لغز): أیّ أذان لا یستحب رفع الصوت فیہ؟ قل: ھو الأذان الثانی یوم الجمعۃ الذی یکون بین یدی الخطیب؛ لأنہ کالإقامۃ لإعلام الحاضرین، صرّح بہ جماعۃ من الفقھاء". (السعایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، المقام الثانی فی ذکر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سھیل اکیڈمی)

(۳) (العنایۃ شرح الھدایۃ مع فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۲/۶۹، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

تصنیف فرمایا تھا، اس کا نام ہے "تنشیط الأذان فی تحقیق محل الأذان" وہ رسالہ کتب خانہ یحیویہ سہارنپور سے منگا کر مطالعہ کریں، اس میں تفصیل دلائل مذکور ہیں جبکہ یہ اذان بطریق توارث ہمیشہ مسجد ہی میں ہوتی ہے تو اس کو مکروہ نہیں کہا جاسکتا۔

"لأن التوارث لا یکون مکروهاً، وکذلك نقول فی الأذان بین یدی الخطیب، اهـ".

ردالمحتار مصری: ۱/۵۵۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں اذانِ خطبہ

سوال[۳۸۳۴]: مولانا احمد رضاخان بریلوی نے جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسئلہ اٹھایا تھا کہ یہ اذان مسجد سے باہر دینی چاہیے، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں رسالے لکھے جو نایاب ہیں، اگر یہ سارے دستیاب ہوجائیں تو قیمۃً بذریعہ وی پی ارسال کرادیئے جائیں۔

ہدایہ اول، باب الجمعہ اھ، میں خطبۂ جمعہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ خطبہ کھڑے ہوکر طہارت کے ساتھ دینا چاہیے، اس پر ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ: "لکراهة الأذان فی حدوده"(۲)، مولانا احمد رضاخان صاحب کا سب سے بڑا مستدل فتح القدیر کی یہی عبارت ہے۔ براہ کرم اس عبارت کی توضیح فرماتے ہوئے لکھا جائے کہ حضراتِ علمائے دیوبند نے ابن ہمام کی اس عبارت کو کیوں نظر انداز کردیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان کے لئے اعلیٰ بات یہ ہے کہ بلند جگہ پر بلند آواز سے کہی جائے کیونکہ وہ اعلامِ غائبین کے لئے

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب فی أذان الجوق: ۱/۳۹۰، سعید)

(۲) "ویخطب قائماً علی الطهارة؛ لأن القیام فیهما متوارث، ثم هی شرط الصلاة الخ". (الهدایة.)"(قوله: ثم هی شرط الصلاة الخ) .... أی فی حدوده، لکراهة الأذان فی داخله". (فتح القدیر مع الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۸، مصطفیٰ البابی، الحلبی، مصر)

ہے، جتنی دور تک آواز جائے گی وہاں کے حَجر ومَدر گواہی دیں گے اور شیطان بھی دور تک بھاگتا جائے گا(۱)۔ مسجد میں اذان دینے سے زیادہ دور تک آواز نہیں جائے گی، وہیں گھٹ کر رہ جائے گی، مقصدِ اذان پورے طور پر حاصل نہیں ہوگا، اس لئے مسجد میں اذان کو بعض حضرات نے مکروہ لکھا ہے (۲)، یہ بات نہیں ہے کہ اذان کوئی ایسا فعل ہے جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو۔

جمعہ کی اذانِ ثانی اعلامِ غائبین کے لئے نہیں ہے بلکہ اعلامِ حاضرین کے لئے ہے کہ جو لوگ مسجد میں آچکے ہیں اور انتظارِ صلوٰۃ میں بیٹھے ہوئے تلاوت وتسبیح میں مشغول ہیں وہ سب فارغ ہو کر خطبہ سننے کے لئے آمادہ ہو جائیں، اذان اقامت کے مثل ہے کہ وہ بھی اعلامِ حاضرین کے لئے ہوتی ہے، اسی وجہ سے اذان میں رفعِ صوت زیادہ مستحب نہیں ہے، جیسا کہ سعایہ شرح شرح وقایہ میں مذکور ہے (۳)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ "تنشيط الآذان في تحقيق محل الأذان" ہے، اس میں فقہی عبارات استدلال کے لئے کافی نقل کی گئی ہیں، بلکہ آیاتِ قرآنیہ سے بھی استدلال کیا ہے اور احادیث بھی پیش کی ہیں، ممکن ہے کتب خانہ سہارنپور میں مل جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "ان أباسعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: " إني أراک تحب الغنم والبادية، فإذا كنتَ في غنمک أو باديتک ،فأذنت للصلوة، فارفع صوتک بالنداء، فإنه لايسمع مدى صوت المؤذن جنٌ ولا إنس ولا شيء، إلا شهدله يوم القيٰمة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالنداء: ۱/۸۵، ۸۶، قديمي)

"يجب يعني يلزم الجهر بالأذان لإعلام الناس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الاذان: ۱/۳۹۰، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة، رقمها: ۱)

(۳) "(لغزٌ) :أيّ الأذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرّح به جماعة من الفقهاء". (السعاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن: ۲/۳۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

جمعہ کی اذان ثانی کہاں دی جائے؟

سوال[۳۸۳۵] : أی مقام ثبت للأذان الثانی بالسنة المتوارثة: أعند المنبر فی الصف الأول، أم علی الباب، أوخارج المسجد؟ و أیضاً بینوا عمل الحرمین والهندفیه الیوم بالتحقیق والدلائل الواضحة؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال فی جامع الرموز: "وإذا جلس الإمام علی المنبر أذن .... أذاناً ثانیاً بین یدیه: أی بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر أو الإمام أویساره قریباً منه ووسطهما –بالسکون– فیشمل ما إذاأذن فی زاویة قائمة أوحاذة أومنفرجة، اهـ"(۱)۔

وقال فی الهدایة: "وإذا صعد الإمام المنبر، جلس، و أذن المؤذن بین یدی المنبر، بذلك جری التوارث"(۲)۔ وقال العینی: (بذلك): أی الأذان بین یدی المنبر بعد الأذان الأول علی المنارة (جری التوارث): أی من زمن عثمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه إلی یومنا هذا"(۳)۔

قلت : وهو المتوارث فی دیارنا إلی یومنا هذا ولا اعتبار لمن خالف هذاالتوارث۔

اذانِ خطبہ کا جواب اوراس کے دلائل

سوال[۳۸۳۶] : ا......میں ایک مسلمان حنفی المذہب ہوں اورشہر کی جامع مسجد کا سیکرٹری ومنتظم ہوں، جمعہ کی اذان کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ اسے دہرادیں یانہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب امام خطبہ کے لئے نکلے اس وقت سے کلام کرنا اورنماز پڑھنا ممنوع ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ جب

---

(۱) (جامع الرموز للقهستانی، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۲۶۸، مکتبه کریمیه)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۱۷۱، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) (البنایة شرح الهدایة للعینی، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۳/۱۰۶، رشیدیه)

"(فإذا جلس علی المنبر، أذن بین یدیه، وأقیم بعد تمام الخطبة)، بذلک جری التوارث. والضمیر فی قوله: "بین یدیه" عائد إلی الخطیب الجالس". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۴، رشیدیه)

امام خطبہ شروع کرے تب کلام کرنا ممنوع ہے، جس پر متعدد حدیثیں ہیں۔

۲...... نمازِ ظہر کے اختتام کا وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کے شاگردوں وصاحبین کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۳...... کلام کے معنی ہیں ہر ایک دوسرے سے بات کرنا، اذان کا دہرانا کسی سے کلام کرنا نہیں ہوا، و نیز یہ کہ کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ جس میں اس بابرکت اذانِ جمعہ کو دہرانے کی مخالفت آئی ہو۔

۴...... میرے منسلکہ حوالہ جات کے جواب میں حافظ مولوی ابوبکر صاحب نے ایک تحریر بھیجی ہے، جس کو میں بغرضِ ملاحظہ منسلک کرتا ہوں اور استدعیٰ ہے کہ آپ اس مسئلہ کا شرعی حکم بتلائیں۔

(حوالہ جات: منجانب محی الدین صدیقی)

''جواب دینا مؤذن کا واجب ہے''۔ باب الأذان، مظاہرحق ترجمہ مشکوٰۃ شریف: ۱/۲۳۳(۱)

''جواب دینا مؤذن کا مستحب ہے'' رواہ مسلم، ص: ۲۳۵(۲) اور اگر سننے والا پاخانہ میں ہو یا جماع کرتا ہو یا نماز میں ہو تو جب فارغ ہو جائے تو کلمات جوابِ اذان کے کہہ لے''(۳)۔

''جواب دینے والا بعد اذان کے دعا پڑھے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس کے لئے واجب ہے'' رواہ البخاری، ص: ۲۳۰(٤)۔

---

(۱) (مظاهر حق، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن: ۱/۲۶۱، دارالاشاعت، كراچی)

(۲) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل مايقول، ثم صلوا عليّ، فإنه من صلى عليّ صلوةً، صلى الله عليه بها عشراً، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها بمنزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل الوسيلة حلت عليه الشفاعة". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم يسأل له الوسيلة: ۱/۱۶۶، قديمی)

(۳) (مظاهر حق، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، الفصل الأول: ۱/۲۶۳، دارالاشاعت، كراچی)

(۴) "عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: أللهم ربّ هذه الدعوة التامة .... وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيٰمة". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء: ۱/۸۶، قديمی)

اذان کا جواب دینے والے کو مؤذن کے برابر ثواب ملے گا، رواہ سنن أبي داؤد"۔ص: ۲۳۹ (۱)۔

"حضرت معاویہؓ نے اذان سن کر اذان کو دہرایا"۔رواہ النسائي، ص: ۲۰٤ (۲)۔

"حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سن کر اذان کو دہرایا"۔رواہ ابــــــــو داود"

ص: ۲٤۰ (۳)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو حضرات أذان بين يدي الخطيب کے جواب کو جائز یا لازم کہتے ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر اذان کو سن کر جواب دیا اور فرمایا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب دیا تھا، یہ حدیث شریف بخاری شریف میں بھی مذکور ہے (۴)۔

---

(۱) "عن عبدالله بن عمرو أن رجلاً قال: يارسول الله! إن المؤذنين يفضلوننا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قل كما يقولون، فإذا انتهيت، فسل، تعطه". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب مايقول إذا سمع المؤذن: ۸۵/۱، امداديه)

(۲) "عن علقمة بن وقاص قال: إني عند معاوية إذا أذن مؤذنه، فقال معاوية كما قال المؤذن، حتى إذا قال: حي على الصلوة، قال: لاحول ولا قوة إلا بالله، فلما قال: حي على الفلاح، قال: لاحول ولا قوة إلا بالله، وقال بعد ذلك ماقال المؤذن، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مثل ذلك". (سنن النسائي، كتاب الأذان، القول الذي يقال إذا قال المؤذن: حي الصلوة، حي على الفلاح: ۱۰۹/۱، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سمع المؤذن يتشهد، قال: "وأنا وأنا". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب مايقول إذا سمع المؤذن: ۸۵/۱، امداديه)

(۴) "عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال: سمعت معاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالىٰ عنهما وهو جالس على المنبر، أذن المؤذن، فقال: الله أكبر، الله أكبر، فقال معاوية رضي الله تعالىٰ عنه: الله أكبر الله أكبر، فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاوية: وأنا، قال أشهد أن محمد رسول الله، قال معاوية: وأنا، فلما أن قضى التأذين، قال: يأيها الناس! إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني مقالتي". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء: ۱۲۴/۱، ۱۲۵، قديمي)

مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے بھی اس سے استدلال کیا ہے(۱) مگر احقر کے خیالِ ناقص میں اس کا محمل امام ہے، بقیہ حاضرین نہیں، امام کو خطاب وکلام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بھی حق ہے(۲)، مگر دوسروں کے لئے تو یہ ہے کہ: "إذا قلت لصاحبك: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت"(۳)۔ اس لئے وہ:"إذا خرج الإمام، فلا صلوة ولا كلام" کے پابند ہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ:''نفسِ خروجِ امام بمنزلۂ شروع فی الخطبہ'' کے ہے(۴)، یہی اقرب معلوم ہوتا ہے، اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے: "العطر العنبری فی جواب الأذان المنبری"۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب

سوال[۳۸۳۷]: فقہ کا جزئیہ ہے کہ جب امام خطبہ دینے کیلئے بیٹھے اور اذان ولائے تو اس کا جواب نہ دیا جائے، مگر العرف الشذی، ص:۴۴ پر ہے:"ولعل المختار قول العناية كمافى البخارى: إن أمير المومنين معاوية رضى الله تعالى عنه جلس على المنبر وأجاب الأذان، وقال: إنى رأيت رسول

(۱) "وقد كنت مضطرباً فى هذه المسألة من سابق الزمان متيقناً عدم كراهة الإجابة لذلك الأذان مدعناً ببناء هذه التصريحات على القول المرجوع للإمام النعمان إلى أن اطلعت على الحديث الذى رواه البخارى كما ذكرته، فإنه صريح فى أن معاوية قد أجاب المؤذن على المنبر قبل شروعه فى الخطبة، الخ". (السعاية، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۲/۵۳، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "إذا خرج للخطبة كان مستعداً لها، والمستعد للشئ كالشارع فيه، ولهذا ألحق الاستعداد بالشروع فى كراهة الصلاة، فكذا فى كراهة الكلام .... ويكره للخطيب أن يتكلم فى حالة الخطبة .... إلا إذا كان الكلام أمراً بالمعروف، فلا يكره". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، محظورات الخطبة: ۱/۵۹۵، رشيديه)

(۳) (أخرجه البخارى فى صحيحه فى كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب الخ: ۱/۱۲۷، قديمى)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یفعل ھکذا فی ھذا الموضع"۔ شاہ صاحب (کشمیری) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "والتاویل فیہ بعید" (۱)۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمل کس پر کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام کے منبر پر آنے کے بعد خطبہ شروع ہونے سے پہلے صلوۃ، کلام، سلام کے جواز اور عدم جواز میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز:

"إذا خرج الإمام یوم الجمعة ترك الناس الصلوة والكلام حتیٰ یفرغ من خطبته، قال رضی اللہ تعالیٰ عنه: وھذا عند أبی حنیفه رحمه اللہ تعالیٰ، وقالا: لا بأس بالكلام إذا خرج الإمام قبل أن یخطب، وإذا نزل قبل أن یكبر". ھدایه: ۱/۱۵۱ (۲)۔

پھر مشائخ حنفیہ کا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی شرح میں اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ کلام جو خروجِ امام سے ممنوع ہو جاتا ہے اس سے مراد مطلق کلام نہیں بلکہ صرف کلام الناس یعنی دنیاوی کلام مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے، امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز اور دینی کلام جیسے تسبیح تہلیل یا اجابتِ اذان وغیرہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں اختلاف نہیں، جیسا کہ طحطاوی میں ہے:

"وفی البحر عن العنایة والنھایة: اختلف المشایخ علی قول الإمام فی الكلام قبل الخطبة، فقیل: إنما یكره ماكان عن جنس كلام الناس، أما التسبیح ونحوه فلا، وقیل: ذلك مكروه، والأول أصح. ومن ثَمّ قال فی البرھان: و خروجه قاطع للكلام: أی كلام الناس عند الإمام، فعلم بھذا أنه

---

(۱) (العرف الشذی حاشیة جامع الترمذی، أبواب الجمعة، باب ما جاء فی كراھیة الكلام والإمام یخطب: ۱/۱۱۶، سعید)

(۲) (الھدایة، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۱، مكتبه شركة علمیه ملتان)

"وإذا خرج الإمام فلا صلوة و لا كلام، و قالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن یخطب، وإذا فرغ قبل أن یشتغل بالصلاة، كذا فی الكافی". (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

لاخلاف بينهم في جواز غير الدنيوي على الأصح، ويحمل الكلام الوارد في الأثر على الدنيوي، و يشهد له ما أخرجه البخاري أن معاويه أجاب المؤذن بين يديه فلما انقضى التأذين، قال: يا أيها الناس! إني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على هذا المجلس أذن المؤذن يقول ماسمعتم من مقالتي، الخ". طحطاوی علی المراقی، ص:٤٢٤(١)۔

اور دوسرے مشائخ نے اس کے برعکس کلام کو ظاہر کے موافق مطلق رکھا ہے اور حاصلِ اختلاف یہ قرار دیا ہے کہ دنیاوی کلام بالاتفاق ناجائز ہے، اختلاف صرف دینی کلام یعنی تسبیح وتہلیل وغیرہ میں ہے، اس کو امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز، جیسا کہ درمختار میں مصرح ہے:"وقالا: لابأس بالكلام قبل الخطبة و بعدها وإذا جلس عند الثاني، و الخلاف في كلام يتعلق بالآخرة، أما غيره فيكره إجماعاً، الخ". درمختار علی ہامش الشامی، ص:٥٨٦(٢)۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب :"إذا خرج الإمام فلا صلوة و لا كلام" کی شرح میں مشائخ حنفیہ مختلف ہیں ، بعض حضرات اس کو کلامِ دنیاوی کے ساتھ مخصوص ومقید فرماتے ہیں کما عند الطحطاوی(۳)، والنہایہ(۴)، والعنایہ(۵) اور بعض حضرات ظاہر کے موافق اس کو مطلق کہتے ہیں کما عند الدرمختار۔

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، باب الجمعة :٥١٨، قديمي)
(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ٢٧٢/٢، رشيديه)
(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي ، نفع المفتي والسائل : ١٣٥/٤، إدارة القرآن كراچي)
(٢) (الدر المختار ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة : ١٥٩/٢، ١٦٠، سعيد)
(٣) (راجع رقم الحاشية : ١)
(٤) "ثم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يكره الكلام حين يخرج الإمام للخطبة. وفي الينابيع يريد به أنه إذا صعد على المنبر، .... إلى أن يفرغ من الصلاة، وكذلك الصلاة، وقال أبو يوسف ومحمد : لابأس بأن يتكلم قبل الخطبة وبعدها مالم يدخل الإمام في الصلاة .... ثم اختلف المشايخ على قول أبي حنيفة رحمة الله عليه، قال بعضهم : إنما يكره الكلام الذي هو من كلام الناس، أما التسبيح وأشباهه فلا، وقال بعضهم : كل ذلك، والأول أصح". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة : ٥٥/٢، قديمي)
(٥) "ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته، يُريد ماسوى التسبيح و نحوه على الأصح" (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ٦٧/٢، مصطفى البابي، مصر)

اس اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا جائز ہے کہ نہیں، جو حضرات ممانعت کو صرف کلام دنیاوی کیساتھ مقید کرتے ہیں وہ اجازت دیتے ہیں کما عند الطحطاوی:۱/۸۸۸(۱)، اور جو ظاہر کلام کے موافق رکھتے ہیں وہ منع کرتے ہیں کما فی الدر مختار: "وینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب". در مختار علی هامش الشامی:۱/۲٦٨(۲)۔

وکما فی حاشیة البحر للشامی: "قال فی النهر: أقول: ینبغی أن لاتجب باللسان اتفاقاً علی قول الإمام فی الأذان بین یدی الخطیب". منحة الخالق حاشیة البحر :۱/۲٥۹(۳)۔

ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ "إذا خرج الإمام فلاصلوة ولاکلام" کا حکم سامعین پر منحصر رکھا جائے، امام کو اجابتِ اذانِ ثانی کی اجازت دی جائے جیسا حدیثِ معاویہ(۴) سے معلوم ہوتا ہے اور باقی قوم کو اس سے منع کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/٦/۸۸ھ۔

اذانِ خطبہ کا جواب

سوال[۳۸۳۸]: جمعہ کی دوسری اذان کے وقت جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے جواب اذان

---

(۱) "(فلا صلاة ولا کلام إلی تمامها)". "(قوله: ولا کلام): أی من جنس کلام الناس، أما التسبیح ونحوه، فلایکره، وهو الأصح، کما فی النهایة والعنایة، ومحل الخلاف قبل الشروع". (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱/۳۴۷، دار المعرفة، بیروت)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعید)

(۳) (منحة الخالق بذیل البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴٥۰، رشیدیه)

(۴) "عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف، قال: سمعت معاویة بن سفیان رضی الله تعالیٰ عنه وهو جالس علی المنبر أذن المؤذن فقال: الله أکبر، الله أکبر فقال معاویة: الله أکبر، الله أکبر فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاویة: وأنا، قال: أشهد أن محمداً رسول الله، قال معاویة: وأنا، فلما أن قضی التأذین، قال: یا أیها الناس! إنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی هذا المجلس حین أذن المؤذن یقول ماسمعتم منی مقالتی". (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب: یجیب الإمام علی المنبر إذا سمع النداء: ۱/۱۲۴، ۱۲٥، قدیمی)

اور ایجابِ دعاء جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء منع فرماتے ہیں اور بعض جائز فرماتے ہیں، ہدایہ شریف میں حاشیہ پر عبدالحئی رحمہ اللہ تعالیٰ درمختار کا قول رد کرتے ہیں(۱)۔ آپ بحوالۂ کتب فتویٰ عنایت فرمائیں کہ کونسا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وفی المجتبیٰ: فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلوة و استماع خطبة الجمعة، الخ". البحر الرائق(۲)۔ "قال: و ینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب، الخ". درمختار(۳)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اذانِ خطبہ کا زبان سے جواب نہ دیا جائے۔

مولانا عبدالحئی صاحب نے نفع المفتی والسائل میں ان عبارات سے اس مسئلہ کو اولاً لکھا ہے، اس کے بعد اس پر نظر قائم کی ہے اور فرماتے ہیں: "قلت: فیه نظرٌ، فإن المکروه عند ذلك عند أبی حنیفه رحمه الله تعالیٰ هو الکلام الدنیوی، والإجابة کلامٌ دینویٌ، الخ"(٤)۔

---

(۱) "فعلیٰ هذا لایکره إجابة الأذان الثانی ودعاء الوسیلة بعده مالم یشرع الإمام فی الخطبة کیف وقد ثبت ذلک من فعل معاویة رضی الله تعالیٰ عنه فی صحیح البخاری فما فی الدرالمختار فی باب الأذان وینبغی أن لایجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب خطأ فاحش". (حاشیة الهدایة للکنوی، کتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، (رقم الحاشیة :۸): ۱/۱۷۱، مکتبه شرکت علمیة، ملتان)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۴۵۲، رشیدیه)

"و لا یجیب فی الصلاة و لو جنازةً، و خطبة، و سماعها، و تعلم العلم، و تعلیمه الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص:۲۰۲، قدیمی)

(۳) (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الأذان : ۱/۳۹۹، سعید)

"و ینبغی أن یقال: لا تجب یعنی بالقول بالإجماع للأذان بین یدی الخطیب".(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص:۲۰۲، قدیمی)

(۴) (مجموعة رسائل اللکنوی ، نفع المفتی والسائل، ما یتعلق بالأذان والإقامة والإجابة: ۴/۷۴، إدارة القرآن کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(السعایة، کتاب الصلاة ، باب الأذان ، الوجه الرابع فی إجابة الإقامة : ۲/۵۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

یعنی اس سے کلام دنیوی کی ممانعت ہے اور جوابِ اذان کلام دنیوی نہیں بلکہ کلامِ دینی ہے، لہٰذا جواب مکروہ نہیں ہونا چاہیے، مگر یہ ان کی ذاتی رائے ہے، عام طور پر فقہاء نے جو مذہب حنفیہ کا نقل کیا ہے وہ وہی ہے جو اوپر بحر، طحطاوی، درمختار سے نقل کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان۔

اذانِ خطبہ کا جواب اور اس کے بعد دعاء

سوال [۳۸۳۹]: جمعہ میں جو خطبہ کی اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا کیسا ہے؟ اور اذان خطبہ کے بعد دعاء پڑھنا کیسا ہے؟

فقط محمد جمال احمد گودھنا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دل میں جواب دے اور دل ہی میں دعاء پڑھ لے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۳۸۴۰]: جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زبان سے نہ جواب دے نہ دعاء پڑھے، بلکہ دل سے جواب دے اور دل ہی سے دعاء پڑھے:

"وقال: وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب، الخ". درمختار، ص: ۴۱۵ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعيد)

"وينبغي أن يقال: لا تجب يعني بالقول بالإجماع للأذان بين يدي الخطيب". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قديمي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعيد) .... =

• اذانِ خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

سوال[۳۸۴۱]: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں، خاص کر جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے، اس اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہاتھ اٹھانا اس موقع پر ثابت نہیں، جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے دل سے دعاء کرے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعاء

سوال[۳۸۴۲]: جمعہ کی اذانِ ثانیہ کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء کی ایک بڑی جماعت اجابتِ اذان باللسان کو واجب کہتی ہے: "ویجب وجوباً، وقال الحلواني: ندباً، والواجب الإجابة بالقدم مَن سمع الأذان بأن یقول بلسانه كمقالته". درمختار: ۱/۴۱۹ (۲)۔

= "فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة، واستماع خطبة الجمعة". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشیدیه)

(۱) "قال فی المعراج: فیسنّ الدعاء بقلبه لابلسانه؛ لأنه مأمورٌ بالسکوت". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب فی ساعة الإجابة یوم الجمعة: ۲/۱۶۴، سعید)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۶، ۳۹۷، سعید)

"یجب علی السامع للأذان الإجابة .... و قال الحلوانی: الإجابة بالقدم لا باللسان، حتی لو أجاب باللسان و لم یمش إلی المسجد لا یکون مجیباً". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۰، ۴۵۱، رشیدیه) .... =

لیکن جمعہ کی اذانِ ثانی کے جواب کو درمختار میں منع کیا ہے اور یہ ممانعت صاحب درمختار کے نزدیک بھی متفقہ ہے: "قال: و ینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب".

درمختار: ۱/۴۱۵(۱)۔

اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا واجب ہے: "وهی فرض مرةً واحدةً فی العمر، واختلف فی وجوبها علی السامع و الذاکر کلّما ذُکر –صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم– والمختار عند الطحاوی تکراره: أی الوجوب کلّما ذُکر ولو اتحد المجلس فی الأصح". درمختار: ۱/۵۳۷(۲)۔

= "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما یقول المؤذن". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول إذا سمع المنادی: ۱/۸۶، قدیمی)

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۹، سعید)

"فی ثمانیة مواضع إذا سمع الأذان لا یجیب: فی الصلاة، واستماع خطبة الجمعة.........".

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۲، رشیدیه)

"و ینبغی أن یقال: لا تجب یعنی بالقول بالإجماع للأذان بین یدی الخطیب". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فصل: إذا أراد الشروع الخ: ۱/۵۱۴، ۵۱۵، سعید)

قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله و ملائکته یصلون علی النبی، یأیها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً﴾. (سورة الأحزاب: ۲۱)

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ: "واجبة مرةً فی العمر کلمة التوحید .... وعلیه جمهور الأمة منهم: أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ ..... تجب فی کلّ مجلس مرةً وإن تکرر ذکره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... و قیل: تجب کلّما ذُکر –علیه السلام– و به قال جمعٌ من الحنفیة، منهم الطحاوی". (روح المعانی: ۲۲/۸۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"وإن مُوجَب الأمر فی الآیة إنما هو الافتراض فی العمر مرةً؛ لأنه لا یتقضی التکرار، وهذا بلا خلاف، وإنما وقع الخلاف بین الطحاوی والکرخی فی وجوبها کلما سمع ذکره من غیره أو من نفسه=

لیکن حالتِ خطبہ میں اسم مبارک، بلکہ صیغۂ امر سن کر بھی یہ حکم نہیں ہے: "وكذلك إذا ذُكر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر، بل بالقلب، و عليه الفتوى". ردالمحتار: ۸۵۷/۱(۱)۔

"وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ قلباً ائتماراً أمرى الإنصات والصلوة عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كما في الكرماني قهستاني قبيل باب الإمامة، واقتصر في الجوهرة على الآخر حيث قال: ولم ينطق به؛ لأنها تدرك في غير هذا الحال والسماع يفوت". ردالمحتار: ۸۵۸/۱(۲)۔

تشمیتِ عاطس اور ردِ سلام کا حکم بھی ایسی حالت میں متغیر ہو جاتا ہے(۳)۔

"إذا خرج الإمام من الحجرة إن كان، وإلا فقيامه للصعود، -شرح المجمع- فلاصلوة ولا كلام عامٌّ"(٤)۔

= .... فاختار الطحاوی تكرار الوجوب". (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۴۱/۱، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر ابن کثیر: ۵۰۶/۳، سہیل اکیڈمی)

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، ۱۵۹، سعيد)

"ولا يصلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقالا يصلي السامع في نفسه". (كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة: ۱۴۷/۱، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، ۱۵۹، سعيد)

(۳) "و لا يجب تشميت و لا ردّ سلام، به يفتى". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، سعيد)

"وأما المستمع فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، و ينصت، و لا يتكلم، و لا يرد السلام، و لا يشمّت الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الصلاة، وأما محظورات الخطبة: ۵۹۳/۱، رشيديه)

(۴) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، سعيد)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما وابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما "كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام". (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل، =

اوراذان منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، پس جزئیاتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دعاء دل میں مانگ لی جائے زبان سے نہ مانگی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

اذانِ ثانی اور خطبہ میں فصل

سوال[۳۸۴۳] :جمعہ کے روز خطبہ اوراذان ثانی میں فصل کی گنجائش ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطیب جب منبر پر بیٹھ جائے اس وقت اذان ثانی کہی جائے اذان ختم ہونے پر خطیب کیلئے حکم ہے کہ خطبہ شروع کردے بلا وجہ تاخیر نہ کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح :بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

اذان بین یدی الخطیب کو دائیں بائیں ہٹ کر کہنا

سوال[۳۸۴۴] :جمعہ کی اذانِ ثانی اگر بین یدی الخطیب نہ ہو بلکہ ایک دوگز بائیں یا دائیں ہٹ کر ہو تو خلافِ سنت ہوگی یا نہیں؟ بصورتِ اولیٰ مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام ہوگی، یا کیا؟ اور یہ موذن کس درجہ کا خاطی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی اذان درست ہے، معمولی دائیں بائیں ہٹ کر ہونے سے بھی خلاف سنت نہیں اور مکروہ

= (رقم الحديث: ۵۱۷۵): ۱/۴۴۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

"(وإذا خرج الإمام، فلا صلوة و لا كلام)، لما رواه ابن شيبة عن عليّ وابن عباس وابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۷۰، رشيديه)

(۱) (و كذا الجلوس على المنبر قبل الشروع في الخطبة والأذان بين يديه) جرى به التوارث (كالإقامة) بعد الخطبة (ثم قيامه) بعد الأذان في الخطبتين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قديمي)

نہیں: "فکونه بين يديه عام شامل لما كام في محاذاته، أو شيئًا منحرفاً إلى اليمين أو الشمال، أو يكون عال الأرض أوالجدار، الخ". بذل المجهود: ۲/۱۸۰(۱)۔ "إذا جلس الإمام على المنبر، أذن أذاناًثانياً بين يديه: أى بين الجهتين المساومتين ليمين المنبر أو الإمام ويساره قريباً منه، اھ". جامع الرموز(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (بذل المجهود في حل أبي داؤد ، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة : ۲/۱۸۰، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة . ۲/۲۷۴، رشيديه)

(۲) (جامع الرموز للقهستاني ، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۱/۲۶۸، مكتبه كريميه)

الفصل السادس فی وقت صلوۃ الجمعۃ

(نمازِ جمعہ کے وقت کا بیان)

جمعہ کی نماز اولِ وقت میں

سوال[۳۸۴۵]: تقریباً چالیس برس سے ہماری مسجد میں اذانِ جمعہ کا وقت ایک بجے اور خطبہ پونے دو بجے ہے۔ یہ مسجد شہر کے وسط میں ہے، حنفیہ مذہب کی مرکزی جامع مسجد تصور ہوتی ہے، کیونکہ پرانی جامع مسجد اہلحدیث حضرات کے انتظام میں ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خطبہ ڈیڑھ بجے ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ پونے دو بجے ہو، دو فریق بن گئے ہیں، وقت کی تبدیلی ہمیشہ سے امام صاحب کے ذمہ تھی۔ اب وہ کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں۔ سوال یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کا افضل وقت کیا ہے، تاخیر مناسب ہے یا عجلت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کی نماز کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، نمازیوں کی سہولت کے لئے اگر کچھ تاخیر ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۳ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس". (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس: ۱/۱۲۳، قدیمی)

"کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسارع بصلوۃ الجمعة فی أول وقت الزوال بخلاف الظهر، فقد کان یؤخرہ بعدہ حتی یجتمع الناس". (بذل المجهود فی حل أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب وقت =

استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز نماز کا حکم

سوال[۳۸۴۲]: رمضان المبارک میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ بروزِ جمعہ اذان نمازِ جمعہ سے قبل بوقتِ استواء اور زوال لوگ نوافل پڑھتے رہتے ہیں، کیا یہ نوافل پڑھنا درست ہے اور جمعہ کے دن ان کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عینِ استوائے شمس کے وقت جمعہ کے روز امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر نوافل پڑھنا درست ہے بلا کراہت (۱)، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے، یہی راجح ہے، کذافی الغنیۃ، ص: ۲۳۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۳/ ذی قعدہ/ ۵۴ھ۔

= الجمعۃ: ۲/۱۷۹، امدادیہ ملتان)

(و جمعة كظهر أصلاً و استحباباً) في الزمانين لأنها خلفه". (الدرالمختار).

"(قوله : واستحباباً في الزمانين): أي الشتاء والصيف .... قيل: إنه مشروع؛ لأنها تؤدى في وقت الظهر و تقوم مقامه، و قال الجمهور : ليس بمشروع؛ لأنه تقام بجمع عظيم، فتأخيرها مفض إلى الحرج، ولا كذلك الظهر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة ، باب المواقيت : ۱/۳۶۷، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۱/۴۲۹، رشيديه)

(۱) "و روى عن أبي يوسف –وهي الرواية المشهورة عنه– أنه جوّز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة من غير كراهة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع: في شرح الطحاوي، ص:۲۳۷، سهيل اكيڈمي لاهور)

"وكره تحريماً .... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، أوواجبة، أو نفلاً .... (مع شروق) (واستواء) إلا يوم الجمعة على قول الثاني". (ردالمحتار، كتاب الصلاة : ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(و كذافي البحرالرائق ، كتاب الصلاة : ۱/۴۳۵، رشيديه)

(۲) "و لهما إطلاق النهي، والمحرم مقدّمٌ على المبيح عند التعارض، و بهذا يجاب عن استدلال الشافعي على جواز القضاء، اهـ". (الحلبي الكبير، فروع في شرح الطحطاوي، ص:۲۳۷) .... =

جمعہ کے دن زوال کا حکم

سوال[۳۸۴۷]: جمعہ کے دن سورج سر پر ہونے کے وقت نفل وغیرہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عینِ استواء کے وقت کسی نماز فرض یا نفل کا شروع کرنا مکروہ ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے روز اس وقت نفل مکروہ نہیں:

"ویکره تحریماً مطلقاً ولو قضاءً أو واجبةً أونفلاً أو علی جنازة وسجدة تلاوة وسهومع شروق واستواء إلایوم الجمعة". درمختار، ص:۳۸٤(۱)۔ "وروی عن أبی یوسف أنه جوز التطوع وقت الزوال یوم الجمعة". کبیری، ص:۲۳٥(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= قول طرفین کے راجح ہونے کی تائید بظاہر عبارتِ مذکورہ ہی سے ہے، اس کے علاوہ ایسی کوئی صریح عبارت نہیں، وجہ ارجحیت یہ ہو سکتی ہے کہ امام ابو یوسف کی دلیل مقدم ذکر کیا اور طرفین کی مؤخر، جیسے کہ صاحبِ ہدایہ کا عام معمول ہے، دوسری وجہ قاعدہ کا ذکر کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۱، سعید)

"عن عقبة بن عامر الجهنی رضی الله تعالیٰ عنه، قال: ثلاث ساعات کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ینهانا أن نصلی فیهن أو نقبر فیهن موتانا: حین تطلع الشمس بازغةً حتی ترتفع، وحین تقوم قائم الظهیرة حتی تمیل، وحین تضیف للغروب حتی تغرب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهیة الصلاة علی الجنازة عند طلوع الشمس الخ: ۱/۲۰۰، سعید)

"و منع عن الصلاة وسجدة التلاوة و صلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر یومه". (البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، رشیدیه)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فروع: فی شرح الطحاوی، ص: ۲۳۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فروع: فی شرح الطحاوی، ص:۲۳۷، سهیل اکیڈمی لاهور)

"وکره تحریماً ...... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، أو واجبة، أو نفلاً .... (مع شروق) .... (واستواء) إلا یوم الجمعة علی قول الثانی". (الدرالمختار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعید)

(وکذافی البحرالرائق، کتاب الصلاة: ۱/۴۳۵، رشیدیه)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم

سوال[۳۸۴۸] : جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے، زوال کے وقت نہیں پڑھنا چاہیے، حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت تحیۃ الوضو پڑھنا جائز ہے، حدیث دال ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت دوزخ شروع کی جاتی ہے(۱)، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ منع کرتے ہیں، لیکن فتویٰ امام ابی یوسف کے قول پر ہے، جمعہ کے علاوہ دیگر دنوں میں زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ دونوں مسئلوں میں حوالہ جات کا اندراج نہیں ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم اور قرآن میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟ یہاں پر بعض حضرات منع بھی کرتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں، لہٰذا یہ چند سطریں تحریر ہیں، امید ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قول کتب فقہ ردالمحتار(۲) وغیرہ میں مذکور ہیں، ایک کو امداد الفتاویٰ میں لیا گیا ہے، دوسرے کو فتاویٰ

---

(۱) سائل نے جمعہ کے دن بعد از زوال دوزخ شروع ہونے کا لکھا ہے جب کہ حدیث میں اس کے خلاف ہے کہ اس میں جمعہ کے روز کا استثناء ہے: " عن أبي قتادة رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أنه كره الصلوة نصف النهار، إلّا يوم الجمعة، وقال: "إن جهنم تُسجَرُ إلّا يوم الجمعة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب الصلوة يوم الجمعة قبل الزوال: ۱/۱۶۲، إمداديه، ملتان)

(۲) "عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه قال: ثلث ساعات كان رسول الله صلی الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الصلوة على الجنازة عند طلوع شمس الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"(وكره) تحريماً .... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاءً، أو واجبةً، أو نفلاً .... (مع شروق) .... (واستواء) إلا عصر يوم الجمعة على قول الثاني (أي أبي يوسف رحمه الله)". (كتاب الصلوة: ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۵، رشيديه)

"وروى عن أبي يوسف أنه جوّز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فروع: في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۷، سهيل اكيڈمی، لاهور) .... =

دارالعلوم میں لیا گیا ہے۔امدادالفتاویٰ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول اوسع ہے اور فتاویٰ دارالعلوم کا قول احوط ہے، دونوں باتوں کی گنجائش ہے(۱)، جواب صحیح ہے۔ مزید تفصیل وتطبیق یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ شمس یہ تین وقت کراہت کے ایسے ہیں کہ ان وقتوں میں نفل، غیر نفل کوئی نماز پڑھنی درست نہیں، بجز اس کے کہ عصر کی نماز باقی رہ گئی ہو اور پڑھتے پڑھتے آفتاب ڈوب جائے۔ اور دوسرے یہ کہ جمعہ کے دن زوالِ شمس کے وقت امام ابو یوسف کے نزدیک تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں (۲)۔ اور ان کراہت کے تین وقتوں کے علاوہ عصر کی فرض پڑھ لینے کے بعد غروبِ شمس سے پہلے اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، یہ دو وقت ایسے ہیں کہ ان میں صرف قضاء تو پڑھ سکتے ہیں مگر نفل وغیرہ واجب نہیں پڑھ سکتے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زوال سے پہلے جمعہ کی اذان

سوال[۳۸۴۹]: آج کل یہ دستور ہے کہ جمعہ کی اذان ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے اور زوال کا وقت ۱۲/ بجکر ۳۷/ منٹ تک ہے اور اذان ہونے کے بعد لوگ سنت پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو کیا ساڑھے بارہ بجے اذان درست ہے اور زوال کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے؟ تو کیا جمعہ کیلئے اس کی رخصت ہے یا ممنوع ہے؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

= " ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة: ۱/۴۳۲، رشيديه)

(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۷۱، إمداديه ملتان)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۱، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "(بعد صلاة فجر و)صلاة (عصر) ولو المجموعة بعرفة (لا) يكره (قضاء فائته و) لو وتراً الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۷۵، سعيد)

"تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها لا الفرائض، ويجوز فيها قضاء الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة .... ومنها: مابعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس، ومنها: مابعد صلاة العصر قبل التغير". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها وتكره فيها: ۱/۵۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق استوائے نہار کے وقت کوئی بھی نماز درست نہیں ہے، سنتِ جمعہ بھی اس میں شامل ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں بحث فرماتے ہیں: "لکن شراح الهداية انتصروا لقول الإمام (وهو عدم جواز الصلوة وقت استواء) وأجابوا عن الحديث المذكور بأحاديث النهي عن الصلوة وقت الاستواء، فإنها محرمة". ردالمحتار، ص: ۳۴۵، مع اضافه(۱)۔

اور جب زوال کا وقت ۱۲/ بجکر ۳۷/ منٹ پر ہے تو ۱۲:۳۰/ پر جمعہ کی اذان درست نہیں ہوگی:

"وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة هي كالواجب في لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاء". الدرالمختار على هامش ردالمحتار، ص: ۲۵۷۔ "(قوله: للفرائض الخمس الخ) دخلت الجمعة". ردالمحتار: ۲/۲۵۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۲، سعید)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس الخ: ۱/۲۰۰، سعيد)

"ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه" (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فروع: في شرح الطحاوي، ص: ۲۳۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۸۴، سعيد)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: "أن بلالاً رضي الله تعالىٰ عنه أذن قبل طلوع الفجر، فأمره النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يرجع، فينادي: ألا إن العبد قد نام". (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الأذان قبل دخول الوقت. ۱/۷۹، مكتبه دار الحديث)

"قوله: (سن للفرائض): أي سن الأذان للصلوات والجمعة سنةً مؤكدةً .... (ولا يؤذن قبل وقت، ويعاد فيه): أي في الوقت إذا أذن قبله الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۲-۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

الفصل السابع فی النوافل یوم الجمعة

(جمعہ کی نفلوں کا بیان)

جمعہ کے بعد کتنی سنتیں ہیں؟

سوال[۳۸۵۰]: جمعہ کے بعد کتنی سنتِ مؤکدہ ہیں، نماز کی چھوٹی چھوٹی کتب میں چھ سنت موکدہ لکھی ہیں، لیکن شامی (۱) ہدایہ (۲)، عالمگیری (۳)، نورالایضاح (۴) میں تو بعد جمعہ چار سنت مؤکدہ لکھی ہیں، صرف فتاوی قاضی خان (۵) اور کبیری (۶) میں چھ لکھی ہیں وہ بھی چھ رکعت کا قول صرف امام ابو یوسف رحمہ اللہ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه "قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً". (جامع الترمذي، أبواب الجمعة، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها: ۱/۱۱۷، سعيد)

"و سنّ مؤكداً (أربعٌ قبل الظهر و) أربعٌ قبل (الجمعة و) أربعٌ (بعدها بتسليمة) الخ".

(الدر المختار، كتاب الصلاة: باب الجمعة: ۲/۱۲، سعيد)

(۲) "ويصلي قبلها أربعاً، وفي رواية: ستاً: الأربع سنة وركعتان تحية المسجد، وبعدها أربعاً أو ستاً على حسب الاختلاف في سنة الجمعة، وسننها توابع لها". (الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۲۳۰، شركة علميه، ملتان)

(۳) "و قبل الظهر والجمعة و بعدها أربعٌ، كذا في المتون". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱/۱۱۲، رشيديه)

(۴) "(سن) سنةٌ مؤكدةً .... و منها (أربعٌ قبل الجمعة) .... (و) منها: أربع (بعدها) بتسليمة".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب النوافل، ص: ۳۸۹، قديمي)

(۵) (لم أظفر عليه) لكن قال العلامة العثمانيّ: "عن أبي عبدالرحمن السلمي......... فإن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يعلّمنا أن نصلي أربع ركعات بعد الجمعة، حتى سمعنا قول عليّ: صلّوا ستاً الخ. ذهب إليه أبويوسف من أئمتنا أن السنة بعد الجمعة ست ركعات، الخ ". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب النوافل والسنن: ۷/۱۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۶) "(والسنة قبل الجمعة أربعٌ، و بعدها أربعٌ)......... (وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ) السنة بعد =

تعالیٰ کا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ "چار سنتِ مؤکدہ ہیں اور دو رکعت سنتِ غیر مؤکدہ ہیں" (۱)۔ اسی طرح تمام کتب میں تطبیق ہو جائے، اس مسئلہ میں حضرت والا کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اجمع ہے (۲)، لیکن مفتی کفایت اللہ صاحب کی تطبیق اقرب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

محراب میں جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنا

سوال [۳۸۵۱]: خطیب کا خطبۂ جمعہ سے پہلے محراب میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، طحطاوی، ص: ۲۸۷ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

= الجمعة (ست) ركعات، وهو مروي عن علي رضي الله تعالىٰ عنه، والأفضل أن يصلي أربعاً، ثم ركعتين للخروج عن الخلاف". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل: ۳۸۸، ۳۸۹، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) (تعليم الإسلام، حصه چهارم، سنت اور نفل نمازوں کا بیان: ۳۷، ۳۸، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۴، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "و تكره صلاته في المحراب قبل الخطبة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجمعة، ص: ۵۱۴، قديمي)

"و تكره صلاته في المحراب قبل الخطبة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۶۱، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۰، سعيد)

الفصل الثامن فی احتیاط الظہر

(احتیاط الظہر کا بیان)

احتیاط الظہر کی تفصیل

سوال[۳۸۵۲]: ملک بنگال میں بعض مقامات جن کی آبادی عموماً منتشر ہے اور چھوٹے چھوٹے موضعات پر مشتمل ہے جن کو قدیم زمانہ سے محققین علماء نے خود ان مواضع کو ملاحظہ فرمایا ہے مثلاً حکیم الامت وغیرہ نے، ان کی رائے یہی تھی کہ یہ مقامات قریہ کبیرہ نہیں ہیں، باوجود ان حالات کے عرصہ دراز سے وہاں برابر جمعہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے، جمعہ کے فرادیٰ فرادیٰ ہر شخص چار رکعت بعد احتیاط الظہر پڑھتا ہے۔ چونکہ یہ عمل عرصۂ دراز سے جاری ہے اس لئے ہر شخص مطمئن ہوکر جمعہ کے ساتھ احتیاط الظہر پڑھ لیا کرتا ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے بعض مولوی حضرات نے یہ کہنا شروع کیا کہ احتیاط الظہر ممنوع اور بدعتِ سیئہ ہے اس لئے قطعاً بند کرنا چاہیے، اپنے اس دعوی کی دلیل میں بعض علماء کی تحقیق اور بعض فقہی عبارات بھی پیش کیں جو آخرِ استفتاء میں ملاحظہ کے لئے منسلک ہیں۔

ان مقامات میں ان مولوی صاحبان کی اس نئی آواز سے ایک ہل چل مچ گئی، عوام الناس شور وشغب کرنے لگے، بعض ایسے اہل علم بھی وہاں موجود تھے جو فتنہ سے ہمیشہ محترز رہے اور اپنے تحفظِ دین کے ساتھ جو دینی خدمت ان سے ممکن ہوتی تو اس کو انجام دیتے تھے۔ لوگوں نے انکی طرف رجوع کیا، انہوں نے فتویٰ دینے سے انکار کیا کہ یہ منصب اہلِ افتاء کا ہے، جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو انہوں نے نمبروار بہت سی فقہی عبارات نقل فرما کر ان عبارات سے جو احکامِ تفصیلیہ ہوتے تھے ان کو بھی نمبروار لکھ دیا اور یہ فرمایا کہ تم لوگ علماء کے پاس استفتاء بھیج کر صورتِ متنازعہ کے متعلق حکم محققین علمائے دین سے تحقیق کرلو، ان حضرات کا جو جواب ہو وہ اپنے عمل کے لئے متعین سمجھ لو۔

میں چونکہ اس منصب کا اہل نہیں اس لئے نہ کوئی متعین حکم دے سکتا ہوں نہ وہ معمول بہ بن سکتا ہے، میں صرف عباراتِ متعلقہ کو یکجا کر کے جو احکام تفصیلہ مستفاد ہوئے تھے، ان کو لکھ دیا ہے ان مولوی صاحب کی بھی وہ مفصل عبارات فقہیہ اور نمبروار احکام جو ان سے مستفاد ہوئے ہیں، منسلک استفتاء ہیں۔ امید ہے کہ بعد

ملاحظہ فرمانے کے وربارۂ احتیاط الظہر ان مقامات میں جوحکم شرع ہواس سے مطلع فرمائیں گے، بہت ممکن ہے کہ اس سے مسلمانوں کا نزاع وفتنہ ختم ہوجائے ورنہ صحیح حکم کی تبلیغ کا ثواب بہرحال مل جائے گا۔فقط۔

خادم: نورالحسین مکان پیربخش میاں پوسٹ عالم نگر رنگپور مشرقی پاکستان۔

مستفتی نے بہت سی عبارات فقہی اس جگہ تحریر کی ہیں جو بسبب طوالت کے نقل نہیں کی گئی،صرف حسب ذیل نقشہ جواحتیاط الظہر پڑھنے کے متعلق ہے جس میں چند خصوصیتیں درج ذیل ہیں۔

۱-ایسی جگہ جس کا مصر یا فنائے مصر ہونا یقینی ہواور سلطان یا نائب اس کا حاضر ہو اور نماز جمعہ بھی ایک ہی جگہ ہوتی ہو۔	۱-صرف جمعہ کی نماز پڑھنی ہوگی
۲-ایسی جگہ جس کا مصر نہ ہونا یقینی ہو یعنی وہ جگہ نہ تو مصر ہو نہ فنائے مصر۔	۲-صرف ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔
۳-ایسی جگہ جس کے مصر ہونے میں شک ہو۔	۳-ایسی جگہ اکثر فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور بعض نے واجب بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو عبارت فتح القدیر(۱) کبیری (۲) شامی(۳) فتاوی عالمگیری(۴)۔

---

(۱) "وإذا اشتبه على الإنسان ذلك، ينبغي أن يصلي أربعاً بعد الجمعة ينوي بها آخر فرض أدركتُ وقته ولم أؤده بعدُ، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره، وإن صحت كانت نفلاً". (فتح القدير ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة: ۵۳/۲، مصطفى البابي مصر)

(۲) "ينبغي أن يصلي أربع ركعات و ينوي بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي". (الحلبي الكبير، فصل في صلاة الجمعة ،ص: ۵۵۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۳) "كل موضع وقع الشك في كونه مصراً، ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعاً بنية الظهر احتياطاً الخ". (الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الصلاة ، باب الجمعة :۱۴۵/۲، ۱۴۶، سعيد)

(۴) "ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة، ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات الخ". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة ، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة : ۱۴۵/۱، رشيديه)

۴- ایسی جگہ جس کا مصر ہونا یقینی ہو مگر جمعہ کی نماز کئی جگہ ہوتی ہو۔	۴- ایسی جگہ پر اکثر فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کو مستحب فرمایا ہے اور بعض نے واجب بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: فتح القدیر(۱) کبیری(۲) شامی(۳) فتاویٰ عالم گیری(۴)۔
۵- ایسی جگہ جس کا مصر ہونا یقینی ہو مگر سلطان یا نائب سلطان نہ ہو۔	۵- ایسی جگہ بھی بعض فقہاء نے آخر الظہر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، مبسوط(۵) خواہر زادہ (۶) فتاویٰ عزیزی: ۱/۳۳،۲/۴(۷)۔
۶- مندرجہ بالا جن مقامات میں آخر الظہر ہونے کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کسی جگہ یہ خوف ہو کہ آخر الظہر پڑھنے کی وجہ سے جاہلوں کا اعتقاد جمعہ کے نہ فرض ہونیکا ہو جائے گا۔	۶- ایسی جگہ بوجہ خوفِ فسادِ عقیدۂ عوام کو پڑھنے کا فتویٰ نہ دیا جائے گا اور خاص یعنی جن لوگوں کا عقیدہ درست ہوگا اور خراب ہونے کا خوف نہیں ان کے لئے گھر میں پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے، مراقی الفلاح(۸) بحر الرائق(۹)۔

(۱) (راجع، ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (راجع، ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۳)

(۴) (راجع، ص: ۳۴۷، رقم الحاشية: ۴)

(۵) (لم أجده) (۶) (لم أجده)

(۷) ''صحت ادائے نماز جمعہ نزد قدمائے حنفیہ مشروط بسلطان یا نائب سلطان است، متاخرین ایشان در عہد چنگیز یہ فتوی دادہ اند، ما آنکہ ہرگاہ از طرف کفار والی مسلمان در شہر متمکن باشد، او حکم سلطان دارد، واقامت جمعہ واعیاد از وے صحیح است (إلی قولہ) پس این ہا اجماع اہلِ بلد را قائم مقام تعیین سلطان ساختند، بالجملۃ ادائے چہار رکعت علی سبیل الإحتیاط ضرور است''.
(فتاوی عزیزی، مسائل نماز وغیرہ: ۸/۲، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(۸) ''و ليس الاحتياط في فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة بفعل الأربع. مَفسدة اعتقاد عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض في وقتها، ولايفتي بالأربع إلا للخواص، ويكون فعلهم إياها في منازلهم''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۰۶، قديمي)

(۹) ''أمر أئمتهم بأداء الأربع بعد الجمعة حتماً احتياطاً .... و لأن الاحتياط هو العمل بأقوى =

سلفِ صالحین کی سابقہ عبارات سے معلوم ہوگیا کہ مسئلہ متنازعہ میں بہت تنقیح وتفصیل ہے اور حضرات فقہاء نے مختلف صورتوں میں مختلف احکام دیئے ہیں، لہٰذا فقہاء کی کل کتابیں اور علماء کے کل فتاوی درست اور حق ہیں اور جو فسادات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں، وہ نتیجہ ہوتا ہے فتاوی کو غلط طریقہ پر استعمال کرنے کا، مثلاً نقشہ ہذا میں چھ صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے، اگر پہلی صورت کے موقع پر دوسری صورت کا حکم استعمال کیجیے تو نتیجہ ہوگا کہ جس جگہ جمعہ ضروری اور فرض ہے وہاں صرف ظہر پڑھنی ہوگی، یا دوسری صورت کے موقع پر پہلی صورت کا حکم استعمال کیجیے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس جگہ جمعہ جائز نہیں ہے وہاں جمعہ پڑھنا پڑے گا، اسی طرح اگر تیسری صورت کے موقعہ پر پہلی صورت کا حکم استعمال کرے تو صرف جمعہ پڑھنا پڑے گا، اگر دوسری صورت کا حکم استعمال کیجیے تو صرف ظہر پڑھنی پڑے گی، حالانکہ یہ سب کے سب تمام علماء وفقہاء کے خلاف ہیں۔ علی ہذا القیاس آخر تک حساب لگا کر ملاحظہ فرمائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کل احکام میں رخنہ پڑ جائے گا اور ہر قسم کے

= الدليلين، و لم يوجد عدم جواز التعدد بل قضية الضرورة عدم اشتراط، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾. (سورة التوبة پ ۳آية : ۲۸۶) وقال الله تعالىٰ: ﴿و ما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ (سورة الحج :پ ۱۷، آية : ۷۸) بلفظه مع ما لزم من فعلها في زماننا من المفسدة العظيمة و هو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشهدون من صلاة الظهر، فيظنون أنهاالفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها. وعلى تقدير فعلها ممن لا يخاف عليه مَفسدة منها، فالأولى أن تكون في بيته خفيةً خوفاً من مفسدة فعلها. والله سبحانه الموفق للصواب". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، رشيديه)

"ثم على قول أبي يوسف: لو تعددت فالجمعة لمن سبق .... قالوا في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة، ينبغي أن يصلي أربع ركعات، و ينوى بهاالظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين .... و أما البلاد، فلا يشك في الجواز، ولا تعاد الفريضة. قال: والاحتياط في القرى أن يصلي السنة أربعاً: ثم الجمعة، ثم ينوى سنة الجمعة أربعاً، ثم يصلي الظهر، ثم ركعتين سنةً للوقت، هذا هو الصحيح المختار. فإن صحت الجمعة فقد أدى سنتها على وجهها، و إلا فقد صلى الظهر مع سنته الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجمعة : ۵۵۲، سهيل اكيڈمي لاهور)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۴۵، ۱۴۶، سعيد)

جھگڑے شروع ہوجائیں گے، لہٰذا سب جگہ کیلئے ایک ہی حکم لگانا کتب فقہ کے خلاف اور اپنے سے تجاوز ہے، پس جس جگہ کے لئے جیسا حکم اور علماء کا ہو ویسا ہی کرنا چاہیے، اس کے خلاف کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ۔

نورالحسین۔

الجواب واللّٰہ الموفق للصواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ احتیاط الظہر قرآن کریم، حدیث شریف، آثارِ صحابہ، اقوالِ ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ شرائط جمعہ کے متعلق اختلاف ائمہ کے باوجود عدمِ شرائط میں تردد کے باعث بعض مشائخ نے یقینی طور پر براءتِ ذمہ کے لئے اس مسئلہ کو احتیاطاً بیان کیا تھا، پھر اس درجہ اس پر عمل میں ترقی ہوئی کہ بعض جگہ احتیاط الظہر کا علی الاعلان عملاً التزام کیا گیا، بعض جگہ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، بعض جگہ اس کو واجب یا فرض اعتقاد کیا گیا، بعض جگہ اس کو جمعہ سے بھی بڑھا دیا گیا حتیٰ کہ جمعہ کو غیر ضروری بدرجۂ نفل سمجھنے لگے، پھر اس پر تکرار و نزاع کی صورتیں پیدا ہونے لگیں، غرض! گوناگوں فتنے شروع ہوگئے، اس لئے بہت سے فقہاء نے اپنے قول سے رجوع کرکے ممانعت کا حکم دیا۔

مسئلہ مذکورہ میں وجودِ سلطان وعدمِ سلطان اور تعدد جمعہ کی تنقیح کافی طور پر ہوچکی ہے، لہٰذا یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں جن کی بنا پر احتیاط الظہر کا حکم دیا جائے، ندباً یا وجوباً۔ البتہ جس مقام کے مصر ہونے میں شک ہو اور زمانۂ قدیم سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہو اور بند کرنے میں فتنہ ہو تو وہاں ایسی طرح احتیاط الظہر مناسب ہے جس سے کوئی اعتقادی اور عملی مفسدہ پیدا نہ ہو، کتب فقہ کی عبارات خود سائل کے سامنے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/۶۸ھ۔

احتیاط کی جو صورتیں نقشہ کی صورت میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے مسئلہ متنازعہ فیہا میں کوئی صورت بھی نہیں پائی جاتی، اصل سوال بنگال کے چھوٹے گاؤں اور بستیوں کے متعلق ہے جن کو دیکھنے والا گاؤں بھی نہیں کہہ سکتا، جو گاؤں اس قسم کے ہیں ان میں جمعہ پڑھنا اور پھر احتیاط الظہر پڑھنا مذہب حنفی کی رو سے

(۱) (راجع، ص: ۳۴۸، رقم الحاشیۃ: ۸، ۹)

درست نہیں ہے(۱)۔فقہاء کی جو عبارات کثیرہ استفتاء کے ساتھ ہیں وہ موجود سوال پر منطبق نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/صفر/ ۶۸ھ۔

احتیاط الظہر کا حکم

سوال[۳۸۵۳]: ۱...... بروز جمعہ بعد ادائے فریضہ چار رکعات نماز بہ نیت احتیاط الظہر کلکتہ یا اطراف کلکتہ یا کسی گاؤں جو کہ شہر کلکتہ سے ۲۰/میل کی مسافت پر واقع ہو اور وہاں اشیائے ضروریات بھی کثرت کے ساتھ دستیاب ہوتی ہوں تو ایسی جگہوں میں مذکورہ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ دیگر عرض خدمت یہ ہے کہ البحر الرائق کی عبارت ہے: "قد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، و هو الاحتياط فى زماننا".(۲) اور دوسری جگہ صاحب بحر کا ایک مستحکم قول ہے: "الاحتياط في زماننا ترك احتياط الظهر أظهر من الشمس". ہے(۳) حالانکہ اس کا جواب صاحب نفع

---

(۱) جمعہ اور پھر احتیاط الظہر کو وہاں اختیار کیا جاتا ہے جس گاؤں کے قریہ کبیرہ اور مصر ہونے میں شک ہو، اس کے برعکس جس گاؤں کے قریہ کبیرہ اور مصر نہ ہونے کا یقین ہو، جواز جمعہ کی شرائط میں سے کوئی شرط وہاں موجود نہ ہو تو وہاں ظہر پڑھنا ہی یقینی ہے، دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں جیسا کہ صورت نمبر:۲ کے حکم میں گزر چکا ہے اور عبارات سابقہ سے بھی یہی حکم مستفاد ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ثم فى كل موضع وقع الشك فى جواز الجمعة لوقوع الشك فى المصر او غيره واقام اهله الجمعة، ينبغى أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينووا بها الظهر الخ".

(كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة : ۱/۱۴۵، رشيديه)

"وأما القرى فإن أراد الصلاة فيها، فغير صحيحة على المذهب .... فإن المذهب .... عدم صحتها فضلاً عن لزومها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۲۴۸، رشيديه)

(و كذا فى فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۵۳، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(۲)(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة : ۲/۱۳۷، سعيد)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة ،باب الجمعة : ۲/۲۴۵، رشيديه)

(۳) لم أظفر بهذه العبارة فى البحر، لكن فى منحة الخالق هكذا: "وهو اعتقاد الجَهَلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر، فيظنون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض، فيتكاسلون عن=

المفتی نے اس کتاب کے ص:۹۰۸ میں تحریر کیا ہے جو کہ نیچے درج ہے: "فما فی البحر أنهم أفتوا بأداء الأربع بعد الجمعة .... بعید عن مثله" (۱)۔

اس جگہ صاحب بحر کا قول قابلِ ترجیح ہے یا نہیں؟ ازراہ مہربانی تحریر فرمادیں۔

۲......احتیاط الظہر کی نیت کے اندر آخر فرض کہنا ضروری ہے یا نہیں، اگر کوئی فرض نہ کہے تو کیا نقصان ہے؟ بعض فقہ کی کتابوں میں نیت کے اندر فرض کا نام بھی نہیں لیا، کیا اس سے نیت میں کچھ خرابی آئے گی، جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ، ص: ۲٦ (۲)صغیری شرح منیة(۳)مخزن الفتاویٰ(٤)، هندیه(٥)،غایة الأوطار، ص:۳۷۳(٦)،مجمع الأنهر(۷) اورفتاویٰ خیریہ؟

احتیاط الظہر کی نیت فتاویٰ خیریہ میں یوں لکھا ہے: "کما وقع فیه الاختلاف القوی بین الأئمة، وقع الخلاف فی تعریف بغیر جماعة أربع رکعات بنیة: آخر ظهر أدرکتُ وقته ولم أصل بعد(۸)"۔ وتفصیل فی شروح الهدایة والمنیة والکنز وغیرها۔

= أداء الجمعة، فکان الاحتیاط فی ترکها الخ". (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة : ۲/۲۵۲، رشیدیه)

(۱) (مجموعة رسائل اللکنوی ، نفع المفتی والسائل : ۴/۱۴۰، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (مجموعة رسائل اللکنوی ، نفع المفتی والسائل : ۴/۱۴۱، إدارة القرآن کراچی)

(ومجموعة الفتاویٰ للکنوی، کتاب الصلاة، سوال: چاررکعت ظہر احتیاطی بعد نماز جمعہ الخ: ۱/۲۴۸، سعید)

(۳) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی)

(۴) (لم أظفر علیه)

(۵) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة ، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة : ۱/۱۴۵، رشیدیه)

(۶) (غایة الأوطار، اردوترجمہ الدر المختار ، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

(۷) (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة ، باب الجمعة : ۱/۲۴۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۸) "ما وجدت فی الفتاویٰ الخیریة هذه العبارة بعینها لکن فیها هکذا: "والأحسن الأحوط فی موضع الشک جواز الجمعة ثبوت شرطها یقول: نویت أن اصلی آخر ظهر أدرکت وقته ولم اصلّه بعد".

(الفتاوی الخیریة علی هامش تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الصلاة ، مطلب فیما إذا کان علی یده وشمٌ، هل تصح صلاته وإمامته معه أم لا؟ سئل فی الرجل إذا کان فی الصلاة وخرج من بین أسنانه شیء -

مگر فتح القدیر میں ہے:''ینبغی أن یصلي أربعاً ینوي لها: آخر فرض أدرکتُ وقته، الخ''(۱)۔ ایسا ہی سفرالسعادۃ میں بھی ہے(۲)۔ان عبارات متنازعہ کے درمیان کس کا قول زیادہ اقوی ہے اور اصح ہے؟ ارقام فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس امر پر تمام امت کا اجماع ہے کہ جمعہ دیگر صلوۃ خمسہ کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح چاہے جہاں چاہے ادا کرلیا جائے، بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصیات ہیں–وجوباً وصحتاً– جو اَور نمازوں کے لئے نہیں (۳)۔اس کے بعد ان خصوصیات میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں وہاں ظہر فرض ہے، بڑے گاؤں میں جو اپنی آبادی اور ضروریات اور روزمرہ وغیرہ کے لحاظ قصبہ کے مثل ہو، وہاں جمعہ فرض اور

= الخ : ۱/ ۲۲، قندھار تاجران کتب)

(۱)(فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، ۲/ ۵۳، مصطفی البابی الحلبي، مصر)

(۲)''فائدہ: از محیط نقل کردہ اند کہ در ہر موضع کہ شک بود در شرائطِ جمعہ، اہلِ آن موضع را باید کہ بعد از جمعہ چہار رکعت بگزارند بہ نیتِ ظہر احتیاطاً، تا اگر جمعہ صحیح نیفتد از عہدہ فرضِ وقت بادائے ظہر بیقین بیرون آیند''. (شرح سفر السعادۃ للشاہ عبد الحق الدہلوی، باب در نماز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل در خطبۂ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۲۱۳، مطبعہ منشی نولکشوری)

(۳)''وأما شرائطها فنوعان: شرائط صحة و شرائط صحة وجوب، فالأول ستة كما ذكره المصنف: المصر والسلطان والوقت والخطبة والجماعة والإذن العام، والثاني ستة أيضاً كما سيأتي .... وشرط وجوبها الإقامة و الذكورة والصحة والحرية و سلامة العينين والرجلين''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/ ۲۴۵، ۲۴۴، رشيديه)

''شرائط لزوم الجمعة اثني عشر، ستة في نفس المصلي: و هي الحرية والذكورة والإقامة والصحة و سلامة الرجلين والبصر، وقال: على الأعمى إذا وجد قائداً، و ستة في غير نفس المصلي، و هي: المصر الجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والإظهار''. (البناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳/ ۴۷، ۴۸، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/ ۱۳۷، سعيد)

اس کا ادا کرنا درست ہے، اس میں کوئی شک کرنا اور احتیاط الظہر پڑھنا اور ایک یقینی چیز میں شک اور تردد کرنا ہے جو کہ بے دلیل ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب متعین کرنے کے متعلق متقدمین میں اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ ایک شہر میں ایک جگہ جمعہ ہونا چاہیے یا متعدد جگہ بھی جائز ہے، اس اختلاف کی بنا پر بعض علماء نے احتیاط الظہر کا حکم دیا تھا کہ تعددِ جمعہ نہ درست ہو تو صرف پہلا جمعہ ادا ہوگا اور بعد والوں کا فریضہ باقی رہ جائے گا تو وہ لوگ احتیاط الظہر ادا کرلیں لیکن اس میں مفسدہ پیدا ہوا، ناواقف لوگوں نے یہ سمجھا کہ جمعہ فرض ہی نہیں، اس مفسدہ کو روکنے کے لئے احتیاط الظہر کو عامۃً منع کردیا اور خاص اہل علم اور تقویٰ کو گنجائش دی گئی کہ وہ خفیہ طور پر اپنے مکان میں جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھیں، اور "آخر ظهرٍ أدر كتُه ولم يسقط عني بعدُ" کی نیت کریں۔

"ثـم عـلـى قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: لو تعددت فالجمعة لمن سبق، واختلفوا: قـال بـعـضـهـم: يعتبر السبق بالفراغ، والصحيح أنه بالافتتاح، فإن صلوامعاً واشتبه الأمر فسدت صلـوة الكل. وذكر فى فتح القدير: والأفضل هو الجامع الواحد، وذلك للخروج من الخلاف، والـخروج عن العهدة بيقين. و عن هذا وعن الاختلاف فى المصر قالوا: كل موضع وقع الشك فـى جـواز الـجـمـعة، يـنبغى أن يصلى أربع ركعات، و ينوى بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها، يـخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا فى الكافى۔

قـال فى فتاوىٰ: الحجة هذا فى القرى الكبيرة، وأما البلاد فلا يشك فى الجواز و لاتعاد الـفـريـضـة، قـال: و الاحتياط فى القرى أن يصلى السنة أربعاً، ثم الجمعة، ثم ينوى سنة الجمعة أربـعـاً، ثـم يصلى الظهر ثم ركعتين سنة الوقت، هذا هو الصحيح المختار. فإن صحت الجمعة فقد أدى سنتها على وجهها، وإلا فقد صلى الظهر مع سنته. قال: و قول الناس: يصلى الظهر بنية الظهر أو بنية أقرب صلوةٍ عليَّ، ماليس له أصلٌ فى الروايات، والشك فى جواز الجمعة فى البلاد والقصبات انتهىٰ. وهذا الذى قاله من حيث كون الموضع مصراً،أولا وأما من حيث جواز التعدد و عـدمـه فـالأول هو الاحتياط؛ لأن الخلاف فيه قوىّ؛ إذ الجمعة جامعة للجماعات، و لم يكن

فی زمن السلف تصلی إلا فی موضع واحد من المصر، وکون الصحیح جواز التعدد للضرورة للفتویٰ لا یمنع شرعیة الاحتیاط للفتویٰ۔

و ذکر فی فتاوی: هو ینبغی أن یقرأ الفاتحة والسورة فی الأربع التی تصلی بعد الجمعة بنیة الظهر فی دیارنا، فإن وقع فرضاً فقرآ ة السورة لا تضر، وإن وقع نفلاً فقرأة السورة واجبة، انتهیٰ۔ والأحسن فی النیة أن ینوی: "آخر ظهرٍ أدرکتُ وقته و لم یسقط عنی بعدُ" حتی إن صحت الجمعة وکان علیه ظهر یسقط عنه، وإلا فنفل، اهـ". غنیة المستملی، ص:۵۱۲(۱)۔

پھر یہ اختلاف مرتفع ہوکر جواز تعدد علی الاطلاق مذہب قرار دیا گیا تو اب اس شبہ کی بناء پر بھی احتیاط الظہر کی کوئی جہت باقی نہیں رہی:

"و تؤدی فی مصر واحد فی مواضع: أی یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، هو قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ و محمد رحمه الله تعالیٰ، وهوالأصح .... وذکر الإمام السرخسی رحمه الله تعالیٰ: أن الصحیح من مذهب أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ جواز إقامتها فی مصر واحد فقط". ۱/۱۲۰"(۲)۔

و فی فتح القدیر: "الأصح الجواز مطلقاً"(۳). و ذکر فی باب الإمامة: "أن الفتوی علی جواز التعدد مطلقاً: ۱/۲۴۷".(۴)۔

---

(۱) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۲۲، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة : ۲/۲۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۳، مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر)

(۳) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵۳، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۴) (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۵۰، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

"(و تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب، و علیه الفتوی".

(الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۴۴، ۱۴۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة : ۱/۱۴۵، رشیدیه)

بـما ذكرناه اندفع ما فى البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فى موضعين، ولا يجوز فـى أكثر مـن ذلك، و عليه الاعتماد اهـ. فإن المذهب الجوازا مطلقاً. و إذا علمت ذلك فما فـى الـقـنية: (مـن مسئلة احتياط الظهر) مبنى كلّه على القول الضعيف المخالف للمذهب، فـليس الاحتيـاط فـى فـعـلهـا؛ لأنـه العمل بأقوىٰ الدليلين، وقد علمت أنّ مقتضى الدليل هو الإطـلاق، ولـم يوجد دليل عدم جواز التعدد، بل تقتضيه الضرورة عدم اشتراطه، وقد قال الله تـعـالىٰ: ﴿لا يكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ و قال الله تعالىٰ: ﴿و ما جعل عليكم فى الدين من حـرج﴾ اهـ، مـع مـا لـزم مـن فـعـلها فى زماننا من المفسدة العظيمة و هو اعتقاد الجَهَلة أن الـجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلوة الظهر، فيظنون أنهاالفرض وأن الجمعة ليست بـفـرض، فيتـكـاسـلون من أداء الجمعة، فكان الاحتياط فى تركها. وعلى تقدير فعلها لمن لا يـخاف عليه مفسدة مـنهـا، فـالأولىٰ أن تـكـون فى بيته خفيةً خوفاً من مفسدة فعلها. والله سبحانه الموفق للصواب، اهـ". بحر: ۲/۱۵٤" (۱)۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکب الأنہر/ ۱۴۷، میں لکھا ہے: "و تـفـسـد بـالـمعية والاشتباه، فيـصـلـى بـعدها أربعاً بنية، آخر ظهر أدركتُ وقته و لم يسقط عنّى بعد" وكل ذلك مبنى على المرجوح، فلا يعول عليه" (۲)۔

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح میں تحریر کیا ہے: "و ليـس الاحتيـاط فـى فعلها؛ لأن الاحتيـاط هـو الـعمل بأقوى الدليلين وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة و بفعل الأربع مفسدة اعتـقـاد الجَهَلة عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض فى وقتها، ولايفتى بالأربع إلا للخواص، و يكون فعلهم إياها فى منازلهم، اهـ". (۳)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۰، ۲۵۱، رشيديه)

(۲) (سكب الأنهر المعروف بالدر المنتقى شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر، باب الجمعة: ۱/۲۴۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۰۶، قديمى)

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: "و ظاہر از اطلاقِ عبارتِ فقہاء آنست کہ احتیاج باین تقییدات نیست، بلکہ نیتِ صلوۃِ ظہرِ وقت کند، چنانچہ در سائرِ ایام میکنند چہ اگر جمعہ صحیح نیست این فرض باقی است بہ یقین، وإلا تطوع بہ نیتِ فرض صحیح است. وصحیح آنست کہ جمعہ صحیح است اگر چہ سلطان جائر باشد، و تنفیذِ جمیعِ احکام بالفعل صورت نہ بندد، و ذکر جمیع ہذہ المسائل فی سنن الہدیٰ" (۱)۔

عزیز الفتاویٰ: ۱/۴۶، ۲/۴۷ (۲) فتاوی رشیدیہ: ۱/۲۸، ۲/۴۱، ۲/۵۰، ۳/۳۶ (۳) میں اس احتیاط الظہر کو ناپسند اور لغو اور قابلِ ترک لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "نعم! إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهاراً، والكلام عند عدمها، و لذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص و لو بالنسبة إليهم، والله تعالىٰ أعلم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۶، سعيد)

(۱) (لم أظفر عليه)

(۲) (فتاوی دار العلوم دیوبند یعنی عزیز الفتاوی، تالیف حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمه الله تعالیٰ، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۲۸۲، ۲۸۳، دارالإشاعت کراچی)

(۳) (تالیفات رشیدیه مع فتاوی رشیدیه، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، ص: ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹، إداره اسلاميات لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (احسن الفتاوی، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين، احتیاط الظہر کی حقیقت: ۴/۱۴۸، سعید)

الفصل التاسع فی النظافة یوم الجمعة

(جمعہ کے دن غسل وغیرہ کا بیان)

شبِ جمعہ میں غسل کرنے سے مسنون غسل ہو جائے گا یا نہیں؟

سوال[۳۸۵۴] : اگر کوئی شخص غسلِ جمعہ اور غسلِ عید شب میں کر لے تو کافی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شبِ جمعہ اور شبِ عیدین میں غسل کر لیا جائے تب بھی کافی ہے کہ اصل مقصود قطعِ رائحہ حاصل ہے، کذا فی مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جمعہ کے روز حجامت

سوال[۳۸۵۵] : روزِ جمعه قبل نمازِ جمعه حجامت ساختن چه حکم دارد ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

این طریقه نبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم است : "کان رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقصّ شاربه، و یقلم أظفاره یوم الجمعة قبل أن یروح إلی الصلوة". أخرجه البیهقی". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "وفی معراج الدرایة : لو اغتسل یوم الخمیس أو لیلة الجمعة، استنّ بالنسبة لحصول المقصود، وهو قطع الرائحة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل : یسن الاغتسال لأربعة أشیاء ،ص: ۱۰۷ ، قدیمی)

(۲) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع : ۴۰۵/۶، سعید) .... =

ناخن اور بال جمعہ کی نماز سے پہلے بنوائے یا بعد میں؟

سوال[۳۸۵۶]: درمختار کا حوالہ دے کر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن حجامت بنوانا اور ناخن ترشوانا جمعہ کے بعد افضل ہے۔کیا یہ مسئلہ صحیح بیان کیا گیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ناخن زیادہ بڑھے ہوئے ہوں تو جمعہ کے بعد ترشوانا شرح اشباہ، ص:۵۶۳(۱) میں افضل لکھا ہے، ردالمحتار، ص:۶۲۳، میں مطلقاً بعد جمعہ حجامت بنوانا ناخن ترشوانا افضل لکھا ہے(۲) اور بعض روایات

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم كان يقلم أظفاره، ويقص شاربه يوم الجمعة قبل أن يخرج إلى الصلاة". وأخرج البزار والطبرانی فی الأوسط والبيهقی فی شعب الإيمان بسند حسن". (الدر المنثور، تحت آية البقرة: ﴿وإذا ابتلى إبراهيم ربه﴾ الآية: ۱/۱۱۲، مؤسسة الرسالة)

"و ظاهر الأحاديث يدل على أن القلم قبل الصلاة، فما فی بعض الكتب أنه بعدها ليشهد بالصلاة لا يعول عليه؛ لأنه تعليل فی مقابلة النص". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۲۵، قديمی)

(وكذا فی كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، الزينة والتجمل: ۷/۱۲۷، رقم الحديث: ۱۸۳۲۲، مكتبة التراث الإسلامی)

(۱) "و فی جامع المضمرات والمشكلات معزياً إلى فتاوى الحجة: و جاء فی الخبر أنه يكره قلم الأظفار، وقصّ الشارب فی يوم الجمعة لما فيه من معنى الحج، فيكره قبل الفراغ من الحج، و قضاء التفث وحلق الشعر، وقصه الشارب والتقليم. وجاء فی الخبر: "من قلم أظفاره يوم الجمعة أعاذه الله من السوء إلى يوم الجمعة القابلة و ثلاثة أيام". و رأيت فی بعض الروايات أنه يقلّم ويقصّ بعد صلاة الجمعة عملاً بالأخبار، فكأنه اعتمر وحج، ثم حلق و قص و قصر انتهى. وأنت خبير بأن ما نقلناه يقتضی كراهة القص والحلق قبل الجمعة الخ". (شرح الأشباه والنظائر لابن نجيم، الفن الثالث، الجمع والفرق، القول فی أحكام يوم الجمعة: ۳/۱۹۶، ۱۹۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "و يكره تقليم الأظفار وقصّ الشارب فی يوم الجمعة قبل الصلاة لما فيه من معنى الحج، وذلك قبل الفراغ من الحج غير مشروع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، سعيد)

میں نماز سے قبل بنوانا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے اور طحطاوی میں اسی کو افضل لکھا ہے اور بعد نماز کی افضلیت کو رد کیا ہے اور مشائخ کا معمول بھی یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۵۴/۱۱/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "وظاهر الأحاديث يدل على أن القلم قبل الصلاة، فما في بعض الكتب أنه بعدها ليشهد بالصلاة لا يعول عليه؛ لأنه تعليل في مقابلة النص". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۲۵، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقلم أظفاره و يقص شاربه يوم الجمعة قبل أن يخرج إلى الصلاة". وأخرج البزار والطبراني في الأوسط والبيهقي في شعب الإيمان بسند حسن". (الدر المنثور تحت آية: ﴿وإذا ابتلى إبراهيم ربه﴾ الآية: ۱/۱۱۲، مؤسسة الرسالة)

فصل فی المتفرقات

جمعہ کی نماز کے لئے "حی علی الفلاح" پر کھڑا ہونا

سوال[۳۸۵۷]: مقتدیوں کونماز جمعہ کیلئے خطبہ کے ختم ہوتے ہی کھڑا ہو جانا چاہیے یا امام کے مصلی پر جانے اور مکبر کے تکبیر کہنے کا انتظار کیا جائے، طریقہ مسنون کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ جس وقت مکبر "حی علی الفلاح" کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہیے(۱) لیکن احادیث میں صفوف سیدھا کرنے کی نیز درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کی بہت تاکید آئی ہے(۲) اور عام طور پر

---

(۱) "إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد، فإنه يقوم الإمام والقوم إذاقال المؤذن: حي على الفلاح عند علماء نا الثلاثة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ: ۱/۵۷، رشیدیه)

"والقيام حين حي على الفلاح؛ لأنه أمربه، فيستحب المسارعة إليه. أطلقه فشمل الإمام والمأموم إن كان الإمام بقرب المحراب، وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام، وهو الأظهر الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۳۱، مکتبه رشیدیه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من وصل صفاً وصله الله، و من قطع قطعه الله عزوجل". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب من وصل صفاً: ۱/۱۳۱، قدیمی)

"عن النعمان بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه :"قال كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسوّي صفوفنا، فخرج يوماً فرآى رجلاً خارجاً صدره عن القوم، فقال: "لتسوُّنّ صفوفكم أوليخالفنّ الله بين وجوهكم". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ما جاء في إقامة الصفوف: ۱/۵۳، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (جواہر الفقہ، اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں: ۱/۳۰۱، مکتبه دار العلوم کراچی) .... =

لوگ مسائل سے ناآشنا ہیں اس لئے تکبیر شروع ہونے سے پیشتر ہی یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیجائیں تاکہ تکبیر بھی سب سکون سے سن سکے اوراس وقت کسی کا شور نہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۲۵/ربیع الاول/۵۶ھ۔

ہر جمعہ کو سورۂ کہف کا وِرد

سوال[۳۸۵۸]: ایک مولوی صاحب نے اپنے وعظ میں بیان فرمایا(اجمیر میں) کہ جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا دن تھا،۱۰/محرم بروز جمعہ،اس دن بھی آپ سورۂ کہف تلاوت فرمارہے تھے،آپ نے قاتل سے کہا بھی کہ سورۂ کہف پڑھنے اور نماز جمعہ تک کی مہلت دے دو۔یہ کہاں تک درست ہے کہ آپ ہر جمعہ کو سورۂ کہف تلاوت فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تو معلوم نہیں کیا تھا، ہاں! حدیث شریف میں جمعہ کے روز سورۂ کہف کی فضیلت بہت آئی ہے،کذافی المشکوۃ، باب فضائل القران (۱)۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

دورانِ ڈیوٹی نمازِ جمعہ پڑھنے سے ثواب ملے گا یانہیں؟

سوال[۳۸۵۹]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں،آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے،اس ڈیوٹی میں باقاعدہ نماز کے لئے جانا ہوتا ہے،اس سے میری ڈیوٹی میں حرج واقع نہیں ہوتا مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ڈیوٹی میں غیر حاضر رہتا ہوں۔تو کیا مجھے نمازِ جمعہ کا ثواب ملے گا یانہیں؟

= (واحسن الفتاوی ،رساله: ارشاد الأنام بجواب إزالة الأوهام : ۲/۲۹۹، سعيد)

(۱) "وعن ابي سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة، أضاء له النور ما بين الجمعتين". (مشكوة المصابيح، كتاب فضائل القرآن : ۱/۱۸۹، قديمی)

قال الحافظ عماد الدين بن كثير رحمه الله تعالیٰ: "عن علی رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً: "من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة، فهو معصوم إلى ثمانية أيام من كل فتنة، وإن خرج الدجال عصم".

(تفسير ابن كثير : ۳/۷۰، ۷۱ ، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جمعہ جب وقت پر ادا کرتے ہیں تو اس کا ثواب انشاءاللہ تعالیٰ ضرور ملے گا، دوسری کوتاہیوں جو اُور آدمیوں میں موجود ہیں ان کی وجہ سے نماز کا ثواب ضائع نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نئی مسجد میں جمعہ اور جمعہ کی تعطیل کو اتوار سے بدلنا

سوال[۳۸۶۰]: ایک شہر میں مدت کے بعد ایک مسجد احاطۂ مدرسہ میں تعمیر ہوئی ہے جس کی وجہ سے تعطیلِ جمعہ کو اتوار سے بدل دیا گیا ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کون سے دن تعطیل اختیار کی جائے کہ شہر میں اتفاق ہو سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتوار کے دن تعطیل کرنے میں تشبہ ہے غیروں کے ساتھ، دینی مدرسہ میں اس کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے (۲)۔ نئی مسجد میں مستقل جمعہ قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے، شرعاً یہ طریقہ ناپسند ہے کہ ہر مسجد میں جمعہ کیا جائے، اس سے شوکتِ اسلام ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے، جامع مسجد میں جمعہ ادا کرنے میں شوکتِ اسلام کا زیادہ ظہور ہے، اگرچہ ادا ہو جاتا ہے دوسری مسجد میں بھی، لیکن وہ شان باقی نہیں رہتی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۷ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لا یضیع أجر المحسنین﴾ (سورة التوبة، پ: ۱۱، آیة: ۱۲۰)

"عن أبي هریرة – رضي الله تعالیٰ عنه – قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتی الجمعة"، قال: "فاستمع وأنصت، غفرله مابین الجمعة إلی الجمعة وزیادة ثلاثة أیام، ومن مس الحصی فقد لغا". (سنن أبي داؤد، باب فضل الجمعة: ۱/۱۵۷، مکتبه امدادیه)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من تشبه بقوم فهومنهم". (سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية: ۲/۲۰۳، مکتبه امدادیه)

(۳) "الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من آکد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمین، وهي أعظم من کل مجمع یجتمعون فیه وأفرضه سوی مجمع عرفة، ومن ترکها تهاوناً بها، طبع الله علی قلبه. وقُربُ أهل الجنة یوم القیامة وسبقهم إلی الزیادة یوم المزید بحسب قربهم من الإمام یوم الجمعة وتبکیرهم". (زاد المعاد لابن قیم الجوزیة، فصل: هدیة النبي صلی الله علیه وسلم في تعظیم یوم الجمعة، ص: ۱۲۱، دارالفکر، بیروت) .... =

جوشخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہے اس کو امامتِ جمعہ کے لئے تجویز کیا جائے

سوال[۳۸۶۱]: دومسجدوں کے اماموں میں ایک امام روزانہ چار وقت نماز پڑھتا ہے، صبح کی نماز نہیں پڑھتا، قضاء پڑھتا ہے، دوسرا امام باقاعدہ پنجگانہ نماز کا پابند ہے۔ اب دونوں اماموں میں نمازِ جمعہ کے لئے کس کا انتخاب کیا جائے، کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوشخص پانچوں نمازوں کو وقت پر ادا کرتا ہے اور اس میں امامت کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں اس کو ہی امام جمعہ تجویز کیا جائے اور جو نماز قضاء کرنے کا عادی ہے اگر چہ ایک ہی وقت کی قضاء کرتا ہو اس کو امام نہ بنایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۰ھ۔

= "(وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، ۱۴۵، سعيد)

"قوله: (وتؤدى في مصر في مواضع): أي يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن في معنى الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيّناً، وهو مدفوع". (البحر الرائق، باب الجمعة: ۲۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السادس في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيديه)

(۱) "(والأحق بالإمامة) تقديماً بل نصباً –مجمع الأنهر– (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحةً وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل: واجب، وقيل: سنة (ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً (للقراءة، ثم الأورع): أي الأكثر اتقاءً للشبهات، والتقوىٰ: اتقاء المحرمات الخ". (الدرالمختار، باب الإمامة: ۵۵۷/۱، سعيد)

"فإن تساووا فأقرأهم: أي أعلمهم بعلم القراءة، يقف في موضع الوقف، ويصل في موضع الوصل ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما، كذا في الكفاية. فإن تساؤوا فأورعهم، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في الإمامة: ۸۳/۱، رشيديه)

"(قوله: فأورعهم) الورع: اجتناب الشبهات، والتقوىٰ: اجتناب المحرمات. وروى الحاكم =

متولی کا امام کے علاوہ جمعہ کے لئے کسی اور کو آگے بڑھانا

سوال[۳۸۶۲]: بموجودگی مستقل امام صاحب جن میں تمام خوبیاں موجود ہیں: حافظ، قاری، عالم، حاجی وغیرہ، ایک خوش الحان آٹھ پاروں کا طالب علم سولہ سالہ، متولی مسجد کی رائے سے امام صاحب کو رسمی اطلاع دی گئی کہ آج فرزندِ متولی صاحب یعنی خوش الحان آٹھ پاروں کا حافظ نماز پڑھائے گا۔ نماز پڑھائی گئی اور امام صاحب نے اجازت نہیں دی اور ان کا یہی کہنا ہے کہ کیا جمعہ ادا ہو گیا کہ نہیں اور اقتداء درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، امام صاحب خود پیش کش کرتے تو دوسری بات تھی، امامت اس حالت میں مستقل امام مذکور ہی کی مقدم تھی، تاہم اقتداء صحیح ہو کر صورت مسئولہ میں نماز درست ہوگئی(۱)، اب اس قصے کو ختم کیا جائے، آئندہ احتیاط کی جائے، بات کو زیادہ نہ بڑھایا جائے ورنہ اس سے خلفشار پیدا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۱۷ھ۔

= عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم". (فتح القدير، باب الإمامة: ۳۴۹/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۱) "عن أبي مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يؤمّ القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواءً فأقدمهم في الهجرة .... ولا يؤم الرجل في سلطانه، ولا تقعد على تكرمته إلا أن يأذن لك". (سنن النسائي، كتاب الإمامة، باب من أحق بالإمامة: ۱۲۶/۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، باب من أحق بالإمامة: ۲۳۷/۱، قديمي)

قال العلامة النووي رحمه الله تعالىٰ في شرحه على مسلم تحت قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ولا يؤمَّنّ الرجل الرجل في سلطانه": معناه ما ذكره أصحابنا وغيره أن صاحب البيت والمجالس وإمام المسجد أحق من غيره وإن كان ذلك الغير أفقه وأقرأ وأورع وأفضل منه. وصاحب المكان أحق فإن شاء تقدم، وإن شاء قدّم مَن يريده اهـ". (الكامل للنووي، باب من أحق الإمامة: ۲۳۷/۱، قديمي)

"واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقاً".

(الدر المختار، باب الإمامة: ۵۵۹/۱، سعيد)

نمازِ جمعہ کی نیت

سوال[۳۸۶۳]: نمازِ جمعہ کی نیت کیا اس طرح سے ہے کہ "نیت کرتا ہوں میں چار رکعت سنتِ جمعہ" اور اسی طرح فرض کی نیت کی اور پھر بعد فرض نماز کے اسی طرح سے نیت ہے کہ "نیت کرتا ہوں چار رکعت سنت بعد از جمعہ اور دو رکعت سنت" اور نفل کی بھی اسی طرح سے نیت کرتا ہے۔ تو کیا یہ دونوں صورتوں میں نیت ٹھیک ہے کہ نہیں؟ صحیح طریقہ کیا ہے، کس طرح جمعہ کی نیت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ فرض ہے(۱)، اس میں سنت کی نیت نہ کرے، ہاں! جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد سنت میں نیت سنت کی طرح کہ یہ پہلے کی سنت ہے، اور یہ بعد کی سنت ہے، چار میں چار کی اور دو میں دو کی نیت کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "(هي فرض) عين (يكفر جاحدها) لثبوتها بالدليل القطعي". (الدرالمختار). "(قوله بالدليل القطعي) وهو قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين اٰمنوا إذا نودي للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا﴾ الآية. وبالسنة والإجماع". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۱۳۶/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، صلاة الجمعة: ۵۷۷/۱، رشيديه)

(۲) "(ولا بد من التعيين عند النية) فلو جهل الفرضية، لم يجز .... (لفرض) أنه ظهر أو عصر قرنه باليوم أو الوقت أولاً، هو الأصح. (ولو) الفرض (قضاء) .... (وواجب) .... (دون) تعيين (عدد ركعاته)" (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۱۸/۱، ۴۲۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۸۵/۱، رشيديه)

"(وكفى مطلق نية الصلوة) وإن لم يقل: لله (لنفل وسنة) راتبة (وتراويح) على المعتمد؛ إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۱۷/۱، ۴۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة: ۴۸۴/۱، رشيديه)

باب العیدین

عِیدُ الضحیٰ کہنا چاہیئے یا عِیدُ الاضحیٰ

سوال[۳۸۶۴]: بقرعید کو ”عید الضحیٰ“ و”عید الأضحی“ دونوں طرح کہنا درست ہے یا فقط ”عیدالأضحی“ ہی، اگر دونوں فقط درست ہوں تو اس کی مناسبت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”أضحیٰ“ قربانی کو کہتے ہیں، ”ضحی“ وقتِ چاشت کو کہتے ہیں، ”عید الأضحیٰ“ صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازِ عید کا وقت

سوال[۳۸۶۵]: ۱..... نمازِ عیدالفطر، عیدالأضحیٰ میں اگر صبح سے بارش شروع ہوگئی اور دو بجے دن تک بہت زوروں کی بارش ہوتی رہی، سرِ دست شامیانہ وغیرہ کا انتظام نہ ہو سکا، مسجد میں برساتی نہیں ہے جس سے کہ بارش کا بچاؤ ہو سکے تو کیا بعد دو بجے دن کے نمازِ عیدالفطر یا نمازِ عیدالاضحیٰ پڑھی جا سکتی ہے؟

---

(۱) ”وأضحیٰ: ”جمع أضحاة منوّناً .... یسمی الیوم أضحیٰ بجمع الأضحاة التی هی الشاة“.

”والضُّحی .... إذا امتدّ النهار و کرب أن ینتصف .... والضحی بالضم والقصر فوقه، وبه سمّیت صلاة الضّحی“. (لسان العرب، فصل: الضاد المعجمة، تحت لفظ أضحی وضحی: ۱۴/۴۷۴، ۴۷۶، دار صادر)

”ضحّی بالشاة ونحوها ذبحها فی الضحی من أیام عیدالأضحی“.

الضحی: ”ارتفاع النهار وامتداده“. (القاموس الفقهیة، حرف الضاد، تحت لفظ ضحی وأضحی، ص: ۲۲۰، إدارة القرآن، کراچی)

۲......اگرنہیں پڑھی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے، کیسے نماز ہو؟ کوئی عمارت نہیں ہے جس میں نمازی آسکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوالِ آفتاب کے بعد نمازِ عیدین درست نہیں (۱)۔ مجبوری کی حالت میں عیدالفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے اور عیدالاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہوسکے تو تیسرے دن پڑھی جائے: "وابتداء وقت صحة صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبيل زوالها .... وتوخر صلوة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال، وكالمطر ونحوه، إلى الغد فقط ....، ....وتؤخر صلوة عيد الأضحى بعذر.......... إلىٰ ثلاثة أيام، اھ". طحطاوی ومراقی الفلاح(۲)۔

۲......نمبر:۱ میں جواب آگیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

جو شخص قربانی نہ کرے، اس کے لئے نمازِ عید کا حکم

سوال[۳۸۶۶]: زید کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی موجود تھی، مگر جب قربانی کا وقت آیا تو اس کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا اور نہ گھر میں کوئی بکرا تھا اس وجہ سے قربانی نہیں کی، اس حالت میں زید عیدگاہ پر

---

(۱) "وقت صلاة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح أو رمحين إلى قبيل زوالها". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۵۳۲، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۰، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۲۰۹، كتاب الصلوة، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين، نوع آخر في بيان وقتها، غفاريه)

(۲) (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۳۸، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين، قديمي)

نماز پڑھنے کے لئے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید کی نماز کا حکم مستقل ہے(۱) قربانی کا حکم مستقل ہے(۲)، اگر کوئی شخص باوجود وسعت کے قربانی نہ کرے تو اس کے ذمہ واجب باقی رہ گیا جس کے ترک سے وہ گنہگار رہوا، اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، مگر اس کی وجہ سے نماز عید ساقط نہیں ہوگی (۳) اور نہ اس کو عیدگاہ جانے سے روکا جائے گا اور نماز عید سے پہلے تو

(۱) "عن الرُّبَيّع: ﴿فصلّ لربک وانحر﴾ قال: إذا صليت يوم الأضحى فانحر". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "قلت: في هذه الآثار دلالة على أن المراد بقوله تعالى: ﴿فصل لربک وانحر﴾ صلوة العيد يوم النحر، فدلّ على وجوبها". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸/۸۳، إدارة القرآن كراچی)

"أما الأول فقد نص الكرخي على الوجوب فقال: و تجب صلوة العيدين على أهل الأمصار كما تجب الجمعة، و هكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه تجب صلوة العيدين على من تجب عليه صلوة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: وأما صلوة العيدين: ۱/۶۱۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من كان له سعة و لم يضح، فلا يقربنّ مصلانا". قال العلامة ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "أقول: واحتج به لأبي حنيفة على قوله لوجوب الأضحية". (إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحية: ۱۷/۲۱۵، إدارة القرآن، كراچی)

"(فتجب) التضحية ....على حر مسلم مقيم) بمصر .... موسر". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۱۳، ۳۱۵، سعيد)

(۳) "(ولو تركت التضحية و مضت أيامها، تصدق بها حيةً ناذر) فاعل تصدق (لمعينة) ....(و) تصدق (بقيمتها غني شراها أولا لتعلقهابذمته بشرائها أو لا، فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها".

(الدر المختار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۰، ۳۲۱، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب وجوب الأضحية: ۱۷/۲۱۶، إدارة القرآن، كراچی)

قربانی واجب بھی نہیں، اس لئے اس وقت تو اس کا سوال ہی بے محل ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۴ھ۔

جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے اس کے لئے نماز عید کا حکم

سوال[۳۸۶۷]: جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھے وہ نماز عید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فجر کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہے (۲) تاہم عید کی نماز اس کی بھی درست ہو

---

(۱) "وعن أنس رضي الله تعالیٰ عنه أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من ذبح قبل الصلوة فليعد، ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالیٰ: "أقول: أحاديث الباب دالة على أن ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار بعد الصلوة؛ لأن الخطاب ليس بعام بل لأهل المدينة فقط".

(إعلاء السنن، كتاب الأضاحي، باب ابتداء وقت التضحية في حق أهل الأمصار: ۱۷/ ۲۲۹، إدارة القرآن، كراچی)

"وأول وقتها بعد الصلوة إن ذبح في مصر". (الدر المختار). "قوله: وأول وقتها بعد الصلوة الخ). فيه تسامح؛ إذ التضحية لا يختلف وقتها بالمصريّ وغيره، بل شرطها، فأول وقتها في حق المصريّ والقرويّ طلوع الفجر، إلا أنه شرط المصري تقديم الصلوة عليها، فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت". (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۱۸، سعيد)

(۲) "عن بريدة رضي الله تعالیٰ عنه أن العهد الذي بيننا و بينهم الصلاة، فمن تركها، فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة: ۱/ ۸۱، قديمي)

"عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالیٰ عنه "يقول: سمعت النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۱/ ۶۱، قديمي)

جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۸۹ھ۔

نمازِ عید بہ نیت نفل

سوال[۳۸۶۸]: عید کی نماز میں ہم لوگ نفلوں کا نام لیتے ہیں اور ہمیشہ سے نفلوں کا نام لیتے چلے آرہے ہیں، نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ واجب کیا چیز ہے، صرف واجب کا نام آتا ہے نہ نفل نہ فرض نہ سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نماز واجب ہے (۲) لہٰذا آئندہ بہ نیتِ واجب پڑھنا چاہیے (۳) اور گزشتہ عید کی نمازوں کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واجب کا درجہ سنت سے زیادہ ہے اور فرض سے کم ہوتا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) چونکہ نمازِ عید کا حکم مستقل ہے اور نمازِ فجر کا حکم مستقل ہے، لہٰذا نمازِ فجر نہ پڑھنے کی وجہ سے نمازِ عید ساقط نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

"أما الأول فقد نص الكرخي على الوجوب فقال: و تجب صلوة العيدين على أهل الأمصار كما تجب الجمعة، و هكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ عليهما أنه تجب صلوة العيدين على من تجب عليه صلوة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما صلاة العيدين: ۱/۶۱۲، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله: في الأصح) مقابلة القول بأنها سنة و صححه النسفي في المنافع، لكن الأول قول الأكثرين .... وفي الخلاصة: هو المختار؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واظب عليها، وسماها في الجامع الصغير سنةً، لأن وجوبها ثبت بالسنة". (كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۶، رشيديه)

(۲) "عن الرُّبَيِّع ﴿فصلّ لربك وانحر﴾ قال: إذا صليت يوم الأضحى فانحر". قال الشيخ ظفر أحمد=

....

= العثمانی رحمه الله تعالیٰ : "قلت: فی هذه الأثار دلالة علی أن المراد بقوله تعالی: ﴿فصل لربک وانحر﴾ صلوة العید یوم النحر، فدل وجوبها". (إعلاء السنن، أبواب العیدین، باب وجوب صلوة العیدین: ۸/۸۳، إدارة القرآن کراچی)

"أما الأول فقد نص الکرخی علی الوجوب فقال: و تجب صلوة العیدین علی أهل الأمصار کما تجب الجمعة، و هکذا روی الحسن عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ أنه تجب صلوة العیدین علی من تجب علیه صلوة الجمعة". (بدائع الصنائع للکاسانی، کتاب الصلوة، فصل: وأما صلوة العیدین : ۱/۶۱۲،رشیدیه)

"(تجب صلاتهما) فی الأصح". (الدرالمختار). وفی رد المحتار :"(قوله: فی الأصح) مقابلة القول بأنها سنة، وصحح النسفی فی المنافع، لکن الأول قول الأکثرین .... و فی الخلاصة: هو المختار؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واظب علیها، وسماها فی الجامع الصغیر سنةً؛ لأن وجوبها ثبت بالسنة الخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین : ۲/۱۶۶ سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین : ۲/۲۷۶، رشیدیه)

(۳) " و لا بد من التعیین عند النیة .... (الفرض) .... (وواجب) أنه وتر أو نذر". (الدرالمختار).
"(قوله: وواجب) -بالجر عطفاً علی قوله: لفرض- وقد عدّمنه فی البحر قضاء ما أفسده من النفل أو العیدین الخ ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة : ۱/۴۱۸، ۴۱۹، سعید)

"والنذر والوتر وصلاة العیدین ورکعتی الطواف، فلا بد من التعیین لإسقاط الواجب عنه".
(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۹۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الکلام فی النیة : ۱/۳۳۰، رشیدیه)

(۴) وفی رد المحتار: "وبه علم أن الواجب نوعان أیضاً؛ لأنه کما یطلق علی هذا الفرض الغیر القطعی یطلق علی ما هو ما دونه فی العمل و فوق السنة، و هو ما لا یفوت الجواز بفوته کقراءة الفاتحة و قنوت الوتر و تکبیرات العیدین الخ ". (کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۲/۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی واجبات الصلاة ،ص:۲۴۷، قدیمی)

نمازِ عید کو مؤخر کرنا

سوال[۳۸۲۹]: ۲۹/ ذی قعدہ کو بوجہ بادل عامۃ الناس کو ہلال عیدالاضحیٰ نظر نہیں آیا، چند معتبر آدمیوں نے بادل کے بیچ میں ہلال عیدالاضحیٰ دیکھا۔ ۹/ ذی الحجہ کو امام عیدگاہ شہادت معتبرہ سے صحیح ثبوت ہونے پر ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز کا اعلان کرادیا، اس پر چند حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ امسال بادل کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا، عامۃ الناس کو منگل کو عید ہونا معلوم ہے، اگر ۱۰ ذی الحجہ پیر کو نماز ہوگی تو دیہاتی لوگ محروم ہوجائیں گے، اس پر فتنہ ہوگا، کوئی نماز پڑھے گا کوئی نہیں پڑھے گا۔ اس پر امام عیدگاہ نے یہ جواب دیا کہ صحیح ثبوت کے بعد بلا عذر عید الاضحیٰ کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے، اولاً دیہاتی پر عید کی نماز واجب ہی نہیں اور جن حضرات کو صحیح تحقیق ہی نہیں وہ کل پڑھیں، ان کے لیے مکروہ بھی نہیں۔ آیا امام عیدگاہ کو خیر خواہ قوم کا مشورہ پر نماز عیدالاضحیٰ بلا عذر شرعی تاخیر کرنا چاہیے، یا نماز عیدالاضحیٰ پڑھ لینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ثبوتِ رویت کے بعد بلا عذر نماز عیدالاضحیٰ کو ایک روز موخر کرنا مکروہ ہے، اہلِ دیہات پر نمازِ عید لازم نہیں، انکی رعایت شرعی عذر نہیں، اگر ثبوتِ رویت ہی نہ ہو یا شرعی عذر ہو تو اس کی وجہ سے موخر کرنا مکروہ نہیں:

"و تؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كإن غمّ الهلال وشهدوا بعد الزوال أو صلوها في غيم فظهر أنها كانت بعد الزوال، فتؤخر إلى الغد فقط، وتؤخر صلوة الأضحىٰ بعذر لنفي الكراهة، وبلاعذر مع الكراهة لمخالفة المأثور إلى ثلثة أيام، الخ". مراقی الفلاح۔ "(قوله: كإن غم الهلال الخ) وكان المطر ونحوه كما في السراج، وكما لو صلى بالناس على غير طهارة، ولو لم يعلم إلا بعد الزوال، كما في الخانية. (قوله: و شهدوا بعد الزوال) أو قبله بحيث لا يمكن اجتماع الناس، برهان، الخ". (طحطاوی علی مراقی الفلاح)(۱)۔ کذا فی رد المحتار: "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها، سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها، الخ". درمختار(۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۶ قديمي)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد) ....=

یہ بحث علیحدہ حیثیت ہے کہ مقامی گواہوں کی گواہی ۹/ ذی الحجہ کی کیا حیثیت ہوگی جس سے سوال میں تعرض نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۹۲ھ۔

شہادت دیر سے پہنچے تو نمازِ عید کو موٴخر کیا جائے

سوال[۳۸۷۰]: ۱...... زوال سے ایک دو گھنٹہ پہلے چاند کی خبر آوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دو گھنٹے میں نہیں ہوسکتا، وضو وغیرہ میں کچھ وقت لگتا ہے تو یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ بغیر صفوں کے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲...... رویتِ ہلال کے لئے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھ لیا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لیکر آویں تو معتبر ہے یا نہیں؟

۳...... بمبئی میں جب چاند ہوگیا، تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

= "عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاؤا فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، و بدونها (أي بدون الإساءة) بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۱۰۱/۸، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچي)

"(وتؤخر بعذر) كمطر (إلى الزوال من الغد فقط)......... (وأحكامها أحكام الأضحى لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه): أي بالعذر (بدونها)".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۲/۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر چاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضو کرکے آسکتے ہیں اور زوال سے پہلے نماز ادا کرسکتے ہیں تو محض صفیں بچھانے کی وجہ سے آئندہ روز پر نماز کو موخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضو کرکے نماز کے لیے جمع ہوسکیں تو آئندہ روز کے لیے موخر کردیا جائے:

"وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، اهـ". در مختار۔ "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام و ما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال ". شامی: ۷۸۳/۱(۱)۔

۲......عید کے چاند میں یوم الشک میں مطلع صاف ہونے کے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے، خبرِ محض کافی نہیں، نہ ریڈیو کی نہ تار کی نہ ٹیلیفون کی، اس طرح ان ذرائع سے جو شہادت ہے وہ بھی کافی نہیں، البتہ اگر رویتِ ہلال کمیٹی یا قاضی شرعی با قاعدہ شہادتِ شرعیہ حاصل کرکے اعلان کرے یا کرائے کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، یا اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان شرعاً معتبر ہوگا۔ گواہوں کے لئے شرط یکساں ہیں خواہ سو دو سو میل کے فاصلے سے آکر گواہی دیں یا کہ زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

"عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاء وا فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "والحديث فيه دلالة على جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، و أما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلاعذر، و بدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۱۰۱/۸، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچی)

"(تؤخر بعذر إلى ثلاثة أيام)؛ لأنها مؤقتة بوقت الأضحية، فتجوز ما دام وقتها باقياً، ولا تجوز بعد خروجه؛ لأنها لا تقضى. قيد بالعذر؛ لأن تأخيرها لغير عذر عن اليوم الأول مكروه، بخلاف تأخير عيد الفطر لغير عذر، فإنه لا يجوز و لا يصلى بعده". (كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۸۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۲/۱، رشيديه)

گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دو معتبر آدمیوں کے ذریعے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔

۳...... بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سو دو سو میل کے فاصلہ پر جاکر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

نمازِ عیدین شوافع کے پیچھے

سوال [۳۸۷۱]: در نمازِ عیدین اگر امام شافعی المذهب باشد مقتدیانِ احناف که فردِ ایشان نمازِ عیدین واجب است، ونزدِ شافعی سنت است، نمازِ عیدینِ احناف درست وروا باشد یا نه؟ اگر اقتدائے احناف به شافعی درست وروانبا شد، پس برائے درست ورواشدن چه صورت دارد؟

---

(۱) "عن رجل من أصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان، فقدم أعرابیان فشهدا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باللہ لأهلا الهلال أمس عشیة، فأمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الناس أن یفطروا". زاد خلف فی حدیثه: "وأن یغدوا إلی مصلاهم". (سنن أبی داؤد، کتاب الصیام، باب شهادة رجلین علی رؤیة الهلال: ۱/۳۲۶، ۳۲۷، إمدادیه ملتان)

"وقیل: بلا علة جمع عظیم یقع العلم) الشرعی و هو غلبة الظن (بخبرهم و هو مفوّض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد) علی المذهب، وعن الإمام أنه یکتفی بشاهدین". (الدرالمختار).

"(شهدوا أنه شهد عند قاضی مصر کذا شاهدان برؤیة الهلال) فی لیلة کذا (وقضی) القاضی (به، و وجد استجماع شرائط الدعوی، قضی): أی جاز لهذا (القاضی) أن یحکم (بشهادتهما)؛ لأن قضاء القاضی حجة، و قد شهدوا به، لا لو شهدوا برؤیة غیرهم؛ لأنه حکایة". (الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/۳۸۸، ۳۹۰، سعید)

"و إن لم یکن بالسماء علة لم تقبل إلا شهادة جمعٍ کثیرٍ یقع العلم بخبرهم، وهو مفوّض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر، هو الصحیح ...... و سواء ذلک رمضان و شوال و ذو الحجة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال: ۱/۱۹۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام مذہبِ احناف رار عایت می دارد، یعنی فرائض و واجبات را روامی نماید فرو نمی گزارد، پس نمازِ احناف در اقتدائے چنین امام بلا تردد ادا شود (۱). فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جس کو عید کی نماز نہیں ملی وہ تنہا یا جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

سوال [۳۸۷۲]: اگر دو چار آدمیوں کو یا کسی کو عید کی نماز نہیں ملی تو وہ نماز عید پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کو عید کی نماز نہیں ملی وہ تنہا عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح دو چار آدمیوں کو نہ ملی ہو تو وہ بھی علیحدہ نماز عید کی جماعت نہ کریں بلکہ اپنے مکان پر جا کر دو چار نفلیں الگ الگ پڑھ لیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۴ھ۔

---

(۱) "والاقتداء بشافعيّ المذهب إنما يصح إذا كان الإمام يتحامى مواضع الخلاف بأن يتوضأ عن الخارج النجس من غير السبيلين كالفصد، وأن لا ينحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره: ۱/۸۴، رشيديه)

"لا يكره إذا علم منه الاحتياط في مذهب الحنفي، وأما إذا علم المقتدى من الإمام ما يفسد الصلاة على زعم الإمام كمس المرأة أو الذكر .... والإمام لا يدرى بذلك، فإنه يجوز اقتداؤه به على قول الأكثر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۹۴، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۳، سعيد)

(۲) "عن الشعبي رحمه الله تعالىٰ قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: "من فاتته العيد فليصل أربعاً".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: إن شاء صلى، وإن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعاً، وإن شاء ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب من لم يدرك صلوة العيد: ۸/۱۱۹، ادارة القرآن كراچي)

"فإن عجز، صلى أربعاً كالضحى". (الدرالمختار). "أي استحباباً، كما في القهستاني. وليس هذا قضاء؛ لأنه ليس على كيفيتهما". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۸۴، رشيديه)

مسبوق نمازِ عید کس طرح پوری کرے؟

سوال[٣٨٧٣]: عیدین کی نماز میں اگر کسی کی پہلی رکعت چھوٹ جائے تو وہ پہلی فوت شدہ رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سلامِ امام کے بعد جب کھڑا ہو تو اول ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، سورت پڑھے پھر تکبیراتِ زوائد کہہ کر رکوع کرے اور بقیہ نماز پوری کردے، طحطاوی، ص: ٢٩١(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نماز عید نماز جنازہ پر مقدم ہے

سوال[٣٨٧٤]: اگر جنازہ بھی حاضر ہو اور نماز عید کا وقت بھی ہو تو پہلے نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نماز عید؟ اگر نماز عید پہلے پڑھی جائے تو خطبہ نماز جنازہ سے پہلے ہو یا بعد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول نماز عید پڑھی جائے پھر نماز جنازہ پڑھی جائے پھر خطبہ پڑھا جائے، سکب الأنهر: ١/١٨٧(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) "وإذا سُبق بركعة، يبتدي في قضائها بالقراءة، ثم يكبر؛ لأنه لو بدأ بالتكبير والى بين التكبيرات ولم يقل به أحدٌ من الصحابة، فيوافق رأي الإمام علي ابن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، فكان أولى، وهو مخصوص لقولهم: المسبوق يقضي أول صلاته في حق الأذكار". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ٥٣٤، قديمي)

"ولو سبق بركعة، يقرأ، ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير". (الدر المختار).

"(قوله: لئلا يتوالى التكبير): أي لأنه إذا كبر قبل القراءة وقد كبر مع الإمام بعد القراءة، لزم توالي التكبيرات في الركعتين. قال في البحر: ولم يقل به أحدٌ من الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، ولو بدأ بالقراءة يصير فعله موافقاً لقول علي رضي الله تعالىٰ عنه، فكان أولى، كذا في المحيط، وهو مخصص لقولهم: إن المسبوق يقضي أول صلاته في حق الأذكار". (ردالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ٢/١٧٤، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ٢/٢٨٢، رشيديه)

(٢) "ويصلي المغرب ثم الجنازة .... وتقدم صلاة العيد، ثم هي على الخطبة". (سكب الأنهر =

روزہ رکھ کر نماز عید پڑھنا

سوال[۳۸۷۵] : عید کا چاند نظر نہیں آیا، نہ باہر سے شریعت کے مطابق ثبوت ملا، ریڈیو کی خبر پر بستی والوں نے چاند تسلیم کیا، امام عیدگاہ نے ریڈیو کی خبر نہیں مانی، صبح کو روزہ رکھا، روزہ کی حالت میں نماز عید پڑھائی، دن کے گیارہ بجے تک چاند کی خبر نہیں ملی، بعد نماز یعنی زوال کے بعد چاند ہوجانے کی خبر ملی۔ ایسی مجبوری میں جبکہ زوال سے پہلے خبر نہیں ملی اخیر وقت میں نماز روزہ کی حالت میں پڑھائی، نماز ہوئی یا نہیں؟ بدعتی حرام بتلا کر عوام کو بہکاتے ہیں کہ تمہاری نماز حرام ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ امام صاحب کے نزدیک چاند کا ثبوت نہیں ہوا تھا تو ان کو روزہ رکھنا ہی لازم تھا، لیکن ایسی حالت میں عید پڑھانا غلط ہوا(۱)، ظاہر یہ ہے کہ مقامی لوگوں نے مجبور کیا ہوگا کہ نماز پڑھاؤ، یہ ان لوگوں کی غلطی تھی ورنہ جب امام نے روزہ رکھا تھا تو وہ از خود نماز عید کیوں پڑھاتے، انھوں نے تو بدعتیوں کو بھی ایسی حالت میں نماز عید سے منع کیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= المعروف بـ "الدر المنتقى في شرح الملتقى" على هامش مجمع الأنهر، باب الجنائز: ۱/۲۷۷، غفاريه)

"(ونقدم) صلاتها (على صلاة الجنازة إذا اجتمعا)؛ لأنه واجب عيناً، والجنازة كفاية، وتقدم (صلاة الجنازة على الخطبة، الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين : ۲/۱۶۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين : ۱/۱۵۲، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه- يقول : قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا" الخ : ۱/۲۵۶، قديمي)

"إنما يلزم الصوم على متأخر الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب حتى لو شهد جماعة أن أهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، و هذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم ير هؤلاء الهلال، لا يباح فطر غد، و لا يترك التراويح هذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالرؤية و لا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في رؤية الهلال : ۱/۱۹۹، رشيديه)

عذر کی وجہ سے نمازِ عید میں تاخیر کا حکم

سوال[۳۸۷۶] : ۱......نماز عید الفطر عید الاضحیٰ میں اگر صبح سے بارش شروع ہوگئی اور دو بجے دن تک بہت زوروں کی بارش ہوتی رہے، سردست شامیانہ وغیرہ کا انتظام نہ ہوسکا، مسجد میں برساتی نہیں ہے جس سے کہ بارش کا بچاؤ ہوسکے تو کیا بعد دو بجے دن کے نماز عید الفطر یا نماز عید الضحیٰ پڑھی جاسکتی ہے؟

۲......اگر نہیں پڑھی جاسکتی تو کیا کرنا چاہیے، کیسے نماز ادا ہو؟ کوئی عمارت نہیں ہے جس میں نمازی آسکیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......زوالِ آفتاب کے بعد نماز عیدین درست نہیں، مجبوری کی حالت میں عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جاوے اور عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے دن بھی نہ ہوسکے تو تیسرے دن پڑھی جائے:

"وابتداء وقت صلوة العيدين من ارتفاع الشمس إلى قبل زوالها، و تؤخر صلوة عيد الفطر بعذر كالمطر ونحوه إلى الغد فقط، و تؤخر صلوة عيدالأضحى بعذر إلى ثلاثة أيام، اهـ".
طحطاوی و مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۲، قديمي)

"عن أبي عمير بن أنس عن عمومة له من الصحابة أن ركباً جاء واء فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يفطروا، وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ : "والحديث فيه دلالة علىٰ جواز عيد الفطر في اليوم الثاني عند العذر، وأما صلاة الأضحى فتصح في اليوم الثاني والثالث بعد يوم النحر، لكن مع الإساءة إن كانت التأخير بلا عذر، و بدونها بعذر". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب صلوة العيدين في اليوم الثاني للعذر: ۸/۱۰۱، ۱۰۳، إدارة القرآن كراچی)

"(تؤخر بعذر) كمطر (إلى الزوال من الغد فقط) .... أوأحكامها أحكام الأضحى، لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه): أي بالعذر (بدونها)".
(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين : ۱/۱۵۲، رشيديه)

الفصل الأول فی شرائط العیدین

(عیدین کی شرائط کا بیان)

عید کی شرائط

سوال[۳۸۷۷]: یوپی کے مشرقی اضلاع کے دیہاتوں میں زمانۂ قدیم سے بلاتمیز قریۂ صغیرہ وکبیرہ کے نماز جمعہ قائم ہوتی چلی آئی ہے، حالانکہ مسلمانوں کی آبادی بالعموم مذہب احناف کی ہے۔ کچھ عرصہ سے اہلِ علم طبقہ میں جب اس کا احساس ہوا کہ مذہب حنفیہ میں جمعہ کے لئے کچھ شرائط ہیں، جہاں وہ شرائط نہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس خیال سے اہلِ علم کا طبقہ اوران کے اتباع میں اور دیندار طبقہ دیہاتوں میں جمعہ ادا کرنے سے رک گئے ہیں اور ظہر کی نماز پڑھنے لگے ہیں، اس کی وجہ سے کہیں کہیں خلجان کی صورت پیش آ گئی اور ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ مذہبِ احناف میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ اور کیا قول فیصل ہے جو معمول بہا عام طور سے بنایا جاسکتا ہے۔ اس تحت میں ایک سوال اس کے متعلق پیش خدمت ہے، امید ہے کہ ان پر غور فرما کر مذہبِ حنفیہ کے دائرے میں کوئی قولِ فیصل جو عام طور سے معمول بہا ہیں اس سے مطلع فرمایا جائے تا کہ باعثِ تسکین ہو۔

موضع الف پور وامین پور یہ دونوں موضع ایک دوسرے سے محل وقوع کے اعتبار سے مخلوط ہیں دیکھنے میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں بلکہ دونوں موضع ایک نظر آتے ہیں، لیکن سرکاری کاغذات میں یہ دونوں موضع بندوبست، حد بندی اور سرحدوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ ہیں، اصل مکان مورث اعلی کا الف پور میں تھا مگر اب اس کے خاندان دونوں میں ملحق موضعوں میں پھیل گئے، الف پور کی آبادی آج سے پانچ سال پہلے بالغ ونابالغ دونوں ملا کر ایک ہزار نو{۱۰۰۹} تھی، جس میں بالغ مرد وعورت پانچ سو ستاون{۵۵۷}، بقیہ نابالغ، اس پانچ سال میں تقریباً چار سو کا اضافہ ہوا ہے اس میں چار مسجدیں ہیں اور ملحقہ موضع امین پور کی آبادی پانچ سال پہلے چھ سو ترپن{۶۵۳} تھی اور اس میں بھی چار مسجدیں ہیں، الف پور میں غلہ کی کوئی دوکان نہیں

ہے، مگر بوقتِ ضرورت گاؤں کے کاشتکاروں سے غلہ مل جاتا ہے، مرچ اور دیگر مسالہ جات کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور کپڑے سلائی کی ہیں، مقامی طور سے دو مستقل ڈاکٹر ہیں۔ الف پور میں جامع مسجد کے متصل ایک مکتب اسلامیہ ہے جس میں پرائمری تعلیمات کے ساتھ بقدرِ ضرورت اردو میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہے۔

اگر ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے تو کیا تمام مواضعات مذکورہ فی السوال مل کر عیدین کی نماز الف پور میں قائم کریں تو قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ عیدین کے ادا کرنے سے کسی فریضہ کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بستیاں اتنی متصل ہیں کہ دیکھنے میں وہ ایک ہی معلوم ہوتی ہیں اگر چہ سرکاری کاغذات میں ان کے نام جدا جدا ہوں ان کو جواز جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی قرار دیا جائے گا، جب کسی بستی میں شرائط کے ماتحت جمعہ جائز ہو تو حسبِ حاجت وہاں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے جیسے کہ ایک شہر کے متعدد محلوں میں ہوتا ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے .... کسی عالم فقیہ کو قریب سے بلا کر مشاہدہ کرادیں، پھر جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کریں، تحریری تفصیلی نقشہ کے باوجود مشاہدہ کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

جس جگہ نماز جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید بھی درست ہے اور جہاں نمازِ جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی درست نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے: "صلوة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم، اه". بحر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۸۵ھ۔

کیا عیدین کے لئے شرائط لگانے میں حرج ہے؟

سوال [۳۸۷۸]: عیدین کی نماز سال بھر میں ایک بار خوشی کا پیغام ہوتی ہے، ایسی حالت میں جمعہ کے جیسی شرائط کے لگانے میں حرج ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

عید(خوشی کاپیغام) شارع علیہ السلام کا تجویز فرمودہ ہے(۱)، لہذا ان میں ان کے ہدایت کی پابندی لازم ہے۔آپ نے خوداس کوایجادنہیں کیا ہے جس طرح دل چاہے کرلیا کریں۔دین میں حرج نہیں، یہ بھی شارع کی طرف سے ہے(۲) اورشرائط بھی شارع کی طرف سے ہیں۔کلامِ شارع میں حقیقۃً تعارض نہیں ہوسکتا ہے، معلوم ہوا کہ ان شرائط کی پابندی میں حرج نہیں ہے۔شارع جس کوحرج بتائے وہ حرج ہے، اس کی نفی کی گئی ہے(۳)، ہرشخص جس چیزکودل چاہے کہہ دے: یہ حرج ہے، اس کا اعتبارنہیں ہے، ورنہ آزادلوگ نماز، روزہ،

---

(۱) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: "دخل عليّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعندي جاريتان تغنّيان بغناء بُعاث، فاضطجع على الفراش وحول وجهه، ودخل أبوبكر، فانتهرني وقال: مزمارة الشيطان عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فأقبل عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "دعهما" فلما غفل غمزتُهما، خرجتا، وكان يوم عيد يلعب السودان بالدرق والحراب، فإما سئلت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإما قال: "تشتهين تنظرين"؟ فقلت: نعم، فأقامني وراء ه خدّي على خده، وهو يقول: "دونكم يابني أرفدة". حتى إذا مللت، قال لي: "حسبک"؟ قلت: نعم، قال: "فاذهبي". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد: ۱/۱۳۰، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و ما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ (سورة الحج :۷۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قال: "إن الدين يسرٌ، و لن يشادّ الدين أحد إلاغلبه، فسدّدوا، وقاربوا، و أبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة و شيء من الدلجة". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب أن الدين يسر الخ : ۱/۱۰، قديمي)

دین کس حیثیت سے آسان ہے؟ اس کی مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (كشف الباري عما في صحيح البخاري للشيخ سليم الله خان دامت فيوضهم، كتاب الإيمان، باب: إن الدين يسرٌ الخ : ۲/۳۴۱، مكتبه فاروقيه، كراچي)

(۳) قال الله تعالىٰ : ﴿و ما آتكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (سورة الحشر:۲۸، آية : ۸)

قال ابن كثير رحمه الله تعالىٰ:"أي مهماأمركم به فافعلوا، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه يامر بخيرو إنما ينهى عن شره". (تفسير ابن كثير :۴/۳۳۶، سهيل اكيڈمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: قال: "سمعت أبا القاسم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم........ "فإذا أمرتكم بأمر فأتوه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن أمر فاجتنبوه". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۹۶۹۲): ۳/۲۳۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

حج، پردہ، ایک عورت کے لئے ایک شوہر کی تقیید، ایک مرد کے لئے متعدد عورتوں کی اجازت، جوازِ نکاح کے لئے اتحادِ مذہب کی قید وغیرہ ان سب کو حرج بتلاتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دو ہزار کی آبادی میں عیدین اور قربانی

سوال[۳۸۷۹]: ۱...... زید کے گاؤں کی آبادی تقریباً دو ہزار ہے، زمانہ سے نماز عیدین اور جمعہ کی نماز یہاں پڑھی جاتی ہے، ضرورت کی چیزیں گاؤں میں دستیاب ہیں، اشیائے ضروریہ کی دوکانیں گاؤں میں ہیں۔ کیا ایسی آبادی میں احناف کے نزدیک جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؟ نیز کیا ایسی آبادی میں متعدد مساجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

۲...... جس آبادی کا اوپر ذکر ہوا ہے، کیا اس آبادی میں عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہے اور اگر درست نہیں ہے اور کسی نے قربانی کردی ہے تو کیا اس شخص کو قربانی کے عوض صدقہ کرنا پڑے گا؟ مدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عالم مفتی کو بُلا کر معائنہ کرا دیا جائے، وہ پورے طور پر دیکھ کر جو فتویٰ دے اس پر عمل کیا جائے، محض تحریر سے پوری کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ جس بستی میں شرائطِ جمعہ موجود ہوں وہاں جمعہ بھی ادا کیا جائے اور عیدین کی نماز بھی پڑھی جائے اور قبل از نماز عیدالاضحیٰ قربانی درست نہیں، اگر قربانی کردی ہے تو اس سے واجب ادا نہیں ہوا، قربانی کی قیمت صدقہ کی جائے۔ جس بستی میں شرائط جمعہ موجود نہ ہوں وہاں جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے، صلوٰۃ العیدین بھی وہاں پڑھنا مکروہ ہے، قربانی سویرے (صبح) ہی سے درست ہے۔

جمعہ کے شرائط یہ ہیں ؎

"و حرٌ صحیح بالبلوغ مذکر مقیم و ذوعقل لشرط وجوبها
و مصر و سلطان و وقت و خطبة وإذنٌ کذا جمع لشرط أدائها" (۱)

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعید)

"لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و منبر و خطيب، لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر". شامي: ۱/۵۳٦ (۱)۔ "تجب صلوتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعد ها. و في القنية: صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً". درمختار: ۱/۵۵۵ (۲)۔

"أول وقتها (أي الأضحية) بعد الصلوة إن ذبح في مصر: أي بعد سبق صلوة عيد، وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره، اهـ". درمختار۔ "فيه تسامح؛ إذ التضحية لا تختلف وقتها بالمصر وغيره بل شرطها، فأول وقتها في حق المصريّ والقرويّ طلوع الفجر، إلا أنه شرط للمصريّ تقديم الصلوة عليها، اهـ". شامي: ۵/۲۰۲ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۵٦ھ۔

پانی کے جہاز میں نمازِ عید

سوال[۳۸۸۰]: سفر کی حالت میں بحری جہاز میں عید کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۱٦٦، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ٦/۳۱۸، سعيد)

"قال: حدثنا الأسود بن قيس، سمعت جندب بن سفيان البجلي رضي الله تعالىٰ عنه قال: شهدت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم النحر، فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من ذبح قبل الصلوة، فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح". (صحيح البخاری، كتاب الأضاحي، باب من ذبح قبل الصلاة أعاده: ۲/۸۳۴، قديمى)

الجواب حامداًومصلیاً:

نمازِ عید کی وہی شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کی ہیں سوی الخطبۃ یعنی جس بستی میں جمعہ درست ہے ایسی بستی میں نمازِ عید درست ہے اور جہاں جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں ہے، جمعہ کے لئے مصر یا قصبہ یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے، یہی عید کے لئے بھی شرط ہے، جہاز بحری ہو یا ہوائی نہ مصر ہے نہ قصبہ ہے اور نہ قریۂ کبیرہ ہے، نہ وہاں جمعہ درست ہے اور نہ ہی عید درست ہے(۱)۔

اگر جہاز میں پندرہ روز قیام رہے تو اس سے آدمی مقیم نہیں بن جائے گا:"و لا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية، الخ". مراقی الفلاح۔ "ومثلها الجزيرة والبحر والسفينة والملاح مسافرٌ، والسفينة ليست بوطن، الخ". طحطاوی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه : قال :" لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن ، أبواب الجمعة ، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچى)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلاة العيدين في القرى تكره تحريماً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۱۶۶/۲ ، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين : ۲۷۷/۲، رشيديه)

(وكذا في البدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: شرائط وجوب العيدين : ۲۱۶/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاةالجمعة : ۱۵۰/۱ ،رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، ص: ۴۲۶، قديمي)

"عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: أقام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بتبوك عشرين يوماً يقصر الصلاة".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره : "دلالة الآثار على معنى الباب ظاهرة، أما على الأول، فلأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أقام بتبوك عشرين يوماً يقصر و لم يكن أزمع الإقامة =

دیہات میں نمازِ عید اور اس کے مفاسد

سوال[۳۸۸۱]: عیدین کے پڑھنے کو دیہات میں منع کرنا کیسا ہے؟ بے شک دیہات میں عید پڑھنے سے ادا نہیں ہوتی مگر دیہاتیوں پر واجب نہیں اگر جو چیز واجب نہیں اس کے ادا کرنے میں کیا قباحت ہے؟ البتہ تبلیغ واشاعت کا ایک ذریعہ ہوتا ہے، لہذا نفل ادا کرنے میں جو قباحت ہو وہ بیان فرمایئے گا، اگر محض یہی چیز کہ نفل کی دن میں جماعت جائز نہیں کم از کم اس کے مقابلہ میں تبلیغ واشاعت تو ایک بہترین چیز ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس میں مختلف ومتعدد مفاسد ہیں:

۱-عوام اس کو واجب اعتقاد کرلیں گے، غیر واجب بلکہ ناجائز کو واجب اعتقاد کرانا مفسدہ عظیم ہے، جو شئ مندوب ہو اس پر اصرار کرنا مکروہ ہے:"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، اهـ" (۱).
جو شئ مباح ہو وہ التزام سے مکروہ ہو جایا کرتی ہے، پھر ناجائز شئ پر اصرار کرنا اور اس کو واجب اعتقاد کرنا کیسے جائز ہوگا، قال العلامة اللكنوى:" فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم التخصيص من غير مخصص مكروهاً كما صرح به على القارى في شرح مشكوة(۲) والحصكفى فى

= .... لكونهم فى أرض العدوّ التى لا عبرة بالاستقرار بها لكونه على رجل طائر". (إعلاء السنن، أبواب صلوة المسافر، باب: يقصر من لم ينو الإقامة وإن طال مكثه، وكذا العسكر الخ: ۲۸۲/۷، إدارة القرآن، كراچى)

"وأما المكان الصالح للإقامة فهو موضع اللبث والقرار فى العادة نحو الأمصار والقرى، وأما المفازة والجزيرة والسفينة، فليست موضع الإقامة، حتى لو نوى الإقامة فى هذه المواضع خمسة عشر يوماً، لا يصير مقيماً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، وأما المكان الصلاح للإقامة: ۲۷۱/۱، رشيديه)
(وكذا فى الدر المختار مع رد المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۱۲۵/۲، ۱۲۶، سعيد)

(۱) (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القراءة، ذكر البدعات: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمى)

(۲) قال الملا على القارى: "قال الطيبى رحمه الله تعالىٰ: ومن أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرَّ على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، تحت حديث عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه، =

الدر المختار وغیرھما". سباحة الفکر: ۷۲ (۱)۔

۲-جس کو واجب اعتقاد کر کے پڑھیں گے وہ نماز نفل ہوگی اور نفل کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے:" و لا یصلی الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان: أی یکرہ ذلك علی التداعی، اھـ". درمختار (۲)۔

۳-اس نماز میں قرأة بالجہر کی جائے گی نوافل میں قرأت بالجہر مکروہ ہے:" وأما نوافل النهار، فیخفی فیها حتماً، اھـ". عالمگیری (۳)۔

= (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشیدیه)

(۱) (مجموعة رسائل الإمام المحدث محمد عبد الحی اللکنوی رحمه الله تعالیٰ، سباحة الفکر فی الجهر بالذکر، الباب الأول فی حکم الجهر بالذکر: ۳/۳۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۲، سعید)

"عن زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "صلوا أیها الناس! فی بیوتکم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرأ فی بیته إلا المکتوبة".

قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "قلت: کما أن فی الحدیثین دلالة علی کون النفل فی البیت أفضل منها فی المسجد کذا فیهما دلالة علی کون الجماعة مختصةً بالمکتوبة .... فثبت أن الجماعة فی النوافل خلاف الأصل، والأداء علی خلاف الأصل لا یخلو عن الکراهة، فالجماعة فی النوافل مکروهة". (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب کراهة الجماعة فی النوافل والوتر الخ: ۷/۷۷، ۷۸، إدارة القرآن کراچی)

"التطوع بالجماعة إذا کان علی سبیل التداعی یکره". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس فی الإمامة، فصل فی الجماعة: ۱/۸۳، رشیدیه)

(۳) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۱/۷۲، رشیدیه)

"عن یحییٰ بن أبی کثیر: قالوا: یا رسول الله! إن ههنا قوماً یجهرون بالقراء ة بالنهار، فقال: "ارموهم بالبعر". قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی قدس سره: "قلت: دلالته علی وجوب إخفاء القراء ة فی صلاة النهار ظاهرة، حیث أمر صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بزجر من یجهر بها". (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، أبواب القراء ة، باب وجوب الجهر فی الجهریة والسر فی السریة: ۴/۱، إدارة القرآن، کراچی) =

۴-عیدالاضحیٰ میں قربانی کو نماز کے لئے مؤخر کریں گے جو کہ التزام مالایلزم ہے وغیرہ۔ تبلیغ کا حاصل ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اشاعتِ سنت اور جس جگہ عید کی نماز درست نہیں وہاں ناجائز طریقہ پر مجمع کر کے ناجائز اور خلافِ شرع طریق پر نماز (ام العبادات کو) ادا کر کے خود غور کر کے دیکھئے کہ کیا تبلیغ اور اشاعت سنت ہو سکتی ہے، تبلیغ کے لئے مستقل مجمع کیا جائے، برادری کی طرف سے پنچایت کر کے تبلیغ کی جائے۔ وھو الموفق والمعین فی کل حین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

باہر کا آدمی بھی عید کی نماز پڑھا سکتا ہے

سوال[۳۸۸۲]: رمضان شریف میں تراویح کی نماز کے لئے حافظ بھوپال سے بلائے گئے، انھوں نے رمضان کی ۲۶/ تاریخ تک قرآن سنایا، انجمنِ اسلامیہ کے ارکین وعہدہ داروں نے عید کی نماز پڑھانے کے لئے روک لیا، چونکہ عیدگاہ کا انتظام انجمن ہی کے ذمہ ہے، لیکن چند لوگوں کو یہ اعتراض ہوا کہ کوئی باہر کا آدمی عید کی نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اس شہر میں دو مسجدیں ہیں، جامع مسجد کے پیش امام نابینا ہیں اور کچھ لوگ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، مطلب یہ کہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی مخالفین نے یہ کہا کہ عیدگاہ پر دو جماعتیں اور دو خطبہ نہیں ہو سکتے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دو جماعتیں نہیں ہوتیں تو اس صورت میں کس جماعت کی نمازِ عید صحیح ہوئی ہے؟ اس جماعت کی جس کا انتظام جماعتِ انجمنِ اسلامیہ نے کیا اور جو عید کے ذمہ دار ہیں، یا اس جماعت کی جس کی امامت جامع مسجد کے نابینا پیش امام نے کی جس کے متولی علیحدہ ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمازِ عید باہر کا آدمی پڑھا دے تب بھی ادا ہو جائے گی (۱) اس کی وجہ سے مستقل دوسری جماعت کرنا

= "(ویسر فی غیرها) .... (کمتنفل النهار) فإنه یسرّ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۳۲، سعید)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: ما کان لنا عید إلا فی صدر النهار، و لقد رأیتنا نجمع مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی ظل الحطیم".

"قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی رحمه الله تعالیٰ: "دلالة الأثر علی الباب ظاهرة من حیث =

بھی ٹھیک نہیں، خاص کروہ بھی اسی عیدگاہ میں، یہ ناپسند ہے، تاہم نماز سب کی ہوگئی، آئندہ ایسا نہ کریں (۱)۔
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= أنهم كانوا في مكة سفراً على الظاهر، ويقاس على المسافر غيره من المعذورين ". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب من لم تجب عليه الجمعة :۸/۶۳، إدارة القرآن كراچی)

"ويصلح للإمامة فيها من صلح لغيرها فجاز لمسافر وعبد و مريض. (وتنعقد الجمعة (بهم): أي بحضور هم بالطريق الأولى ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/۱۵۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸، رشيديه)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يخرج إلى الجبانة في العيد و يستخلف في المصر من يصلي بضعفة الناس، وذلك بمحضر من الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، ولما جاز هذا في صلاة العيد، فكذا في صلاة الجمعة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة : ۱/۵۸۷، رشيديه)

"(و تؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقاً)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاةالعيدين : ۱/۱۵۰، رشيديه)

الفصل الثانی فی وجوب صلوۃ العید علی المحبوسین والنسآء

(قیدیوں اورعورتوں کے لئے عید کی نماز کا بیان)

قیدیوں کے لئے نمازِ عید کا حکم

سوال[۳۸۸۳]: ہم پاکستانی جنگی قیدی ہیں، ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، عیدین اور جمعہ اسیری کی وجہ سے معاف ہے، اگر رمضان تک رہنا ہوتو روزہ اور تراویح اور اعتکاف کی کیا پوزیشن ہے؟ نمازیں باجماعت مع اذان ایک کمرہ میں پڑھتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صاحبان کو جب وہاں اذان وجماعت کی سہولت ہے کوئی رکاوٹ نہیں اور دوسرے کا وہاں داخل ہونا نماز جمعہ سے منع کرنے کے لئے نہیں بلکہ قانونی تحفظ کے لئے منع ہے، ایسی حالت میں بعض کتب فقہ کی عبارات کے تحت وہاں جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ روزہ، تراویح میں کوئی پابندی نہیں، حکمِ شرعی کے مطابق روزہ رکھیں، تراویح پڑھیں۔ اگر مسجد مستقل نہ ہوتو جہاں جماعت کرتے ہیں وہاں اعتکاف کرسکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(السابع الإذن العام) .... فلا یضر غلق باب القلعة لعدوّأو لعادة قدیمة لإذن العام مقرر لأهله و غلق لمنع العدو لا المصلي". (الدرالمختار). "(قوله : أو قصره) قلت: وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا: لأنه لا یتحقق التفویت کما أفاده التعلیل".

(ردالمحتار، کتاب الصوم، باب الجمعة: ۲/۱۵۲، سعید)

(وکذا فی أحسن الفتاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة والعیدین: ۴/۱۲۲، سعید)

(۲) "ومنها مسجد الجماعة، فیصح في کل مسجد له أذان وإقامة، وهو الصحیح، کذا فی الخلاصة".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف: ۱/۲۱۳، رشیدیه)

عورتوں کے لئے نمازِ عید میں شرکت کا حکم

سوال[۳۸۸۴] : عیدگاہ پر پردہ ڈالا جاتا تھا، کچھ عورتیں چادر اوڑھ کر جاتی تھیں اور کچھ عورتیں ساڑی پہن کر جاتی تھیں، چادر نہیں اوڑھتی تھیں تو دس پانچ عورتیں مسجد میں نماز پڑھتی ہیں اور اکثر عورتیں عیدگاہ جاتی ہیں، نہیں مانتی ہیں، عیدگاہ پر اب پردہ کا انتظام نہیں ہے، عیدگاہ سے پورب (۱) مدرسہ ہے، وہیں جا کر بیٹھتی ہیں اور کچھ عورتیں باہر بیٹھتی ہیں، مدرسہ سے الگ ہٹ کر غیر مسلم کی دوکان رہتی ہے، عورتیں جب نماز کو کھڑی ہوتی ہیں تو ان لوگوں کی نظر پڑتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عورتوں کے ذمہ عید کی نماز نہیں ہے ان کو روک دیا جائے، عیدگاہ میں اعلان کر دیا جائے کہ عورتیں نہ آئیں، ہر شخص اپنی عورت کو روک دے اس پر بھی وہ نہ مانیں تو اہلِ حق علماء کا وعظ کرایا جائے، اس پر بھی باز نہ آئیں اور سرکشی کریں تو وہ جانیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "پورب: مشرق"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "عن أم عطية رضي الله تعالىٰ عنها، أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تخرج في الفطر والأضحى العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلوة و يشهدن الخير و دعوة المسلمين".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ : "قلت : يؤيد ماقاله الطحاوي ماقدمناه في باب منع النساء عن الحضور في المساجد عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي و أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها مرفوعاً: "صلوة المرأة في بيتها خيرٌ من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في حجرتها خيرٌ من صلوتها في دارها، و صلاتها في دارها خيرٌ من صلوتها في مسجد قومها". وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى ما أحدث النساء بعده لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل".

فمجموع الأحاديث يشعر بكون النساء مأمورات بأن يشهدن الجماعات وصلوة العيد =

عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں

سوال[۳۸۸۵]: عورت عید کی نماز با جماعت یا بغیر جماعت پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں مع حوالہ مدلل ومفصل جواب دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں پر نمازِ عید واجب نہیں، بغیر جماعت کے تو مرد بھی نہیں پڑھ سکتے، جمعہ کی طرح عید (بھی) ہے: "وشرط وجوبها (أي وجوب الجمعة) الإقامة والذكورة". كنز: ۱/۲ - ۱(۱)۔ "وتجب صلوة العيد على من تجب عليه الجمعه، الخ". على هامش البحر الرائق: ۱۵۷/۲(۲)۔

"وشرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثةٌ فأكثر، إجماع العلماء على أنه لابدفيها من

= أوّلاً، ثم حضهن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الصلوة في البيوت، وقال. "إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي". و لكنه لم يعزم المنع عن شهود الجماعة، و هذا هو محمل ما رواه بن عباس من خروجهن بعد فتح مكة، ثم منعهن الصحابة بعد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لفساد الزمان كمايشعر به قول عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، ولا شك أنهاأجلّ من أم عطية. وكان ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة، ويقول: اخْرُجنَ إلى بيوتكن خيرٌ لكنّ". رواه الطبراني ورجاله موثقون ". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸۸/۸، إدارة القرآن كراچي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

(۱) (كنز الدقائق مع البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲۶۳/۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

"(تجب صلاتهـ) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرالطها) المتقدمة الخ".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

الجماعة كما في البدائع، الخ". ۲/۱۵۱(۱)۔ "ويكره تحريماً جماعة النساء، .... ويكره حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعيد مطلقاً، ولو عجوزا ليلاً على المذهب المفتى به، الخ".

درمختار مختصراً: ۱/۳۸۰(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جامع مسجد میں صرف خواتین کے لئے نمازِ عید کا حکم

سوال[۳۸۸۶]: یہاں عیدگاہ اور جامع مسجد میں عیدین کی نماز ایک عرصہ سے ہوتی ہے، امسال کمیٹی جامع مسجد نے عید کی شب میں اعلان کر دیا کہ نماز عیدگاہ میں ہوگی اور جامع مسجد میں عورتوں کی نماز ہوگی، کوئی مرد جامع مسجد نہ آئے۔ لہٰذا فرمایئے کہ ان کا ایسا کرنا اور مردوں کو جو عرصہ سے عید کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے ہیں پریشان کرنا کیسا ہے، جب کہ عورتوں پر نماز عید واجب بھی نہیں؟ اور اگر عورتیں مسجد میں آئیں تو مردوں کے پیچھے پردے کی جگہ میں نماز ادا کرسکتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عید کی نماز عیدگاہ جا کر پڑھنا افضل ومستحب ہے(۳)۔ عورتوں پر نماز عید نہیں (۴)، ان کے لئے

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۶۲، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۵، ۵۶۶، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعهن؟ قالت: نعم".

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل: ۱/۱۲۱، قديمي)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأوّل شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمي)

"(والخروج إليها): أي الجبانة لصلاة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمي)

(۴) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما أحدث =

مستقل جامع مسجد میں نمازِ عید کا انتظام کرنا- کہ کوئی مرد وہاں نہ جائے ،صرف عورتیں وہاں نمازِ عید ادا کریں- غلط طریقہ ہے،شریعت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں اس طریقہ کو بالکل بند کیا جائے ،عورتیں نمازِ عید کے لئے نہ مسجد میں جائیں نہ عیدگاہ میں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

عورتوں کا عیدگاہ میں جانا

سوال[۳۸۸۷]: عید کی نماز کے لئے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر آیا کرو اور تاکید فرمائی ہے،مگر میں نے اس کا چرچا کبھی آپ بزرگوں میں نہیں سنا ہے،اس کی کیا وجہ ہے کہ گنگوہ اور گردونواح کے علماء نے اس کی تاکید نہیں کی ، یہ ہمارے یہاں کے رسمی پردہ کی وجہ سے ہے،تو کیا مذہب کی ادائیگی آپ کی سوسائٹی اور رسم کی وجہ سے ادھوری رکھی جاسکتی ہے؟ تمام لوگ اگر اس کی پابندی نہ کریں اور قرآن وحدیث سے یہ سوسائٹی کی رسومات و رواج کو ترجیح دے تو دوسری بات ہے مگر علمائے دین تو شاید کبھی بھی رسومات کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ مجھے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے کہ عید کی نماز کے لئے جب حدیث شریف میں تاکید ہے کہ عورتوں کو بھی لایا جائے تو پھر ہم لوگوں کی عورتوں کو مسجد یا عیدگاہ جہاں عورتوں کے لئے انتظام ہوجانا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ میں جانے کی اجازت تھی بلکہ عیدگاہ میں تو حالتِ حیض میں بھی اجازت

= النساء، لمنعهنّ المسجد كما مُنعت نسآء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم".

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل: ١/١٢٥، قديمي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ٢/١٦٦، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ١/١٥٠، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ٢/٢٧٦، رشيديه)

تھی اگر چہ نماز میں نہ شریک ہوں (۱)، پھر اس کے بعد دوسرا ارشاد فرمایا وہ یہ کہ ”عورت کا اپنے مکان میں نماز پڑھنا بہتر ہے، مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے“۔ اس پر عورتیں بڑی حد تک مسجد نبوی میں جانے سے رُک گئیں (۲)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو بڑی علمی تدبیر سے مسجد جانے سے روکا یعنی ایسی تدبیر کی کہ جس سے انہوں نے مسجد جانا بند کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دریافت پر یہی فرمایا کہ ”نماز پڑھنے کے لئے مسجد کیوں نہیں جاتی ہو“ تو جواب دیا کہ ”اب مسجد جانے کا زمانہ نہیں رہا، لوگوں کی حالت ٹھیک نہیں ہے“، حالانکہ پہلے جایا کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ ”اگر عمر کو میرا مسجد جانا پسند نہیں تو وہ منع کر دیں، میں نہیں جاؤں گی، لیکن چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے رکھی تھی اس لئے میں جانے سے باز نہیں آؤں گی“۔ مگر جب تجربہ ہوا تو خود ہی سمجھ میں آ گیا کہ اب جانا ٹھیک نہیں ہے (۳)۔

---

(۱) ”عن أم عطية قالت: أمرنا أن نخرج العواتق ذوات الخدور. وعن أيوب عن حفصة بنحوه. وزاد في حديث حفصة: قال أو قالت: العواتق وذوات الخدور، ويعتزلن الحُيَّض المصلى“. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب خروج النساء و الحُيّض إلى المصلى: ۱/۱۳۳، قديمي)

(۲) ”وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”إن صلوتها في بيتها خيرٌ من صلوتها في مسجدي“. (إعلاء السنن، كتاب الصلوة، أبواب العيدين، باب وجوب صلوة العيدين: ۸/۸۸، إدارة القرآن، كراچي)

(۳) واقعہ مذکورہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے، لیکن ”الإصابه“ اور ”أسد الغابة“ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاتکہ بنت زید سے نکاح کیا، پھر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی علمی تدبیر اختیار کر کے اسے مسجد سے روک دیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

”وذكر أبوعمر في التمهيد أن عمر لما خطبها شرطت عليه ألاّ يضر بها، ولا يمنعها من الحق، ولا من الصلوة في المسجد النبوي. ثم شرطت ذلك على الزبير، فتحيّل عليها أن كَمَنَ لها لمّا خرجت إلى صلاة العشاء، فلما مرّت به، ضرب على عجيزتها، فلما رجعت، قالت: إنا لله! فسد الناس، فلم تخرج بعدُ“. (الإصابة في تمييز الصحابة للإمام الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ، (رقم الترجمة: ۱۱۴۵۲): ۸/۲۲۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

”فلما خطبها عمر، شرطت عليه أنه لايمنعها عن المسجد، ولا يضربها، فأجابها على كُرهٍ منه.=

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”اگر آج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور عورتوں کی حالت ملاحظہ فرماتے تو عورتوں کو ہرگز مسجد جانے کی اجازت نہ ملتی جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں جانے سے روک دی گئی تھیں اسی طرح اس امت کی عورتیں بھی روک دی جاتیں“ (۱)۔ غور کا مقام ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوتے یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود ہوتیں تو موجودہ عورتوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جاتی۔ علماء کا منع فرمانا ان روایات کی بناء پر ہے، محض کسی خودساختہ رسم کی بناء پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۸۵ھ۔

عورت کے ذمہ نمازِ عید، رفع یدین وغیرہ

سوال [۳۸۸۸]: میں نے سنا ہے کہ عورت نماز عید نہ گھر اور نہ عیدگاہ میں پڑھے، گویا عورت پر واجب نہیں، اس کے متعلق جلد آگاہ کریں، عورت اگر نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھے تو کیسا ہے؟ جو جماعتِ اہلِ حدیث کہلاتی ہے وہ قرآن میں آیتیں نکال نکال کر دکھاتی ہے اور کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ”اللہ اکبر“ کہہ کہ نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے، یہ نہیں کہ تمام نماز کو بیان کر کے یعنی ”اتنی رکعت فرض یا سنت واسطے اللہ پاک کے میرا منہ کعبہ شریف کے“ اور ”اللہ اکبر“ یہ غلط ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رفعِ یدین کو قصداً کیا ہے اور ہمیشہ کے لئے کیا ہے۔ آپ ہم کو بتلائیں قرآن پاک میں کس جگہ انکار ہے؟

= فلما خطبها الزبير، ذكرت له ذلك، فأجابها إليه أيضاً، فلما أرادت الخروج إلى المسجد للعشاء الآخرة، شقّ ذلك عليه، ولم يمنعها. فلما عيل صبره، خرج ليلةً إلى العشاء وسبقها، وقعدلها على الطريق بحيث لاتراه، فلما مرّت، ضرب بيده على عجزها، فنفرت من ذلك ولم تخرج بعدُ". (أسد الغابة في معرفة الصحابة لعز الدين بن الأثير الجزري رحمه الله تعالىٰ، رقم الترجمة: ۷۰۲۹، النساء: ۱۸۸/۲، دارالفكر، بيروت)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماأحدث النساء، لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل، فقلت لعمرة: أوَ منعن؟ قالت: نعم". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس: ۱۲۵/۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت پرنمازِ عیدین نہیں، نہ اس کے ذمہ عیدگاہ میں جانا ہے، نہ گھر پرنمازِ عید لازم ہے، عورت پر جمعہ بھی نہیں، اس کو چاہئے کہ اپنے گھر پرنمازِ ظہر ادا کرے، جمعہ کے لئے جامع مسجد نہ جائے (۱)۔ اگر دل کے ارادہ کو زبان سے بھی کہے تو منع نہیں (۲)۔ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

(۱) "عن أم حمید امرأة أبی حمیدالساعدی وأم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرفوعاً: "صلوة المرأة فی بیتھا خیرٌ من صلوتھا فی حجرتھا، و صلوتھا فی حجرتھا خیرٌ من صلوتھا فی دارھا، و صلاتھافی دارھا خیر من صلاتھا فی مسجد قومھا اھ".

"عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا: لو أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی ما أحدث النساء بعدہ، لمنعھن المسجد کما مُنعت نساء بنی إسرائیل".

فمجموع الأحادیث یشعر بکون النساء مأمورات بأن یشھدن الجماعات وصلوة العید أوّلاً، ثم حضھن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الصلوة فی البیوت، و قال: "إن صلوتھا فی بیتھا خیرٌ من صلوتھا فی مسجدی"، و لکنہ لم یعزم المنع عن شھود الجماعة، وھذا ھو محمل ما رواہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما من خروجھن بعد فتح مکة، ثم منعھن الصحابة بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لفساد الزمان کمایشعر بہ قول عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا، و لا شک أنھا أجلّ من أم عطیة. وکان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یُخرج النساء من المسجد یوم الجمعة، ویقول: اخرجن إلی بیوتکن خیرٌ لکنّ". رواہ الطبرانی و رجالہ موثقون ". (إعلاء السنن ، أبواب العیدین، باب وجوب صلاة العیدین: ۸/۸۸، إدارة القرآن کراچی)

"(تجب صلاتھما) فی الأصح(علی من تجب علیہ الجمعة بشرائطھا) المتقدمة (سوی الخطبة) فإنھا سنة بعدھا". (الدرالمختار، کتاب الصلاة ، باب العیدین : ۲/۱۶۶ ، سعید)

"تجب صلاة العید علی کل من تجب علیہ صلاة الجمعة". (الفتاوی العالمکیریة ، کتاب الصلاة ، الباب السابع عشر فی العیدین : ۱/۱۵۰ ، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق ، کتاب الصلاة ، باب العیدین : ۲/۲۷۲، رشیدیہ)

(۲) "و التلفظ عند الإرادة بھا (أی بالنیة) مستحب، ھو المختار". (کتاب الصلاة، باب شروط الجمعة: ۱/۴۱۵، سعید)

=

صرف ''اللہ اکبر'' کہہ کرنماز پڑھنے کوکہا ہے، کسی حدیث شریف میں یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفعِ یدین ہمیشہ کرنے کوفرمایا ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے اور بس، پھر کسی دوسرے موقع پر رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے''، زیلعی میں اس کی سند مذکور ہے(۱)، قرآن پاک میں تو رفع یدین کا حکم کہیں (بھی) مذکور نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۸۸ھ۔

عید کا جھنڈا اور عورت کا خطبۂ عید

سوال[۳۸۸۹]: ہمارے یہاں عید، بقرعید اور شبِ قدر میں جھنڈا اٹھاتے ہیں، مقصد صرف لوگوں کو دکھانا ہے کہ لوگ آگاہ ہوجائیں، یہ کیسا ہے؟ اور عورتیں اطراف واکناف سے آتی ہیں اور عیدالفطر کی نماز ادا کرتی ہیں اور عورتیں ہی خطبہ دیتی ہیں، تقریر کرتی ہیں، مدرسہ کے لئے چندہ بھی وصول کرتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید بقرعید کی اطلاع کیلئے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں۔عورتوں کا عید کی جماعت کرنا کہ عورت ہی امام ہو

= (و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۵، رشيديه)

(۱) "عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعودٍ رضي الله تعالىٰ عنه: "ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ فصلى فلم يرفع يديه إلا في أول مرة". انتهى، و في لفظ: "و كان يرفع يديه أول مرة، ثم لا يعود". قال الترمذي رحمه الله تعالىٰ: حديث حسن".

قال الزيلعي رحمه الله تعالىٰ في آخر كلامه على سند هذا الحديث: "و قد أخرج هو (أي الحاكم) في المستدرك عن جماعة لم يخرج لهم في الصحيح، وقال: هوعلى شرط الشيخين. وإن أراد بقوله: لم يخرج حديثه في الصحيح: أي هذا الحديث، فليس ذلك بعلة، وإلا لفسد عليه مقصوده كله من كتابه المستدرك، انتهى". (نصب الراية، رقم الحديث: ۱۷۰۵، ۱/۳۹۴، ۳۹۶، مكتبه مكيه)

اور خطبہ پڑھے شرعاً ممنوع ہے (۱)۔ یہ جھنڈا بھی بند کیا جائے اور عورتوں کا اس طرح عید پڑھانا بھی بند کیا جائے۔ غلط کام کرکے مدرسہ کو چلانا کارِ خیر نہیں، صحیح طریقہ پر کوشش کی جائے۔ اللہ پاک نصرت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و کره جماعة النسآء، لأنها لاتخلوا عن إرتكاب محرم، و قيام الإمام وسط الصف، فيكره كالعراة، كذا في الهداية، و هو يدل على أنها كراهة تحريم؛ لأن التقدم واجب على الإمام للمواظبة من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (البحر الرائق، باب الإمامة: ۱/۶۱۴، رشيديه)

الفصل الثالث فی صلوۃ العیدفی المسجد وغیرہ

(عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے کا بیان)

عیدین کی نماز بستی میں یا میدان میں؟

سوال[۳۸۹۰]: عیدین کی نماز بلا عذر گھر یا مکان یا صحن یا وقف کردہ یا محلے کے ایک خاص مکان کے اوپر چھوٹی مسجد کے اندر پڑھنا مناسب ہے یا کہ وقف کردہ مکان عیدگاہ جو محلہ اور شہر اور مکان سے خارج باہر میدان میں پڑھنا افضل ہے؟ کون بہتر اور مسنون ہے؟

ایک گاؤں جہاں چند ہزار آدمی کی بستی ہے، چند سال سے ایک تعلق دار صاحب کے خاص مکان کے صحن میں غفلۃً نماز عیدین پڑھتے تھے، قبل ازیں کچھ آدمی عیدگاہ کے میدان میں نماز عیدین پڑھتے تھے، بعد اس کے تعلق دار صاحب کی رائے سے بلا عذر اپنے مکان پر ایک چھوٹی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اور فی الحال ان کی رائے سے ان کی کچہری کے صحن میں صلاۃ العیدین پڑھتے ہیں، یہ صحن نہ وقف ہے نہ عیدگاہ ہے اس صحن کے کنارے میں کئی قبریں ہیں۔

صاحبِ خانہ صحن پر کلاً قابض ہے اور متصرف ہے، اہلِ قریہ کا اس صحن میں دخل اور کسی طرح کا دعویٰ نہیں ہے، حالانکہ صحن کے سبب عدم وقف اور تقلیل موضع الصلوۃ مرۃ بعد مرۃ اہل القریۃ منتشر الذہن اور متردد الحال ہیں، کیونکہ کبھی عیدگاہ میں اور کبھی صحن میں کمامرّ، جہاں تعلق دار صاحب کی فی الحال آبادی وزراعت ہے اور کبھی ایک چھوٹی مسجد کے اندر، کبھی مکان کے صحن میں جیسا کہ حالا نماز عیدین پڑھتے ہیں۔ پس لکون محل الصلوۃ صحناً لمکان صاحبِ غیر مستقل الحال اہلِ قریہ میں ایک قسم کی تنگی در آمد ہوتی ہے اور بسببِ نا اتفاقی اہلِ قریہ شرعاً ومعاملاً مع صاحب خانہ بسببِ تعلق دار اہل قریہ کا کیا حکم ہے؟ اکنوں مع ہذا اہلِ قریہ میں اسبابِ مفسدہ ظاہر ہیں اور اتفاق وسکون، راحت وآرام درہم برہم ہوگیا۔

ازیں جہت عیدگاہ اور اتفاق وامان کی ضرورت ہوئی لہذا دو سال سے دفعاً للحرج وأماناً لأهل

القریة و لتعیین موضع الصلوة واستراحةً للمؤمنین و لانسداد أسباب المفاسد فی یوم العید لله تعالیٰ۔ اہلِ قریہ نے مشورةً لجمیع الناس مع تعلق دارصاحب میدان میں قطعة من الأرض وقف کرکے عیدگاہ بنا کر تقریباً پندرہ سو{۱۵۰۰} آدمی نماز عیدین پڑھتے ہیں اور پھر تعلقدار صاحب از روئے تونگری اور مدت سے صحن میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اپنے گھر کے صحن ہی میں مع چار سو آدمی کم وبیش نماز عیدین پڑھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ صحن میں نماز پڑھنا افضل و بلا کراہت درست ہے اور میدان میں وقف کردہ عیدگاہ میں اگر شرعاً بلا قیل وقال باتفاق المسلمین مع اطرافِ قریہ نماز عیدین پڑھتے ہیں، یہ نادرست اور حرام ہے کیونکہ یہ جدید ہے اور ہم (تعلقدار صاحب) تو شریک ہی ہیں، حالانکہ تعلق دار صاحب ابھی اہل قریہ کو عینِ عید کے روز خوف دلا رہے ہیں کہ شرع شریف کا حکم ماننے کا نعرہ دے رہے ہیں، اب شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ثم خروجه ماشياً إلى الجبانة و هي المصلى العام: أي في الصحراء، والخروج إليها وإلى الجبانة لصلوة العيد سنةٌ، وأن يسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة و يستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف، فله ذلك، اهـ". در مختار و شامي بقدر الحاجة: ١/٨٦٧(١).

---

(١) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ٢/١٦٨، سعيد)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: قال كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلىٰ، فأول شيء يبدأ به الصلاة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ١/١٣١، قديمي)

"ذلک (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجدلمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ٢/٥٧٢، قديمي)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "و يستحب .... والخروج إلى المصلى ماشياً". (الباب السابع عشر في العيدين: ١/١٤٩، رشيديه)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز عید کو صحراء میں عیدگاہ میں جا کر ادا کرنا سنت ہے اگر چہ جامع مسجد میں گنجائش ہے اور بہتر یہ ہے کہ امام خود عیدگاہ میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائے اور کسی شخص کو اپنا نائب بنادے جو کہ ضعفاء کو جن میں عیدگاہ میں جانے کی قوت نہیں ہے شہر میں نماز پڑھائے، اگر امام نے کسی کو نائب نہیں بنایا تب بھی گناہ نہیں (۱)۔

جو شرائط جمعہ کے لئے ہیں عموماً وہی عید کے لئے ہیں، مثلاً إذنِ عام دونوں جگہ شرط ہے، اگر کوئی خاص مکان میں جہاں اذنِ عام نہ ہو نماز عید پڑھے تو یہ درست نہیں جیسا کہ جمعہ درست نہیں، اگر اذنِ عام ہو تو درست ہے، اس جگہ کا وقف ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مملوک میں بھی درست ہے (۲)۔

قبریں اگر بالکل قریب ہیں اور مسجد کے سامنے بلا حائل ہیں تو اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، مگر صرف ان لوگوں کی جن کے سامنے ہیں، اگر دائیں یا بائیں یا پیچھے ہیں تو اسی ترتیب سے کراہت میں کمی ہوگی، اگر دور ہیں یا حائل موجود ہیں تو کراہت نہیں (۳)۔

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۸/۴۲، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

(۲) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لاجمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب تكبيرات التشريق الخ: ۸/۱۲۷، إدارة القرآن، كراچي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية. "تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

و في رد المحتار: "ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر". (كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال في مرضه الذي مات فيه:=

جس قسم کی بستی جمعہ کے لئے شرط ہے اسی قسم کی بستی عید کے لئے بھی شرط ہے یعنی شہر ہو یا قصبہ ہو یا ایسا بڑا گاؤں جو کہ اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کی مانند ہو اور اس کی مردم شماری کم از کم تین ہزار ہو اور جو بستی ایسی نہ ہو اس میں نہ جمعہ کی نماز جائز ہے نہ عیدین کی، جو لوگ پڑھیں گے وہ گنہ گار ہوں گے اور جمعہ کے دن ظہر کا فرض ذمہ میں باقی رہے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

نماز عید کے لئے میدان میں جانا مستحب ہے اور مسجد میں پڑھنا خلافِ سنت ہے

سوال[۳۸۹۱]: عید الاضحیٰ کی نماز شہر کی مساجد میں ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے، مگر قابلِ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اتنی بڑی تعداد میں سنت کا ترک مداومت کا باعث نہیں، واضح ہو ہمارے یہاں شہر میں نوے فیصد مساجد میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لی جاتی ہے اور شہر کی مساجد میں نماز پڑھ لینے کی مصلحت یہ بتاتے ہیں کہ جلد از جلد قربانی کے کام سے فرصت مل جاتی ہے۔ ایک امام مسجد اصرار کرتے ہیں کہ شہر میں نماز ادا کر لینا بہتر نہیں، خلافِ سنت ہے، اس لئے عیدگاہ میں نماز ہونی چاہئے۔ ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ میں جا کر نماز عید ادا کرنا مندوب ہے اگرچہ جامع مسجد میں وسعت ہو: "فإن خصوص

= "لعن اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد". قلت: و لو لا ذلک لأبرز قبره غير أني أخشى أن يتخذ مسجداً". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المسجد على القبر: ۱/۱۷۷، قديمي)

"لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة الخ: ۱/۲۵۴، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۴۰۳، رقم الحاشية: ۲)

التوجه إلی المصلی مندوب وإن وسعه المسجد عند عامة المشایخ، و هو الصحیح، اه". طحطاوی، ص: ۲۹۰(۱)۔ اگر عیدگاہ میں لوگ جاکر نماز ادا کرلیں اور کچھ لوگ شہر کی جامع مسجد میں پڑھ لیں تب بھی مستحق ملامت نہیں، سب لوگ اگر مسجد ہی میں پڑھیں تو خلافِ مندوب ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

نمازِ عیدین صحرا میں یا آبادی میں؟

سوال[۳۸۹۲]: عیدین کی نماز بستی کے اندر ادا کرنا افضل ہے یا آبادی کے باہر صحراء میں؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

عیدین کی نماز صحراء میں افضل ہے: فی الدر المختار: "والخروج إلیها: أی الجبّانة لصلوة العید سنة وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحیح". و فیه: "الجبانة المصلی العام". وفی ردالمحتار: "(المصلی العام): أی فی الصحراء، بحر عن المغرب". ۸۶۷/۱(۳)۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام العیدین، ص: ۵۳۱، قدیمی)

"عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یخرج یوم الفطر والأضحیٰ إلی المصلی، فأول شیء یبدأ به الصلوة، ثم ینصرف". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی: ۱۳۱/۱، قدیمی)

"(والخروج إلیها): أی الجبانة لصلاة العید (سنة وإن وسعهم المسجدالجامع)". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۱۶۹/۲، سعید)

(۲) "و فیه الخروج إلی المصلی فی العید وإن صلاتها فی المسجد لاتکون إلا عن ضرورة". (فتح الباری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی الخ: ۵۷۲/۲، قدیمی)

"لو صلی العید فی الجامع ولم یتوجه إلی المصلی، فقد ترک السنة". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲۷۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب العیدین: ۳۵۲/۱، دار المعرفة، بیروت)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۱۶۸/۲، سعید)

باوجود جامع مسجد میں گنجائش ہونے کے جس میں پانچ سو نماز کا ثواب ملتا ہے، خروج الی الجبانۃ کو سنت لکھا ہے، طحطاوی میں ہے:

"(قوله :سنة) فلو لم يتوجه إليها (أي الجبّانة) فقد ترك السنة"(۱) ، بلا عذر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے: في فتح الباري: "(ذالك: أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلوتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده"(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، عبد الرحمٰن عفی عنہ، ۱۳/۱/۵۲ھ۔

فیلڈ (میدان) میں نماز عید

سوال[۳۸۹۳] : ایک سرکاری فیلڈ جہاں پر یومِ آزادی، یومِ جمہوریہ کی کارروائیاں کسی بڑے لیڈر کے آنے پر یا کسی دوسرے کی وجہ سے جلسہ جلوس وغیرہ بھی وقوع میں آتے ہیں، کھیل کود وغیرہ بھی ہوتے ہیں، الحاصل ایک شہر کے تمام امور جہاں طے ہوتے ہیں۔ اس فیلڈ (میدان) میں عید کی نماز تمام مسلمان .... مجتمع ہو کر پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب کہ دو فیلڈ ایک ایسی جگہ واقع ہیں جہاں نماز پڑھنے سے مسلمانانِ شہر اور اسلام کا رُعب باقی اہلِ شہر پر پڑتا ہے۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۳۵۲/۱، دار المعرفة بيروت)

"لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۸/۲، رشيديه)

"و فيه الخروج إلى المصلى في العيد، وإن صلاتها في المسجد لاتكون إلا عن ضرورة". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۷۲/۲، قديمي)

(۲) (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۷۲/۲، قديمي)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۱۳۱/۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سرکار کی طرف سے اجازت ہو تو وہاں بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

عیدگاہ اور مساجد میں نمازِ عید

سوال[۳۸۹۴]: مالیگاؤں ایک قصبہ ہے غدر، ۱۸۵۷ھ سے پہلے بہت کم مسلمان آباد تھے، مگر غدر کے بعد شمالی ہند سے آکر کثرت سے آباد ہوئے، اب یہاں مسلم آبادی چوبیس ہزار ہے، نماز عیدین کے لئے ایک پرانی اور نہایت چھوٹی سی عیدگاہ بنی ہوئی ہے جس میں زائد سے زائد ایک ہزار آدمی آسکتے ہیں اور عیدگاہ اس وقت اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے یقیناً کافی ہوگی لیکن وہ عیدگاہ کسی طرح کافی نہیں ہوسکتی، علاوہ ازیں اصل بات جو سوال کی محرک بنی، وہ یہ کہ وہ عیدگاہ اس وقت یقیناً صحراء میں تھی لیکن اب آبادی بڑھتے بڑھتے وہ عیدگاہ صحراء نہیں، ابھی بلکہ آبادی میں آگئی ہے۔ ایسی صورت میں فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل ومفصل بیان فرمائیں۔

۱...... دوسری عیدگاہ ایک وسیع قطعہ زمین چندہ سے خرید کر کسی ایسے مقام پر جہاں صحراء کا پورا اطلاق ہوسکے اگر بنوائی جائے تو جائز ہے یا نہیں، اور اس سے تفریق بین المسلمین تو نہ ہوگی، کیونکہ یہ حقیقت واقعہ ہے کہ موجودہ عیدگاہ میں مسلمانوں کی اکثریت نماز عیدین ادا نہیں کرتی بلکہ یہاں نماز عیدین شہر کی ہر چھوٹی بڑی مسجدوں میں ہوتی ہے اور عیدگاہ میں بہت تھوڑے آدمی جاتے ہیں۔

۲...... مساجد میں نماز عیدین ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے یا مع الکراہت؟

---

(۱) "ویشترط لصحتها سبعة أشياء: ....والسابع: (الإذن العام) من الإمام". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، سعيد)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة)، فإنها سنة بعدها". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱٦٦، سعيد)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۷٦، رشيديه)

۳.....نمازِ عیدین عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے یا نہیں؟

۴.....موجودہ عیدگاہ جو آبادی میں ہے اس میں نمازِ عیدین ادا کرنے سے سنت کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

۵.....اور اگر نمازِ عیدین جنگل کے کسی حصہ میں بلا عیدگاہ بنائے ادا کرلی جائے، مثلاً ندی کے کنارے کسی میدان میں یا کسی وسیع باغ میں ہو پھر بھی سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں، یا عیدگاہیں بنوا کر پڑھنے سے ثواب ملے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عید کی نماز صحراء میں جاکر پڑھنا سنت ہے(۱) جب کہ وہاں کوئی شرعی منکر نہ ہو اور مساجد میں پڑھنا بھی مکروہ نہیں، البتہ سنت کا ثواب حاصل نہ ہوگا (۲)۔ صحراء میں عیدگاہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ عیدگاہ کے بغیر بھی صحراء میں پڑھنے سے سنت کا ثواب حاصل ہوجائے گا، بہتر یہ ہے کہ تمام آدمی جنگل میں جاکر عیدین ادا کریں اور جو معذورین ہوں وہ سابق عیدگاہ میں (جو آبادی میں ہے) ادا کریں اور ہر مسجد میں عیدین کی ادائیگی بند کردی جائے اور اگر وسعت اور سہل ہو تو جنگل میں نئی عیدگاہ بنائیں ورنہ بغیر عیدگاہ ہی ادا کرلیا کریں:

---

(۱) "عن أبي سعيدالخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمي)

"والخروج إلى الجبانة في صلاة العيد سنة الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۲) "لو صلى العيد في الجامع و لم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

"فلو لم يتوجه إليها (أي الجبانة) فقد ترك السنة" (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العيدين: ۱/۳۵۲، دار المعرفة)

"والخروج إليها : أى الجبانة لصلوة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح". "قال فى الظهيرية: و قال بعضهم: ليس سنة، و تعارف الناس لضيق المسجد و كثرة الزحام، والصحيح هو الأول ، وفى الخلاصة و الخانية: أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناءً علىٰ أن صلوة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك"۔ در مختار وردمحتار: ۱/۱۶۷(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

عیدگاہ شہر سے کتنی دور ہو؟

سوال[۳۸۹۵]: مسجد سے عیدگاہ کتنے فاصلہ پر ہونا چاہئے؟ قرآن وحدیث سے جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

شریعت کی طرف سے اس کا کوئی فاصلہ متعین نہیں ہے، بس اتنی بات ہے کہ نمازِ عید آبادی سے باہر ادا کرنا مندوب ومستحب ہے(۲) کماصرّح به فى مراقى الفلاح(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار ، مع رد المحتار ، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۱۶۸/۲ ، سعيد)

"عن أبى إسحاق أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد فى المسجد ركعتين": (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۷۲، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة ، شرائط الجمعة : ۱/۵۸۷، رشيديه)

(۲) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلىٰ فأول شىء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخارى ، كتاب العيدين ، باب الخروج إلى المصلى الخ : ۱/۱۳۱ ،قديمى)

(۳) "وندب: أى استحب لمصلى العيد فى يوم الفطر ثلاثة عشر شيئاً ....و صلاة الصبح فى مسجد حيه) لقضاء حقه، ويتمخض ذهابه لعبادة مخصوصة. وفى قوله: (ثم يتوجه إلى المصلى) إشارة إلى تقديم ماتقدم على الذهاب (ماشياً) بسكون و وقار و غض بصر". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمى)

"(والخروج إليها): أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع".

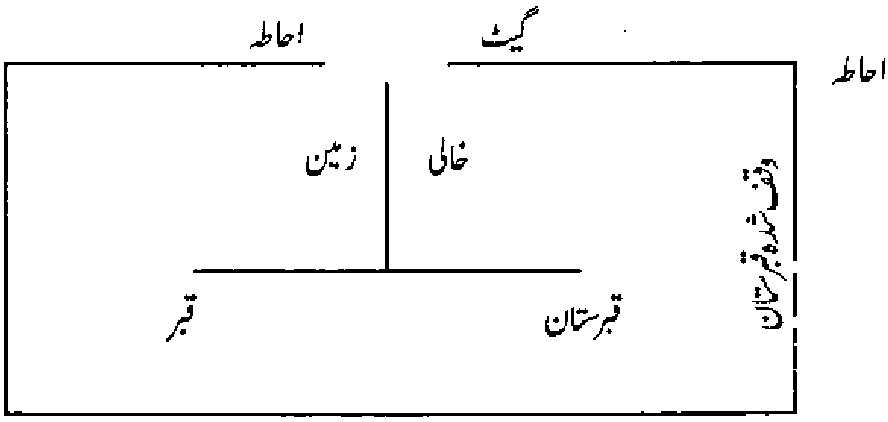
(الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۱۶۹/۲ ، سعيد)

قبرستان میں نمازِ عید

سوال[۳۸۹۶]: یہاں ایک وقف کردہ قبرستان ہے، قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری ہے، شہر کی بیشتر میت اسی قبرستان میں دفن کیے جاتے ہیں، قبرستان کے اندر کچھ زمین ابھی خالی ہے اس خالی زمین کے پیچھے جو زمین ہے اسی میں میت دفن کیے جاے ہیں، جب ضرورت ہوگی سامنے کی اس خالی زمین میں بھی میت دفن کی جائے گی۔ فی الحال شہر کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے ایک عیدگاہ کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ قبرستان کے باہر ایک غیر مذہب آدمی کی زمین قبرستان کے متصل ہے اسے خرید کر عیدگاہ بنایا جائے، اکثر لوگ اسی کو پسند کر رہے ہیں، لیکن دو چار لوگ کہتے ہیں کہ ابھی عیدگاہ خریدنے کی ضرورت نہیں، بعد میں خریدیں گے ابھی عید کی نماز قبرستان کے اندر جو زمین خالی ہے اس میں پڑھیں گے۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر وقف شدہ قبرستان کی اسی خالی زمین (جس کے سامنے قبر وغیرہ نہیں ہے) میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو قبرستان کی وہ زمین ایک دن عیدگاہ بن جائیگی اور قبرستان کے قبضہ سے زمین نکل جائے گی اور جب ضرورت ہوگی تو اس میں مردے دفن نہیں کر سکیں گے اور ایک عیدگاہ خریدنے کی جو بات مکمل ہوگئی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ اب اہلِ شہر آپ کے جواب کے منتظر ہیں کہ جو جواب آپ عنایت کر دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا، اگر قبرستان کی زمین میں نماز پڑھنے کی ذرا بھی اجازت مل گئی تو شہر میں ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا، امید ہے کہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں گے۔

نقشہ قبرستان



الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں قبریں نئی و پرانی ہر قسم کی موجود ہیں تو وہاں نماز عیدادا نہ کی جائے بلکہ اس کے قریب جوجگہ موجود ہے اور اس کو خرید کر عیدگاہ بنانے کی تجویز ہے تو اسی کو خرید کر عیدگاہ بنالیں، اس میں خلفشار وانتشار نہ کریں۔ واقف جس نیک مقصد کے لئے جوجگہ وقف کرے اس مقصد کو ختم نہ کیا جائے اور دوسرے مقصد کے لئے وہ جگہ متعین نہ کی جائے، حتی الوسع شرعاً منشائے واقف کی رعایت لازم ہے:"لأن شرط الواقف کنص الشارع "(۱) قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/ ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار ، کتاب الوقف ، مطلب في قولهم: شرط الواقف کنص الشارع : ۴/ ۴۳۳، سعید)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "الأرض کلها مسجد إلا المقبرة والحمام ". (جامع الترمذی، أبواب الصلوة، باب ما جاء أن الأرض کلها مسجد إلا المقبرة والحمام : ۱/ ۷۳، سعید)

"باب: هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة، و یتخذ مکانها مساجد لقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لعن اللہ الیهود اتخذوا قبور أنبیاء هم مساجد "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أن أم حبیبة و أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنهما ذکرتا کنیسةً .... فقال: صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن أولئک إذا فیهم الرجل الصالح فمات وبنوا علی قبره مسجداً وصوّروا فیه تلک الصور، أولئک شرار الخلق عند اللہ یوم القیمة". (صحیح البخاری، کتاب الصلاة : ۱/ ۶۱، قدیمی)

قال العلامة العینی رحمه اللہ تعالیٰ : "ذِکر ما یستنبط منه من الأحکام .... و فیه منع بناء المسجد علی القبور و مقتضاه التحریم کیف و قد ثبت اللعن علیه .... اهـ. وما یکره من الصلاة فی القبور: و رأی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه أنسَ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه یصلی عند قبر، فقال: القبر القبر! و لم یأمر بالإعادة". اهـ. أی لم یأمر عمر أنساً بإعادة صلاته ذلک، فدل علی أنه یجوز ولکن یکره، واعلم أن العلماء اختلفوا فی جواز الصلاة علی المقبرة ....و ذهب الثوری =

نمازِ عید قبرستان میں

سوال[۳۸۹۷]: عیدگاہ کے متصل قبرستان واقع ہے، جب عیدگاہ نمازیوں سے بھر جاتی ہے تو لوگ قبرستان میں بھی عید کی نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں تو ایسی صورت کی وجہ سے قبرستان میں نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازی کے آگے قبریں ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہے(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= وأبوحنيفة والأوزاعي رحمهم الله تعالىٰ عليهم إلى كراهة الصلوة في المقبرة". (عمدة القارى، كتاب الصلاة، باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية الخ: ۱۷۴/۴، ۱۷۳، مطبع منيرية)

"لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه، بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطى والجلوس عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

"ورأى عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنس بن مالك يصلي عند قبر، فقال: القبر القبر، ولم يأمر بالإعادة".

قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: "أي لم يأمر عمر النساء بإعادة الصلاة ذلك، فدل على أنه يجوز ولكن يكره". (عمدة القارى، كتاب الصلاة، باب: هل ينبش قبور شركى الجاهليه: ۱۷۳/۴، ۱۷۴، سعيد)

"لاتكره الصلاة في جمعة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لوصلى صلاة الخاشعين، وقع بصره عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب: مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۶۵۴/۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۶، ۳۵۷، قديمي)

بارش میں نماز عید کہاں پڑھیں؟

سوال[۳۸۹۸]: بارش بہت زوروں سے شروع ہے، لوگ مقررہ عیدگاہ جانے سے قاصر ہیں تو کیا اس موضع میں جس میں دو چار یا دس بیس تیس گھر مسلمانوں کے ہیں اور مسجد بھی ہے، یا نہیں ہے تو نماز عیدین اپنے موضع میں ایسی صورت میں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، ادا کر سکتے ہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے موضع میں نماز عید درست نہیں، نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، مطمئن رہیں: "تجب صلوتهما على من تجب عليه الجمعة". در مختار(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

بلا عذر مسجد میں عید کی نماز

سوال[۳۸۹۹]: عید کی نماز عیدگاہ کے علاوہ مساجد میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ معذورین کو تو عذر ہے، ان کے علاوہ مساجد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں تو جن لوگوں نے مسجد میں عید کی نماز پڑھ لی تو ان کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ براہ کرم مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسنون طریقہ یہی ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر متفقہ طور پر سب ایک ہی جگہ ادا کریں(۲)، لیکن

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۶، سعيد)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة في القرى: ۸/۱، إدارة القرآن، كراچي)

"تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۲) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعاليى عنه قال: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم=

جن لوگوں نے مسجد میں بلا عذر نمازِ عید ادا کر لی ہے نماز ان کی بھی ہو گئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد میں نماز عید پڑھنا خلاف سنت ہے

سوال [۳۹۰۰]: نماز عیدین کو ہمیشہ مسجد میں پڑھنا اور باوجود باہر عیدگاہ ہونے باہر نہ جانا اور لوگوں کا یہ کہنا کہ باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے باجودیکہ کوئی عذر بھی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا سنت ہے (۲)، اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں بھی درست ہے اور بلا عذر

= الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شئ يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاری، كتاب العيدين، باب الخروج الى المصلى: ۱/۱۳۱، قديمی)

"(والخروج إليها): أی الجبانة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع)". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۳۱، قديمی)

(۱) نماز تو ادا ہو گئی لیکن بلا عذر مسجد میں جا کر نماز عید پڑھنے میں ترک سنت ہے:

"وفيه الخروج إلى المصلى فی العيد، وإن صلاتها فی المسجد لاتكون إلاعن ضرورة". (فتح الباری، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمی)

"لو صلى العيد فی الجامع ولم يتوجه إلى المصلى، فقد ترک السنة". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی على الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱/۳۵۲، دارالمعرفة، بيروت)

(۲) "عن ابی سعيدالخدری رضی الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شیء يبدأ به الصلوة، ثم ينصرف". الحديث. (صحيح البخاری، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمی)

"ذلک (أی الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها فی المسجد لمواظبة النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده". (فتح الباری، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمی) .... =

مسجد میں پڑھنے سے تو نماز تو ہو جاتی ہے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، نیز باہر جا کر ادا کرنے میں کچھ اَور بھی مصالح ہیں وہ بھی اس صورت میں فوت ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص خود عیدگاہ میں نہ جائے تو بلا وجہ دوسروں کو جانے سے نہیں روکنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مساجد میں عید کی نماز

سوال [۳۹۰۱]: **الف**...... ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہ ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ دو فرلانگ ہے، ایک تیسری عیدگاہ بھی ہے، پہلے دو عیدگاہوں اور اس کے درمیان ایک دریا بھی ہے، یہ تیسری عیدگاہ گزشتہ عید الفطر سے جاری ہوئی ہے۔ لہٰذا کیا اس صورت میں مساجد میں نماز پڑھنا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

ب...... قاضی ہونے کی حالت میں مختلف عیدوں میں مختلف عیدگاہوں میں نماز پڑھنا چاہیے، یا سب مسلمانوں کو ایک عیدگاہ کے بنانے تک مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف...... مندوب ومستحب یہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جائے، پنجگانہ کی مسجد میں ادا کرنے

= "الخروج إليها: أى الجبانة لصلوة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(۱) "وقال الشافعي في الأم: "بلغنا أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة، وكذا من بعده إلا عذر مطر و نحو الخ". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب الخروج يوم الفطر والأضحىٰ الخ ۸/۹۱، ۹، إدارة القرآن، كراچى)

"وفيه: الخروج إلى المصلى في العيد وإن صلاتها في المسجد لاتكون إلّا عن ضرورة". (فتح البارى، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۵۷۲/۲، قديمى)

"لو صلى العيد في الجامع و لم يتوجه إلى المصلى، فقد ترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۸/۲، رشيديه)

سے بھی نمازِ عید ادا ہو جاتی ہے، لیکن اظہارِ شوکتِ اسلام میں کمی ہوتی ہے کیونکہ مجمع متفرق اور منتشر رہتا ہے(۱)۔

ب...... جب تک جامع عیدگاہ بنے اس وقت تک دونوں عیدگاہوں میں پڑھا کریں، سب مساجد میں جاری نہ کریں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معذورین کے لئے جامع مسجد میں نمازِ عید

سوال[۳۹۰۲]: بستی سے عیدگاہ تقریباً ایک میل دور ہے، لوگ دور جانے میں گھبراتے ہیں، عیدگاہ کے چاروں طرف غیر مسلم کی زمین ہے، بستی والے عیدگاہ قریب بنانا چاہتے ہیں۔ اگر عیدگاہ دوسری بنالیں تو اس عیدگاہ کا کیا کیا جائے؟ غیر مسلم بے حرمتی کریں گے، پہلی عیدگاہ کی حفاظت مشکل ہوگی، بستی مسلمانوں سے خالی ہو جاتی ہے، عورتیں وغیرہ اکیلی رہ جاتی ہیں، غیر مسلم سے نقصان کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسی حالت میں عیدگاہ بنائی جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی عیدگاہ ویران نہ کریں وہاں جاکر نماز پڑھا کریں(۳) بستی میں بھی مثلاً جامع مسجد میں عید کا

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "بلا عذر مسجد میں عید کی نماز"۔)

(۲) "وتؤدی صلوة العيد بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۷۶/۲، سعيد)

"وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع، فعند محمد رحمه الله تعالیٰ يجوز الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱۳۱/۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة =

انتظام کرلیں، ضعیف اور معذور لوگ یہاں پڑھ لیا کریں، اس طرح معذوروں کو دشواری نہ ہوگی، بستی بھی خالی نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دو بستیوں میں ایک عیدگاہ

سوال [۳۹۰۳]: دو گاؤں میں جو بالکل قریب قریب ہیں اور دونوں میں کچھ فاصلہ بھی نہیں ہے دونوں کے مابین ایک عیدگاہ ہے اور جمعہ دونوں میں ہوتا ہے لیکن نماز عید ایک ہی جگہ پڑھی جاتی ہے، امسال عید الفطر کے موقع پر ایک شخص تقریر کررہا تھا تو عیدگاہ والوں نے اس شخص کو تقریر کرنے سے منع کیا، نماز ایک فاسق شخص نے پڑھائی اور دوسرے آدمی ڈاڑھی منڈے نے خطبہ پڑھا اور عیدگاہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ تمام آدمیوں کو محیط ہوسکے، بہت چھوٹی ہے اس کے برطرف قبرستان ہیں، جو لوگ عیدگاہ میں نہیں آسکے وہ نیچے کھڑے ہوکر قبرستان میں نماز پڑھتے ہیں تو اب عرضِ مستفتی یہ کہ اس وقت دوسری عیدگاہ بناسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں نماز جمعہ کی شرائط موجود ہوں اس میں اَولیٰ وافضل یہ ہے کہ جمعہ اور عید ایک ہی جگہ ہو،

= النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۵۷۲/۲، قديمي)

"الخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۴۹/۱، رشيديه)

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸۲/۸، إدارة القرآن كراچي)

"السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة و يستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق.......... اهـ". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(و كذا في البدائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

لیکن تنگی یا دیگر عوارض کی وجہ سے اگر دوسری جگہ بھی ہو جائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱)، پس اگر وہ دونوں گاؤں اپنی آبادی و دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قصبہ کی مانند ہیں، مثلاً ہر ایک کی مردم شماری تین چار ہزار ہے اور ہر ایک میں گلی کوچہ و بازار ہے اور روزمرہ کی ضروری اشیاء کھانے، پہننے، دوادارو، کفن وغیرہ کے متعلق سب ملتی ہیں، تب تو دونوں میں علیحدہ علیحدہ جمعہ بھی جائز ہے اور عید بھی ہر بستی والے اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ عیدگاہ میں پڑھیں۔ اگر علیحدہ علیحدہ دونوں گاؤں قصبہ کے مثل نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ قصبہ کے مثل ہے اور دونوں میں کوئی فصل نہیں بلکہ اتصال ہے، اگر دیکھنے والے کو پہلے سے علم نہ ہو تو وہ دونوں ایک ہی بستی سمجھے (تو) وہ دونوں ایک ہی بستی کے حکم میں ہیں اس میں تعدد جمعہ وعیدین درست ہے (۲)۔ اگر ان

---

(۱) "عن أبي إسحاق أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين".

"قال الشيخ ظفر أحمد رحمه الله تعالىٰ: "قلت: إن نظرنا إلى الدليل الذي استدل به من جوز تعدد الجمعة، فالأظهر عدم جوازه بدون الحاجة، فإن علياً رضي الله تعالىٰ عنه إنما أقام العيد الثاني لحاجة ضعفه الناس إليها، وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانع صريح من التعدد فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف".

(إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة في مصر واحد: ۸/۷۲، ۷۳، إدارة القرآن كراچي)

"(وتؤدى بمصر) واحد (بمواضع) كثيرة (اتفاقاً)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

(۲) "ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه و بين المصر فرجةٌ بل الأبنية متصلةٌ إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه و بين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۲ سهيل اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۴۷، رشيديه)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى=

دونوں میں اتصال نہیں بلکہ انفصال ہے کہ ایک بالکل علیحدہ بستی ہے دوسری علیحدہ تو پھر وہاں نہ جمعہ کی نماز جائز ہے نہ عیدین کی (۱)۔

"وفی الخلاصة و الخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة و يستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناءً على أن صلوة العيدين فى موضعين جائز بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك". شامی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۷/ ذیقعدہ/ ۵۹ھ۔

قدیم عیدگاہ پر غیروں کے قبضہ ہوجانے کے اندیشہ سے نماز عید ادا کرنا

سوال [۳۹۰۲]: موضع دھلاپڑہ جس کی مردم شماری تقریباً ۳۷۷/ ہے اور دو مسجدیں پختہ ہیں اور

= الخطبة الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۷۶/۲، رشيديه)

(۱) "وعن على رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: "لا جمعة و لا تشريق و لا صلوة فطر و لا أضحى إلا فى مصر جامع أو مدينة عظيمة". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فى القرى: ۱/۸، إدارة القرآن كراچى)

"و يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر الخ". (الدرالمختار). "عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره، و يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۴۵/۲، ۲۴۶، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

"عن أبى إسحاق أن علياً رضى الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً، فصلى بضعفة الناس يوم العيد فى المسجد، ركعتين". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸۲/۸، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشيديه)

ایک عیدگاہ بھی قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے جس میں موضع دھلا پڑہ والے ودیگر آس پاس کے گاؤں کے آدمی نمازعیدین ادا کرتے ہیں، مگر تقریباً عرصہ ایک سال کا ہوا ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہاں نمازعیدین نہ پڑھو۔ اب لوگ نمازعیدین پڑھنے سے رک گئے مگر چونکہ موضع دھلا پڑہ کے آس پاس اہلِ ہنود کا قبضہ ہو گیا ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں عیدگاہ پر قابض نہ ہو جائیں، چوں کہ مسلمانوں کی حالت بہت ابتر ہے اور موجودہ صورت میں عیدگاہ قدیم میں چونکہ نمازعیدین نہیں پڑھی جاتی، خود موضع مذکورہ والے و متصل موضع والے نماز عیدین پڑھنے سے محروم ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنے چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز جائز نہیں (۱) اور جو مصلحت سوال میں بیان کی گئی ہے اس مصلحت سے بھی شرعاً وہاں عیدین کی نماز درست نہیں ہوسکتی۔

عیدگاہ کی حفاظت کے لئے سب کو مل کر کوئی اَور تدبیر کرنی چاہیے اور عیدین کی نماز جب گاؤں والوں پر واجب نہیں تو پھر نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اس میں افسوس کی کیا بات ہے، اگر فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کسی دوسری جگہ۔ جہاں پر نمازعیدین درست ہوسکتی ہو۔ جا کر پڑھا کریں جیسا کہ اہلِ عوالی کئی کئی میل سے مدینہ شریف میں آتے تھے اور اپنے یہاں نہیں پڑھتے تھے (۲)۔

---

(۱) "وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال: "لا جمعة و لا تشریق و لا صلوة فطر و لا أضحی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة". (مصنف ابن أبی شیبة: ۱/۴۳۹، رقم الحدیث: ۵۰۵۹، کتاب الصلوة، باب من قال: لاجمعة ولاتشریق الخ، دار الفکر، بیروت)

"صلوة العید فی القری تکرہ تحریما". (الدرالمختار، کتاب الصلاة باب العیدین: ۲/۱۶۷، سعید)

"صلاة العید فی الرساتیق تکرہ کراهة تحریم؛ لأنہ اشتغال بما لا یصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۷۷، رشیدیہ)

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أنها قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالی". (سنن أبی داؤد، تفریع أبواب الجمعة، باب من تجب علیہ صلوة الجمعة: ۱/۱۵۱، مکتبہ دار الحدیث ملتان)

"عن إبراهیم قال: تؤتی الجمعة من فرسخین". "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ کان شهد =

عیدگاہ پر قبضہ کرنے کا خوف ہے اور یہ خوف نہیں کہ مکانوں پر ہندو قبضہ کرلیں گے، اگر یہ خوف ہو تو کیا مکانوں پر عیدین یا جمعہ کی نماز شروع کردوگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

جدید وقدیم عیدگاہوں میں نمازِ عید

سوال[۳۹۰۵]: واقعہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں چھوٹے چھوٹے اٹھارہ گاؤں کے لوگوں نے مل کر ۱۹۴۸ء میں ایک عیدگاہ بنائی فخر الدین صاحب کی آدھی بیگہ زمین پر، اور فخر الدین صاحب نے مذکورہ آدھی بیگہ زمین کو وقف کردیا۔ رفتہ رفتہ جب مصلیوں کی تعداد بڑھ گئی، حتی کہ وضوء کی جگہ میں بھی عید کی نماز ادا کی گئی تو لوگوں نے مزید زمین کی ضرورت محسوس کی اور متولی فخر الدین صاحب سے مزید زمین کا مطالبہ کیا تو وہ عیدگاہ کی پچھم (۱) جانب سے حسبِ ضرورت زمین دینے پر راضی ہوگئے۔ اس کے بعد متولی صاحب کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے ان کی حیات میں مزید زمین لینے کی نوبت نہ آئی۔

اس کے بعد ان کے بڑے بیٹے ابراہیم کو نیا متولی منتخب کیا گیا، نئے متولی صاحب کے دور میں پہلی مرتبہ نمازِ عید ادا کرنے کے بعد ان کے والد صاحب کی رضامندی کے مطابق لوگوں نے مزید زمین کا مطالبہ کیا، چونکہ زمین بالکل گھر کے قریب ہے اور ان کو اپنے لئے اس زمین کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے عیدگاہ کے لئے مزید زمین دینا ناممکن ہے کہہ کر جوب دے دیا، بالآخر لوگوں نے ان کو ان کے والد صاحب کا وعدہ یاد دلایا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا، اور ایک ٹیڑھی بات یہ کہی کہ جس نے زمین دی ہے ان کی قبر پر جا کر کہئے، ہم زمین نہیں دیں گے۔

اس کے بعد ایک اور عید کی نماز جائے وضو اور وقف کردہ زمین کے علاوہ باہر میں بہت دقت کے ساتھ ادا کی گئی۔ اس کے بعد دس بارہ مرتبہ مجلس کر کے ان کو اور ان کے بھائیوں کو سمجھایا گیا اور عاجزی بھی کی گئی، پھر

= الجمعة من الزاوية، وهي على فرسخين". (أوجز المسالك، افتتاح الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر: ۲/۲۴۲، إدارہ تالیفات اشرفیه، ملتان)

(۱) "پچھم: مغرب: وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز، لاہور)

اس نے انکار کیا، آخر میں صرف چار ہاتھ زمین پچھم کی طرف سے اور کچھ پورب (۱) کی طرف سے دینے کا اقرار کیا، لوگوں نے اس کو رجسٹری وقف کر دینے کے لئے کہا، تب انہوں نے رجسٹری وقف کر دینے کے لئے انکار کر دیا، اس پر لوگوں نے کہا آپ کے والد صاحب نے زمین دینے کا وعدہ کیا لیکن انتقال ہو جانے کی وجہ سے آپ نے انکار کر دیا، خدانخواستہ اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو آپ کے لڑکے نہیں دیں گے، لہٰذا آپ رجسٹری کر دیجئے۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے انکار کیا اور کہا آپ لوگوں کی مرضی ہے جہاں مزید زمین ملے وہاں عیدگاہ منتقل کر لیں، ہم بھی اس میں راضی ہیں اور ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے۔

یہ اقرار کر کے دستخط کیا اور اس کے تمام مصلیوں نے متفق ہو کر ایک جلسہ منعقد کیا، اس میں یہ طے پایا کہ دوسری عیدگاہ بنائی جائے تو ان مصلیوں میں سے چار آدمیوں نے دو دو بیگہ کر کے زمین وقف کر دینے کا وعدہ کیا، لیکن ان چاروں میں سے صرف ایک کی زمین اچھی جگہ میں ہونے کی وجہ سے سب نے قبول کیا، اس شخص نے رجسٹری وقف کر دی۔ اس کے بعد اس نئی عیدگاہ میں محراب تعمیر کرنے سے قبل بھی عیدگاہ قدیمہ کے متولی صاحب سے دوبارہ عرض کیا مگر انہوں نے اس مرتبہ بھی کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد محراب کی تعمیر مکمل ہوگئی۔

واضح رہے کہ قدیم عیدگاہ میں کوئی محراب تعمیر شدہ نہین تھا، اب قدیم عیدگاہ کے متولی مزید زمین دینے پر راضی ہوئے جب کہ نئی عیدگاہ کے محراب کی تعمیر مکمل ہو چکی، تب مصلیوں نے کہا کہ اب زمین دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد دو ڈھائی سو لوگوں نے اس جدید عیدگاہ کو چھوڑ کر قدیم عیدگاہ میں نماز ادا کی اور جدید عیدگاہ میں تقریباً پندرہ سو آدمیوں نے نمازِ عید ادا کی۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں پانچ مقامی علماء نے قدیم اور جدید عیدگاہ کے مصلیوں سے وعدہ لیا کہ ہم لوگ جو فیصلہ کریں گے۔ اسے مانیں گے۔ اس کے بعد ثبوتِ وعدہ کے لئے دونوں فریق سے دستخط کرائے، دونوں نے دستخط بھی کر دیئے۔ اس کے بعد علماء نے متفق ہو کر یہ رائے دی کہ سب مل کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کریں، اس فیصلہ کے بعد بھی کچھ لوگ قدیم عیدگاہ کے مصلیوں میں سے جدید عیدگاہ میں نماز ادا کی اور قدیم میں تقریباً ایک ڈیڑھ سو آدمیوں نے نمازِ عید پڑھی۔

نوٹ: قدیم عیدگاہ کے پچھم جانب کے علاوہ اور کسی جانب سے مزید زمین لینے کی گنجائش نہیں، کیونکہ ایک طرف تالاب ہے، دوسری طرف قبرستان، تیسری طرف مکان و باغ، دیگر۔ یہ کہ قدیم عیدگاہ میں جانے کے

---

(۱) ''پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت، دریائے گنگا کا مشرقی علاقہ'' (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

لئے کوئی راستہ نہیں ہے، متولی صاحب کے مکان سے جانا پڑتا ہے، اگر راستہ طلب کیا جائے تو راستہ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ اس کے برعکس جدید عیدگاہ راستہ سے متصل ہے، مصلیوں کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ پورے واقعہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا دونوں عیدگاہ میں نماز عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر دونوں میں جواز کا حکم ہے تو کس میں افضل ہے؟

نوٹ: قدیم عیدگاہ میں آدھی بیگہ زمین وقف ہے اور جدید دو بیگہ وقف ہے، الغرض اگر جدید میں قدیم کے تمام مصلی آجائیں گے تو ایسی صورت میں قدیم عیدگاہ کی زمین کا کیا حکم ہوگا، آیا اس کو مسجد کی طرح گھیر کر حفاظت کریں، یا اس میں کھیتی کرسکتے ہیں، یا اس کے برعکس ہے، یعنی جدید کے تمام مصلی قدیم میں آجائیں تو جدید کی زمین کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم عیدگاہ بھی وقف ہے مگر چھوٹی ہے، جدید عیدگاہ بھی وقف ہے اور بڑی ہے جس میں سب نمازی آسکتے ہیں، اگر سب متفق ہوکر قدیم عیدگاہ کو پنجگانہ نماز کے لئے تجویز کرکے آباد کرلیں اور عید کی نماز جدید عیدگاہ میں پڑھا کریں تو یہ صورت بہتر ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر ایسا کرلیں کہ جدید بڑی عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھا کریں اور جو لوگ بوڑھے معذور ہیں وہ قدیم عیدگاہ میں پڑھا کریں، اس طرح دونوں عیدگاہ آباد رہیں گی اور وقف کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ جب تک دونوں عیدگاہیں آباد رہ سکیں وہاں کھیتی وغیرہ کچھ نہ کریں، اگر کوئی صورت نہ ہوسکے تو پھر وہاں باغ لگا کر یا کھیتی کرکے اس کی آمدنی جدید عیدگاہ میں صَرف کریں (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۲ھ۔

جدید عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے یا قدیم میں

سوال[۳۹۰۲]: آج تقریباً ۳۵/ سال سے اوپر گزر رہے ہیں کہ ایک جگہ سرکاری زمین میں

---

(۱) "وفي فتاویٰ النسفي: سئل شیخ الإسلام عن متولي مسجد جعل منزلاً موقوفاً علی المسجد مسجداً وصلی فیه الناس سنین کثیرة، ثم ترک الناس الصلاة فیه، فأعید منزلاً مستغلاً، تنفق غلته علی ذلک المسجد کما کان؟ قال: یجوز". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۵/ ۸۷۱، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، قدیمی)

اردگرد کے تمام محلہ والوں اور بستی والوں نے مل کر ایک عیدگاہ قائم کی اور ساتھ ہی ساتھ منبر بنا کر اپنی حد تک عید کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، اس کے ساتھ ہی ایک گورنمنٹ ایل پی اسکول بھی قائم کیا گیا۔ اب مذکورہ سرکاری زمین کے جتنے منافعات آتے ہیں سب کے سب اسکول ہی کے اخراجات میں صرف کئے جاتے ہیں اور اس سرکاری زمین کے متولیوں میں چند لاولد قسم کے اشخاص تھے، اب ان میں اکثر افراد انتقال کر چکے ہیں، صرف دو ایک ایسے افراد موجود ہیں جن کو اس سرکاری زمین کا مالک کہا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس زمین کا حقدار بتاتے ہیں، نیز اس زمین کو رجسٹری کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

اب بسا اوقات ایسا معاملہ پیش آتا ہے کہ ہتھیار سے لوگ لڑنے آتے ہیں، یہاں تک کہ عید کے دن لوگوں پر حکومت چلانا چاہتے ہیں، سب لوگ اس متولی کے کردار و معاملات سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں تو متولی اور ان کی اولاد و فرزند لوگوں سے قتل وقتال کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ ہماری زمین ہے، یہ کسی کے باپ کی زمین نہیں ہے، ہم اگر عید کی نماز پڑھنے کے لئے دیں تو تم پڑھ سکتے ہو ورنہ نہیں۔

اب لوگوں کا کہنا ہے دراصل یہ زمین عیدگاہ کے لئے رجسٹرڈ نہیں کی گئی، ہم بار بار اس شرارت پسند آدمی کی شرارت میں پھنستے نہیں رہیں گے، جو عیدگاہ کے لئے اللہ کے واسطے تھوڑی زمین وقف کریں گے، ہم وہیں نماز پڑھیں گے، فوراً دو آدمیوں نے مل کر ایک جگہ عیدگاہ کے لئے تھوڑی زمین وقف کر کے رجسٹری کرادی، اب تمام محلوں اور بستیوں کے افراد ستر فیصد اس نئی عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

اس جھگڑے کو سلجھانے کی سعی کی جارہی ہے لیکن دیکھا گیا کہ اگر اس طرح فیصلہ کر کے اپنی پرانی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا لوگوں کو حکم دیا جائے تو خراب نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے، ممکن ہے کہ اس شرارت پسند متولی جو دس سال سے متولی ہے اس زمین کی پیداوار خود کھا سکنے پر لوگوں سے پھر جھگڑا چھیڑ کر ایک آفت کے گھاٹ پر اتار کر چھوڑے گا۔ اس حالت میں شریعت کا اس قدیم عیدگاہ کو چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا حکم ہے اور نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز وہ جدید عیدگاہ جو لوگوں نے قائم کی ہے، برقرار رہے گی یا نہیں؟

نوٹ: جدید عیدگاہ قدیم جگہ سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت میں واقع ہے اور قدیم سے جدید عیدگاہ کی جگہ بہت کشادہ ہے، ایک بازار کے قریب ہے، ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے اور عیدگاہ جدید کے پورب

پچھم (۱) دکھن (۲) میں تین اطراف میں سرکاری رائے قائم ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین عیدگاہ کے لئے وقف کردی گئی اور مالک نے بخوشی دے دی ہے، اس میں نماز درست ہے اور دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مالک نماز پڑھنا مکروہ ہے (۳)، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ دونوں فریق متفق ہو کر ایک جید اہلِ علم ودانش کو حَکم مقرر کرلیں، ان کے فیصلے پر سب عمل کریں، نزاع سے دور رہنا لازم ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مجوسی کے وقف کردہ میدان میں نمازِ عید ادا کرنا

سوال [۳۹۰۷]: نوساری ایک قصبہ ہے جس میں متعدد مساجد ہیں، جامع مسجد بھی ہے یہاں پر عیدگاہ نہیں ہے، پہلے جامع مسجد میں نمازِ عید ادا کی جاتی تھی اب چند لوگوں نے عیدگاہ میں نماز کی فضیلت سن کر عیدگاہ کی کوشش شروع کردی ہے۔

شہر میں جگہ ملنا دشوار ہے ایک میدان ہے جو کسی مجوسی نے کھیل کود کے لئے وقف کردیا ہے جو میونسپل

---

(۱) "پَچھم: مغرب" (فیروز اللغات)

(۲) "دَکھن: جنوب کی سمت"۔ (فیروز اللغات)

(۳) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة .... وأرض مغصوبة أو للغير الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۸۱، سعيد)

"وتكره في أرض الغير بلا رضاه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۸، قديمي)

(۴) "لأن العامي يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه، ثم قال: وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوىٰ مفتيه من تقييد بمذهب". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم: ۲/۴۱۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۱۳، رشيديه)

کے قبضہ میں ہے، اس میدان میں مولانا منظور صاحب نعمانی کا وعظ بھی ہوتا ہے، تو اگر میونسپل سے اجازت ہے کہ وہاں پر عیدین کی جماعت کر لی جائے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مندوب و مستحب یہ ہے کہ نماز عید آبادی سے باہر میدان میں ادا کی جائے، اس میدان میں ادا کرنے کی اجازت ہے اگرچہ مجوسی نے کھیل کود کے لئے وقف کیا ہو تو اس میں ادا کرنا احسن ہے، نماز عید کے لیے مسجد کے مقابلے میں میدان کو ترجیح ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۸۹ھ۔

کیا عیدگاہ بحکمِ مسجد ہے؟

سوال [۳۹۰۸]: ازروئے شامی اگر جنازہ گاہ سڑک کے کنارے میدان یا جنگل میں ہو تو وہاں امام اور مقتدیوں کے درمیان کم از کم بیل گاڑی گذر جانے کا فاصلہ مفسدِ نماز ہوتا ہے۔ ازروئے خلاصۃ الفتاویٰ جنازہ گاہ اور عیدگاہ میں اتصالِ صفوف صحتِ اقتداء کے لئے شرط نہیں (۲)۔

(الف) اس مسئلہ میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جنازہ گاہ اور عیدگاہ عموماً بستی سے باہر ہی

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث". (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر: ۱/۱۳۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلوتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر: ۲/۵۷۲، قديمي)

"والخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(۲) "وفي مصلى العيد الفاصل لايمنع الاقتداء وإن كان يسع فيه صفان أو أكثر، وفي المتخذ لصلاة الجنازة اختلف المشائخ، وفي النوازل: جعله كالمسجد". (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۱۵۱، كتاب الصلوة، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء، جنس آخر في المانع من الاقتداء، رشيديه)

ہوتی ہیں، پھران میں فاصلہ مفسدِ صلوۃ کیوں ہے؟

(ب) یا خلاصۃ الفتاویٰ کا یہ مطلب ہے کہ جنازہ گاہ اور عیدگاہ بستی میں ہوں، تب اتصالِ امام وصفوف شرطِ اقتداء نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں ہی میں تعارض نہیں، مسجد، جنازہ گاہ اور عیدگاہ بحکمِ اقتداء بمنزلۂ مسجد ہیں، سڑک کا یہ حکم نہیں، کذا فی الهندیة(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو قام الإمام في الطريق واصطف الناس خلفه في الطريق على طول الطريق إن لم يكن بين الإمام وبين مَن خلفه في الطريق مقدار مايمرّ فيه العجلة، جازت صلاتهم، وكذا فيما بين الصف الأول والثاني إلى آخر الصفوف .... وفي مصلى العيد لايمنع الاقتداء وإن كان يسع فيه الصفين أو أكثر وفي المتخذ لصلاة الجنازة اختلاف المشايخ، وفي النوازل جعله كالمسجد كذا في الخلاصة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۸۷، كتاب الصلوٰة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحته الاقتداء ومالايمنع، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية: ۵/۵۷۳، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، قديمي)

الفصل الرابع فی تعدد العید وتکراره

(نمازِ عید میں تعدد اور تکرار کا بیان)

نماز عید دو جگہ

سوال[۳۹۰۹]: چند گاؤں والے ملکر ایک ساتھ ایک آدمی کی زمین متعین کر کے نماز پڑھا کرتے تھے مگر وہ زمین دریا سے کٹ کر ویران ہوگئی، لہذا لوگ بلا متعین کیے ہی نماز پڑھنے لگے مگر کچھ دن بعد اس نے زمین دیدی دوبارہ اس میں نماز ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب نے مل کر ایک جگہ اتفاق کے ساتھ نماز عید ادا کرنا تجویز کر لیا یہ بہت اچھا کیا، اسی میں خیر و برکت ہے، اگر چہ وقتِ ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی پڑھنے سے نماز عید ادا ہو جاتی ہے۔ "و تؤدیٰ صلوة العید بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً، الخ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۳/۹۱ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العيدين: ۲ت/۱۷۲، سعید)

"عن أبي اسحاق "أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه أمر رجلاً فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين". قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ: "وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانعٌ صريحٌ من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدى بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۸/۷۲، ۷۳، إدارة القرآن كراچي)

"و تجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، و أما إقامتها في ثلاثة مواضع فعند محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۴۹، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۱/۵۸۷، رشيديه)

ایک سے زائد جگہ عید کی نماز

سوال[۳۹۱۰]: کسی میدان میں ایک عیدگاہ ہے، وہاں ۱۰۰۰/ یا ۲۰۰۰/ لوگوں کا مجمع ہوتا ہے، کوئی مفسد آدمی دنیاوی تنازع کے واسطے چند آدمیوں کو لے کر اس جماعت سے علیحدہ ہوکر دوسری جگہ عیدگاہ بنائے، آیا یہ عیدگاہ بنانا جو باعثِ فتنہ وفساد ہوگی اور تفریقِ جماعتِ مسلمین پر مشتمل ہوگی اس کا کیا حکم ہے، وہ آیت کریمہ ﴿و لا تفرقوا و لا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ریحکم﴾(۱) وحدیث:"وإیاکم والفرقة، فإنها هی الحالقة"(۲) کی وعید میں داخل ہوگی یا نہیں؟

روح الامین نمبر: ۴۲، مرزاپور ااسٹریٹ، کلکتہ۔

الجواب حامداً مصلیاً:

نماز عید بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھی جائے، لیکن عوارض کی وجہ سے مثلاً جگہ تنگ ہو یا امامت پر جھگڑا ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ تو ایک سے زائد جگہ پڑھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، بلکہ اگر ایک جگہ فتنہ وفساد کا خوف ہو تو بہتر

---

(۱) (سورة الانفال: پ: ۱۰، آیة: ۴۶)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ وقد ذكره الهيثمي بلفظ: "عن يسير قال: لقيت أبا مسعود رضي الله تعالىٰ عنه سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الفتن، فقال: "إنالا نكتم شيئاً، عليك بتقوى الله والجماعة، وإياک والفرقة، فإنها هي الضلالة". الحديث. (مجمع الزوائد، كتاب الخلافة، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهي عن قتالهم،: ۵/۲۱۹، دار الفكر، بيروت)

وأحمد في مسنده بلفظ: "قال: سمعت زكريا بن سلام، يحدث عن أبيه عن رجل قال: انتهيت إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو يقول: "أيها الناس! عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة، أيها الناس! عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة". ثلاث مرار، قالها إسحق". (مسند الإمام أحمد بن حنبلؒ، (رقم الحديث: ۲۲۶۳۵): ۶/۵۱۰، ۵۱۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وأبو داؤد في سننه بلفظ: "عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصلاة والصدقة"؟ قالوا: بلىٰ، قال: "إصلاح ذات البين، وفساد ذاتِ البين الحالقة". (كتاب الأدب، باب في إصلاح ذات البين: ۲/۳۳۱، رحيميه)

یہ ہے کہ الگ الگ پڑھی جائے، تاہم تقلیل افضل واَحب ہے: ”تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتفاقاً“. درمختار، ص: ۱۱۶(۱) اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا گناہ ہے اس سے اجتناب اور توبہ لازم ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۳/۱/۲۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، ۴/صفر/۵۳ھ۔

ہر محلّہ میں الگ الگ عید کی نماز

سوال[۳۹۱۱]: ۱......تین تین چار چار محلے کے مسلمانوں نے مل کر ایک ایک عیدگاہ تعمیر کی جس میں سالہا سال تک عید کی نماز ہوتی چلی آ رہی تھی، اور ایک عیدگاہ کے زمین کی ملکیت خاص ایک محلّہ کے باشندہ کی تھی جو اس عیدگاہ کی خاص خدمت بجالاتے اور انتظام کرتے تھے، امام بھی انہوں نے مقرر کئے، دوسرے محلوں کے آدمیوں کی بھی شرکت تھی، فی الحال کسی ایک عالم صاحب جو کسی عیدگاہ کے امام نہیں لوگوں کو بڑی جماعت کی بڑی فضیلت کی طرف ترغیب دیکر دوسری کوئی کھلی جگہ پر لیجا کر عیدوں کی نمازیں پڑھایا کرتے ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت متفرق ہو کر کچھ لوگ بڑی جماعت کا بڑا ثواب لوٹنے کے لئے عیدگاہوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھ تو اپنی پرانی عیدگاہوں کو ویران چھوڑنا گوارا نہیں کرتے ہیں اور اس حالت پر منجانبین جماعت

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۱۷۶/۲، سعید)

”عن أبي إسحاق أن علیاً رضي الله تعالیٰ عنه أمر رجلاً، فصلی بضعفة الناس یوم العید في المسجد رکعتین“. قال الشیخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالیٰ: ”وإن نظرنا إلی أنه لم یثبت مانع صریح من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً، والعید فیه سواء، إلا أنه یستحب أن لا تؤدی بغیر حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف“. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب تعدد الجمعة: ۷۲/۸، ۷۳، إدارة القرآن کراچی)

”یجوز تعددها في مصر واحد في موضعین وأکثر اتفاقاً“. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲۸۳/۲، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العیدین: ۱۵۰/۱، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشیدیه)

میں تفرقہ ڈالنے کا باہم الزام اور بہتان لگاتے ہیں، کوئی تو عیدگاہوں کا وقف ہونا لازم سمجھتے ہیں اور اس کی تحریری دلیل طلب کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بڑی جماعت ہونے کے لئے مائک کے ذریعہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جگہ فلاں وقت عید کی نماز پڑھائیں گے، یہ اعلان سن کر جماعت کے امام صاحب کے مریدین، معتقدین اور شاگرد اپنے اپنے عیدگاہ چھوڑ کر لوٹ پڑتے ہیں اور ہمیشہ عیدگاہ خالی پڑی رہتی ہے اور چھوٹی چھوٹی جماعت ہوتی ہے۔

۲...... پرانی عیدگاہ کافی وسیع ہے، چھوڑنا یا چھڑانا اور جماعتوں میں ضرر ڈال کر کسی خاص شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی خواہش سے دوسری جگہ چلا جانا جائز ہے یا ضروری ہے یا افضل ہے؟

۳...... ''خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی یوم الفطر و صلی رکعتین بغیر الأذان والإقامة"(۱) کی بنا پر مائک کے ذریعہ اعلان کرنا برائے نماز عید جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... تفریق ابتداء ہی میں کردی گئی کہ ہر محلّہ والوں نے ایک جگہ متفق ہوکر عید کی نماز پڑھنا پسند نہ کرتے ہوئے جداگانہ عیدگاہیں بنالیں اور ہر عیدگاہ میں مستقل نماز ہونے لگی، پھر اس پر مزید تفریق یہ ہوگئی کہ ہر عیدگاہ کے آدمی کٹ کٹ کر بڑے میدان میں چلے گئے، نماز ہر ہر عیدگاہ میں بھی ادا ہوجائے گی اور میدان میں بھی ادا ہوجائے گی، نماز عید کے لئے وقف عیدگاہ ہونا ضروری نہیں۔ آپسی خلفشار نہ کریں، جو جگہ نماز عید کے لئے وقف ہے وہاں نماز افضل ہے اور مساجد کو چھوڑ کر آبادی سے باہر میدان میں جا کر نماز پڑھنا

---

(۱) لم أجده بهذا اللفظ بل أخرجه الخمسة عن جابر رضی الله عنه بلفظ: "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی عید قبل الخطبة بغیر أذان ولا إقامة". (سنن النسائی، کتاب العیدین، باب ترک الأذان للعیدین: ۱/۲۳۲، سعید)

(وأخرجه مسلم فی صحیحه فی کتاب العیدین، فصل فی الصلاة قبل الخطبة بغیر أذان و لا إقامة الخ: ۱/۲۹۰ قدیمی)

(والترمذی فی سننه فی أبواب العیدین، باب أن صلاة العیدین بغیر أذان و لا إقامة: ۱/۱۱۹، سعید)

(وأبو داود فی سننه فی کتاب الصلاة، باب ترک الأذان فی العید: ۱/۱۶۲، دارالحدیث، ملتان)

(وابن ماجة فی سننه فی کتاب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة العیدین، ص: ۹۲، میر محمد کتب خانه)

مسنون ہے(۱)۔

۳.....نمازِ عید کے لئے اذان واقامت نہیں، لیکن نمازیوں کے علم کے لئے اگر رمضان میں خبر دی جائے کہ فلاں جگہ فلاں وقت نمازِ عید ہوگی اور اوقات میں کچھ وقفہ بھی رہے تا کہ جس کو ایک جگہ نماز نہ ملی ہو تو وہ دوسری جگہ چلا جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ اچھا ہے، ویسے نہ اذان نہ اقامت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۱ھ۔

دوعیدگاہوں میں نمازِ عید ادا کرنا

سوال[۳۹۱۲]: ہمارے شہر میں پہلے سے دوعیدگاہ ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ دو فرلانگ ہے تو عیدگاہ میں نماز پڑھنے کی جو فضیلت شریعت میں ہے وہ فضیلت صورتِ مذکورہ میں باقی ہے یا

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه: قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شيء يبدأ به الصلوة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ: ۱/۱۳۱، قديمي)

"ذلك (أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد) أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده". (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى: ۲/۵۷۲، قديمي)

قال العلامة الحصكفي: "الخروج إليها: أي الجبانة لصلوة العيد سنة". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۶۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۱/۲۳۲، سعيد)

"لا يسن (أي الأذان) لغيرها كعيد". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

"وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذانٌ ولا إقامةٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان الخ: ۱/۵۳، رشيديه)

نہیں؟ اگر ہے تو کون سی عیدگاہ میں؟ واضح کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ فضیلت اب بھی باقی ہے(۱) اور دونوں میں ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایک بستی میں متعدد عیدگاہیں

سوال[۳۹۱۲]: ہمارے شہر میں پہلے سے دو عیدگاہ ہیں، دونوں عیدگاہوں کے درمیان کا فاصلہ صرف دو فرلانگ ہے اور اب ان دونوں عیدگاہوں سے تقریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر (درمیان میں ایک دریا بھی ہے اور دریا کے اوپر ایک پل ہے) ایک تیسری عیدگاہ گزشتہ عید الفطر سے جاری ہوئی، دو سال ہوئے بندہ کو.........سب ڈویژن کا قاضی منتخب کیا گیا ہے، یہ.........سرکار کی طرف سے منتخب ہوتا ہے۔ بندہ قاضی ہونے کے بعد ان متنازع دونوں عیدگاہوں میں سے کسی میں نہیں گیا۔ یہاں اکثر مساجد میں بھی عید کی نماز ہوتی ہے، ان امور میں شرعاً جو حکم ہو وہ مطلوب ہے، ان مذکورہ عیدگاہوں میں سے شرعی عیدگاہ کون سی ہے؟

---

(۱) "عن أبی إسحاق أن علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمر رجلاً، فصلی بضعفة الناس یوم العید فی المسجد رکعتین". قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی قدس سرہ: "وإن نظرنا إلی أنه لم یثبت مانعٌ صریحٌ من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً والعید فیه سواء، إلا أنه یستحب أن لاتؤدی بغیر حاجة إلا فی موضعٍ واحدٍ خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن، باب تعدد الجمعة فی مصر واحد: ۷۲/۸، ۷۳، إدارة القرآن)

(۲) "وتؤدی صلوة العید بمصر واحدٍ بمواضع کثیرة اتفاقاً، الخ". (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۱۷۶/۲، سعید)

"وتجوز إقامة صلاة العید فی موضعین، وأما إقامتها فی ثلاثة مواضع، فعند محمد رحمه اللہ یجوز، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین: ۱۵۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، شرائط الجمعة: ۵۸۷/۱، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جب ان کو نمازِ عید کے لئے بنایا گیا ہے اور وقف کر دیا گیا ہے اور دونوں جگہ نمازِ عید ادا کی جاتی ہے تو دونوں ہی شرعی عیدگاہ ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک ہی امام کا دو جگہ نماز عید پڑھانا

سوال [۳۹۱۴]: دو جگہ ہیں اور دونوں کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے اور ایک امام ہے اور وہ دوسری جگہ نماز پڑھاتا ہے اور اس جگہ اپنے نائب وغیرہ کو کر دیتا ہے، مگر اس کی صورت یہ ہے کہ ایک بستی والے چاند کی خبر سن کر نماز پڑھ لیتے ہیں اور دوسری جگہ والے نماز نہیں پڑھتے اور وہی امام دونوں جگہ نماز پڑھاتا ہے، حالانکہ امام روزہ سے ہے۔ تو کیا اول جماعت والے کی نماز ہوگی اور اس امام کی نماز ہوگی یا نہیں؟ دوسری جماعت والے دوسرے دن نماز پڑھتے ہیں اور وہی امام پڑھاتا ہے تو اس صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب پہلی دفعہ (چاند ہو جانے پر) نماز عید امام نے ایک جگہ پڑھ لی تو دوسرے دن دوسری بستی میں اس کو نماز عید پڑھانے کا حق نہیں اور اس کے پیچھے دوسرے دن پڑھنے والوں کی نماز درست نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''دو عیدگاہوں میں نماز عید ادا کرنا''۔)

(۲) ''أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى بالناس صلاة الخوف، وجعل الناس طائفتين، وصلى بكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه''.

قال العلامة الكاساني تحت الحديث المذكور: ''ولو جاز اقتداء المفترض بالمتنفل، لأتمّ الصلوة بالطائفة، ثم نوى النفل وصلى بالطائفة الثانية لينال كل طائفة فضيلة الصلوة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وأفعالٍ كثيرةٍ ليست من الصلوة''. (بدائع الصنائع، بيان شرائط الاقتداء: ۱/۵۸، رشيديه)

ایک امام گاؤں میں مَردوں کو، پھر عورتوں کو عید پڑھائے

سوال[۲۹۱۵]: ایک بہت چھوٹی سی بستی ہے اس میں نماز جمعہ بھی نہیں ہوتی ہے لیکن امام صاحب عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، پہلے جنگل میں مَردوں کو پڑھاتے ہیں پھر مسجد میں آ کر تمام مستورات کو نماز عیدین مسجد میں پڑھاتے ہیں جس میں کوئی مرد شریک نہیں ہوتا، صرف عورتیں اور امام مرد بعینہ بیچ میں کوئی پردہ حائل ہوئے بغیر پڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس بستی میں نماز جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی نہیں، وہاں نماز عید پڑھنا سخت مکروہ ہے(۱)۔ امام صاحب کا یہ طریقہ شرعاً غلط اور واجب الترک ہے، عورتوں پر شہر میں بھی نماز عید فرض نہیں چہ جائیکہ چھوٹے گاؤں میں اور وہ بھی اس طرح کہ امام صاحب پہلے مردوں کو پڑھائیں پھر عورتوں کو بے پردہ۔ ان کو توبہ لازم ہے، سب مردوں اور عورتوں کو بھی اس سے توبہ لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۰/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= "(ولا يصح اقتداء) .... مفترض بمتنفلٍ وبمفترضٍ فرضاً آخراً .... ولا ناذرٍ بحالف؛ لأن المنذورة أقوى". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۱، ۵۸۰، سعيد)

(وكذ في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۳۱، رشيديه)

(۱) "عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث: ۵۰۵۹، كتاب الصلاة، باب من قال: لا جمعة و لا تشريق إلافي مصر جامع: ۱/۴۳۹، دار الفكر، بيروت)

"صلوة العيد في القرى تكره تحريماً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"صلاة العيد في الرساتيق تكره كراهة تحريم؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۲۷۷، رشيديه)

(۲) "عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي وأم سلمة رضي الله تعالىٰ عنهم مرفوعاً: "صلوة المرأة في بيتها خيرٌ من صلوتها في حجرتها، وصلوتها في حجرتها خيرٌ من صلاتها في دارها، وصلاتها في دارها =

امام صاحب کا نماز عید مکرر پڑھنا

سوال[۳۹۱۶]: عید کی نماز کا اعلان امام صاحب نو بجے کا کر دیتے تھے تو حسبِ اعلان ٹھیک نو بجے نماز عید ادا کی گئی لیکن نماز ادا کرنے کے بعد باقی لوگ جو ٹائم پر نہیں آئے تھے وہ آئے اور امام صاحب کو نماز پڑھانے کے لئے کہا، خدا بہتر جانتا ہے سننے میں آیا کہ وہاں جھگڑا ہونے کا ڈر تھا جس کی بنا پر امام صاحب نے ان کو بھی نماز پڑھائی جو کہ درست نہیں ہے تو کیا ایک امام عید کی دو نماز با جماعت پڑھا سکتا ہے؟ اور جو نماز انھوں نے پڑھائی وہ درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جن امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھا دی، پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ امام صاحب نے ان کو بھی پڑھا دی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= خيرٌ من صلاتها في مسجد قومها".

"وعن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: لو أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم راى ما أحدث النساء بعده، لمنعهن المسجد كما مُنعت نساء بني إسرائيل". (إعلاء السنن، أبواب العيدين، باب وجوب صلاة العيدين: ۸۸/۸، ادارة القرآن كراچي)

"(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۶۶/۲، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "تجب العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة". (كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

(۱) "إن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "صلى بالناس صلاة الخوف، وجعل الناس طائفتين، وصلى بكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه". قال العلامة الكاساني تحته: "ولو جاز اقتداء المفترض بالمتنفل، لأتمّ الصلاة بالطائفة، ثم نوى النفل و صلى بالطائفة الثانية لينال كل طائفة فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وأفعالٍ كثيرةٍ ليست من الصلاة" (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شرائط الاقتداء: ۳۵۸/۱، رشيديه)

"(لا يصح اقتداء) .... مفترض بمتنفل و بمفترض فرضا آخر ...... ولا ناذر بحالف؛ لأن المنذورة أقوى". (كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۵۷۹/۱، ۵۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۶۳۱/۱، رشيديه)

الفصل الخامس فی تکبیرات العیدین

(تکبیراتِ عید کا بیان)

تکبیراتِ عیدین

سوال[۳۹۱۷]: بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف میں "باب صلوۃ العیدین" کے بیان میں آیا ہے کہ عید کی نماز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہ تکبیر سے پڑھی ہے(۱)، پہلی رکعت میں سات تکبیر، دوسری رکعت میں پانچ تکبیر پڑھی ہے، اسی کے مطابق مولانا ولی اللہ شاہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں جو کہ اردو ترجمہ میں ہے بروقت موجود ہے، ترجمہ مولانا ابوالعلاء محمد اسماعیل گودھوی نے کیا ہے جس کے اندر جلد نمبر۲ صفحہ:۸۷، "اسلام کی دو عیدیں" کے بیان میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات کہے اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیر کہے(۲)۔ اگر اس کے مطابق نماز ادا کی گئی تو قبول ہوگی یا نہیں؟ برائے کرم آپ علماء حضرات سے گزارش ہے کہ جلد از جلد جواب سے نوازیں۔ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدین کی تکبیرات کے متعلق روایات مرفوعاً وموقوفاً مختلف اور متعدد ہیں اسی وجہ سے اس میں دس

---

(۱) "عن كثير بن عبدالله عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبّر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (السنن للترمذي: ابوب العيدين، باب في التكبير في العيدين: ۱/۱۱۹، سعيد)

(۲) "يكبر في الأولى سبعاً قبل القراءة، والثانية خمساً قبل القراءة". (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، العيدان، صلاة العيدين و خطبتهما: ۲/۷۶۹، قديمي)

اقوال ہیں جن کو نیل الاوطار (۱) اور بذل المجہود (۲) میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مجتہد و محقق علماء نے ان روایات میں سے اپنے اصولِ ترجیح کے تحت کسی روایت کو اختیار فرمالیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ چھ تکبیراتِ زوائد مانتے ہیں: تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے، تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد، نیز اس رکعت میں تکبیر رکوع کو بھی واجب فرماتے ہیں اور پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ بھی ضروری ہے لہذا دو رکعت میں چار چار تکبیریں ضروری ہوئیں۔ اور دلیل یہ حدیث ہے:

"عن مكحول قال: أخبرني أبوعائشة جليسٌ لأبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري و حذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكبر في الأضحىٰ والفطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبر أربع تكبيرة على الجنائز۔ فقال حذيفة: صدق. فقال أبوموسىٰ: كذالك كنت أكبّر في البصرة حيث كنت عليهم۔ قال أبوعائشة: وأنا حاضرٌ عند سعيد بن العاص، اهـ". أبو داؤد شريف(۳)

---

(۱) "و قد اختلف العلماء في عدد التكبيرات في صلاة العيد في الركعتين و في موضع التكبير على عشرة أقوال: أحدها: أنه يكبر في الأولى قبل القراءة، وفي الثانية خمساً قبل القراءة. قال العراقي: و هو قول أكثر أهل العلم من الصحابة والتابعين والأئمة، قال: و هو مرويّ عن عمر و علي وأبي هريرة وأبي سعيد و جابر وابن عمر و ابن عباس وأبي أيوب رضي الله تعالىٰ عنهم .... وبه يقول مالك والأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحق. قال الشافعي والأوزاعي وإسحق وأبو طالب وأبو العباس: إن السبع في الأولى بعد تكبيرة الإحرام .... القول الرابع: في الأولى ثلاث بعد تكبيرة الإحرام قبل القراءة، وفي الثانية ثلاث بعد القراءة، و هو مرويّ عن جماعة من الصحابة: ابن مسعود وأبي موسى وأبي مسعود أنصاري رضي الله تعالىٰ عنهم، وهو قول الثوري وأبي حنيفة رحمه الله تعالى".

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (نيل الأوطار للإمام الشوكاني، كتاب العيدين، باب عدد التكبيرات في صلاة العيد و محلها وأقوال العلماء في عدد التكبيرات، صلاة العيد: ۳/۳۶۸، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب التكبيرات في العيدين: ۲/۲۰۶، معهدالخليل الإسلامي)

(۳) (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ۱/۱۷۰، إمداديه، ملتان)

وکذا فی بذل المجہود(۱) والزیلعی (۲) وجمع الفوائد (۳)۔

نیز یہ حدیث مختصر، منذری، مسند احمد، تحقیق ابن الجوزی میں بھی ہے، کما فی البذل (٤)۔ اگر کسی نے آٹھ کے بجائے بارہ تکبیریں کہی ہیں تب بھی اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، مسلکِ ابوحنیفہ کے خلاف ہوگا (۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال[۳۹۱۸] : از موضع سرائے میدان، تحصیل قنوج، ولی محمد ٹیلر ماسٹر، متصل دیوانی گیٹ قنوج۔

مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دریافت طلب مسئلہ کا جواب ملا مگر ناکافی، سائل نے احادیث کا حوالہ چاہا تھا، ہمارے یہاں ایک صاحب آتے ہیں انہوں نے کئی حدیثوں کے حوالہ سے تعدادِ تکبیرات اور ادائیگی کی کچھ اور صورت بتائی ہے یعنی عیدین میں تکبیرات پہلی رکعت میں علاوہ تکبیر قیام کے سات اور دوسری میں علاوہ تکبیر قیام کے پانچ تکبیرات

---

(۱) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ۲/۲۰۸، معهد الخليل الإسلامي)

(۲) (أخرجه العلامة جمال الدين عبدالله بن يوسف الزيلعيؒ في نصب الراية، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲/۲۱۴، رقم الحديث : ۲۸۲۲، المكتبة المكية)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱/۱۸۴، رقم الحديث : ۲۰۰۵، المكتبة الإسلامة، لائل پور)

(۴) (بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب التكبير في العيدين: ۲/۲۰۹، معهد الخليل الإسلامي)

(۵) "قال محمد في الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد، وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله عنه، فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام، إلا إذا اكبر الإمام تكبيراً لم يكبره أحدٌ من الفقهاء، فحينئذ لايتابعه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۱، رشيديه)

"ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنيًا قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة، ولو زاد، تابعه إلى ستة عشر؛ لأنه مأثور". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

ہیں قرأت سے پہلے، یہ بارہ تکبیرات ہوئیں، آپ نے چھ تکبیرات زائد ہی تحریر کی ہے مگر حوالہ نہ معلوم ہوسکا۔ جو صاحب ہمارے یہاں گاؤں میں آتے ہیں انہوں نے حوالہ حدیث مشکوۃ شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف، دارمی شریف، اس میں امام ترمذی نے امام بخاری سے صحت کی نقل کی ہے۔ آپ برائے مہربانی حوالہ جات حدیث شریف تحریر فرمایئے تاکہ میں پیش کرسکوں، یا پھر بارہ تکبیرات پر عمل کروں۔

دیگر یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سب لوگ اپنے خود کو کس نام سے متصل اور موسوم کرتے تھے جس طرح آج ہم لوگ حنفی موسوم کرتے ہیں یا بریلوی موسوم کرتے ہیں، آخر ہم لوگ اپنے کو کس نسبت سے منسوب کریں؟ بحوالہ حدیث شریف تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور نیت روزہ رکھنے کی جو الفاظ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل میں ضرور ہوگا، وہی الفاظ ہم بھی اپنے عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ بحوالہ حدیث شریف تحریر فرما کر مشکور فرمایئے۔ دیگر یہ کہ آپ کے ذریعے بڑے پیر صاحب کی تصنیف کردہ کتابیں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ترجمہ اردو مکمل اگر مل سکے تو ہدیہ تحریر کیجئے تاکہ میں پہلے ہی آپ کو بھیج دوں۔ فقط والسلام

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زیدَ احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عیدین کی نماز میں بارہ تکبیروں کا تذکرہ حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے(۱) مگر امام بخاری سے اس حدیث کی صحت نقل نہیں کی، ترمذی شریف میں دیکھ لیا جائے، جو شخص حوالہ دیتا ہے، غلط ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے اس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "رکن من أركان الكذب" دارقطنی نے لکھا ہے: "متروك". ابوحاتم نے کہا ہے: "ليس". نسائی نے کہا: "ليس بثقة"۔

مطرف بن عبداللہ مدنی نے کہا ہے: رأينا وكان كثير الخصومة، لم يكن أحدٌ من أصحابنا

---

(۱) "عن كثير بن عبد الله عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبّر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (جامع الترمذي، أبواب العيدين، باب التكبير في العيدين: ۱/۱۱۹، سعيد)

یأخذ عنه. قال له ابن عمر ان القاضي يا كثير! أنت رجلٌ بطال تخاصم فيما لا تعرف و تدعي ماليس لك و مالك بيّنة، فلا تقربني إلا أن تراني تفرغت لأهل البطالة". ابن حبان نے کہا ہے :"له عن أبيه عن جده نسخة موضوعه" (١)۔ یہ حال تو ترمذی کی روایت کا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت (۲) میں عبدالرحمٰن ابن سعد راوی ہے اس کے متعلق علامہ ذہبی نے لکھا ہے: "ليس بذاك" (۳) خزرجی نے لکھا ہے :"ضعفه ابن معين" ۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: "ضعيفٌ" (٤) ۔ایک راوی اس میں سعد بن عمار ہے اس کے متعلق ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:"لا يكاد يعرف"(٥)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:"مستورٌ"(٦) ۔

---

(١) (تهذيب الكمال ، للحافظ يوسف المزي :۲۴/۱۳۶، ۱۳۹، رقم الترجمة: ۴۹۴۸، مكتبه مؤسسة الرسالة)

(٢) "عن عبدالرحمن بن سعد بن عماربن سعد مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حدثني أبي عن أبيه عن جده "أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يكبر في العيدين في الأولى سبعاً قبل القراءة، وفي الآخرة خمساً قبل القراءة". (سنن ابن ماجة ، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كم يكبر الإمام في صلاة العيدين، ص: ۹۱، قديمي)

(۳) (ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي رحمه الله تعالىٰ: ۲/۵٦٦، رقم الترجمة : ۴۸۷۴، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) (تهذيب الكمال للحافظ يوسف المزي: ۱۷/۱۳۳، ۱۳۴، رقم الترجمة: ۳۸۴۸، مكتبه مؤسسة الرسالة) (وكذا في تهذيب التهذيب ، لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: ۶/۱۸۳، رقم الترجمة: ۳۶۷، دارصادر ،بيروت)

(۵) (ميزان الاعتدال للحافظ الذهبي رحمه الله تعالىٰ: ۲/۱۲۳، رقم الترجمة، ص: ۳۱۲۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(٦) (تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ: ۳/۴۷۹، رقم الترجمة: ۸۹۱، دارصادر بيروت)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:(بذل المجهود ، كتاب الصلاة ، باب تكبيرات العيدين: ۲/۲۰۷، معهد الخليل الإسلامي) .... =

تکبیراتِ لازمہ حنفیہ کے نزدیک آٹھ ہیں: پہلی رکعت میں چار ہیں، ایک تکبیر تحریمہ اور تین تکبیرات زوائد، دوسری رکعت میں چار ہیں تین تکبیراتِ زوائد اور ایک تکبیر رکوع۔ ''عبدالرزاق'' نے سند صحیح کے ساتھ، طبرانی نے سند جید کے ساتھ، طحاوی نے سند حسن کے ساتھ، ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے(۱) آپ کے کارڈ میں بقیہ سوالات کے جوابات کی گنجائش نہیں لفافہ ہوتا تو سب کے جوابات آ جاتے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازِ عید میں بارہ تکبیر کہنا

سوال[۳۹۱۹]: ایک طالب علم حنفی ہے، مگر اس کے گاؤں کے سب نمازی غیر مقلد ہیں، نمازِ عید کے لئے اس کو مجبور کیا تو اس نے بجائے چھ تکبیر کے بارہ تکبیریں پڑھیں، تو کیا اس کے لئے مجبوراً گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش ہے، مگر ایک بات پر تعجب ہے کہ مقتدی لوگ امام کو اپنا تابع بناتے ہیں، اگر اس کے پیچھے نماز

= (وأخرجه الحافظ الكبير عبدالرزاق الصنعاني في مصنفه، كتاب صلاة العيدين، باب التكبير في صلاة يوم العيد: ۲۹۳/۳، رقم الحديث: ۵۶۸۷)

(وأخرجه الطحاوي، في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۳۷۱/۲، ۳۷۲، المكتبة الحقانيه ملتان)

(ورواه الطبراني في الكبير و رجاله موثقون، بحواله مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيد والقراءة فيه: ۲۰۴/۲، دارالفكر بيروت)

(۱) "قال أخبرني أبوعائشة جليسٌ لأبي هريرة أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكبر في الأضحىٰ والفطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبر أربع تكبيرة على الجنائز. فقال حذيفة: صدق، فقال أبوموسىٰ: كذلك كنتُ أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، قال أبو عائشة: وأنا حاضر عند سعيد بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه". (أبو داود، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين: ۱۷۰/۱، مكتبه إمداديه ملتان)

پڑھنے کے اوپر مُصر ہیں تو اس کے تابع ہوکر پڑھیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑنا

سوال [۳۹۲۰] : عیدین کی نماز میں مزید تکبیریں ادا کرتے وقت ہر وقت کانوں تک ہاتھ اٹھا کر کھلے چھوڑ دینا درست ہے یا ہر بار باندھ لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی رکعت میں پہلی اور دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عید الفطر میں تین دفعہ تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑنا

سوال [۳۹۲۱] : امام صاحب نے نماز عید الفطر کی ترکیب اس طرح بیان کی کہ " اللہ اکبر " کہہ کر

---

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالىٰ عليه في الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة الغيد، وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام، إلا إذا كبر الإمام تكبيراً لم يكبره أحدٌ من الفقهاء، فحينئذٍ لايتابعه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة الغيدين: ۱/۱۵۱، رشيديه)

"ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنياً قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة، ولو زاد، تابعه إلى ستة عشر؛ لأنه مأثورٌ". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲، سعيد)

(۲) "(ويرفع يديه في الزوائد) .... (وليس بين تكبيراته ذكر مسنون) ولذا يرسل يديه". (الدر المختار). "(قوله: ولذا يرسل يديه): أي في أثناء التكبيرات ويضعها بعد الثالثة". (رد المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۴، ۱۷۵، سعيد)

"ويرفع يديه في الزوائد، ويسكت بين كل تكبير تين مقدار ثلاث تسبيحات .... ويرسل اليدين بين التكبيرتين، ولا يضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه) .... =

ہاتھ چھوڑ دیں، اس طرح تین مرتبہ ہاتھ چھوڑ دیا کریں، چوتھی مرتبہ "اللّٰہ أکبر" کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ اس کے بعد دوسری رکعت کی ترکیب اس طرح بیان کی کہ امام قراءت کے بعد "اللّٰہ أکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے گا اور مقتدی بھی اسی طرح کریں، چار مرتبہ اسی طرح "اللّٰہ أکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور پانچویں مرتبہ "اللّٰہ أکبر" کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

مذکورہ بالا ترکیب پر اسی طرح عمل بھی کیا گیا، ازروئے شریعت کیا نماز عید الفطر کی یہ ترکیب صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس ترکیب پر عمل کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز اس طرح بھی ادا ہوگئی، لیکن اصل طریقہ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ اول تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور "سبحانك اللّٰہ" پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں، دوسری دفعہ پھر ایسا ہی کریں، تیسری دفعہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور امام "أعوذ باللّٰہ بسم اللّٰہ" وغیرہ پڑھ کر رکوع دوسری نمازوں کی طرح کرے، دوسری رکعت میں الحمد اور سورت پڑھ کر تین دفعہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۱) "ويصلي الإمام ركعتين، فيكبر تكبيرة الافتتاح، ثم يستفتح، ثم يكبر ثلاثاً، ثم يقرأ جهراً، ثم يكبر تكبيرة الركوع. فإذا قام إلى الثانية قرأ، ثم كبر ثلاثاً وركع بالرابعة، فتكون التكبيرات الزوائد ستاً: ثلاثاً في الأولى، وثلاثاً في الأخرى، وثلاث أصليات: تكبيرة الافتتاح، وتكبيرتان للركوع، فيكبر في الركعتين تسع تكبيرات، ويوالي بين القراء تين. وهذه رواية ابن مسعود، وبها أخذ أصحابنا .... ويرفع يديه في الزوائد، ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات .... ويرسل اليدين بين التكبيرتين ولا يضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۸۱، ۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲/۱۷۲-۱۷۴، سعيد)

الفصل السادس فی تکبیرات التشریق
(تکبیراتِ تشریق کا بیان)

نمازِ عید کے بعد تکبیراتِ تشریق

سوال[۳۹۲۲]: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر "الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر ولله الحمد" بآوازِ بلند کہنا چاہئے یا نہیں، یا صرف نمازِ فریضہ کے بعد بآوازِ بلند تکبیر کہنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر فرض نماز کے بعد جہراً کہنا چاہئے اور نمازِ عیدالاضحیٰ کے بعد بھی جہراً کہنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۷ھ۔

---

(۱) "قال الله تعالىٰ: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ وقال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: ﴿ويذكروا اسم الله في أيام معلومات﴾ أيام العشر، "والأيام المعدودات" أيام التشريق".

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني قدس سره: "والجهر بالذكر إنما يكون بدعةً إذا لم يقم الدليل على التخصيص، و هناك قد قام الدليل، وهو قوله تعالىٰ: ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ مع إجماع الصحابة على الجهر بالتكبير دُبر الصلوات في تلك الأيام على وجوب الجهر بالتكبير فيها، ولذا أفتى علماء الحنفية بقولهما. ....و لا بأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه، فوجب اتباعهم". (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب التكبيرات التشريق وأنها لا تجب الخ: ۸/۱۲۰، ۱۲۴، إدارة القرآن، كراچی)

"والجهر به واجب، و قيل: سنة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۷۸، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (مجموعة رسائل اللكنوی، رسالة سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الثاني في ذكر مواضع الجهر، و منها تكبيرات التشريق: ۳/۱۵، إدارة القرآن كراچی)

ایضاً

سوال[۳۹۲۳]: بعد العید تکبیراتِ تشریق جو عام امصار اور قریہ کبیرہ جہاں جمعہ فقہ حنفی سے ہونا صحیح ہے متروک ہو، ہمارے علمائے دیوبند کیا فرماتے ہیں: "(عقب کل فرض، عینی) شمل الجمعة وخرج به الواجب كالوتر و العيدين والنفل، وعند الشيخين يكبرون عقب صلوة العيد لأدائها بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلمين، فوجب اتباعه، ولا بأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه، فوجب اتباعهم البلخيون، الخ". شامی(۱)۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صلوٰۃ عید الاضحیٰ کے بعد بھی علمائے دیوبند تکبیر تشریق کہتے ہیں، کہنے کے لئے فرماتے ہیں، کتب فقہ ردالمحتار(۲) اور البحر الرائق (۳) وغیرہ سے اس وقت تکبیر تشریق کا وجوب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ یہ نماز بھی ادا کی جاتی ہے اگر چہ خود فرض نہیں، اس کو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو اہلِ قریٰ پر اور منفرد پر بھی ہے جیسا کہ الجوهرة النيرہ وغیرہ میں ہے(۴) اور اس پر فتویٰ بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۹/۲، سعيد)

(۲) "وعند البلخيين: يكبرون عقب صلاة العيد لأدائها بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلمين فوجب اتباعه". .... "والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد؛ لأنها تؤدى بجماعة فأشبهت الجمعة، وهو يفيد الوجوب المصطلح عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۹/۲، سعيد)

(۳) "ولو كبر على اثر صلاة العيد، لا بأس به؛ لأن المسلمين توارثوا هكذا، فوجب أن يتبع توارث المسلمين". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن ،أبواب العيدين، باب تكبيرات التشريق وأنهالاتجب الخ :۱۲۰/۸، ۱۲۳، إدارة القرآن)

(۴) "وقال أبو يوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ: يتبع الفريضة فكل من أدى فريضة، فعليه التكبير، والفتوى على قولهما، حتى يكبر المسافر وأهل القرى و من صلى وحده". (الجوهرة النيرة على مختصر =

نماز جمعہ کے بعد تکبیرِ تشریق

سوال[۳۹۲۴]: زید کہتا ہے کہ وہ تکبیریں جونویں ذی الحجہ کی صبح سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر تک بعد نماز فرض بآواز بلند پڑھی جاتی ہیں ان کو جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز کے نہ پڑھنا چاہیے، جیسا کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد نہیں پڑھی جائیں۔ خالد کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد پڑھنا چاہیے اس لئے کہ جمعہ فرض ہے، جب دیگر فرائض کے بعد یہ تکبیریں پڑھی جاتی ہیں تو نماز جمعہ کے بعد پڑھنے پر کوئی کلام نہ ہونا چاہیے لہٰذا بلند آواز سے تکبیریں جمعہ کے بعد پڑھنا چاہیے۔

زید، خالد کے کلام پر اعتراض یہ کرتا ہے کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو جس طرح دیگر فرائض کے فوت ہونے پر ان کی قضاء لازم ہوتی ہے اس طرح جمعہ کے فوت ہونے پر جمعہ ہی پڑھنا فرض ہوتا، جمعہ کے بدلہ میں جمعہ کا واجب نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ واجب ہے اور واجب نمازوں کے بعد تکبیریں نہیں کہی جاتیں، جیسا کہ وتر واجب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"صلوة الجمعة فرض عين بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها لذالك، وقال عليه السلام في حديث: "واعلموا أن الله تعالىٰ فرض عليكم الجمعة في يومي هذا، في شهري هذا، في مقامي هذا". الحديث(١)۔

= القدوری، کتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ١/١١٥، حقانيه ملتان)

"(وقالا: بوجوبه فور كل فرض مطلقاً) ولو منفرداً، أو مسافراً، أو امرأةً؛ لأنه تبع للمكتوبة .... عصر اليوم الخامس (آخر أيام التشريق، وعليه الاعتماد)، والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ٢/١٨٠، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ١/١٥٢، رشيديه)

(١) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، أحكام الجمعة، ص: ٥٠٢، قديمي)

"وهي (أي الجمعة) فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع، يكفر جاحدها". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢/٢٤٥، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ٢/١٣٦، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرضِ عین ہے اور جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق کہی جائے اور عید کے بعد بھی۔ جب کہ مسئلہ کتبِ مذہب میں بصراحت موجود ہے تو پھر اٹکل سے گفتگو کرنا بے محل ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز کے بعد تکبیرِ تشریق کہنا بھول گیا، بات چیت بھی کرلی

سوال[۳۹۲۵]: اگر کوئی شخص عیدالاضحیٰ کے موقع پر تکبیرات نماز کے بعد کہنا بھول گیا اور نماز کے بعد ایک آدمی سے بات چیت شروع کردی پھر یاد آیا تو کیا ان تکبیرات کو لوٹا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تکبیرتشریق کا وقت فرض نماز کے فوراً بعد ہے، جب بات چیت کرلی تو وقت ختم ہوگیا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ویجب تکبیر التشریق) فی الأصح .... عقب کل فرض الخ". (الدرالمختار). "(قوله: کل فرض) شمل الجمعة .... وعندالبلخیین: یکبرون عقب صلاة العید لأدائها بجماعة کالجمعة، وعلیه توارث المسلین، فوجب اتباعه". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۱۷۹/۲، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین: ۱۵۲/۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب العیدین: ۲۸۹/۲، رشیدیه)

(۲) "(ویجب تکبیر التشریق) فی الأصح للأمربه (مرةً) .... (عقب کل فرض) بلا فصل یمنع البناء". (الدرالمختار). "(قوله: بلا فصل یمنع البناء) فلو خرج من المسجد أوتکلم عامداً أو ساهیاً أو أحدث عامداً، سقط عنه التکبیر". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صلاة العیدین: ۱۷۷/۲، ۱۷۹، سعید)

"وأما أدائه، فدُبر الصلاة وفورها من غیر أن یتخلل مایقطع حرمة الصلاة، حتی لوضحک قهقهةً أو أحدث متعمداً أو تکلم عامداً أو ساهیاً.......... لایکبر؛ لأن التکبیر من خصائص الصلاة".

(البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلاة العیدین: ۲۸۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلوة، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین: ۱۵۲/۱، رشیدیه)

تکبیر تشریق عورت، دیہاتی اور منفرد پر

سوال[۳۹۲۶]: مکرمی مفتی صاحب! السلام علیکم

مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور، گیارہواں حصہ یعنی بہشتی گوہر میں تحریر فرمایا ہے کہ ''تکبیر تشریق واجب ہے ان پر جنہوں نے فرضِ عین نماز کو جماعتِ مستحبہ سے ادا کیا ہے بشرطیکہ وہ مصر میں ہوں یعنی مصر میں ہونا شرط ہے''۔ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر تکبیر تشریق بعد نماز فرض عین بالجماعۃ المستحبۃ واجب نہیں اور یہ بھی لکھا کہ ''مسافر اور عورت جب کہ وہ مقتدی ہوا امامِ مقیم بمصر کے، تو ان پر بھی واجب ہے اور اگر منفرد ہو یا عورت و مسافر مقتدی امام مقیم بمصر نہ ہو تو ان پر واجب نہیں لیکن اگر وہ بھی کہہ لیں تو بہتر ہے کیونکہ صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان پر بھی واجب ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں پر واجب نہیں'' (۱)۔

تو آیا مصر ہونا تکبیر تشریق کے لئے شرط ہے یا نہیں؟ اور دیہاتی و شہری منفرد عورت مسافر سب پر واجب ہے؟ آپ کے یہاں بقرعید کا پرچہ چھپا ہے وہ میرے پاس بھی آیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''دیہاتی ہو یا شہری، منفرد ہو، جماعت سے پڑھا ہو، مسافر ہو یا عورت سب پر تکبیر تشریق واجب ہے'' تو کون صحیح ہے، آیا بہشتی گوہر کا مسئلہ یا آپ کے اشتہار کا؟ مدلل تحریر کریں تاکہ صحیح صحیح علم ہو جائے۔

محمد احمد صدیقی ضلع پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب اور صاحبین کے قول کو نقل کر کے بہشتی گوہر کے حاشیہ پر لکھا ہے اس مسئلہ پر فتویٰ صاحبین کے ہی قول پر ہے، اس لئے گاؤں والوں پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے:

قال في البحر الرائق : "وأما عندهما فهو واجب على كل من يصلي المكتوبة؛ لأنه تبع لها، فيجب على المسافر والمرأة والقروي. قال في السراج الوهاج والجوهرة: الفتوى على قولهما في هذا أيضاً، فالحاصل أن الفتوىٰ على قولهما في آخر وقته و فيمن يجب عليه" (۲)۔

---

(۱) (بہشتی زیور، عیدین کے نماز کے مسائل، حصہ یازدہم: ۱۰۸، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) (البحر الرائق ، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۲/۲۹۰، رشيديه)

"والفتوى والعمل في عامة الأمصار و كافة الأعصار على قولهما". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين: ۱/۱۵۲، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة ، باب العيدين : ۲/۱۷۹، ۱۸۰، سعيد)

بہشتی گوہر میں دونوں قول نقل کر کے صاحبین کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، ہمارے اشتہار میں شروع ہی سے صاحبین کے قول کو ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ وہی مفتیٰ بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲/محرم/۰۷ھ۔

عیدگاہ سے لوٹتے وقت تکبیرِ تشریق

سوال[۳۹۲۷]: عیدین میں جو تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے، گھر سے عیدگاہ تک پڑھنے کا حکم ہے، یا واپسی میں بھی پڑھنے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدگاہ جاتے وقت تکبیر پڑھی جاتی ہے اور واپسی میں نہیں پڑھی جاتی: "ویکرہ فی حالة خروجه إلی المصلی جهراً، فإذا انتهی إلی المصلی، یترك، الخ". بحر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تکبیرِ تشریق پر فتویٰ

سوال[۳۹۲۸]: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تشریق کے لئے امصار و جماعت وغیرہ کی قید لگاتے ہیں اور صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ کوئی قید نہیں لگاتے، فتویٰ کس پر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے، کذا فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۹۰ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب صلاة العیدین: ۲/۲۸۵، رشیدیه)

(۲) "(و یجب تکبیر التشریق) فی الأصح .... (علی إمام مقیم) وعلی مقتد (مسافر أو قروی أو امرأة) .... (و قالا بوجوبه فور کل فرض مطلقاً) و لو منفرداً أو مسافراً أو امرأة؛ لأنه تبع للمکتوبة (إلی) عصر الیوم الخامس (آخر أیام التشریق، وعلیه الاعتماد)، والعمل والفتوی فی عامة الأمصار وکافة الأعصار". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۱۷۹، ۱۸۰، سعید)

"والفتوی والعمل فی عامة الأمصار و کافة الأعصار علی قولهما". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر فی العیدین: ۱/۱۵۲، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۲/۲۹۰، رشیدیه)

الفصل السابع فی خطبة العید

(خطبۂ عید کا بیان)

خطبۂ عید میں تکبیر پڑھنا

سوال[۳۹۲۹]: زید نے عید کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا، جب تکبیر یعنی "اللہ أکبر اللہ أکبر" آئی تو زید نے تکبیر پڑھی اور زید کے ساتھ تمام مقتدیوں نے بھی پڑھنی شروع کی، زید نے کہا کہ تم جہر کے ساتھ مت پڑھو، کیوں کہ یہ منع ہے۔ اس پر کوئی معترض کہتا ہے کہ تم نے غلط کہا۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ سری وجہری تکبیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں، اور دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب کو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننا چاہیے، ایسے وقت میں سامعین کو کچھ تکبیر وغیرہ کہنا منع ہے: "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا کلام .... والصواب أنه یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عند سماع اسمه فی نفسه، ولایجب تشمیت ولا ردسلام، به یفتی، وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح وخطبة عید وختم علی المعتمد، اھ". درمختار: ۸۰۷/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

خطبۂ عید سے پہلے تکبیر

سوال[۳۹۳۰]: کیا خطبات عیدالاضحیٰ، عیدالفطر کے قبل تکبیر- جیسے کہ جمعہ کے خطبہ میں ہوتی ہے- نہیں ہوتی ہے، ہونا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) (الدرالمختار: ۱۵۸/۲، ۱۵۹، کتاب الصلوة، باب الجمعة، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

خطبۂ جمعہ سے پہلے تکبیر نہیں ہوتی، اذان ہوتی ہے، خطبۂ عیدین سے پہلے اذان بھی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۷ھ۔

خطبۂ عید کی تکبیرات

سوال [۳۹۳۱]: عیدین کے پہلے خطبہ میں نوبار، اور دوسرے میں سات بار تکبیر ہیں اور یہ تکبیریں مسلسل کہیں اور تکبیر سے مراد صرف اللہ اکبر ہے یا پوری تکبیر تشریق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ تکبیر سے مراد پوری تکبیر تشریق ہے خطبہ میں یہ تکبیر مسلسل کہی جائیں گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۴، قديمي)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، كتاب العيدين، باب ترك الأذان للعيدين: ۱/۲۳۲، قديمي)

"لا يسن (أي الأذان) لغيرها كعيد، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن عبد الله بن عتبة قال: السنة في التكبير يوم الأضحىٰ والفطر على المنبر قبل الخطبة أن يبتدىء الإمام قبل أن يخطب وهو قائم على المنبر. بتسع تكبيرات تترى، لا يفصل بينها بكلام، ثم يخطب، ثم يجلس جلسةً، ثم يقوم في الخطبة الثانية فيفتتحها بسبع تكبيرات تترى، لا يفصل بينها بكلام، ثم يخطب". (إعلاء السنن، أبواب العيدين: ۸/۱۳۱، إدارة القرآن كراچي)

"و يستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى): أي متتابعات (والثانية بسبع) هو =

بغیر تکبیر کے عید الفطر کا خطبہ

سوال[۳۹۳۲]: ہماری مسجد کے امام صاحب نے اسی سال عید الفطر کا خطبہ پڑھا، اس میں ایک مرتبہ بھی تکبیر نہیں پڑھی اور امامِ مذکور کا کہنا ہے کہ تکبیر نہ پڑھنے پر بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے، اس طرح خطبہ عید الفطر میں تکبیر پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ اس سلسلہ میں از روئے شرع صحیح مسئلہ کیا ہے؟ اطلاع دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ ادا تو اس طرح بھی ہو جاتا ہے(۱)۔ فقط۔

خطبۂ عید میں عصا لینا

سوال[۳۹۳۳]: عند الخطبہ لاٹھی ہاتھ میں رکھنا بعض کتابوں میں مستحب لکھا ہے اور مولانا تھانوی مدظلہ العالی نے بہشتی زیور گوہر، ص:۱۲، میں لاٹھی عند الخطبہ منقول نہیں فرماتے ہیں، کونسا قول معتبر ہے؟

= السنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۱۷۵/۲، سعيد)

"و يستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى والثانية بسبع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

(۱) خطبہ میں تکبیرات کا پڑھنا مستحب ہے، نیز خطبہ نمازِ عید کے لئے شرط نہیں، بلکہ خطبہ کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے:

"(ويخطب بعدها خطبتين) .... ويبدأ بالتكبيرات في خطبة العيدين، ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسع تكبيرات تترى، والثانية بسبع". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۲۸۳/۲، رشيديه)

"(يخطب بعدها خطبتين) وهما سنة .... (ويبدأ بالتكبير في) خمس (خطبة العيدين) .... ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى): أي متتابعات (والثانية بسبع) هو السنة". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلاة العيدين: ۱۷۵/۲، سعيد)

"(قوله: فإنها سنة بعدها) .... حتى لو لم يخطب أصلاً، صحّ وأساء لترك السنة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۱٦٦/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب العيدين: ۲۷۷/۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

بہشتی گوہر میں اس کے مصنف نے یہ مسئلہ درمختار سے لکھا ہے، مولانا تھانوی دامت برکاتہم نے تتمہ ثانیہ امدادالفتاویٰ میں اس کی تردید کی ہے، دوسرے قول کو ترجیح دی ہے(۱)۔ بہشتی گوہر حضرت مولانا تھانوی کی تصنیف نہیں بلکہ ایک اَور صاحب کی تصنیف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۶۰ھ۔

دورانِ خطبہ خطیب کو روپیہ دینا

سوال[۳۹۳۴]: یہاں عیدین کی نماز کے بعد دورانِ خطبہ لوگ خطیب صاحب کو روپیہ دینے کے لئے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر جاتے ہیں اور خطیب صاحب کے لئے کچھ لوگ روپیہ لینے کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روپیہ لیتے ہیں اور دینے والوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ دوران خطبہ روپیہ دینے کے لئے جاتے ہیں۔ خطیب وامام اگر ایسے عمل سے نہیں روکتے تو ان کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیسا ہے؟

---

(۱) (امداد الفتاوی، کتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة والعیدین: ۱/۴۲۱، مکتبه دار العلوم کراچی)

"عن شعیب بن رزیق الطائفي قال: جلست إلی رجل له صحبة من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... فأقمنا بها أیاماً شهدنا فیها الجمعة مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقام متوكئاً علی عصا أو قوس، فحمد الله و أثنی علیه كلمات خفیفات طیبات مباركات". الحدیث. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الرجل یخطب علی قوس: ۱/۱۶۳، إمدادیه ملتان)

"الحكمة فیه الإشارة إلی أن هذا الدین قد قام بالسیف و فیه إشارة إلی أنه یكره الاتكاء علی غیره كعصا و قوس، خلاصة؛ لأنه خلاف السنة، محیط. وناقش فیه ابن أمیر حاج بأنه ثبت أنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قام خطیباً بالمدینة متكئاً علی عصا أو قوس كما في أبي داؤد، و كذا رواه البراء بن عازب رضی الله تعالیٰ عنه، عنه- صلی الله تعالیٰ علیه وسلم- و صححه ابن السكن". (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، قدیمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

دورانِ خطبہ اس قسم کے کاموں کی اجازت نہیں، ادب کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر خطبہ سننا لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

عیدالفطر کے بعد خطبہ کا ترجمہ

سوال[۳۹۳۵]: عیدالفطر کا خطبہ پڑھنے کے بعد اس طرح منبر پر کھڑے ہو کہ خطبہ کا ترجمہ اور متعلقہ مسائل پر تقریر کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گنجائش نہیں، بہتر یہ ہے کہ عید سے متعلق احکام ومسائل عید سے پہلے جمعہ کو بیان کردیئے جائیں اور خطبہ ضرور عربی میں ہو، ضروری احکام نماز عید سے قبل بیان کردیئے جائیں (۲)۔واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبک يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۸،۱۲۷، قديمى)

"(وكل ما حرم فى الصلاة حرم فيها): أى فى الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكلٌ و شربٌ وكلامٌ ولو تسبيحاً أو رد سلام أو أمراً بمعروف، بل يجب عليه أن يستمع و يسكت .... وكذا يجب لسائر الخطب كخطبة نكاح و خطبة عيد الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"وإذا خرج، فلا صلاة و لا كلام، و قالا: لا بأس إذا خرج الإمام قبل أن يخطب، وإذا فرغ قبل أن يشتغل بالصلاة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۲) "لأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية، ولم يُنقل عن أحد منهم =

خطبۂ عید کا نہ سننا

سوال[۳۹۳۶]: جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھنے کے وقت اس کا سننا غیر ضروری سمجھ کر نہ سننا اور چلا جانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

العبد محمد عثمان چاٹگامی، مقیم حجرہ:۱۳۷، ۲۵/ رجب/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سننا واجب ہے اور اس کو غیر واجب سمجھنا اور چلا جانا درست نہیں: "وكل ما حرم في الصلوة حرم فيه: أي الخطبة، فيحرم أكل و شرب و كلام بل يجب عليه أن يستمع و يسكت، وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة النكاح و خطبة عيد و ختم على المعتمد". درمختار: ۱/۸۵۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۶ھ۔

= أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية". (مجموعة رسائل اللكنوى رحمه الله تعالىٰ، رسالة آكام النفائس: ۴/۴۴، إدارة القرآن، كراچى)

"لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الصحابة -رضى الله تعالىٰ عنهم- فيكون مكروه تحريماً". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلوة، باب الجمعة، (رقم الحاشية: ۲): ۱/۲۰۰، سعيد)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من قال يوم الجمعة والإمام يخطب: أنصت، فقد لغا". (جامع الترمذى، أبواب الجمعة، باب ما جاء فى كراهية الكلام والإمام يخطب: ۱/۱۱۴، سعيد)

"وأما المستمع، فيستقبل الإمام إذا بدأ بالخطبة، وينصت، ولا يتكلم، ولا يرد السلام الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۲۵۹، رشيديه) .... =

مقتدیوں کے لئے خطبۂ عید کے دوران تکبیر پڑھنے کا حکم

سوال[۳۹۳۷]: زید نے عید کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا، جب تکبیر یعنی "اللہ أکبر، اللہ أکبر" آئی تو زید نے تکبیر پڑھی اور زید کے ساتھ تمام مقتدیوں نے بھی پڑھنی شروع کی، زید نے کہا کہ تم جہر کے ساتھ مت پڑھو کیوں کہ یہ منع ہے، اس پر کوئی معترض کہتا ہے کہ تم نے غلط کہا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ سری و جہری تکبیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں اور دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سب کو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننا چاہیے، ایسے وقت میں سامعین کو کچھ تکبیر وغیرہ کہنا منع ہے: "إذا خرج الإمام فلا صلوة و لا كلام، والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند سماع اسمه في نفسه، ولا يجب تشميت و لا رد سلام، به يفتي. و كذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح و خطبة عيد و ختم على المعتمد، اهـ". درمختار: ۱/۸۰۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ہذا۔

خطبۂ عید میں نواب کا نام لینا

سوال[۳۹۳۸]: ہمارے یہاں خطبہ میں ہمارے یہاں کے نواب کا نام لیا جاتا ہے۔ کیا عید الفطر کے خطبہ میں نواب کا نام لیا جا سکتا ہے؟

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۷، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۵۹، سعيد)

"أن أبا هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه– "أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۸، ۱۲۷، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلیفۂ اعظم امیر المومنین کا نام لیا جائے تو گنجائش ہے(۱)، کیا نواب صاحب کا حال بھی یہی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے امیر وحاکم ہیں؟ فقط۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "و ینبغی أن تکون الخطبة الثانیة: الحمد لله نحمده و نستعینه الخ، و ذِکرُ الخلفاء الراشدین والعمَّین رضوان الله تعالیٰ علیهم أجمعین مستحسنٌ، بذلک جری التوارث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی الجمعة: ۱/۱۴۷، رشیدیه)

"و یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمَّین، لا الدعاء للسلطان". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، أحکام الجمعة، ص: ۵۱۶، قدیمی)

الفصل الثامن فی الدعاء بعد العیدین

(نمازِ عید کے بعد کی دعاء کا بیان)

عیدین کے بعد دعاء

سوال[۳۹۳۹]: حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''الصلوۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''عیدین کے بعد دعاء نہیں''۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ عیدین کے بعد دعا نہیں، لیکن امسال ۱۳۹۲ھ میں جو احکام رمضان المبارک مدرسہ دیوبند کی طرف سے شائع ہوا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''خطبہ کے بعد دعاء نہیں''، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ عیدین کے بعد دعاء ہے۔ ان دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نمازِ عیدین کے بعد خصوصیت سے دعاء کا ذکر نہیں، ممانعت بھی نہیں۔ نماز فرض ہو یا نفل، عمومی طور پر روایات میں دعاء مذکور ہے، عمل الیوم واللیلۃ میں ان روایات کی تخریج ہے(۱)، اس عموم میں نمازِ عیدین بھی داخل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۸ھ۔

---

(۱) ''عن أنس بن مالک رضی الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: ''ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة، ثم يقول: أللهم إلٰهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل و ميكائيل وإسرافيل عليهم السلام! أسئلک أن تستجيب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في ديني فإني مبتلى، و تنالني برحمتک فإني مذنب، و تنفي عني الفقر فإني متمسكن، إلا كا ن حقاً على الله عزو جل أن لايرد يديه خائبتين''. (عمل اليوم والليلة لابن السني، رقم الحديث: ۱۳۸)

''عن فضالة بن عبيد رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''إذا =

نمازِ عید کے بعد دعاء

سوال[۳۹۴۰]: تراویح کی ہر چار رکعت پڑھنے کے بعد دعاء کرنا اور عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا واجب ہے یا سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر چار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح وتہلیل، درود پڑھے، چاہے دعاء کرے، چاہے نوافل پڑھے، لیکن دعاء کا التزام کرنا مجموعی حیثیت سے دعاء پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے، کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں ہے(۱)۔

"أما الاستراحة فی أثناء التراویح، فیجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحة، ولیس المراد حقیقة الجلوس بل المراد الانتظار، وهو المخیّر: إن شاء جلس وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ أو صلی نافلةً منفرداً، اهـ". کبیری(۲)۔

= صلی أحدکم، فلیبدأ بتحمید الله و الثناء علیه، ثم یصلی علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم لیدع بما شاء". (عمل الیوم واللیلة، رقم الحدیث: ۱۱۳)

"عن زید بن أرقم رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یدعو دبر الصلاة یقول: "اللهم ربنا و رب کل شیء". (رقم الحدیث ۱۱۴) (عمل الیوم واللیلة لابن السنی، باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مکتبة الشیخ، کراچی)

(۱) "الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الکراهة". (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۵/۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"قال الطیبی: وفیه: من أصر علی أمر مندوب و جعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشیدیه)

(۲) (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، التراویح، ص: ۴۰۴، سهیل اکیڈمی)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲، سعید)

"عن زید بن وهب قال: کان عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه یروحنا فی رمضان یعنی بین=

اورعیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعاء یا عدم منقول نہیں ،لیکن مطلقاً ہر نماز کے بعد دعاء روایات سے ثابت ہے، پس عیدین کے بعد بھی دعاء کرنا مسنون ہوگا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۱۴۹۲]: عیدین کی نماز میں کس وقت دعاء مانگنی چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدین کی نماز کے بعد متصلاً اگر دعاء مانگی جائے تو یہ حدیث کے عموم میں داخل ہے جس میں ہر نماز کے بعد دعاء کا تذکرہ ہے(۲)۔بعض لوگ بجائے بعد نماز دعاء مانگنے کے خطبہ کے بعد دعاء مانگتے ہیں،سو یہ کسی

= التراويحتين قدر ما يذهب الرجل من المسجد إلى سلع". (كنز العمال، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، (رقم الحديث : ۲۳۴۷۲):۸/۴۰۹، مطبعة البلاغة)

(۱) "عن مصعب بن عمير و عمر بن ميمون قالا : كان سعيد يعلّم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلّم المُكتب الغلمان، يقول: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلاة: "اللهم إني أعوذبک من الجبن، وأعوذبک من البخل، وأعوذبک من أرذل العمر وأعوذ بک من فتنة الدنيا و عذاب القبر ". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و تعوذه في دبر كل صلوة ۲/۱۹۶، سعيد)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "اللهم ربنا و رب كل شيء". (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۴)، ص: ۱۰۲، مكتبة الشيخ، كراچي)

(۲) "عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله و الثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم والليلة، رقم الحديث :۱۱۳)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "اللهم ربنا و رب كل شيء". (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث ۱۱۴)، ص:۱۰۲ ۱۲۱، مكتبة الشيخ، كراچي)

روایت یا حدیث یا عبارت فقہ سے ثابت نہیں امداد الفتاوی: ۱/۲ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۳۹۴۲]: عیدین کی نمازوں میں بعد سلام دعاء مانگنی چاہیے یا خطبہ کے، کونسا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ تر عمل کرنا ثابت ہے؟ مع الدلائل بالتفصیل و مشرح مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرمائیں، عند اللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: محمد اسحٰق۔

الجواب حامداً ومصلياً:

احادیث سے علی الاطلاق بعد صلوۃ دعاء کا ثبوت ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ:

"كان يعلّم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المُكتِب الغلمان يقول: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلاة: "أللهم إني أعوذبك من الجبن، الخ". ۲/۲۱۵(۲)۔

وفيه: "فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلى! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، و صل عليَّ، ثم ادعه، الخ". وقال: هذا حديث حسن". ۲/۲۰۵(۳)۔

---

(۱) (امداد الفتاوی، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين: ۱/۴۰۴، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و تعوذه في دبر كل صلوة: ۲/۱۹۶، ۱۹۷، سعيد)

(۳) الحديث بتمامه: "عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: أللهم اغفر لي و ارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هو أهله، وصل عليَّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله، وصلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلي! ادْعُ تُجبْ". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۲/۱۸۵، سعيد)

عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

"عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "مامن عبد بسط کفیه دبر کل صلوۃ، ثم یقول "اللهم، الخ .... إلا کان حقاً علی اللّٰه عزوجل أن لا یرد یدیه خائبتین"(۱)۔

اور متبادر بعدیت سے بعدیتِ متصلہ ہے لہٰذا بعد عید خطبہ ہو کر دعاء کرنا پھر اسکو متصل قرار دینا مجازاً ہوگا جو متبادر نہیں، اس وجہ سے بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعاء مانگنا کسی کی روایت نہیں، لہٰذا بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے خطبہ کے بعد دعاء کرنے کو معین کر لینا تخصیص بلا دلیلِ شرعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود عفی عنہ، عبد اللطیف عفی عنہ، ۱۰/۱/۵۲ھ۔

بندہ عبد الرحمٰن۔

دعاء ومصافحہ بعد نمازِ عید

سوال[۳۹۴۳]: امام عیدگاہ کو بعد نماز عیدین دعاء مانگنا چاہیے یا بعد خطبہ؟ مصافحہ ومعانقہ کیا حکم رکھتا ہے؟

---

(۱) وقال المحشي عبد الرحمن کوثر: "الحدیث ضعیف کما ذکرنا في التخریج، وجاء عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أدعیةٌ بألفاظ مختلفة بعد الصلوات المکتوبات. وأخرج الترمذی عن أبی أمامة قال: قیل لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أیّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات". قال الترمذی: هذا حدیث حسن". (حاشیة جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة : ۱۸۷/۲ ،سعید)

"عن محمد ابن أبی یحیی قال: رأیت عبد الله بن زبیر رضی الله تعالیٰ عنه و رأی رجلاً رافعاً یدیه یدعو قبل أن یفرغ من صلاته، فلما فرغ منها، قال: إن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوته". "قال الهیثمی رجاله ثقات. قوله: لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوته، ظاهره مشروعیة رفع الیدین فی الدعا بعد الفراغ من الصلوة. والله تعالیٰ اعلم".

(عمل الیوم واللیلة لابن السني، باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح، (رقم الحدیث: ۱۳۸)، ص: ۱۲۱، مکتبة الشیخ)

8

الجواب حامداًومصلیاً:

نمازِ عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے (۱)۔ عید کا مصافحہ و معانقہ بدعت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) عیدین کی نماز کے بعد خصوصیت سے دعاء یا عدمِ دعاء منقول نہیں لیکن عمومی روایات کی بناء پر عیدین کے بعد بھی دعاء کرنا مسنون ہوگا: "عن مصعب بن عمير و عمرو بن ميمون قالا: كان سعيد يعلّم بنيه هؤلاء الكلمات كما يعلم المُكتِب الغلمان يقول: إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يتعوذ بهن ذُبر الصلاة: "أللهم إني أعوذبك من الجبن، وأعوذبك من البخل، وأعوذبك من أرذل العمر، وأعوذ بك من فتنة الدنيا و عذاب القبر". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب في دعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و تعوذه في دبر كل صلوة: ۱۹۶/۲، ۱۹۷، سعيد)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى فقال: أللهم اغفر لي و ارحمني، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلي! إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله، وصل عليّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله، و صلى على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلي! ادع تُجَب". هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۱۸۵/۲، سعيد)

(۲) "فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة، ويتصاحبون الكلام و مذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة؟ ولهذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذ، وأنها من البدع المذمومة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۳۵۸/۸، رشيديه)

وفي رد المحتار: "تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة، ولأنها من سنن الروافض. ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالىٰ عن الشافعية أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع". (كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء: ۳۸۱/۶، سعيد)

دعاء بعد خطبۂ عیدین

سوال[۳۹۴۴]: امام عیدین کی نماز میں نماز کے بعد متصلاً دعاء کرنے کی بجائے خطبہ کے بعد دعاء کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خصوصیت سے بعد عید یا بعد خطبہ دعاء کی تصریح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں، البتہ بعد صلوٰۃ مطلقاً دعاء کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے، نیز اس وقت کو اوقاتِ اجابت میں حصنِ حصین (۱) وغیرہ (۲) میں شمار کیا ہے اور متبادر بعد الصلوٰۃ سے بعدیت متصلہ دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا بظاہر تغیرِ سنت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أحوال الإجابة عند النداء بالصلاة .... وبين الأذان والإقامة.......... و دبر الصلوات المكتوبات". (الحصن الحصين، للإمام محمد الجزري، ص: ۶۳، دار الإشاعت كراچی)

(۲) "عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قيل لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أيُّ الدعاء أسمع؟ قال: "جوف الليل الآخر و دبر الصلوات المكتوبات ". "هذا حديث حسن". (جامع الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة: ۱۸۷/۲، سعيد)

"عن زيد بن أرقم رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدعو دبر الصلاة يقول: "أللهم ربنا و رب كل شيء ". (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، (رقم الحديث ۱۱۴)، ص: ۱۰۲، مكتبة الشيخ)

(۳) "قال الطيبي: و فيه: من أصر على أمرمندوب و جعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر ". (كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث : ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

"فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها، كما صرح به الملا علي القاري في شرح المشكوة والحصكفي في الدر المختار ". (مجموعة رسائل اللكنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول في حكم الجهر بالذكر : ۳۴/۳، إدارة القرآن كراچی)

الفصل التاسع فی المتفرقات

عیدین کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا

سوال[۳۹۴۵]: عید کے دن عیدگاہ کے اندر بعد نماز عصر امام کے لیے چندہ کرتے ہیں محض اس کی نماز پڑھانے کی وجہ سے، کیا یہ چندہ کرنا درست ہے جبکہ وہ امید بھی یہی کرتا ہے کہ مجھے یہ چندہ ضرور ملے گا؟ نیز مسجد کے اندر کسی قسم کا چندہ کرنا کیسا ہے خواہ عید ہو جمعہ یا عام نماز؟ نیز جمعہ کے بعد بھی بتی اور پنکھے وغیرہ کے لئے بھی چندہ کرتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟ نیز مدرسہ کے سفیر وغیرہ بھی مسجد میں نماز کے بعد چندہ کا ذکر کرتے ہیں، ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سال بھر بھی نماز پڑھاتے ہیں تو عید کے موقع پر ان کو چندہ کر کے دینا بھی درست ہے اور اس مقصد کے لئے عیدگاہ میں چندہ کرنا بھی درست ہے(۱) مگر خطبہ کے وقت چندہ نہ کیا جائے، خطبہ کا سننا واجب ہے اس

---

(۱) "و یکرہ التخطی للسؤال بکل حال". (الدرالمختار). وفی رد المحتار : "(قوله :و یکرہ التخطی للسؤال الخ) قال فی النهر : والمختار أن السائل إن کان لا یمرّ بین المصلی و لا یتخطی الرقاب و لایسأل إلحافاً بل لأمرٍ لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء". (کتاب الصلوة، باب الجمعة : ۱۶۴/۲، سعید)

"یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار .... لأن علیاً رضی الله تعالیٰ عنه تصدق بخاتمة فی الصلاة، فمدحه الله بقوله : (یؤتون الزکاة و هم راکعون)". (الدرالمختار). "(قوله: إذا لم یتخط): أی و لم یمر بین یدی المصلین، قال فی الاختیار : فإن کان یمر بین یدی المصلین ویتخطی رقاب الناس یکره؛ لأنه إعانة علی أذی الناس، حتی قیل : هذا فلس لا یکفرہ سبعون فلساً، وقال ط: فالکراهة للتخطی الذی یلزمه غالباً الإیذاء، وإذا کانت هناک فرجة یمر منها لاتخطی، فلا کراهة الخ ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع : ۴۱۷/۶، سعید)

میں خلل نہ آئے۔ مسجد میں مسجد و، رسہ یا اور دینی ضرورت کے لیے چندہ درست ہے لیکن کسی کی نماز میں تشویش نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے، نیز شور وشغف سے پرہیز لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیو بند، ۱۶/ ۷/ ۹۱ھ۔

عیدین میں جھولی پھرانا اور اس رقم سے امام ومؤذن کی تنخواہ

سوال[۳۹۴۶] : ایک مسجد ہے اس کی آمدنی کا خاص ذریعہ نہیں ہے جس سے اس مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، لہٰذا مسجد کی جو کمیٹی ہے اراکینِ کمیٹی کی اجازت سے عیدین کے موقع پر صفوں پر مقتدیوں کے سامنے رومال یعنی جھولی پھرائی جاتی ہے، جتنا جس سے ہوتا ہے لوگ اس میں پیسہ ڈالتے ہیں، پیسہ دینے والوں میں جائز کاروبار والے اور ناجائز کاروبار والے سب لوگ ہوتے ہیں، وہ پیسہ اکھٹا کر کے بصورتِ مدد کے مسجد کے امام اور مؤذن اور خادم کو دیا جاتا ہے۔ تو کیا امام اور مؤذن اور خادم وغیرہ کی مدد کے لئے اراکینِ کمیٹی کی اجازت سے عیدین کے موقع پر صفوں کے سامنے جھولی پھرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ چندہ کرنے والے نمازیوں کی گردنوں پر پھلاند کر نہ گزریں تو اس طرح نماز عید سے قبل چندہ کرنا

= (وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الثالث والعشرون في الجمعة، نوع: اقتدى بالإمام ناوياً صلاته على ظن أنه في الجمعة الخ : ۴/ ۶۷، رشيديه)

(۱) "أن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أخبره أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبک يوم الجمعة: أنصت والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة : ۱/ ۱۲۸، ۱۲۷، قديمي)

"(و كل ما حرم في الصلاة حرم فيها): أي في الخطبة، خلاصة وغيرها. فيحرم أكل و شرب و كلام و لو تسبيحاً أو ردالسلام .... بل يجب عليه أن يستمع و يسكت .... وكذا يجب لسائر الخطب كخطبة النكاح و خطبة عيد". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/ ۱۵۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ،كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة : ۲/ ۱۴۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة : ۲/ ۲۵۹، رشيديه)

درست ہے(۱) جس سے امام اور مؤذن کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے۔ عمدہ صورت یہ ہے کہ باحیثیت آدمی مستقل تنخواہ کا انتظام کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عیدین کو امام کے لیے کمر پر رومال باندھنا

سوال[۳۹۴۷]: امامِ عیدین کو عذر ہو یا بلا عذر کمر پر رومال باندھ کر نماز پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور ایسی حرکت سے امام کو منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمر پر رومال باندھنا فی نفسہ درست ہے لیکن بلا وجہ امامتِ عیدین کے لئے اس کو ضروری سمجھنا اعتقاداً یا عملاً التزام مالا یلزم ہے جو منع ہے، اصرار کی وجہ سے امر مندوب پر بھی شرعاً کراہت کا حکم جاری ہو جاتا ہے:

"الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حدا الکراهة". سعایة (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۵/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۵/ ۵/ ۶۷ھ۔

---

(۱) نمازیوں اور مسجد کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے چونکہ سوال کرنا جائز ہے، لہٰذا طریقۂ مذکورہ سے چندہ کرنا بھی صحیح ہے:

"قال في النهر: والمختار أن السائل إن کان لا یمر بین یدی المصلی، ولا یتخطی الرقاب، ولا یسأل إلحافاً بل لأمرٍ لابد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجمعة، مطلب في الصدقة علی سؤال المسجد: ۲/ ۱۶۴، سعید)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، الثالث والعشرون في الجمعة: ۶/ ۷۲، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الصلوة، باب صلاة الجمعة: ۱/ ۳۶۵، رشیدیه)

(۲) (السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل في القراء ة، ذکر البدعات: ۲/ ۲۶۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

"من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، (رقم الحدیث: ۹۴۶): ۳/ ۳۱، رشیدیه)

عیدین کو تجارت کا حکم

سوال[۳۹۴۸]: کیا یہ صحیح ہے کہ عیدین کے دن کام کرنا منع ہے مثلاً بعد نماز تجارت وغیرہ کرنا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید اور بقرعید کو اپنی تجارت وغیرہ کا کام کرنا منع نہیں بلکہ جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۱۲/۸۹ھ۔

عید کے غسل کا وقت

سوال[۳۹۴۹]: عیدین کے دن قبل طلوع فجر یا قبل طلوع شمس اگر کوئی شخص غسل کرے تو اس سے عیدین کی سنت ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بہشتی گوہر میں ہے کہ ”عیدین کے دن بعد فجر غسل ان لوگوں پر کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے“(۲)۔

مالابدمنه میں هے که ”روزِ عید الفطر سنت آنست که اول چیزے بخورد، و صدقۂ فطر دهد ،مسواک کند، وغسل کند، واحسن ثیاب بپوشد، و خوشبو استعمال نماید وغیرہ“ (۳). اب سوال یہ ہے کہ بعد فجر ”روز“ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص طلوع افتاب سے قبل غسل کرے تو اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ اب اس کا حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا بأجر جزیل.

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض، وابتغوا من فضل الله، واذكر الله كثيراً، لعلكم تفلحون﴾. (سورة الجمعة: ۱۱)

قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالىٰ: ”لما حجر عليهم في التصرف بعد النداء و أمرهم بالاجتماع، أذن لهم بعد الفراغ في الانتشار في الأرض والابتغاء من فضل الله، كما كان عراک بن مالک رضي الله تعالىٰ عنه إذا صلى الجمعة، انصرف فوقف على باب المسجد، فقال: أللهم! إني أجبت دعوتک، وصليت فريضتک، وانتشرت كما أمرتني، فارزقني من فضلک وأنت خير الرازقين“.

(تفسير ابن كثير : ۴/۳۶۷، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲)(بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اصلی بہشتی گوہر، غسل کا بیان، جن صورتوں میں غسل سنت ہے، ص:۷۳۹، دارالاشاعت، کراچی)

(۳)(مالابدمنہ، للقاضی ثناء اللہ پانی پتی، کتاب الصلاۃ، فصل در نماز ہائے واجبہ، ص:۵۲، شرکۃ علمیہ ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی آدمی طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے اور نمازِ عید تک حدث لاحق نہ ہو تو اس کی سنت بالاتفاق ادا ہوگی، اگر طلوعِ فجر سے قبل غسل کیا اور اسی طہارت سے نمازِ عید ادا کی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت ادا ہوگئی، مگر حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ادا نہیں ہوئی، اگر درمیان میں حدث لاحق ہوگیا اور پھر وضو کی ضرورت پیش آئی تو کسی کے نزدیک سنت ادا نہیں ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ غسل یوم کیلئے ہے یا صلاۃ کے لئے، امام ابو یوسف کے نزدیک صلاۃ کے لئے ہے اور اسی کو اصح لکھا ہے:

"(وسن للجمعة و العيدين و عرفة): أي سنّ الاغتسال لهذه الأشياء. ثم هذا الاغتسال لليوم عند الحسن، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: للصلاة، و هو الأصح. وفي الكافي: لواغتسل قبل الصبح وصلى به الجمعة، نال فضل الغسل عند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، وعند الحسن رحمه الله تعالىٰ: لا". زيلعي: ۱/ ۱۷(۱)۔ "والخلاف المذكور جارفي غسل العيد أيضاً". شامي: ۱/ ۱۷٤(۲)۔

بہشتی گوہر و مالا بدہ منہ میں وہ صورت لکھی ہے جس سے بالاتفاق سنت ادا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ بعد طلوعِ فجر غسل کرے "روز" سے مراد شرعی دن ہے جو کہ طلوعِ صبحِ صادق سے شروع ہو جاتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱۱/۵۹ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الطهارة: ۱/ ۷۱، ۷۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/ ۱۶۹، سعيد)

"أن علياً رضي الله تعالىٰ عنه كان يغتسل يوم الفطر و يوم الضحى قبل أن يغدوا". (مصنف عبد الرزاق، كتاب العيدين، باب الاغتسال في يوم العيد، (رقم الحديث: ۵۷۵۱): ۳/ ۳۰۹، المكتب الإسلامي)

(۳) قال العلامة الشامي: "و لسيدي عبد الغني هنا بحث نفيس .... حاصله أنهم صرحوا بأن هذه الاغتسالات الأربعة للنظافة لا للطهارة، مع أنه لو تخلل الحدث تزداد النظافة بالوضوء ثانياً، وإن كانت =

غسلِ عید ایسی جگہ جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی

سوال[۳۹۵۰]: جبکہ عید، بقرعید کی نماز دیہات میں جائز نہیں، تو عید کے دن نہانا، دھونا، کپڑے بدلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے لئے یہ مسنون نہیں کرلیں گے تو مضائقہ بھی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

عید کے لئے اذان نہیں

سوال[۳۹۵۱]: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے قبل کیا اذان نہیں ہوتی، نہیں ہوتی تو کیا پڑھا جاتا ہے؟ جواب میں لکھ دیجیے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس موقع پر اذان مشروع نہیں: "فلا یؤذن لعید، الخ". مراقی الفلاح (۲)، اور بھی کوئی چیز

= للطهارة أيضاً فهي حاصلة بالوضوء ثانياً مع بقاء النظافة، فالأولى عندي الإجزاء وإن تخلل الحدث؛ لأن مقتضى الأحاديث الواردة في ذلك طلب حصول النظافة فقط. أقول: و يؤيده طلب التبكير للصلاة وهو في الساعة الأولى أفضل و هي إلى طلوع الشمس، فربما يعسر مع ذلك بقاء للوضوء إلى وقت الصلوة، و لا سيما أطول الأيام وإعادة الغسل أعسر ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ وربما أداه ذلك إلى أن يصلي حاقناً و هو حرام، و يؤيده أيضاً ما في المعراج: لو اغتسل يوم الخميس و ليلة الجمعة استن بالسنة لحصول المقصود و هو قطع الرائحة". (ردالمحتار ، كتاب الطهارة : ۱/۱۶۹، سعيد)

(و كذا في احسن الفتاوى ، كتاب الصلاة، باب الجمعة والعيدين : ۴/۱۵۱، سعيد)

(۱) "(ندب يوم الفطر أكله) .... و استياكه واغتساله .... و لبسه أحسن ثيابه". (الدرالمختار).

وفي رد المحتار: "(قوله : ندب يوم الفطر الخ) .... إن هذه الأمور مندوبة قبل الصلاة، ومن أدابها، لا من أداب اليوم، كما في الجلابي الخ". (كتاب الصلاة، باب العيدين : ۲/۱۶۸، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، أحكام العيدين، ص : ۵۲۹، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۴، قديمي) ...... =

اذان کے قائم مقام نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/۶۷ھ۔

نماز عید کیلئے "الصلوۃ" کہہ کر بلانا

سوال[۳۹۵۲]: صلوۃ عیدین میں صلوۃ پکارنا بدعتِ حسنہ ہے یا سیئہ، یہ پکارنا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں پکارنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ذی قعدہ/۶۷ھ۔

"الصلوۃ" وغیرہ کے بغیر نماز عید

سوال[۳۹۵۳]: کیا بغیر صلوۃ کہے عیدین کی نماز نہیں ہوسکتی؟

= "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه قال: صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في عید قبل الخطبة بغیر أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، کتاب العیدین، باب ترک الأذان للعیدین: ۱/۲۳۲، قدیمی)

"لایسن (أي الأذان) لغیرها کعید الخ". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشیدیه)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه: "قال صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم في عید قبل الخطبة بغیر أذان ولا إقامة". (سنن النسائي، کتاب العیدین، باب ترک الأذان للعیدین: ۱/۲۳۲، قدیمی)

"ولیس (أي الأذان) لغیر الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراویح والعیدین أذانٌ ولا إقامةٌ، کذا في المحیط". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان: ۱/۵۳، رشیدیه)

"لایسن (أي الأذان) لغیرها کعید الخ". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعید)

البتہ کوئی ایسا طریقہ ہو جس کی اذان سے مشابہت نہ ہو تو جائز ہے، مثلاً اشتہار لگانا، یا ایک روز قبل اعلان کرنا کہ نمازِ عید فلاں وقت ادا کی جائے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر ایسا کہے بلاشبہ نماز درست ہوجائے گی، اس رواج کو ترک کردینا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عیدین میں جلوس ودف

سوال [۳۹۵۴]: بعض جگہ عیدین کے موقع پر یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں کے نوجوان مرد ولڑکے جلوس کی شکل میں نکل کر خوشیاں مناتے ہیں اور ان کے ساتھ ڈھول وغیرہ تو نہیں ہوتا بلکہ صرف وہ دف بجاتے ہیں جس کی ایک طرف چمڑہ ہوتا ہے، آیا اس موقع پر جلوس میں اس قسم کا دف بجانا یا اور کوئی ڈھول وغیرہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دف ڈھول وغیرہ ناجائز ہے، سکب الانہر: ۲/ ۵۵۳ (۲)، دف کی اجازت بغرضِ اعلانِ نکاح شریعت نے دی ہے، عید کے روز اجازت نہیں دی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، سہارنپور، ۲/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) أنه (أی الدف) حرام عند أكثر المشايخ و ما ورد من ضرب الدف فی العرس فكناية عن الإعلان". (سكب الأنهر الدر المنتقی فی شرح الملتقی) علی هامش مجمع الأنهر للشيخ محمد بن علی الحصكفی، كتاب الكراهية، فصل فی المتفرقات: ۴/ ۲۲۲، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "(قوله ويندب اعلانه): أی إظهاره والضمير راجع إلی النكاح بمعنی العقد، لحديث الترمذی: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۸، سعيد)

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". هذا حديث حسن غريب". (جامع الترمذی، أبواب النكاح، باب ما جاء فی إعلان النكاح، ۱/ ۲۰۷، سعيد)

عید کے لئے قاضی کا جلوس

سوال[۳۹۵۵] : ایک قاضی گھوڑے پر چڑھ کر اور جلوس بنا کر نماز عید کے لئے جاتا ہے، اس کے آگے باجہ بجتا رہتا ہے، پٹاخے چلتے رہتے ہیں، لوگ ''اللہ اکبر'' اور ''قاضی زندہ باد'' کے نعرے بھی لگاتے ہیں، قاضی لوگوں کو ایسا کرنے سے نہیں روکتا بلکہ خود بھی چاہتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ کیا شریعت کی رو سے اس طرح نماز کے لئے جانے کی اجازت ہے؟ قاضی کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ برائے کرم شرعی فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہے، اس کی اصلاح لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۱۵ھ۔

بطورِ احتجاج عید کے روز نئے کپڑے نہ پہننا

سوال[۳۹۵۶] : عیدالفطر کے موقعہ پر مرادآباد کے ہولناک مسلم کش فساد کے بعد نوجوانوں میں ایک تحریک چلی ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر بطور احتجاج واظہار ہمدردی نئے کپڑے نہ پہنے جائیں بلکہ دھلے ہوئے کپڑے استعمال کئے جائیں جبکہ حدیث میں ہے کہ بہتر سے بہتر جو کپڑا تمہارے پاس ہو تو وہ پہنو، اس تحریک میں شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

---

(۱) ''عن نافع قال سمع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مزماراً، قال: فوضع إصبعیه علی أذنیه، ونأیٰ عن الطریق، و قال لی: یا نافع! هل تسمع شیئاً؟ قال: فقلت: لا، قال: فرفع إصبعیه من أذنیه، وقال: كنت مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نسمع مثل هذا فصنع مثل هذا''. (سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب کراهیة الغناء والزمر : ۲/۶۷۴، إمدادیه ملتان)

''قلت: استماع صوت الملاهی كضرب قصب و نحوه حرامٌ لقوله علیه السلام: '' استماع الملاهی معصیة، والجلوس علیها فسق، والتلذذ بها كفر'': أی بالنعمة، فصرف الجوارح إلی غیر ما خلق لأجله كفرٌ بالنعمة لا شكرٌ، فالواجب كل الواجب أن یجتنب كی لا یسمع''. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة : ۶/۳۴۹، سعید)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الهندیة، كتاب الكراهیة، الثالث فیما یتعلق بالمناهی : ۵/۳۵۹، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نئے کپڑے عید کے دن پہننا مستحب ہے واجب نہیں (۱)۔ اگر اس تحریک سے مظالم کا انسداد متوقع ہو تو شرعی قباحت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "وندب أن .... يلبس أحسن ثيابه: أى أجملها جديداً كان أو غسيلاً". (حاشية طحطاوى على المراقى، كتاب الصلوٰة، باب أحكام العيدين، ص: ۵۲۹، قديمى)

"وندب يوم الفطر ..... لبس أحسن ثيابه". (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب العيدين: ۱۶۸/۲، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدر المختار، باب العيدين: ۳۵۱/۱، دارالمعرفة بيروت)

(۲) "(عن) البراء بن عازب رضى الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبى صلى الله عليه وسلم بسبع ..... فذكر عيادة المريض ..... ونصر المظلوم". (صحيح البخارى، أبواب المظالم والقصاص، باب نصر المظلوم: ۳۳۱/۱، قديمى)

قال الحافظ رحمه الله: "هو فرض كفاية، وهو عام فى المظلومين، وكذالك فى الناصرين بناءً على أن فرض الكفاية مخاطب به الجميع، وهو الراجح". (فتح البارى، باب نصر المظلوم: ۱۲۵/۵، قديمى)

باب صلوة الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

نماز استسقاء کی شرائط

سوال[۳۹۵۷]: اکثر ضلعوں میں بارش ہے لیکن کچھ ضلعے ایسے ہیں جہاں بارش نہیں ہے، مثلاً جیسے ضلع رہتک یا اس کے اردگرد بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہے اور مویشیوں کی حالت تو قابلِ عبرت ہے، سننے میں یہ آیا ہے کہ ہزارہا مویشی زمین چاٹ چاٹ کر مر گئے کیونکہ پچھلے سال بھی بارش نہ ہونیکی وجہ سے کچھ پیداوار زیادہ نہ تھی اور اس سال بھی بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ قحط کی صورت ہوگئی۔ ایسی حالت میں نماز استسقاء کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جب تک شرائط نہ پائی جائیں نماز استسقاء جائز نہیں اور "مالا بدمنہ" فارسی کی عبارت پیش کرتا ہے، مالا بدمنہ مطبع مجیدی غالباً ص:۱۲ کے حاشیہ پر یہ عبارت موجود ہے جو نقل کی جاتی ہے وھو ھذا:

"واز شروطِ استسقاء آنست که درشدتِ ضرورت باشد یعنی بقدرِ کفِ دست اَبر در آسمان نباشد، ومستسقیان را دریاهاوانهار وچاههائے برائے آب نوشی خود ایشان و مواشئ ایشان نباشد، واگر باشد کافی نبود، والا جائز نیست"(۱).

وعالمگیری وغیرہ، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نہریں دریا کنویں نہ ہوں یا ہوں تو پانی کفایت نہ کرتا ہو تب نماز جائز ہے ورنہ نہیں (۲) اب قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ سخت ضرورت میں بشرطِ عدم جملہ شرائط مثلاً ابر بھی کچھ

---

(۱) (مالابدمنه للقاضي ثناء الله پاني پتي، كتاب الصلوة، طلبِ باران : ۷۳، رقم الحاشية : ۱، مير محمد كتب خانه، كراچي)

(۲) "إنما يكون الاستقاء في موضع لايكون لهم أو دية ولا أنهار وآبار يشربون منها ويسقون مواشيهم أو زروعهم، أو يكون لهم ولا يكفيهم ذالك. فأما إن كانت لهم أو دية وآبار وأنهار، فإن الناس لايخرجون =

ہو، دریاؤں میں نہروں میں پانی بھی ہو لیکن مویشیوں کو پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کنووں میں سے پانی چاہے نہ نکال سکتے ہوں تو ایسی صورت میں نماز استسقاء جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان مذکورہ شرائط کے ساتھ ہی جائز ہو تو احقر کو شبہ ہوتا ہے کہ تقریباً دس گیارہ سال ہوئے احقر نے سہارنپور میں نماز استسقاء پڑھی اور غالباً حضرت حافظ صاحب ناظم مدرسہ نے پڑھائی تھی، اس وقت دریاؤں میں، نہروں میں پانی نہ ہو یا ہو تو شاید ابر نہ ہو۔ (اعتراضاً تحریر نہیں کیا گیا) بلکہ غرض اس واقعہ گذشتہ سے یہ ہے کہ احقر کا خیال اور حافظہ میں اس وقت ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں تھی سوائے اس کے کہ جس طرح اس وقت بارش نہیں ہوتی اس وقت بھی بارش نہ ہوتی تھی، یا اگر کوئی سبب ہوگا تو یاد نہیں، شاید احقر کے حافظہ نے غلطی کی ہو، غرض! مفصل تحریر کیا جائے۔

بمقام سونی پت رہتک، محلّہ منڈی زیر قلعہ، بر مکان حاجی کریم الدین، عبدالرحیم پارچہ فروش۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بارش نہ ہو اور نہریں، کنویں وغیرہ بھی نہ ہوں یا کنویں وغیرہ ہوں مگر ان میں پانی بالکل نہ ہو، یا پانی ہو مگر بقدرِ حاجت نہ ہو یعنی خود پینے کے لئے جانوروں کو پلانے کے لئے کھیتی کرنے کیلئے کافی نہ ہو، تو اس وقت استسقاء مشروع ہے اور جب پانی بقدرِ کفایت موجود ہو تو مشروع نہیں:

”وشرعاً: طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بأن يحبس المطر، ولم يكن لهم أودية و ابار وأنهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم، أو كان ذلك إلا أنه لا يكفي، فإذا كان كافياً لا يستسقي، كما في المحيط، قهستاني، اهـ“. ردالمحتار: ۸۸۳/۱(۱)۔

= إلى الاستسقاء لأنها انما تكنو عند شدة الضرورة والحاجة كذا في المحيط“. (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع عشر في الاستقاء: ۱۵۴/۱، رشيديه)

(۱) (رد المحتار كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۱۸۴/۲، سعيد)

”عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: هلكت المواشي، و تقطعت السبل، فدعا فمُطِرنا من الجمعة إلى الجمعة ،ثم جاء فقال: تهدّمت البيوت، و تقطعت السبل، و هلكت المواشي، فقال: اللهم على الآكام والظِّراب والأودية ومنابت الشجر“ فانجابت عن المدينة انجياب الثوب“. (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب من اكتفى

جب رہتک میں یہ حالت ہے تو شرعاً وہاں صلوٰۃ استسقاء درست ہے کیونکہ پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے جب جانور زمین چاٹ چاٹ کر مر رہے ہیں تو اس قدر حاجت کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۶/۵۸ھ۔

الجواب الصواب: بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۳۹۵۸]: مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قریب ہی موضع بیناپارہ واقع ہے، وہاں لوگوں نے نمازِ استسقاء ادا کی، مولانا بدرالدین اصلاحی نے نماز پڑھائی اور جامعہ فاروقیہ میں دعا خوانی کی گئی، نماز ادا نہیں کی گئی بلکہ مولانا محمد یسین قاسمی مہتمم جامعہ ہذا و مولانا ظفر علی قاسمی جو کہ قریب ۳۰/ سال سے مدرسہ میں عربی کی تعلیم دے رہے ہیں، انہوں نے اعلان کی کہ استسقاء کی نماز ادا نہیں کی جائے گی، صرف دعا خوانی ہوگی اس لئے کہ شرائط نہیں پائے جاتے اور فضا کا اس وقت یہ عالم تھا کہ بادل خوب گھرا ہوا تھا، مگر بارش ایک قطرہ نہیں ہوئی، بلکہ دھوپ سے مکئی وغیرہ سوکھ رہی تھی اور جو شرطیں مالا بدمنہ میں ذکر ہیں وہ بھی نہیں پائی جاتی تھیں، جیسا کہ مالا بدمنہ، ص:۸ میں ہے:

"واز شرطِ استسقاء آنست کہ دردشت ضرورت باشد یعنی بقدرِ کفِ دست ابر در آسمان نباشد،.............. برائے آب نوشیٔ خود ایشان ومواشی ایشان نباشد، واگر باشد کافی نبود، وإلا جائز نیست"(۱). عالمگیریه أیضاً.

= بصلوۃ الجمعة في الاستسقاء: ۱/۱۳۸، قدیمی)

"وإنما يكون الاستسقاء في موضع لا يكون لهم أودية ولا أنهار و آبار يشربون منها و يسقون مواشيهم أو زرعهم، أو يكون و لا يكفيهم ذلك، فأما إذا كانت لهم أودية و آبار وأنهار، فإن الناس لا يخرجون إلى الاستسقاء؛ لأنها إنما تكون عند شدة الضرورة والحاجة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الإستسقاء: ۱/۱۵۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإستسقاء، ص:۵۴۸، قديمي)

(۱) (مالا بدمنه للقاضي ثناء الله پاني پتي، كتاب الصلوة، بيانِ طلبِ باران، ص: ۷۳، رقم الحاشية: ۱، مير محمد كتب خانه، كراچي)

حالانکہ اس وقت پانی وغیرہ کی کھانے پینے میں بہت فراوانی تھی اور آسمان ابر آلود بھی بہت تھا تو بھی نماز ادا کی۔ مفتیانِ دین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فتویٰ دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پانی کی قلت کی وجہ سے آدمیوں، جانوروں، کھیتوں کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو استسقاء درست اور ثابت ہے، اس کے لئے دعاء بھی ثابت ہے اور نماز بھی، کسی اختلاف اور نزاع کی ضرورت نہیں، آپس کے نزاعات کو ایسے وقت میں سامنے لاکر انتشار پھیلانے سے توجہ الی اللہ نہیں ہوتی، توجہ الی الناس ہی رہتی ہے۔

احادیث میں موجود ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کے وقت کسی نے آکر پانی کی قلت کی شکایت کی جب ہی دعاء فرمائی حالانکہ آسمان پر بالکل بادل نہیں تھا، مگر فوراً بارش ہوگئی، ہفتہ تک بارش رہی (۱)۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً دخل المسجد يوم الجمعة من باب كان نحو دار القضاء ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم قائماً، ثم قال: يارسول الله! هلكتِ الأموال، وانقطعت السبل، فادع الله يغيثنا، فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه، ثم قال: "أللهم أغثنا، أللهم أغثنا". قال أنس رضي الله تعالىٰ عنه: ولا والله! مانرى في السماء من سحاب ولاقزعة، وما بيننا وبين سلع من بيت ولادار، قال: فطلعت من ورائه سحابة مثل الترس، فلما توسطت انتشرت، ثم أمطرت، فلا والله! مارأينا الشمس سبتاً. ثم دخل رجلٌ من ذلك الباب في الجمعة ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قائم يخطب، فاستقبله قائماً فقال: يارسول الله! هلكتِ الأموال وانقطعت السبل، فادع الله يمسكها عنا، قال: فرفع رسول الله يديه، ثم قال: "أللهم حوالينا، ولا علينا، أللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر". قال: فأقلعت وخرجنا نمشي في الشمس". (صحيح البخاري، أبواب الاستسقاء، باب الاستسقاء في خطبة الجمعة غير مستقبل القبلة: ۱/۱۳۸، قديمي)

"وشرعاً: طلب إنزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بأن يحبس المطر، ولم يكن لهم أودية وآبار وأنهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم، أو كان ذلك، إلا أنه لايكفي، فإذا كان كافياً لايستسقي، كما في المحيط". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: ۲/۱۸۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في الاستسقاء: ۱/۱۵۴، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء، ص: ۵۴۸، قديمي)

حاشیہ مالا بدمنہ سے جو بادل ہونے کی شرط کو لکھا گیا ہے وہ شرط فتاویٰ عالمگیری میں مجھے نہیں ملی (۱)۔ جس وقت دعاء کی گئی اس وقت کا حال راوی نے بیان کیا اور سرعتِ اجابتِ دعا کے ذیل میں ہے کہ بادل موجود نہ ہونے کے باوجود فوراً بارش شروع ہوگئی، نہ کہ یہ استسقاء کے لئے شرط ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "بظاہر عالمگیری کی یہ عبارت مراد ہے: "إنما يكون الاستقاء في موضع لايكون لهم أودية ولا أنهار وآبار يشربون منها ويسقون مواشيهم أو زروعهم، أو يكون لهم ولا يكفيهم ذالک، فأما إذا كانت لهم أودية وآبار وأنهار، فإن الناس لايخرجون إلى الاستقاء؛ لأنها إنما تكون عند شدة الضرورة والحاجة، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب التاسع عشر في الاستقاء: ۱/۱۵۴، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: شكى الناس إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محوط العطر، فأمر بمنبر .... فخرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين بدا حاجب الشمس، فقعد على المنبر، فكبر وحمدالله .... فصلى ركعتين، فأنشا الله بسحابةً فرعدت وبرقت ثم أمطرت بإذن الله فلم يأت مسجده حتى سالت السيول فلما رأى سرعتهم إلى الكنّ ضحك حتى بدت نواجذه .... اهـ".

"ضحك حتى بدت نواجذه": أي آخر أضراسه، وكان ضحكه تعجباً من طلبهم المطر اضطراراً، ثم طلبهم الكن عنه قراراً، ومن عظيم قدرة الله تعالىٰ والظهار قربة رسوله، وصدقة بإجابة دعائه سريعاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الاستقاء: ۳/۲۱۵-۲۱۸، رشيديه)

باب الجنائز

کیا اچانک موت کا آنا بُری موت کی علامت ہے؟

سوال[۳۹۵۹] : ہارٹ فیل ہو جانا کیا بُری موت کی علامت ہے؟

حاجی عبدالمجید ڈرائیور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے، کیونکہ اس سے اکثر ادائے حقوق، توبہ، معافی وغیرہ کا موقع نہیں ملتا(۱)۔ فقط۔

روح نکلنے کے بعد میت کے پیر قبلہ کی طرف کرنا

سوال[۳۹۶۰] : کسی مسلمان کی روح نکلنے کے بعد اس کو کس سمت رکھا جائے؟ ہمارے یہاں عام رواج یہ ہے کہ روح نکلنے کے بعد اس کے پیر کو قبلہ رُخ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے چہرہ کا رخ قبلہ کی

---

(۱) "عن عبيد بن خالد السلمي رجل من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال مرةً: عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم قال مرةً: عن عبيد قال: "موت الفجاءة أخذة أسف". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة : ۲/۸۷، إمداديه)

"بفتح السين و كسرها، فبالفتح معناه: أخذة غضبٍ، وبالكسر معناه: أخذة غضبان، فمعنى الكلام: موت الفجأة أثر غضبه تعالىٰ حيث لم يتركه للتوبة، وأعدم زاد الآخرة، و لم يمرّضه ليكفّر ذنوبه، و لذلک تعوّذ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- من موت الفجأة". (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة : ۵/۱۸۲، إمداديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب تمني الموت و ذكره، الفصل الثاني، (رقم الحديث : ۱۶۱۱): ۴/۷۷، رشيديه)

طرف ہوجاتا ہے جب کہ زندگی میں قبلہ کی جانب پیر پھیلا کر سونے یا بیٹھنے کی ممانعت کی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روح جسم سے نکل جانے کے بعد میت کے پیر کو قبلہ کی طرف کر دینے کا رواج شرعاً بے اصل اور غلط ہے، ہاں! موت سے پہلے جب موت کے آثار شروع ہوجائیں تو اس وقت اس کا سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف، رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، یہی افضل اور سنت طریقہ ہے اگر چہ کسی مصلحت کی خاطر کوئی دوسری صورت بھی درست ہے:

”و یسن توجیه المحتضر: أی من قَرُب من الموت علی یمینه؛ لأنه السنة، وجاز الاستلقاء علی ظهره؛ لأنه أیسر لمعالجته، و لکن یرفع رأسه قلیلاً لیصیر وجهه إلی القبلة دون السماء“. مراقی الفلاح، ص: ۳۰۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۵ھ۔

موت کے وقت سر کدھر ہو اور پیر کدھر ہو؟

سوال[۳۹۲۱]: موت کے وقت سر پورب اور پیر پچھم (۲) کی طرف کر کے لٹاتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، باب أحکام الجنائز: ۵۵۸، قدیمی)

”(یوجه المحتضر) و علامته استرخاء قدمیه واعوجاج منخره وانخساف صدغیه (القبلة) علی یمینه هو السنة. (وجاز الاستلقاء) علی ظهره (و قدماه إلیها) و هو المعتاد فی زماننا (و) لکن (یرفع رأسه) لیتوجه للقبلة (وقیل: یوضع کما تیسر علی الأصح) صححه فی المبتغی. (وإن شق علیه، ترک علی حاله)“. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۸۹/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۹۸/۲، رشیدیه)

(کذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلوة، فصل فی الجنائز، ص: ۵۷۶، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۲) ”پورب: مشرق“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز، لاہور)

”پچھم: مغرب“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۰، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداًومصلياً:

اس کی بھی گنجائش ہے کہ مرتے وقت سر پورب کی طرف کیا جائے لیکن سر کو تکیہ کے ذریعہ ذرا اونچا کردیا جائے، اعلی بات یہ ہے کہ سر شمال کی طرف ہواور پیر جنوب کی طرف کردیں اور چہرہ قبلہ کی طرف رہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

میت کے پاس تلاوت کا حکم

سوال[۳۹۶۲]: زید کا انتقال ہوگیا،اب اس کے سرہانے یااس کے پاس تلاوت قرآن غسل کے وقت تک کرنا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مکروہ ہے،کچھ فاصلہ پر تلاوت کی جائے،رد المحتار: ۱/ ۸۹۲ (۲)۔

---

(۱) "و يسن توجيه المحتضر: أى من قرب من الموت على يمينه؛ لأنه السنة. و جاز الاستلقاء إلى ظهره؛ لأنه أيسر لمعالجته، و لكن يرفع رأسه قليلاً، ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء". (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۵۸، قديمى)

"(يوجه المحتضر) -وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه- (القبلة على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء) على ظهره (و قدماه إليها) و هو المعتاد فى زماننا (و) لكن (يرفع رأسه) ليتوجه للقبلة (وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح) صححه فى المبتغى. (وإن شق عليه، ترك على حاله)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱۸۹/۲، سعيد)

(و كذا فى البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۹۸/۲، رشيديه)

(و كذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، فصل فى الجنائز، ص: ۵۷۶، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "وذكر ط أن محل الكراهة إذا كان قريباً منه، أما إذا بَعُد عنه بالقراء ة فلا كراهة، الخ".

(ردالمحتار: ۱۹۴/۲، مطلب فى القراء ة عند الميت، سعيد)

(و كذا فى الفتاوى العالمكيرية : ۱۵۷/۱، الفصل الأول فى المحتضر ، رشيديه)

(و كذا فى الحلبى الكبير، ص:۵۷۷ ، فصل فى الجنائز ، سهيل اكيڈمى لاهور)

میت کے ارد گرد میں قرآن پڑھنا

سوال[۳۹۶۳]: اگر کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے دفن کرنے سے پہلے اس آدمی کو رکھ کر اس کے ادھر ادھر اور روبرو قرآن پاک کو پڑھا جاتا ہے، جس آدمی نے ساری عمر دین کا کوئی کام نہ کیا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس قرآن کے دَور کی وجہ سے میری معافی ہوجائے گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ عقیدہ اور طریقہ غلط ہے، اور بے دلیل ہے بلکہ خلافِ اصول ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کے قریب اگربتی سلگانا

سوال[۳۹۶۴]: میت کے قریب اگربتی سلگانا کیسا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تشبہ بالنار ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت میں بدبو پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسلئے اس کو غسل دینے سے پہلے تختہ کو خوشبو کی دھونی دی

---

(۱) اصول جو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب میت کی نزع کی حالت شروع ہوجائے تو اس وقت اس کے قریب بیٹھ کر آرام آرام سے سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی جائے اس سے اس کی نزعِ روح میں آسانی ہوتی ہے:

"أخرج ابن أبي الدنيا والديلمي عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما من ميت يقرأ عند رأسه سورة "يس" إلا هوّن الله عليه". و في رواية صحيحة أيضاً: "يٰسٓ قلب القرآن، لا يقرأها عبدٌ يريد الدار الآخرة إلا غفر الله له ما تقدم من ذنبه، فاقرأوها على موتاكم". قال ابن حبان: المراد به من حضره الموت. و يؤيده ما أخرجه ابن أبي الدنيا وابن مردوية: "ما من ميت يقرأ عنده يٰس، إلا هوّن الله عليه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند من حضره الموت، الفصل الثاني: ۴/۹۰، رقم الحديث: ۱۶۲۲، رشيديه)

(وكذا في إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ما يقال عند المريض إذا حضر، (رقم الحاشية: ۲، ص: ۱۰۴، قديمي)

جاتی ہے، یہ مسئلہ عام کتب فقہ میں درج ہے، اس میں تشبہ بالنار نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۶/۲۵ھ۔

مرنے کے بعد بیوی کا منہ دیکھنا

سوال [۳۹۶۵]: زید اپنی زوجہ کا انتقال کے بعد قبل از دفن چہرہ دیکھنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دیکھنے کا حق ہے مگر جسم کو ہاتھ نہ لگائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے

سوال [۳۹۶۶]: لوگوں میں مشہور ہے کہ جب کسی کافر کے مرنے کی خبر سنے یا لاش لے جاتے ہوئے دیکھے تو ﴿فی نار جهنم خالدين فيها أبدا﴾ پڑھنا چاہئے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "(ويوضع) كمامات (كماتيسر) في الأصح (على سرير مجمّر وتراً) إلى سبع فقط". (الدرالمختار). وفي رد المحتار: "(قوله: مجمّر): أي مبخّر، و فيه إشارة إلى أن السرير مجمر، قيل: وضعه عليه تعظيماً وإزالةً للرائحة الكريهة" (باب الجنازة: ۲/۱۹۵، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "يوضع على سرير مجمّر و تراً قبل وضع الميت عليه". (كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلاة الجنازة: ۲/۳۰۰، رشيديه)

(۲) قال الحصكفي رحمه الله: "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لامن النظر إليها على الأصح، منية".

(الدرالمختار على ردالمحتار: ۲/۱۹۸، باب صلاة الجنازة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۶۰، الفصل الثاني في الغسل، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۱۴۸۴، باب صلاة الجنازة ثانيا صفة الغاسل، رشيديه)

(وكذا في أحسن الفتاوىٰ: ۴/۲۲۵، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے فقہ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

غیر مسلم میت کی خبر سننے پر کیا پڑھے؟

سوال [۳۹۶۷]: غیر مسلم کی میت کی خبر سن کر یا میت دیکھ کر کوئی مسلمان ﴿إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ پڑھتا ہے، درست ہے یا نہیں، یا اَور کوئی کلمہ پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی میت کی خبر ملے یا کوئی بھی میت سامنے ملے، مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کو دیکھ کر اپنی موت کو یاد

---

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمد للہ پڑھنا چاہیے:

قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا استويت أنت ومن معك على الفلك، فقل الحمد لله الذى نجانا من القوم الظالمين﴾. (سورۂ مؤمنون، پ: ۱۸، آیت: ۲۸)

"فإن الحمد على الإنجاء منهم متضمنٌ للحمد على إهلاكهم، وإنما قيل: ماذكر، ولم يقل: فقل الحمد لله الذى أهلك القوم الظالمين؛ لأن نعمة الإنجاء أتم .... وأنت تعلم أن الحمد هنا رديف الشكر، فإذا خص بالنعمة الواصلة إلى الشاكر، لايصح أن يتعلق بالمصيبة من حيث أنها مصيبة، وهو ظاهر، وفى أمره عليه السلام بالحمد على نجاة أتباعه إشارة إلى أنه نعمة عليه أيضاً". (روح المعاني: ۱۸/۲۷، ۲۸، دار احياء التراث العربي، بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿فقطع دابر القوم الذين ظلموا، والحمد الله رب العالمين﴾. (سورة الأنعام، پ: ۷، آية: ۴۵)

"على ماجرى عليهم من النكال والإهلاك، فإن إهلاك الكفار والعصاة من حيث أنه تخليص لأهل الأرض من شؤم عقائدهم الفاسدة وأعمالهم الخبيثة نعمةٌ جليلةٌ يحق أن يحمد عليها، فهذا منه تعالىٰ تعليم العباد أن يحمدوه على مثل ذلك، واختار الطبرسى أنه حمدٌ منه عزاسمه لنفسه على ذلك الفعل". (روح المعاني: ۷/۱۵۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

کرنا چاہئے، جس کے بہتر الفاظ یہ ہیں: ﴿إناللّٰه وإنا إليه راجعون﴾ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کے قریب غیر مسلم عورتوں کا آ کر بیٹھنا

سوال[۳۹۶۸]: میت کے روز میت والے کے گھر پر غیر مسلم ہندو عورتیں آتی ہیں اور مُردے کے پاس بیٹھتی ہیں اور تعزیت کرتی ہیں۔ کیا ان عورتوں کو میت کے مکان میں داخل ہونے دینا چاہئے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان ہندو عورتوں کو وہاں سے علیحدہ کر دیا جائے، کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۸ (۲) چونکہ وہ وقتِ نزولِ رحمت کا ہے اور غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۷ھ۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاُولیٰ/ ۵۷ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) کافر کی موت کی خبر سننے پر الحمدللہ پڑھنا چاہئے۔ (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''کافر کے مرنے کی خبر پر کیا پڑھے''؟)

(۲) ''(واختلفوا في إخراج الحائض والنفساء) و الجنب (من عنده)، وجه الإخراج امتناع حضور الملائكة محلاً به حائض أو نفساء، الخ''. (مراقي الفلاح). وفي حاشية الطحطاوي: ''ونص بعضهم على إخراج الكافر أيضاً، وهو حسنٌ''. (كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز: ۵۶۳، قديمي)

(۳) ''عن ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه، قال: خرجنا مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في جنازة، فرآى ناساً رُكباناً، فقال: ''لا تستحيون إن ملائكة الله على أقدامهم، و أنتم على ظهور الدواب''. (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعيد)

قال الملا علي القاري حديث ثوبان رضي الله تعالىٰ عنه: ''يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلك عام مع المسلمين بالرحمة و مع الكفار باللعنة''. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثاني: ۴/۱۶۰، رشيديه)

الفصل الأول فی غسلِ المیت

(میت کوغسل دینے کا بیان)

میت کوغسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہو؟

سوال[۳۹۶۹]: میت کوغسل دینے کے وقت اس کے پاؤں کس طرف کرنا چاہئے، اگر قبلے کی طرف کئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس طرف سہولت ہو اگر قبلے کی طرف پاؤں ہو جائیں تو یہ بھی گناہ نہیں:

"و یوضع المیت کیف مااتفق علی الأصح، قاله شمس الأئمة السرخسی. وقیل: عرضاً، وقیل: إلی القبلة، فتکون رجلاه إلیها کالمریض إذا أراد الصلوة إیماء. وفی القهستانی عن المحیط وغیره: انه السنة اهـ". طحطاوی، ص: ۳۱۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۶۷، قدیمی)

"(ویوضع کما مات کما تیسر) فی الأصح (علی سریر مجمّر وتراً)". (الدرالمختار).

"(قوله: فی الأصح) و قیل: یوضع إلی القبلة طولاً، و قیل: عرضاً کما فی قبره". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۹۵/۲، سعید)

"و کیفیة الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً کمافی حالة المرض إذا أراد الصلاة بإیماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً کمایوضع فی القبر، والأصح أنه یوضع کما تیسر". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۰/۲، رشیدیه)

ایضاً

سوال[۳۹۷۰]: زید کہتا ہے: میت کو غسل دیتے وقت اس کے پاؤں کو قبلہ رخ ہونا چاہئے اس لئے کہ جب مُردے اٹھائے جائیں گے تو ان کا رخ قبلہ رخ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دیتے وقت تختہ پر رکھنے کی دوصورتیں ہیں: ایک تو قبلہ کی جانب پاؤں کر کے لٹانا اور دوسرے قبلہ کی طرف منہ کرنا جیسے کہ قبر میں رکھتے ہیں، جوصورت بھی آسان ہو اس کو اختیار کرلیں تو دونوں جائز ہیں:

"وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كمافي حالة المرض إذا أراد الصلوة بإيماء، و منهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر، كذا في الظهيرية". عالمگیری: ۱۵۷/۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غسلِ میت کے وقت پیر کس طرف ہوں اور غیر مستنجی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۷۱]: مُردہ کو غسل دینے کا کیا طریقہ ہے، اگر لحد مشرق ومغرب کو کھودی تو سر، پیر کس

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱۵۸/۱، رشيديه)

"ثم لم يذكر في ظاهر الرواية كيفية وضع التخت أنه يوضع إلى القبلة طولاً أو عرضاً، فمن أصحابنا من اختار الوضع طولاً كما يفعل في مرضه إذا أراد الصلاة بالإيماء، و منهم من اختار الوضع عرضاً كما يوضع في قبره، والأصح أنه يوضع كما تيسر؛ لأن ذلك يختلف باختلاف المواضع". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية الغسل: ۲۵/۲، رشيديه)

"(ويوضع كما مات، كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمّر وتراً)". (الدرالمختار).

"(قوله: في الأصح) و قيل: يوضع إلى القبلة طولاً، وقيل: عرضاً كما في قبره". (ردالمحتار كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۹۵/۲، سعيد)

طرف ہونے چاہئے، اور لحد جنوب وشمال کھودی جائے تو سر، پیر کس طرف ہونے چاہئے؟ جو آدمی استنجا نہیں سکھاتا ہے، کیا وہ شخص جانور حلال کرسکتا ہے یا نہیں؟ شرع کا پابند بھی نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو غسل دینے کے لئے جس طرح سہولت ہو درست ہے، مشرق ومغرب ہو تو پیر مشرق کی طرف بھی کر سکتے ہیں، شمال وجنوب ہو تو پیر جنوب کی طرف مناسب ہے(۱)۔ ہر مسلمان کا ذبیحہ درست ہے جب کہ وہ شرعی قاعدہ سے ذبح کرے، احکامِ شرع جس قدر آدمی ترک کرتا ہے اسی قدر وہ جواب دِہ اور گناہگار ہے اس لئے پابندی لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

میت کا غسل کے بعد پیر کدھر ہوں؟

سوال[۳۹۷۲]: (الف) میت کو غسل سے قبل چارپائی میں کس رخ لٹایا جائے یعنی سر اور پیر کس سمت ہو؟

(ب) غسل کے وقت کس سمت پر سر رکھا جائے؟

(ج) غسل کے بعد جنازہ لے جانے سے قبل میت کو چارپائی پر کس رخ رکھا جائے یعنی سر اور پیر کس سمت ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) انتقال سے پہلے شمال کی طرف سر اور جنوب کی طرف پیر کر کے قبلہ رخ کر دیا جائے پھر اسی طرح پر رہے(۳)۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''میت کو غسل دیتے وقت پاؤں کس طرف ہوں''؟)

(۲) "و شرط كون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم". (الدر المختار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۲، سعيد)

"قالَ: وحل ذبيحة مسلم و كتابيّ، لما تلونا الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ۴۴۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "(ويوضع كما مات، كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمّر وتراً)". (الدر المختار). "(قوله: في الأصح) و قيل: يوضع إلى القبلة طولاً، و قيل: عرضاً كما في قبره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، =

(ب) جس رخ پر موقع کے لحاظ سے آسان ومناسب ہو۔

(ج) قبلہ رخ ہو تو بہتر ہے جیسا کہ اوپر والے جواب میں مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۳/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۹۲/۳/۶ھ۔

غسلِ میت کے لئے نیت ضروری نہیں

سوال[۳۹۷۳]: میت کو غسل دینے کے لئے نیت عربی میں تحریر فرمائیں، نیز میت کے غسل دینے والے پر ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت پر تین دفعہ پانی بہادیا اور کوئی جگہ اس کی خشک نہ رہی تو غسل ہو گیا، نیت کی ہو یا نہ کی ہو(۲)، نیز

= باب الجنائز : ۱۹۵/۲، سعید)

"وكيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كمافي حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء، ومنهم من اختار الوضع عرضاً كمايوضع في القبر، والأصح أنه يوضع كما تيسر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۰۰/۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۵٦۷، قديمي)

(۱) "(ويوضع كما مات، كما تيسر) في الأصح (على سرير مجمَّر وتراً)". (الدرالمختار). "(قوله : في الأصح) و قيل: يوضع إلى القبلة طولاً، و قيل: عرضاً كما في قبره". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱۹۵/۲، سعيد)

(۲) "فتلخص : أنه لابدّ في إسقاط الفرض من الفعل، وأما النية فشرطٌ لتحصيل الثواب، و لذا صح تغسيل الذمية زوجها المسلم مع أن النية شرطها الإسلام، فيسقط الفرض عنا بفعلنا بدون نية". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲۰۰/۲، سعيد)

"ميتٌ غسله أهله من غير نية الغسل، أجزأهم ذلك". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت و ما يتعلق به الخ : ۱۸۷/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۰۴/۲، رشيديه)

نہ عربی زبان میں الفاظ کا کہنا لازم ہے نہ کسی اَور زبان میں، نیت تو ارادۂ قلبی کا نام ہے، اسی طرح نیت کرلی جائے کہ میت کو غسل دینا ہمارے اوپر لازم ہے اس لئے غسل دیتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کو پابندِ شرع غسل دے

سوال [۳۹۷۴]: بے نمازی آدمی مسلمان میت کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جب نمازی آدمی موجود ہیں اور پھر وہ نماز جنازہ بھی نہ پڑھے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل تو اس کے دینے سے بھی ہوجائے گا، مگر بہتر یہ ہے کہ نمازی آدمی اور پابند شریعت غسل دے (۲)۔ بے نمازی کا نماز نہ پڑھنا گناہ کبیرہ ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟

سوال [۳۹۷۵]: اکثر عورتیں شوہر کے مرنے کے بعد اپنے شوہر کو ہاتھ نہیں لگاتی ہیں، جہلا عورتوں

---

(۱) "(و) الخامس (النية) بالإجماع (و هي الإرادة) .... والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة)، فلا عبرة للذكر باللسان، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۱۴/۱، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الفصل الرابع في النية: ۶۵/۱، رشيديه)

(۲) "يغسله أقرب الناس إليه، وإلا فأهل الأمانة والورع". (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۷۰، قديمى)

"والأولى كونه أقرب الناس إليه، فإن لم يحسن الغسل، فأهل الأمانة والورع". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۶/۲، مكتبه رشيديه)

(۳) "عن عبيدة رضي الله تعالىٰ عنه: إن العهد الذى بيننا و بينهم الصلاة، فمن تركها، فقد كفر". (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة: ۸۱/۱، قديمى)

"عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلاة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: ۶۱/۱، قديمى)

کا خیال ہے کہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ عورتیں ایامِ عدت میں شوہر کی زوجیت میں چار ماہ اور دس دن اس کے نکاح میں رہتی ہیں، اس لئے ضرورت کے وقت شوہر کو غسل بھی دے سکتی ہیں تو پھر کس طرح چھونے سے پرہیز کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا یہ خیال غلط ہے بلکہ عورت کے لئے شرعاً جائز ہے کہ شوہر کو بعد موت کے کفن اور غسل دے، دلیل وہی ہے جو آپ نے لکھی ہے، کذا فی ردالمحتار: ۵۷٦ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

سوال [۳۹۷٦]: بیوی کے مرنے کے بعد چونکہ شوہر سے زوجیت کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے بعض کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رشتہ منقطع ہو گیا تو بیوی کے مرنے کے بعد اس کو منہ نہیں دیکھتے نہ گھر میں اور نہ قبر میں اور نہ بیوی کو کاندھا دیتے ہیں اور نہ بیوی کو قبر میں اتارتے ہیں اور نہ بیوی کو چھوتے ہیں، یہ سب افعال شوہر کو بیوی کے مرنے کے بعد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا شوہر کا شمار بھی غیر محرم میں ہو جاتا ہے بیوی کے مرنے کے بعد، یا اس کا شمار محرم میں رہتا ہے اور وہ سب افعال کر سکتا ہے، مثلاً قبر میں اتارنا، منہ دیکھنا، کاندھا دینا، بوقتِ ضرورت غسل دینا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

منہ دیکھنے کی اجازت ہے، ہاتھ لگانے کی نہیں، غسل دینا بھی درست نہیں کاندھا دینا محرم اور غیر محرم سب

---

(۱) "عن ابن أبي مليكة: "أن امرأة أبي بكر غسلته حين توفي، أوصى بذلك". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز، باب المرأة تغسل الرجل، (رقم الحديث: ٦١١٧): ٣/٤٠٨، المكتب الإسلامي)

"و يمنع زوجها من غسلها .... و هي لا تمنع من ذلك) و لو ذمية بشرط بقاء الزوجية".

(الدر المختار، كتاب الصلاة باب الجنائز: ٢/١٩٨، سعيد)

"والزوجة تغسل زوجها دخل بها أولا بشرط بقاء الزوجية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣٠٦، رشيديه)

مزید دلائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان الكلام فيمن يغسل: ٢/٣٣، رشيديه)

کو درست ہے، اگر ضرورت ہو تو قبر میں اتارنا بھی شرعاً درست ہے۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک غسل دینا بھی درست ہے اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے، دلائل دونوں فریق کے پاس موجود ہیں، حنفیہ کا مسلک احتیاط کے زیادہ قریب ہے، کذا فی رد المحتار: ۱/۵۷۵ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا؟

سوال [۳۹۷۷]: کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وفات بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا تھا، اگر غسل دیا تھا تو کوئی خاص وجہ تھی یا عام حکم ہے، یا بوجہ زوجیت ان کا رشتہ تا قیامت منقطع نہیں ہوا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً: اس روایت میں کلام ہے (۲)، ثانیاً: اس کا محمل انتظام واہتمام ہے، ثالثاً: یہ خصوصیتِ مقام ہے،

---

(۱) "و یمنع زوجها من غسلها و مسها، لا من النظر إليها على الأصح". (الدرالمختار). "وقالت الثلاثة: يجوز؛ لأن علياً رضی الله تعالیٰ عنه غسل فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها، قلنا: هذا محمول على بقاء الزوجية، لقوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "كل سبب و نسب ينقطع بالموت إلاسببي و نسبي". مع أن بعض الصحابة أنكر عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۱۹۸/۲، سعيد)

"ولا يغسل الرجل زوجته، و الزوجة تغسل زوجها دخل بها أو لا بشرط بقاء الزوجية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۶/۲، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: وأمابيان الكلام فيمن يغسل: ۳۵/۲، رشيديه)

(۲) "إن أحمد والشافعي يحتجّان في جواز غسل زوجته بأن علياً رضی الله تعالیٰ عنه غسل فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها- رداً على أبي حنيفة .... قلت: و رواه عبد الرزاق في مصنفه بسند ضعيف و منقطع". (نصب الراية لأحاديث الهداية للعلامة الزيلعي، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۵۰/۲، ۲۵۱، مؤسسة الريان المكتبة المكية)

"يجوز أن تغسل المرأة زوجها بالإجماع، أما غسله زوجته فغير جائز عندنا، وهو قول الثورى و الأوزاعي خلافاً للثلاثة، احتجوا .... و روى البيهقي وأبو الفرج عن فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت لأسماء بنت عميس: يأأسماء، إذا مِتُّ فاغسليني أنت و عليّ، فغسلا ها. قال أبو الفرج في =

جس کا اظہار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کذا فی رد المحتار:

"ألا ترىٰ ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه لما اعترض عليه بذلك أجابه بقوله: أما علمت أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها زوجتك في الدنيا والآخرة". فادعاؤه الخصوصية دليلٌ على أن المذهب عندهم عدم الجواز". شامية: ١/٥٧٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۶۱ھ۔

عورت کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت نہ ہو تو تیمم کرا دیا جائے

سوال[۳۹۷۸]: عورت کے انتقال پر کوئی عورت نہ ہو تو اگر کسی مرد نے غسل کرا دیا تو گنہگار رہو گا یا نہیں جب کہ ہاتھ میں کچھ فاصلہ بھی نہیں رکھا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی اجازت نہیں، توبہ واستغفار لازم ہے، ایسی حالت میں تیمم کرا دینے کا حکم ہے۔ اگر محرم ہو تو بلا کپڑے کے تیمم کرا دے، ورنہ کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر تیمم کرائے: "لو ماتت امرأة مع الرجال تيمموها كعكسه بخرقة، وإن وجد ذو رحم محرم تيمم بلا خرقة، اهـ". نور الإيضاح(٢)۔

= إسناده عبد الله بن نافع، قال يحيى: ليس بشيء، وقال النسائي: متروك. ورووا أحاديث أخرَ ليس فيها ما يعتمد عليه على أنه لو ثبت لم يكن فيه دلالة؛ لأن الغسل مما يضاف إلى السبب إضافة مشهورة تقرب من الحقيقة في كثرة الاستعمال والشهرة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ٦٠٤، سهيل اكيڈمى)

(١) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١٩٨/٢، سعيد)

(٢) (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ٥٧٢، ٥٧٣، قديمي)

"عن سعيد بن المسيب أنه قال: إذا ماتت المرأة مع الرجال ليس معهم امرأة، قال: ييمّمونها =

دائی کا میت کو غسل دینا

سوال[۳۹۷۹]: مسلم دائی سے مُردہ عورت کو غسل کرانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسلم دائی سنت کے مطابق غسل دیتی ہے تو یہ درست ہے، اعلیٰ بات یہ ہے کہ گھر کی مستورات خود ہی غسل دیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۷/۲۹ھ۔

میت کو فقیروں کے ذریعہ غسل دلانا

سوال[۳۹۸۰]: ہمارے یہاں دستور ہے کہ میت کو فقیروں سے غسل دلاتے ہیں اوران کو نماز و غسل کی خود بھی توفیق نہیں ہوتی، قطعی بے دین ہوتے ہیں اوران کو کافی معاوضہ دیتے ہیں۔کیا یہ طریقہ درست ہے؟

= بالصعيد، ولا يغسلونها". الحديث. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، ما قالوا في الرجل يموت مع النساء و ليس معهن رجل الخ، (رقم الحديث : ۱۰۹۶۳): ۲/۴۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"ماتت بين رجال أو هو بين نساء ييمّمه المحرم، فإن لم يكن فالأجنبي بخرقة".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز : ۲/۲۰۱، سعيد)

"لو ماتت امرأة بين الرجال الأجانب، ييممها رجل بخرقة و لا يمسها". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة ، فصل في الجنائز، ص: ۵۷۷، سهيل اكيڈمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة ، باب الجنائز ، فصل: وأمابيان الكلام فيمن يغسل : ۲/۳۴، رشيديه)

(۱) "والأولى كونه أقرب الناس إليه، فإن لم يحسن الغسل فأهل الأمانة والورع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز : ۲/۲۰۲، سعيد)

"و أما ما يستحب للغاسل فالأولى أن يكون أقرب الناس إلى الميت، فإن لم يعلم الغسل فأهل الأمانة والورع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة ، باب الجنائز : ۲/۳۰۶، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة ، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل : ۱/۱۵۹، رشيديه)

الجواب حامداًو مصلیاً:

میت کوغسل فقیروں سے دلانا جب کہ وہ ناواقف ہوں، قبیح و مذموم ہے، میت کی حق تلفی ہے، اہلِ میت علماء اس کوغسل دیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۹ھ۔

فقیر کی بیوی کوغسلِ میت پر مجبور کرنا

سوال[۳۹۸۱]: اگر کسی بستی میں میت کوغسل دینے والا فقیر بستی سے دور رہتا ہو اور وہ زنانہ غسل پر مجبور ہو جاوے کہ اس کے پاس اس کی پردہ نشین بیوی کے سوا کوئی نہ ہو تو کیا وہ پردہ نشین بیوی کو مجبوراً غسل دینے کے لئے لیجا سکتا ہے جب کہ وہ خود رضامند نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل دینا فرض کفایہ ہے(۲) اگر اور بھی غسل دے سکتے ہوں تو اس پر جبر جائز نہیں، غسل دینا مشکل کام نہیں کہ سب نے ایک کے سر رکھدیا، سب کو سیکھ لینا چاہئے، لیکن اگر عورت موجود نہ ہو تو نامحرم غسل نہ دیں بلکہ تیمم کرادیں اور وہ بھی کپڑے کے ذریعہ سے، اگر کوئی محرم مرد موجود ہو تو بلا کپڑے کے تیمم کرادے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''دائی کا میت کوغسل دینا''۔)

(۲) "(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع .... (كدفنه) وغسله و تجهيزه، فإنها فرض كفاية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۷/۲، سعيد)

" وأما كيفية وجوبه، فهو واجب على سبيل الكفاية، إذا قام به البعض سقط عن الباقين الخ".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية وجوبه الخ: ۲۳/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱۵۸/۱، رشيديه)

(۳) "ونقل عن الخانية أنه إذا كان للمرأة محرم يمّمها بيده، وأما الأجنبي فبخرقة على يده ويغضّ بصره عن ذراعها". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۱۹۸/۲، سعيد)

غسلِ میت کے بعد پائخانہ نکل آیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۸۲]: میت کو غسل دیکر کفن بھی پہنا چکے، اس کے بعد پاخانہ نکل آیا، اس حالت میں کیا حکم ہے؟ دوبارہ غسل دیں گے اور نیا کفن دیں گے یا اسی کفن میں لپیٹیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا حصہ بدن کا اور کپڑے کا ناپاک ہوگیا اس کو پاک کردیا جائے، دوبارہ غسل دینے یا کفن کو بدلنے کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۶/۹۳ھ۔

مُردہ کے بدن سے ناپاکی نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۹۸۳]: جو مَر دیا عورت بعد مرنے کے ناپاکی دیکھ لے ایک انچ یا دو انچ تو کس طرح ناپاکی پاک ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مُردے کے بدن سے اگر کچھ ناپاکی نکلے تو اس کو پاک کردیا جائے، بغیر پاک کئے نماز جنازہ نہیں ہوگی، اگر سوال کا کچھ اَور مطلب ہے تو واضح کیجئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و يمسح بطنه رقيقاً، و ما خرج منه يغسله .... و لا يعاد غسله و لا وضوء ه بالخارج منه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱۹۷/۲، سعيد)

" ثم مسح بطنه فإن سال منه شيء، يمسحه، كيلا يتلوث الكفن، و يغسل ذلك الموضع تطهيراً له عن النجاسة الحقيقة، ولم يذكر في ظاهر الرواية سوى المسح، ولا يعيد الغسل و لا الوضوء عندنا". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما كيفية الغسل: ۲۷/۲، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۳/۲، رشيديه)

(۲) "تکفین سے قبل نجاست نکلی تو اس کا دھونا ضروری ہے، اگر تکفین کے بعد نکلی تو دھونا ضروری نہیں خواہ میت کے بدن پر ہو یا کفن پر، بدون دھوئے نماز جنازہ صحیح ہے، یہ حکم خود بدنِ میت سے نکلنے والی نجاست کا ہے، خارجی نجاست کا دھونا ضروری ہے، ورنہ نماز نہ ہوگی"۔ (احسن الفتاویٰ، باب الجنائز: ۲۰۷/۴، سعید) ....

غسلِ میت میں ڈھیلے سے استنجا

سوال[۳۹۸۴]: میت کو بوقت غسل ڈھیلے سے استنجا کرانا کیسا ہے؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

پانی سے استنجا کے متعلق زیلعی (۱) بحر(۲) طحطاوی (۳) وغیرہ میں طرفین کے نزدیک اس کی تاکید مذکور ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، لیکن اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اول ڈھیلے سے صفائی کی جائے پھر پانی سے، جیسا کہ درمختار میں ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸/۸۹ھ۔

= "إذا تنجس الكفن بنجاسة الميت، لايضر دفعاً للحرج) بخلاف الكفن المتنجس ابتداءً، وكذا لوتنجس بدنه بما خرج منه إن كان قبل أن يكفن غسل، وبعده لا، كما قدمناه في الغسل، فيقيّد ما في القنية بغير النجاسة الخارجة من الميت". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

"ويشترط طهارة الكفن إلا إذا شق ذلك لما في الخزانة أنه إن تنجس الكفن بنجاسة الميت، لايضر دفعاً للحرج بخلاف المتنجس ابتداءً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، ص: ۵۸۲، قديمي)

(۱) "واختلفوا في إنجائه فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ينجيه مثل ما كان يستنجي في حال حياته، ولا يمس عورته؛ لأن مس العورة حرام، و لكن يلفّ خرقة على يده فيغسل حتى يطهر الموضع. و قال أبويوسف: لا ينجي؛ لأن المسكة قد زالت، فلو نجي ربما يزداد الاسترخاء فتخرج بنجاسة أخرى، فيكتفي بوصول الماء إليه. و لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن موضع الاستنجاء لا يخلو عن النجاسة، فلا بدّ من إزالتها اعتباراً بحالة الحياة". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵٦۷، سعيد)

(۲) "ولم يذكر الاستنجاء للاختلاف فيه، فعندهما يستنجي و عند أبي يوسف لا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۲، رشيديه)

(۳) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص:۵٦۷، قديمي)

(۴) "(وهو سنة مؤكدة) مطلقاً، وأركانه أربعة: شخص (مستنج، و) شيء(مستنجى به) كماء وحجر. فكان الجمع سنةً على الإطلاق في كل زمان، و هو الصحيح، وعليه الفتوى .... ثم اعلم أن الجمع بين الماء والحجر أفضل". (الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء: ۱/۳۳۵، ۳۳۸، سعيد)

میت کو لگا یا ہوا پلاسٹر چھڑانا چاہئے یا نہیں

سوال[۳۹۸۵]: اگر کسی کا پیر کسی حادثہ میں ٹوٹ گیا اور ڈاکٹروں نے گھٹنے کو نیچے سے کاٹ دیا اور پلاسٹر چڑھا دیا پھر وہ شخص انتقال کر گیا تو اس کا پلاسٹر چھڑا کر غسل جنازہ دیا جائے یا پلاسٹر لگا رہنے دیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پلاسٹر کی کیا ضرورت رہی، اس کو چھڑا کر غسل دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو کورے گھڑے سے غسل دینا

سوال[۳۹۸۶]: میت کو جیسا کہ ہندوستان میں رسم ہے کہ کورے گھڑے و بدھنے (۲) سے غسل دیتے ہیں۔ کیا اپنے مکانوں کے گھڑے بالٹی اور لوٹوں سے غسل نہیں دے سکتے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کے وقت کیا قاعدہ تھا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندوستان کا یہ رواج بے اصل ہے اور قابلِ ترک ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ شعبان/ ۶۱ھ۔

---

(۱) زندہ انسان کے زخم پر پانی لگنے سے تکلیف ہوتی ہے اور زخم خراب ہونے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، موت کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہٰذا پلاسٹر چھڑا کر غسل دیا جائے:

"(ویمسح) نحو (مفتصد و جریح علی كل عصابة) مع فرجتها فی الأصح (إن ضره) الماء (أو حلها) و منه أن لا یمكنه ربطها بنفسه و لا یجد من ربطها" (الدرالمختار). وفی ردالمحتار: "(قوله: إن ضره الماء): أی الغسل به أو المسح علی المحل ..... إذ الثابت بالضرورة یتقدر بقدرها، اهـ". (كتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۱/۲۸۰، ۲۸۱، سعید)

(وكذا فی الفتاوی العالمكیریة، كتاب الطهارة، الفصل الثانی فی نواقض المسح: ۱/۳۵، رشیدیه)

(۲) "کورے: نیا، غیر مستعمل"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۴۲، فیروز سنز، لاہور)

"بدھنے: لوٹا، ٹونٹی والا برتن"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، قالت: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا =

مجذوم کو بلا غسل دفن کرنا

سوال[۳۹۸۷]: زید کو جذام کا عارضہ تھا اور جذام کافی ترقی پر تھا، اسی حالت میں زید کا انتقال ہو گیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا، اب اس کی اس حالت کی وجہ سے کسی نے اس کو غسل دینا گوارہ نہیں کیا اور بلا کفن و بلا نماز کسی صورت سے اس کو ایک گڑھے میں دھکیل دیا گیا۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو ہاتھ لگا کر غسل دینا دشوار تھا تو اس پر لوٹے یا مشک سے پانی بہا دیا جاتا (۱)، اگر یہ بھی نہ ہوسکتا تھا تو ہاتھ پر تھیلی باندھ کر صرف تیمّم کرا دیا جاتا تو پھر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاتا اور اس کے لئے قبر کا بنانا بھی ضروری تھا، گڈھے میں دھکیل دینا بھی غلط ہوا (۲)۔ جس میت کو بلا غسل و نماز دفن کر دیا جائے اس کی قبر پر نماز

= هـذا ما ليس منه فهو ردٌّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي)

قال العلامة المناوي تحته: "أي أنشاء واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه .... ماليس منه: أي رأياً ليس له في الكتب أو السنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير: ۵۵۹۴/۱۱، رقم الحديث: ۸۳۳۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۵۶۰/۱، ۵۶۱، سعيد)

(۱) "ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحه، كفى صب الماء عليه، كذا في التاتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱۵۸/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الجنائز، قسم آخر في بيان كيفية الغسل: ۱۳۶/۲، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) میت کے لئے قبر کھود کر دفن کرنا فرض کفایہ ہے، نہ کرنے کی وجہ سے سب گناہ گار ہیں:

"دفن الميت فرض على الكفاية، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱۶۵/۱، رشيديه)

"والكلام في الدفن في مواضع في بيان وجوبه .... أما الأول فالدليل على وجوبه توارث=

جنازہ پڑھنے کا حکم ہے جب تک اس کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کا ظنِ غالب نہ ہو(۱)۔ بہر حال اب اس کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے تاکہ اس کے حقوق ادا کرنے میں جو کوتاہی ہوئی اس کی کچھ مکافات ہو سکے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸۹/۶/۱۷ھ۔

= الناس من لدن آدم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى يومنا هذا مع النكير على تاركه، و ذا دليل الوجوب إلا أن وجوبه على سبيل الكفاية، حتى إذا قام به البعض سقط عن الباقين لحصول المقصود". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في الدفن: ۲/۲۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقيم المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسأل عنه، فقيل: مات، فقال: "ألا آذنتموني به"؟ قال: "دلوني على قبره". فدلّوه، فصلى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۲/۱۰۱، امداديه، ملتان)

"(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أوبها، بلا غسل، أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) ما لم يغلب على الظن تفسخه الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۲) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوما أو صدقة أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۳، سعيد)

"إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه أخا بني ساعدة توفيت أمه، و هو غائب عنها، فأتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: إني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمي)

غاسلِ میت کو غلہ دینا

سوال [۳۹۸۸]: بعض جگہ دستور ہے کہ جس وقت کوئی میت ہوتی ہے تو اس میت کے وارث مَن یا دو مَن غلہ میں سے نکال کر ایک طرف کونہ میں ڈال دیتے ہیں، میت کے دفن سے پہلے وہ اناج غسل دینے والے کو دیتے ہیں۔ یہ غلہ اس طرح سے گیرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پابندی سے اناج کو اول جدا کردیتے ہیں، بے اصل ہے(۱)، غسل مفت دینے سے بہت ثواب ہوتا ہے، تاہم بوقتِ ضرورت اجرت دے کر غسل دلوانا بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرناهذامالیس منه فهورد". (صحيح البخاری، کتاب الصلح، باب إذااصطلحواعلی صلح جور فهومردود: ۱/ ۳۷۰، قدیمی)

"بأنها (أی البدعة) ماأحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاًمستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(۲) "والأفضل أن يغسل الميت مجاناً، فإن ابتغى الغاسل الأجر، جاز، الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۱۹۹، سعید)

"والأفضل أن يغسل الميت مجاناً، وإن ابتغى الغاسل الأجر، فإن كان هناک غيره، يجوز أخذ الأجر، وإلالم يجز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الثانى فى الغسل: ۱/ ۱۵۹، رشيديه)

(وكذافى البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/ ۳۰۲، رشيديه)

الفصل الثانی فی تکفین المیت

(میت کے کفن کا بیان)

کفن کے کپڑوں کی تعداد

سوال[۳۹۸۹]: میت مرد کا کفن مسنون شرعاً کیا ہے؟ فقہ کی کتب عامہ میں قمیص، ازار، لفافہ کی تصریح ہے، اب بعض اہلِ علم فرمارہے ہیں کہ قمیص کے اوپر کپڑے کی حاجت ہے تاکہ ستر علی وجہ الکمال ہو اور اپنے اس قول کے لئے حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کا قول دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے تجاوز کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہ کی کتابوں میں تین کپڑوں کی تصریح ہے وہی صحیح ہے، جن دو بزرگوں کا قول اس کے خلاف نئے کپڑے کے لئے پیش کیا جارہا ہے وہ قول میرے علم میں نہیں: ''و یسن فی الکفن له إزار و قمیص ولفافة، اهـ''. درمختار، ص: ۵۷۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے: حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اگر تحریر فرمایا ہے تو کہاں ہے، اس کے حوالہ سے مطلع فرمائیں۔ فقط: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۵ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعید)

''عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کفن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی ثلثة أثواب سحولی بیض''. (سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب کفن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۲۶۸، قدیمی)

''السنة أن یکفن الرجل فی ثلثة أثواب: قمیص و إزار ولفافة''. (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة فصل فی الجنائز، الثالث فی تکفینه، ص: ۵۸۰، سهیل اکیڈمی)

''کفن الرجل سنة إزار و قمیص ولفافة، الخ''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین، ۱/۱۶۰، رشیدیه)

کفن کے کپڑے اور طریقہ

سوال[۳۹۹۰]: کل ایک میت کو کفن اس طریقہ سے پہنایا گیا کہ پہلے لمبی چادر پہنا کر ڈالی، پھر اس کے اوپر ازار یعنی تہ بند ڈالا، پہلے بغل سے لیکر پیروں تک تہ بند لپیٹا، اس کے اوپر کفن پہنادی، پھر چادر لپیٹ کر باندھی گئی۔ لہٰذا اس طریقہ سے کفن پہنانا صحیح ہے یا غلط، یا گناہ ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اول لفافہ بچھا دیا جائے پھر اس پر ازار بچھائی جائے، پھر اس پر بلا آستین کا کرتہ ہو، کرتہ میں میت کو داخل کر کے ازار کو بائیں جانب لپیٹیں پھر داہنی جانب سے، اس کے بعد اس طرح لفافہ کو لپیٹیں اور تین بند لگادیں: ایک پیر سے اوپر اور ایک پیر کے نیچے، ایک درمیان میں تاکہ کفن نہ کھل جائے، پھر ایک زائد چادر اوپر ڈالدی جائے جو کہ جزوِ کفن نہیں ہے، قبر میں رکھنے کے بعد بند کھولدیئے جائیں کہ اب ضرورت نہیں رہی (۱)۔

(تنبیہ) ازار اور لفافہ دونوں سر سے پیر تک محیط ہوتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۸ھ۔

کفن کے کپڑے

سوال[۳۹۹۱]: مُردہ کو کتنے کپڑوں کے ساتھ قبر میں دفن کرنا مستحب ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

---

(۱) "(تبسط اللفافة) أولاً (ثم يبسط الإزار عليها، و يقمص، و يوضع على الإزار، و يلف يساره، ثم يمينه ثم اللفافة كذلك) ليكون الأيمن على الأيسر". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲۰۴/۲، سعيد)

"و كيفيته أن تبسط اللفافة أولاً، ثم الإزار فوقها و يوضع الميت عليهما مقمصاً، ثم يعطف عليه الإزار وحده من قبل اليسار، ثم من قبل اليمين ليكون الأيمن فوق الأيسر، ثم اللفافة كذلك". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۹/۲، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: أما كيفية التكفين: ۳۰/۲، رشيديه)

(۲) "وفي البدائع: فإن كان الإزار طويلاً حتى يعطف على رأسه وسائر جسده، فهو أولى". (البحر الرائق، المصدر السابق)

الجواب حامداًومصلیاً:

مردکوتین کپڑوں میں: ازار، قمیص، لفافہ۔ عورت کو پانچ کپڑوں میں: درع، ازار، خمار، لفافہ، خرقہ، کذا فی التنویر (۱)۔

میت کے لئے کتنے کپڑے ہیں؟

سوال[۳۹۹۲]: ایک گاؤں کے امام صاحب گاؤں والوں کو کہتے ہیں کہ میت مذکور کے کفنانے میں میت کو دینے والے کپڑے لفافہ، ازار اور کفنی، یہ کپڑے دینے چاہئیں اور کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ دیں گے تو گناہ گار ہوں گے، اور اسی طرح سے عورت کے کفنانے میں پانچ کپڑے بتاتے ہیں اس سے زیادہ دینے میں گنہا گار بتاتے ہیں اور گاؤں والے کہتے ہیں کہ مرد کی میت کو ایک صافہ اور ایک تہبند یا لنگی بھی ہونی چاہئے اور

---

(۱) "(ويسن في الكفن له إزار، و قميص و لفافة) .... (و لها درع): أي قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، ۲۰۳، سعيد)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، قال: كفن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ثلثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان و قميصه الذى مات فيه". (أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۲/۹۳، امداديه ملتان)

"عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له داؤد و قد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم ادرجت بعد في الثوب الأخرورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۲/۹۴، امداديه ملتان)

" وكفنه سنة: إزار و قميص و لفافة .... و كفنها سنة: درع وإزار و لفافة وخمار وخرقة تربط ثدياها". (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ۳۰۷، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

اسی طرح عورت کے لئے بھی ایک شلوار یا تہمد دینا ضروری بتاتے ہیں اور دیتے بھی ہیں۔ تو اس مسئلہ کا مفصل جواب تحریر فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مرد کے کفن میں تین کپڑے مسنون ہیں: دو چادریں، ایک قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں، ایک چادر کو ازار کہتے ہیں دوسری چادر کو لفافہ کہتے ہیں، اس سے زائد کپڑا کفن میں دینا سنت نہیں (۱)۔ عورت کے کفن میں دو کپڑے زائد ہیں: ایک خمار جس میں اس کے بالوں کو محفوظ کیا جائے، دوسرا سینہ بند۔ ازار عورت کے لئے شلوار کی جگہ ہے مرد کے لئے تہمد کی جگہ ہے (۲)، علیحدہ نہ شلوار سنت ہے نہ تہمد، گاؤں والوں کا اعتراض غلط ہے، مرد کو

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنه قال: كفن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في ثلثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان، و قميصه الذى مات فيه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۹۳/۲، امداديه ملتان)

"(ويسن في الكفن له إزار و قميص و لفافة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعيد)

"(و كفنه سنة إزار و قميص و لفافة)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷/۲، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۰/۱، رشيديه)

(۲) "عن رجل من بنى عروة بن مسعود يقال له: داؤد -و قد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الآخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولُناها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة: ۹۴/۲، امداديه ملتان)

"(و لها درع): أي قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة تربط بها ثدياها". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۲/۲، ۲۰۳، سعيد) .... =

عمامہ کی بھی کفن میں ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۶/۱/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۶/۱/۹۴ھ۔

میت مرد اور عورت کے کفن کا عدد

سوال[۳۹۹۳]: میت بالغ مرد اور بالغہ عورت کو کتنے کپڑے دینے کا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مرد کو تین کپڑے اور عورت کو پانچ کپڑے دینا کفن میں مسنون طریقہ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۶/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

= "وكفنها سنة: درع و إزار، و لفافة، وخمار، و خرقة تربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۰۷، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، قالت: دخلت على أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه فقال: في كم كفنتم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قالت: في ثلثة أثواب بيض سحولية، ليس فيها قميص و لا عمامة". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب موت يوم الإثنين: ۱/۱۸۶، قديمي)

"(وتكره العمامة) للميت (في الأصح)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعيد)

"و تكره العمامة في الأصح". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كفن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في ثلثة أثواب نجرانية: الحلة ثوبان، و قميصه الذي مات فيه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الكفن: ۲/۹۳، امداديه ملتان) =

کفن کی مقدار

سوال[۳۹۹۴]: کفن کے بارے میں اختلاف ہورہا ہے، آپ تفصیل سے واضح فرمائیں کہ کفن کتنا کافی ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کفن میں چادر تو ایک ہی ہوتی ہے جس کو عربی میں ''رداء'' اور ''لفافہ'' کہتے ہیں اور وہ سر سے پیر تک ہوتی ہے جس پر دونوں طرف بند باندھتے ہیں۔ دوسری چادر جس کو عربی میں ''إزار'' کہتے ہیں وہ حقیقۃً چادر نہیں، اس کو بعض فقہاء نے لنگی کے قائم مقام قرار دیا ہے، بعض نے کاندھے سے قدم تک لکھا ہے اور اکثر حضرات نے اسکو بھی چادر کے برابر لکھا ہے اور یہی معمول ہے۔ تیسرا کپڑا قمیص ہے جو کاندھے سے قدم تک ہوتا ہے۔ پس ان تین کپڑوں سے کفن مکمل ہوجاتا ہے۔ اوپر ڈالنے کے لئے جو چادر ہوتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں، مکان کی کوئی بھی اور چادر ڈال سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

= ''(ویسن في الكفن له إزار و قميص و لفافة) .... (و لها درع): أى قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة) الخ''. (الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب الجنائز : ۲/۲۰۲ ، ۲۰۳ ، سعيد)

''وكفنه سنة إزار و قميص و لفافة .... و كفنها سنة درع وإزار ولفافة وخمار وخرقة تربط ثدياها''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۳۰۷، ۳۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ،كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/ ۱۶۰ ، رشيديه)

''عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له: داؤد –و قد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الأخر . قالت: ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولناها ثوباً ثوباً''. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة : ۲/۹۳ ، امداديه ملتان)

(۱) ''و يسن في الكفن له إزار و قميص و لفافة''. (الدرالمختار). ''(قوله : إزار الخ) هو من القرن إلى =

نابالغ کا کفن

سوال[۳۹۹۵]: میت نابالغ کو کتنے کپڑے دینا چاہئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر بلوغ کے قریب ہے تو وہ بالکل بالغ کے حکم میں ہے، اگر اس سے بھی کم ہو تب بھی بہتر یہی ہے کہ پورا کفن دیا جائے، تاہم ایک کپڑے میں دفن کرنے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

= القدم، والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلادخريص و كمين، واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلف فيها الميت و تربط من الأعلى والأسفل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۲۰۲، سعيد)

"(قوله: و كفنه سنة إزار و قميص و لفافة) .... والإزار واللفافة من القرن إلى القدم، والقرن هنا بمعنى الشعر، واللفافة هي الرداء طولاً. و في نسخ المختار: أن الإزار من المنكب إلى القدم، هذا ما ذكروه، وبحث فيه في فتح القدير بأنه ينبغي أن يكون إزار الميت كإزار الحي من السرة إلى الركبة؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعطى اللاتي غسلن ابنته حقوة و هي في الأصل معقدا الإزار، ثم به الإزار للمجاورة، والقميص من المنكب إلى القدم، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۳۰۷، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في تكفينه : ۲/ ۱۱۵، مصطفى البابي)

(۱) "عن الحسن قال: يكفن الفطيم والرضيع في الخرقة، فإن كان فوق ذلك كفن في قميص وخرقتين". (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث : ۱۱۰۹۷، كتاب الجنائز، قالوا: في الصبي في كم يكفن: ۲/ ۴۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"و المراهق كالبالغ، و من لم يراهق إن كفن في واحد، جاز". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۲۰۳، سعيد)

"والصبي المراهق في الكفن كالبالغ، والمراهقة كالبالغة، وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوبٌ واحد، وصغيرة ثوبان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، : ۱/ ۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۳۱۱، رشيديه)

مُردہ بچہ کو بلا غسل وکفن ہنڈیا میں رکھ کر دفن کر دینا

سوال[۳۹۹۶]: ایک مسلمان نے اپنے بچے کو جو پیدا ہونے کے بعد چار گھنٹے تک زندہ رہا بلا غسل وکفن ونماز کے ایک ہنڈیا(۱) میں بند کر کے دفن کر دیا ہے، گاؤں والے اس سے بے خبر ہیں، گاؤں والوں کو دو ماہ بعد یہ خبر ملی کہ اس نے یہ فعل کیا ہے۔ قانونِ شریعت اس مسلمان کے واسطے کیا حکم دیتا ہے؟ باقی لوگ اس مسئلہ سے لاعلمی رکھتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس شخص نے نہایت بیجا حرکت اور غلطی کی ہے، اس کے ذمہ لازم تھا کہ اس بچہ کو باقاعدہ غسل اور کفن دیکر اس کی نماز پڑھ کر شریعت کے موافق قبر میں دفن کرتا(۲)، اب اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے اور پختہ عہد کرے، آئندہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۹/۶۲ھ۔

---

(۱) ''ہنڈیا: مٹی کی دیگچی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۱، فیروز سنز، لاھور)

(۲) "أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على ابنه إبراهيم و هو ابن سبعين ليلةً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الصلوة على الطفل: ۹۸/۲، امداديه)

"و يصلي على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى و العشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة الخ: ۱۶۳/۱، رشيديه)

"والصبي المراهق في الكفن كالبالغ، والمراهقة كالبالغة، وأدنى ما يكفن به الصبي الصغير ثوبٌ واحد، و الصبية ثوبان". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في التكفين، ص: ۱۶۰، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۴/۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۱/۲، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "للّٰه أشد =

8

کفن وغیرہ کیا شوہر کے ذمہ ہے؟

سوال[۳۹۹۷]: ہندہ کے مرنے کے بعد عرفاً یا شرعاً لازمی اخراجات ماتم مثلاً کفن یا خیرات وغیرہ کئے جاتے ہیں، وہ ہندہ کے ترکہ میں سے ہوں گے یا خاوند کے ذمہ لازم ہوں گے؟

المستفتی: بندہ محمد عرفان مغل عفا اللہ عنہ، ضلع مظفر آباد، ڈاکخانہ چناری کشمیر، ۳/محرم/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زوجہ کا کفن مفتی بہ قول پر زوج کے ذمہ لازم ہے:" و اختلف في الزوج، والفتویٰ علی وجوب کفنها علیه، اه". تنویر: ۱/۹۰۵(۱)۔

خیرات کے متعلق یہ ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں اس کو نافذ کرنا ضروری ہوگا اور اس سے زائد میں ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں اور اجازت دیدیں تو زائد میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر وصیت نہیں کی تو انتقال کے بعد سے تمام ترکہ میت کے ملک سے خارج ہوکر ورثہ کی ملک میں آگیا، ورثہ کو اختیار ہے جس قدر چاہیں خیرات کرکے میت کو ثواب پہنچائیں، لیکن اگر کوئی وارث

= فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

قال العلامة النووي: "و اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة بالشرع". (الكامل للنووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۶/۲، سعيد)

"و على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يجب الكفن على الزوج وإن تركت مالاً، و عليه الفتوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱۶۱/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۱/۲، رشيديه)

نابالغ بھی ہے تو اس کے حصہ کو صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ زوج کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۶/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

عورت کا کفن کس کے ذمہ ہے؟

سوال [۳۹۹۸]: عورت کو اکثر کفن اس کے والدین کی طرف سے دیا جاتا ہے، کیا یہ حکم شرعی ہے کہ کفن عورت کے سسرال والوں کی طرف سے نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نہیں، یہ شریعت کا حکم نہیں بلکہ خلافِ شرع رواج ہے، شرعاً کفن شوہر کے ذمہ ہے، اگر وسعت نہ ہو تو پھر عورت کے ترکہ سے کفن دیا جاوے گا، هكذا في كتب الفقه من الدر المختار، و الطحطاوی وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "(وتجوز بالثلث للأجنبي) عند عدم المانع (وإن لم يُجز الوارث ذلك، لا الزيادة عليه، إلا أن تجيز ورثته بعد موته) و لا تعتبر إجازتهم حال حياته أصلاً، بل بعد وفاته (وهم كبار)". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰، ۶۵۱، سعيد)

" فإن الموصي إذا ترک ورثةً، فإنما لا تصح وصيته بما زاد على الثلث إن لم يجز الورثة، وإن أجازوه صحت وصيته به". (البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۹/۲۱۲، رشيديه)

"ثم تصحّ الوصية لأجنبي من غير إجازة الورثة، و لا تجوز بما زاد على الثلث، إلا أن يجيزه الورثة بعد موته و هم كبار، ولا معتبر بإجازتهم في حال حياته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسيرها الخ: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) "واختلف في الزوج، والفتوى على وجوب كفنها عليه) عند الثاني (وإن تركت مالاً)" (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۶، سعيد)

"و يلزمه أبو يوسف بالتجهيز مطلقاً (ولو) كان الزوج (معسراً) و هي موسرة (في الأصح) وعليه الفتوى". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۷۳، ۵۷۴، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۱، رشيديه)

عورت کے لئے کفن میں پائجامہ

سوال[۳۹۹۹]: میت عورت کوکفن میں پائجامہ بھی دینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کفن کومشین سے سینا اور تہہ کرنا

سوال[۴۰۰۰]: کفن کومشین سے سلائی کرسکتے ہیں اور کفن کوتہہ کرکے لایا جاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفن کوتہہ کرکے لانا اور مشین سے سینا سب درست ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

---

(۱)عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانا مسنون ہے، ان سے زائد پائجامہ وغیرہ حدیث اور کتبِ فقہ سے ثابت نہیں ہے:

"عن رجل من بني عروة بن مسعود يقال له: داؤد —وقد ولدته أم حبيبة بنت أبي سفيان زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم— أن ليلى بنت قانف الثقفية قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعدُ في الثوب الآخر. قالت: ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جالس عند الباب و معه كفنها يناولُنا ها ثوباً ثوباً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة : ۹۴/۲ ، امداديه ملتان)

"(و لها درع): أي قميص (وإزار و خمار و لفافة و خرقة تربط بها ثدياها". (الدر المختار، كتاب الصلاة ، باب الجنائز : ۲۰۲/۲ ، ۲۰۳ ، سعيد)

" و كفنها سنة درع وإزار و لفافة و خمار و خرقة تربط ثدياها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۰۷/۲، ۳۰۹، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين : ۱۶۰/۱ ، رشيديه)

(۲)حضرت مفتی صاحبؒ نے کفن کوسی کر پہنانے کوترجیح دی ہے جب کہ دیگر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کفن سلی ہوئی نہ ہو اور=

کفن میں متبرک کپڑا

سوال[۴۰۰۱]: بہشتی زیور اختری:۲/۵۵ کفنانے کے بیان میں مسئلہ:۹ میں لکھا ہے:

''کعبہ کا غلاف یا اپنے پیر کا رومال وغیرہ کوئی کپڑا تبرکاً رکھدینا (قبر میں) درست ہے''(۱)۔

اس سے فائدہ کیا ہے اور اس کی افادیت کی کیا دلیل ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعینؒ میں اس کی کوئی نظیر نہیں، عبداللہ ابن اُبی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ جو دیا گیا تھا وہ محض بدلہ تھا اس کرتے کا جو اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن کی تنگی کے وقت اپنا کرتہ دے دیا تھا (۲) ورنہ جہاں تک فائدہ کا تعلق ہے خود ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معالم التنزیل میں یہ نقل کیا ہے گیا کہ ''میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا'' (۳)۔ یہ بات کچھ بریلوی رنگ کی معلوم ہوتی ہے، کیا اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے؟

محمد عبداللہ دہلوی غفرلہ، حضرت نظام الدین دہلی، ۱۳-۴۸ء۔

= عمل اسی پر ہے۔راجع: (کفایت المفتی، کتاب الجنائز. فصل اول تجهیز و تکفین: ۴/۳۰، دارالإشاعت)

''والقمیص من أصل العنق إلی القدمین بلادخریص''. (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعید)

''و القمیص من المنکب إلی القدم بلاد خریص''. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۷، رشیدیه)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۱۵ مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، باب بست وچہارم، کفنانے کا بیان، ص:۱۶۴، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) لم أجده هذه الواقعة فی حمزة رضی الله تعالیٰ عنه، و لکن راجع لتخریجه متعلقاً بالعباس رضی الله تعالیٰ عنه، ص: ۵۱۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) ''و فی معالم التنزیل للبغوی .... فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''وما یغنی عنه قمیصی و صلاتی من الله، والله! إنی کنت أرجوأن یسلم به ألف من قومه''. (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و تکفینه، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۱۶۴۵): ۴/۱۳۰، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم!　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مشکوۃ شریف باب غسل المیت و تکفینہ، ص:۱۴۳ میں متفق علیہ حدیث ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاحبزادی صاحبہ کو غسل دیتے وقت ارشاد فرمایا کہ جب غسل دینے سے فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو خبر دینا: "فلما فرغنا آذنّاه، فألقیٰ إلینا حقوه، فقال: "أشعِرن إیاه". الحدیث (۱) ۔اس پر محدث دہلویؒ لمعات میں فرماتے ہیں : "و هذا الحدیث أصلٌ فی التبرك بآثار الصالحین و لباسهم کما یفعله بعض مریدی المشایخ من لُبس أقمصتهم فی القبر . واللّٰه أعلم". هامش المشکوة(۲)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:" قال الطیبی: أی اجعلن هذا الحقو تحت الأکفان بحیث یلاصق بشرتها، والمراد إیصال البرکة إلیها، اهـ". مرقاة :۲/۳۴۴(۳)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری:۳/۱۰۵، میں لکھا ہے:"وهو أصل فی التبرك بآثار الصالحین"(٤)۔

بخاری شریف میں روایت ہے:"عن سهل رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن امرأةً جاء ت النبی صلی

---

(۱) والحدیث بتمامه: "عن أم عطیة رضی الله تعالیٰ عنها، قالت: "دخل علینا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ونحن نغسل ابنته فقال: "اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أکثر من ذلک وسدرٍ، و اجعلن فی الآخرة کافوراً، فإذا فرغتنّ، فآذنّنی". فلما فرغنا آذناه، فألقی إلینا حقوه، فقال: "أشعرنها إیاه". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، أو شیئاً من کافور، باب ما یستحب أن یغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قدیمی)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و تکفینه : ۱/۱۴۳،قدیمی)

(۲) (لمعات التنقیح شرح مشکوة المصابیح للإمام عبدالحق المحدث الدهلوی، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و تکفینه، (رقم الحدیث : ۱۶۳۴) : ۴/۳۱۸، مکتبة المعارف العلمیة لاهور)

(۳) (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و تکفینه، (رقم الحدیث : ۱۶۳۴): ۴/۱۱۸،رشیدیه)

(۴) (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوئه بالماء والسدر : ۳/۱۶۷، قدیمی)

اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها، تدرون ماالبردة؟ قالوا: الشملة، قال: نعم. قالت: نسجتها بيدى، فجئت لأكسوكها، فأخذها النبى صلى اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم محتاجاً إليها، فخرج إلينا وأنها إزاره، فحسنها فلانٌ: فقال: أكسنيها ما أحسنها، فقال القوم: ما أحسنت لبسها النبى صلى اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم محتاجاً إليها، ثم سألته و علمت أنه لا يرد، قال: إني واللّٰہ! ما سألته لألبسه و إنما سألتها لتكون من كفني. قال سهل: فكانت كفنه"(۱)۔

اس پر حافظ عینی تحریر فرماتے ہیں: "وفيه التبرك بآثار الصالحين، اهـ". كذا في عمدة القارى: ٤/٧٠(۲)۔

کفر کے موجود رہتے ہوئے کوئی تبرک ذریعۂ نجات نہیں بن سکتا، اس لئے ابن ابی رئیس المنافقین کو قمیص مبارک سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا: ﴿إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار﴾ الآيه(۳)۔

مومن کو کافر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس کی حسنات پر اجر وثواب آخرت میں موعود ہے (۴) اور کافر کے حسنات پر آخرت میں وعدہ نہیں بلکہ اس کی شان: ﴿كسراب بقيعة يحسبه الظمان مآء﴾(۵)۔

اور مومن کیلئے تو: "شوكة يشاك" پر بھی اجر ہے(۶) عبداللہ ابن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم ينكر عليه: ۱/۱۷۰، قديمى)

(۲) (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلم ينكر عليه، ذكر ما يستفاد منه: ۸/۶۳، مطبعه منيريه بيروت)

(۳) (سورة النساء: ۱۴۵)

(۴) قال الله تعالىٰ: ﴿إن الذين آمنوا و عملوا الصالحات، أولئک هم خير البرية، جزاؤهم عند ربهم جنٰت عدن تجرى من تحتها الأنهر خلدين فيها أبداً، رضى الله عنهم و رضوا عنه، ذلک لمن خشى ربه﴾ (سورة البينة: ۷، ۸)

(۵) (سورة النور: ۳۹)

(۶) "عن الزهرى قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة زوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مصيبة تصيب المسلم إلا كفّر الله بها عنه حتى الشوكة يشاكها". (صحيح البخاري، كتاب المرضىٰ، باب ماجاء في كفارة المرض: ۲/۸۴۳، قديمى)

تعالیٰ عنہ کو کرتہ دیا تھا جب کہ وہ بدر سے اسیر کر کے لائے گئے تھے، کما صرح به القاری فی المرقاة: ۳/۳۵۰(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۹ھ۔

پردۂ کعبہ کا ٹکڑا میت کی پیشانی پر رکھنا

سوال[۴۰۰۲]: بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا یعنی کپڑا اگر میت کی پیشانی کے اوپر برائے تبرک و موجب برکت کے لئے رکھ دیا جائے تو علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲) بشرطیکہ اس پر کلمہ وغیرہ تحریر نہ ہو(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۲/۹/۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/رمضان/۶۲ھ۔

---

(۱) "و روی عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه، قال: لما كان يوم بدر و أتي بالعباس، ولم يكن عليه ثوبٌ، فوجدوا قميص عبد الله بن أبيّ يقدر عليه، فكساه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إياه، فلذلك نزع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قميصه الذي ألبسه. قال ابن عيينة: كانت له عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يدٌ، فأحبَّ أن يكافيه". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الكسوة للأسارى: ۴۲۲/۱، قديمي)

(ورواه الملا على القاري في المرقات في كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، الفصل الثالث، تحت حديث جابر رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۱۶۴۵): ۱۳۰/۴، رشيديه)

(۲) "عن أم عطية رضي الله تعالىٰ عنها قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونحن نغسل ابنته، فقال: "اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك بماء و سدرٍ، و اجعلن في الآخرة كافوراً، فإذا فرغتنّ فآذنني". فلما فرغنا آذناه فألقى إلينا حقوه فقال: "أشعرنها إياه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل وتراً: ۱۶۷/۱، قديمي)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه: ۱۴۳/۱، قديمي)

"قال الطيبي: أي اجعلن هذا الحقو تحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها، والمراد إيصال البركة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب غسل الميت و تكفينه، (رقم الحديث: ۱۶۳۴): ۱۱۸/۴، رشيديه)

قال ابن حجر العسقلاني: "وهو أصل في التبرك بآثار الصالحين". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما يستحب أن يغسل و تراً: ۱۶۷/۱، قديمي)

(۳) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد=

غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میت کے سینے پر رکھنا

سوال[۴۰۰۳]: قبر میں کعبہ شریف کی چادر کا ٹکڑا اگر میت کے سینے پر تبرکاً رکھ دیا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تبرکاً رکھ دینا درست ہے(۱) بشرطیکہ اس پر اللہ کا نام یا آیت لکھی ہوئی نہ ہو، ورنہ درست نہیں، عامۃً میت کا جسم پھٹ کر اس میں سے پیپ وغیرہ نکلتی ہے جو کہ نجس ہوتی ہے اس سے تحفظ ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۸۹ھ۔

= المیت .... و قد قدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح أنہ تکرہ کتابۃ القرآن و أسماء اللہ تعالیٰ علی الدراھم والمحاریب والجدران و ما یفرش، و ما ذاک إلا لاحترامہ و خشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ إھانۃ، فالمنع ھنا بالأولیٰ ما لم یثبت عن المجتھد أو ینقل فیہ حدیث ثابت". (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

(۱) "عن أم عطیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ فقال: "اغسلنھا ثلاثاً أو خمساً أو أکثر من ذلک بماء و سدرٍ، و اجعلن فی الأخرۃ کافوراً، فإذا فرغتن فآذنّنی". فلما فرغنا آذناہ فألقی إلینا حقوہ، فقال: "أشعرنھا إیاہ". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب أن یغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قدیمی)

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و تکفینہ: ۱/۱۴۳، قدیمی)

"قال الطیبی: أی اجعلن ھذا الحقو تحت الأکفان بحیث یلاصق بشرتھا، والمراد إیصال البرکۃ". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و تکفینہ، (رقم الحدیث: ۱۶۳۴): ۴/۱۱۸، رشیدیہ)

قال ابن حجر العسقلانی: "وھو أصل فی التبرک بآثار الصالحین". (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب أن یغسل وتراً: ۱/۱۶۷، قدیمی)

(۲) "وقد أفتی ابن الصلاح بأنہ لایجوز أن یکتب علی الکفن یٰس والکھف ونحوھما خوفاً من صدید =

کفن کو آبِ زمزم سے تر کرنا

سوال[۴۰۰۴]: کفن کا آب زمزم سے تر کرنا یا چھڑکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر میں میت کا جسم پھٹتا ہے نجاست بھی کفن کو لگتی ہے، زمزم شریف قابلِ احترام ہے اس کو نجاست سے بچانا چاہیے، اسلئے کفن کو زمزم سے تر کرنا مناسب نہیں۔ امداد الفتاویٰ میں ایسا ہی لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۶/۲۶ھ۔

= الميت .... و قد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذاك إلا لاحترامه و خشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

(۱) "الجواب: جزئیہ مصرحہ از نظر نگذشتہ، لیکن حکم فقہاء بکراہتِ استنجاء از مائے زمزم دلیلے صریح است بر وجوبِ احترامِ او، و در دیگر جا تصریح کردہ اند بوجوبِ صیانتِ اشیائے محترمہ از تعریض برائے صدید میت و نجاستِ او، چنانچہ امرِ اول در کتاب الطہارت و کتاب الحج از درمختار، و امرِ ثانی در کتاب الجنائز از ردالمحتار مصرحاً مذکور است، و از مجموعہ مستفاد می شود کراہتِ این فعل. البتہ اگر چیزے باشد کہ صیانتش واجب نباشد و بوجہٍ من الوجوہ از اں رجائے برکت باشد، لابأس بہ است"۔ فقط واللہ اعلم، ۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۴۸۷)

خلاصہ سوال: از کفن مبلول بمائے زمزم۔

خلاصہ جواب: عدم جواز۔(امداد الفتاوىٰ: ۱/۴۸۷، دارالعلوم كراچی)

لیکن بعد میں حضرت حکیم الامتؒ نے مندرجہ ذیل صریح جزئیہ کی وجہ سے اپنے قول سے رجوع فرما کر جواز کا فتوی دیا ہے: "و آبِ زمزم از کفنِ مبلول مانند از بدنِ انسان خشک خواہد شد ذاتِ او غیر موجود است، و تبرکِ او معنوی است: "ولهذا قال في الأسرار المحمدية: لو وضع شعر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو عصاه أو سوطه على قبر عاص، لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب، و من هذا القبيل ماء زمزم و الكفن المبلول به وبطانة أستار الكعبة والتكفن بها، انتهى". تفسير روح البيان، ص: ۵۵۹، مصر". (امداد الفتاوى، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱/۴۸۷، مكتبه دار العلوم، كراچی)

(و كذا في فتاوى رحيميه، كتاب الجنائز، باب ما يتعلق بالغسل والكفن : ۶۰/۷، دار الإشاعت، كراچی)

میت پر آب زمزم چھڑکنا

سوال [۴۰۰۵]: آب زمزم کا کفن یا میت کے جسم پر چھڑکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کفن پاک کپڑے کا دیا جاتا ہے اور غسل کے بعد میت پاک ہے، لہٰذا آب زمزم کا میت پر (غسل کے بعد) اور کفن پر تبرک کے لئے چھڑکنا جائز ہے:

"ويجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم على وجه التبرك، ولا يستعمل إلا على شيء طاهر، فلاينبغي أن يغتسل به جنب أومحدث، ولافي مكان نجس، لباب وشرحه. وفي مياه الدر: ويرفع الحدث بماء زمزم بلاكراهة. وفي الدر أيضاً: ويكره الاستنجاء بماء زمزم لاالاغتسال اهـ، فاستفيد منه أن نفي الكراهة خاص في رفع الحدث، اهـ". غنية الناسك، ص: ۷۵۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

بدیشی کپڑے کا کفن اور اس پر نماز جنازہ

سوال [۴۰۰۶]: قبلہ محترم جناب مفتی اعظم صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دام ظلکم!

السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

---

(۱) "ولذاقال في الأسرار المحمدية: لووضع شعر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوعصاه أوسوطه على قبر عاصٍ، لنجاذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب، ومن هذاالقبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة أستار الكعبة والتكفن بهاجائز". (تفسير روح البيان، ص: ۵۵۹)

"ثم يمسح به (أي بماء زمزم) وجهه ورأسه، ويصبّ على رأسه قليلاً منه إن تيسر له ذلك، والتوضؤ بماء زمزم والاغتسال به جائز". (مناسک الملاعلى القارى، كتاب أدعية الحج والعمرة، الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۶۳۰، إدارة القرآن، كراچى)

زید بہت بزرگ وعالم اور متقی پرہیز گار تھا، عرصہ سے عمر کے یہاں مقیم تھا بقضائے الٰہی فوت ہوگیا۔ زید کے تعلقات بکر سے دیرینہ وقدیمانہ تھے اور بہت خوش گوار تھے، بکر بھی اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور شیخ الحدیث ہے۔ زید کے انتقال پر عمر نے بذریعہ تار بکر کو زید کے مرنے کی اطلاع دی، چنانچہ تجہیز وتکفین سے پیشتر بکر معہ دیگر مولویوں کے آیا، زید کا جنازہ تیار تھا اور بکر کا انتظار کیا جارہا تھا۔ بکر سے شرکائے میت نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے کہا مگر بکر نے صاف انکار کردیا کہ اس پر کفن ولایتی لٹھ کا ہے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ حاضرین نے مکرر التماس کیا کہ جنازہ پر کفن ڈالنے والا عمر ہے، نہ زید نے اپنی زندگی میں کوئی ہدایت کی کہ بعد مرنے کے میرے اوپر بدیشی کفن ملبوس کرنا مگر بکر نے کوئی جواب نہیں دیا اور بکر کے ہمراہ جو چند مولوی آئے تھے، ان میں ایک بہت بڑا عالم و بزرگ تھا اس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بدیں وجہ بصورتِ فتویٰ چند باتیں دریافت طلب ہیں:

۱...... کہ ولایتی لٹھ کا اس وقت کفن جائز ہے یا ناجائز؟

۲...... کیا مردہ پر بدیشی کفن ڈالنا شرعاً ممنوع ہے؟

۳...... کیا اس بدیشی کفن کے باعث مردہ پر قبر میں عذاب نازل رہے گا؟

۴...... بکر کا یہ فیصلہ بوجہ بدیشی (۱) کفن زید کی نماز جنازہ نہ پڑھانا احکامِ شرعیہ کے ماتحت موجب ثواب کا ہے یا عذاب کا؟

۵...... اور نیز بکر جب کہ خالص ولایتی اشیاء مثلاً گھڑی وچشمہ استعمال کرتا ہے اور اکثر موٹر کی سواری میں چلتا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ فقط والسلام۔

خادم: اسلام جمیل احمد صدیقی از سیکرٹری ڈاکخانہ خاص ضلع مظفرنگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... جس کپڑے کا زندگی میں پہننا جائز ہے اس کا کفن بھی جائز ہے جس کا زندگی میں پہننا جائز نہیں اس کا کفن بھی پہننا جائز نہیں (۲)۔ لٹھہ میں اگر کوئی نجاست مادے وغیرہ میں نہیں ہے بلکہ پاک ہے تو اس

---

(۱) ''بدیسی: غیر ملک کا، دوسرے دیس کا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) ''والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته، يجوز أن يكفن فيه بعد موته، حتى يكره أن=

کا کفن بھی جائز ہے اور اگر اس میں کوئی نجس شے ہے تو اس کا کفن جائز نہیں، اس کی تحقیق کر لی جائے (۱)۔

۳......مردے کے جب کسی فعل کو اس میں دخل نہیں تو وہ بری الذمہ ہے، اگر میت نے وصیت کی تھی کہ ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے، یا اس کا علم تھا کہ ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے گا پھر بھی جان بوجھ کر منع نہیں کیا تو وہ گناہ گار ہے (۲)۔

= يكفن الرجل في الحرير والمعصفر والمزعفر، ولا يكره للنساء ذلك اعتباراً باللباس في حال الحياة". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما صفة الكفن: ۲/۳۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۸، رشيديه)

(۱) "وفي القنية: الطهارة من النجاسة في ثوب و بدن و مكان و ستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۸، سعيد)

"(وشرطها إسلام الميت و طهارته) .... و في القنية: الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان و ستر العورة شرط في حق الإمام والميت جميعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۴، ۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ص: ۵۸۲، قديمي)

(۲) "قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: فلما مات عمر رضي الله تعالىٰ عنه، ذكرت ذلك لعائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقالت: رحم الله عمر، والله! ما حدّث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن الله ليعذب المؤمن ببكاء أهله عليه، ولكن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن الله ليزيد الكافر عذاباً ببكاء أهله عليه". وقالت: حسبكم القرآن ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾. الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه إذا كان النوح من سنته": ۱/۱۷۱، قديمي)

"و قد جمع كثيرٌ من أهل العلم بين حديثي عمر و عائشة رضي الله تعالىٰ عنهما بضروب من الجمع .... ثانيها: و هو أخص من الذي قبله ما إذا أوصى أهله .... قال أبو الليث السمرقندي: إنه قول عامة أهل العلم .... قال ابن المرابط: إذا علم المرء بما جاء في النهي عن النوح، و عرف أن أهله من شأنهم يفعلون من ذلك، و لم يعلّمهم بتحريمه و لا زجرهم عن تعاطيه، فإذا عذب على ذلك عذب بفعل نفسه لا بفعل غيره". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه" الخ: ۳/۱۹۸، قديمي)

۴......جنازہ کی نماز پڑھانا فرضِ عین نہیں بلکہ یہ نماز فرضِ کفایہ ہے، جب اَور لوگ بھی پڑھنے پڑھانے والے ہیں تو صورتِ مسئولہ میں بکر گنہ گار نہیں (۱)۔

۵......اولاً بکر سے تحقیق کرلی جائے کہ جنازہ کی نماز نہ پڑھانے کی وجہ صرف ولایتی کفن ہے یا اس کی ناپاکی یا اَور کوئی وجہ ہے؟ تو اگر صرف ولایتی کفن ہے تو اشیائے مذکورہ کا فرق بکر ہی سے دریافت کیا جائے، کیونکہ وہ بھی آپ کے لکھنے کے مطابق اپنے وقت کا بہت بڑا عالم وشیخ الحدیث ہے۔ اگر اس کی وجہ اس کفن کی ناپاکی ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے مادے میں بعض نجس چیزیں پڑتی ہیں اور اس میں نماز پڑھانا بُرا ہے، اگر کوئی اَور وجہ ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم لکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔　　صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

کفن پر خوشبو لگانا

سوال [۴۰۰۷]: خوشبو کفن میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب ہے: "وصفة تكفين الرجل أن يبخر الكفن أولاً بالبخور الطيبة، و يرش عليه

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۱/۲۷۵، قديمي)

"والصلاة عليه فرض كفاية بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

"(وهي فرض): أي الصلاة عليه للإجماع على افتراضها، وكونها على الكفاية". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۲۱۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۲، رشيديه)

الحنوط إن وجد، و يسبط اللفافة، ثم الإزار –وهو من القرن إلى القدم– ثم يجعل عليه حنوط إن وجد، ويطلى بالكافور مساجده، الخ". رسائل الأركان، ص: ١٥٤(١)۔

البتہ جوخوشبومرد کے لئے حالتِ حیات میں منع ہے یعنی ورس اورزعفران، اس کا کفن میں لگانا بھی منع ہے، اسی کودرمختار میں لکھا ہے کہ یہ جہل ہے:

"ويجعل الحنوط و هو العطر المركب من الأشياء الطيبة غيرزعفران وورس لكراهتهما للرجال، انتهى. ولايكره للنساء، أبو السعود عن العيني. قوله: وجَعْلُها فى الكفن عند رأس الميت كمايفعل فى زمانها جهلٌ، الخ". بحر: ١/٣٦٧(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کفن کس رنگ کا ہو؟

سوال[۴۰۰۸]: کفن کے لئے سفید کپڑا اچھا ہے یا اس کے سوا اور رنگ کا، اوراگر زمین سفید ہو دھاری سرخ وغیرہ ہوں تو کیسا ہے؟

رحمت اللہ، رتن پور، معرفت مولوی محمد ابراہیم رتن پوری متعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کفن کے لئے سفید کپڑا افضل ہے، اس کے علاوہ بھی جائز ہے، جورنگ اور کپڑا حالت حیات میں جائز

---

(١) (رسائل الأركان لأبي العياش عبدالعلي محمد بحر العلوم، الرسالة الأولى فى الصلوة، فصل فى حكم الجنازة، بيان سنة التكفين للرجل، ص: ١٥٤، مطبع يوسفي لكهنو)

"عن أبي وائل قال: عند عليّ رضى الله تعالىٰ عنه مسک، فأوصى أن يحنط به، وقال: "هو فضل حنوط رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". قال النووى إسناده حسن". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الغسل (رقم الحديث: ٢٩٩٧): ٢/٢٥٩، المكتبة المكية جده)

(٢) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٣٦٧، دار المعرفة، بيروت)

"(وجعل الحنوط على رأسه و لحيته)؛ لأن التطيب سنة. و ذكر الرازى أن هذا الجعل مستحب، والحنوط مركبٌ من أشياء طيبة، و لا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس اعتباراً بالحياة، و قد ورد النهى عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران فى الكفن عند رأس الميت فى زماننا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٣٠٣، رشيديه)

ہے وہ کفن کے لئے بھی جائز ہے اور جو رنگ اور کپڑا حالتِ حیات میں ناجائز ہے وہ کفن کے لئے بھی ناجائز ہے:

"فالأفضل أن يكون التكفين بالثياب البيض". و بعد عبارة: "والبرد والكتان والقصب كل ذلك حسن". و بعد عبارة: "والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته يجوز أن يكفن فيه بعد موته، حتى يكره أن يكفن الرجل في الحرير والمعصفر والمزعفر، ولا يكره للنساء ذلك اعتباراً باللباس في حال الحياة"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۰/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۲۶/شوال/۵۲ھ۔

عورت کے جنازہ پر سرخ چادر

سوال[۴۰۰۹]: جو عورت خاوند والی مرتی ہے اس کے جنازہ پر ایک سرخ چادر ڈالتے ہیں، ان کے جنازہ پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جنازہ اس پر بھی درست ہے، سرخ چادر کی پابندی کہیں ثابت نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: فصل: وأما صفة الكفن: ۲/۳۹، رشيديه)

"عن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "البسوا من ثيابكم البيض، وكفنوا فيها موتاكم". (مسند أحمد، رقم الحديث: ۱۹۵۹۹، أحاديث سمرة بن جندب: ۵/۶۳۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"و لم يبيّن لون الأكفان لجواز كل لون، لكن أحبها البياض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۸، رشيديه)

"و لا بأس في الكفن ببرود و كتان و في النساء .... لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة، وأحبه البياض". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۵، سعيد)

(۲) عورت کی جنازہ کے اوپر کسی رنگ کی بھی چادر ڈھانکنے کے لئے بچھانا درست ہے، کسی ایک رنگ کے ساتھ خاص کرنا اطلاقاتِ شرع کی تخصیص اور تقیید ہے جو کہ شرعاً مذموم ہے، خصوصاً جب اس کو امر مندوب وثابت بھی سمجھا جائے اور اس پر التزام بھی کیا جائے: "من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من =

کفن کے اوپر کی چادر

سوال[۴۰۱۰]: میت کے اوپر کفن پر کس قسم کی چادر ڈھانک کر لے جانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چادر ڈھانک کر لے جانا درست ہے جس کا زندگی میں پہننا درست ہے(۱) اور وہ چادر جزو کفن نہیں (۲)، بعض جگہ دستور ہے کہ وہ چادر گورکن کا حق تصور کرتے ہیں، یہ بے اصل ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۴/ ۷/ ۹۰ھ۔

= الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/ ۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة: ۲/ ۲۶۵، سهيل اكيڈمی)

(۱) "لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة". (الدرالمختار، كتاب الصلاة باب الجنائز: ۲/ ۲۰۵، سعيد)

"و يكفن الميت كفن مثله، وتفسيره: أن ينظر إلى ثيابه في حياته لخروج الجمعة و العيدين، فذلك كفن مثله". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۰۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/ ۱۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الجنائز، الباب الثالث في التكفين: ۱/ ۱۶۱، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ مرد کو تین کپڑوں میں اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے ان سے زائد ثابت نہیں۔ (وقد تقدم تخريجه في أوائل الفصل تحت عنوان: "کفن کے کپڑے")

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱، قديمي)

"قال العلامة المناوي تحته: أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه .... ماليس =

8

اپنے کفن کے لئے اپنی زندگی میں سامان خرید کر رکھنا

سوال[۴۰۱۱]: زید چاہتا ہے کہ اپنی کمائی سے زندگی میں مکمل کفن دفن کا سامان خرید کر محفوظ کر لے، کیا ایسا عمل جائز ہے؟ مع دلیل کے لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی کفن کا محفوظ رکھنا ثابت ہے جیسا کہ صحاح کی روایت میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

= منه: أى رأياً ليس له في الكتب والسنة عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد): أي مردود على فاعله لبطلانه". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

وعرّفها الشمنى "بأنها (أى البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، و جعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعيد)

(۱) "عن سهل رضى الله تعالىٰ عنه أن امرأة جاء ت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها، تدرون ما البردة؟ قالوا: الشملة، قال: "نعم". قالت: نسجتها بيدى، فجئت لأكسوكها، فأخذها النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محتاجاً إليها، فخرج إلينا و أنها إزاره، فحسنها فلانٌ، فقال: أكسينها ما أحسنها، فقال القوم: ما أحسنت لبسها النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم محتاجاً إليها، ثم سألته و علمت أنه لا يرده قال: إني والله! ما سألته لألبسه، و إنما سألته لتكون كفني. قال سهل: فكانت كفنه". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن فى زمن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم ينكر عليه: ۱/۱۷۰، قديمى)

(ورواه ابن ماجة فى سننه فى كتاب اللباس، باب لباس رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۲۵۴، قديمى)

غیر مسلم کی رقم سے مسلم کی تجہیز وتکفین

سوال[۴۰۱۲]: ایک زید مسلمان کی میت کو ایک غیر مسلم کی رقم دی ہوئی جائز ہے یا ناجائز؟ میت کا وارث کوئی نہیں ہے، اس صورت پر کہاں تک صحیح ہے، یہ شخص مستقل چار سال تک ملازم تھا، رہن سہن خورد ونوش کا انتظام وہیں پر تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسلمان میت کا کوئی وارث نہیں اور اس کے کفن دفن کے لئے کسی غیر مسلم نے رقم دی تو اس رقم کا میت کے کفن دفن میں خرچ شرعاً کرنا درست ہے، مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی طرف سے اس کا انتظام کریں غیر مسلم سے نہ مانگیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۷/ ۳۹ھ۔

ہندو مسلم کے جنازے میں تمیز نہ ہو تو کفن دفن کی کیا صورت ہوگی؟

سوال[۴۰۱۳]: ایک مکان کے اندر ایک ہندو اور ایک مسلمان ہیں، مکان میں آگ لگ گئی، دونوں جل گئے جس کی کوئی بھی شناخت نہیں ہو سکی تو اب ان کی نماز جنازہ اور کفن دفن کس طرح ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شناخت نہیں تو دونوں کو غسل کفن دے کر ایک ساتھ سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جائے اور نیت

---

(۱) "(وإن لم يكن ثمة من تجب عليه نفقته، ففي بيت المال، فإن لم يكن) بيت المال معموراً أو منتظماً (فعلى المسلمين تكفينه) فإن لم يقدروا سألوا الناس، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۶، سعيد)

"فإن لم يكن له من تجب النفقة عليه فكفنه في بيت المال، فإن يكن فعلي المسلمين تكفينه، فإن لم يقدروا، سألوا الناس ليكفنوه، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۳۱۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۱، رشيديه)

جنازۂ مسلم کی، کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۸ھ۔

جس میت کے متعلق مسلم اور غیر مسلم ہونے کا علم نہ ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟

سوال [۴۰۱۴]: ہمارے یہاں ایک کمیٹی ۱۸۰۷ء سے لاوارث مسلمانوں کی میت تجہیز وتکفین کی ذمہ داری لئے ہوئے ہے، ہر مہینہ میں ۴۰، ۵۰/ لاشیں شہر کے مختلف اسپتالوں سے ادارہ کو دی جاتی ہیں اور اس کیساتھ افسر کا سرٹیفکیٹ ہوتا ہے، نام کی جگہ نا معلوم لکھا ہوتا ہے، ادارہ کا کام پہلے لاش کو شناخت کرنا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ شناخت کا واحد ذریعہ مسلمان مرد کا صرف ختنہ ہے اور لباس وضع قطع سے کچھ علم نہیں ہوتا سوائے غالب گمان کے کہ میت مسلمان ہی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ختنہ یہودی بھی کراتے ہیں اور بہت سے غیر مسلم بھی حفظانِ صحت کی وجہ سے ختنہ کرانے لگے۔ سوال یہ ہے کہ ان میتوں کو مسلمان سمجھ کر ان کی تجہیز وتکفین کرنا نمازِ جنازہ ادا کرنا، مسلم قبرستان میں دفن کرنا شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "ولو اجتمع موتى المسلمون والكفار، يُنظر: إن كان بالمسلمين علامةٌ يمكن الفصل بها، يفصل. وعلامة المسلمين أربعة أشياء: الختان والخضاب ولبس السواد وحلق العانة. وإن لم يكن بهم علامة، يُنظر: إن كان المسلمون أكثر، غسلوا وكفنوا ودفنوا في مقابر المسلمين، وصلى عليهم، وينوى بالدعاء المسلمون .... وأما إذا كانوا على السواء، فلا يشكل أنهم يغسلون لماذكرنا .... يصلي عليهم وينوى بالصلاة والدعاء المسلمين؛ لأنهم إن عجزوا عن تعيين العمل للمسلمين، لم يعجزوا عن تمييز القصد في الدعاء لهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: شرائط وجوب الغسل: ۲/۳۱، رشيديه)

"اختلط موتانا بكفار ولا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا. واختلف في الصلاة عليهم". (الدرالمختار). "(قوله: واختلف في الصلاة عليهم) .... يصلي، ويقصد المسلمين؛ لأنه إن عجز عن التعيين، لا يعجز عن القصد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

ان حالات میں ظنِ غالب پر ہی عمل کیا جاسکتا ہے لیکن اصحابِ ادارہ کو خواہ سرٹیفکیٹ سے یا ختنہ سے یا کسی اور علامت سے اس بات کا ظنِ غالب حاصل ہو جائے کہ یہ میت مسلمان ہے تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو مسلم میت کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، جب حقیقت حال پر اطلاع پانا دشوار ہو تو ظنِ غالب شرعاً کافی ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۵ھ۔

---

(۱) " اختلط موتانا بكفار و لا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا. واختلف في الصلاة عليهم ومحل دفنهم الخ". (الدرالمختار). "(قوله : أعتبر الأكثر) .... قال في الحلية : فإن كان بالمسلمين علامة، فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، وإلا فلو المسلمون أكثر صُلّىَ عليهم، و يُنوى بالدعاء المسلمون. ولو الكفار أكثر .... فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضاً: أى حالة ما إذا كان الكفار أكثر؛ لأنه حيث قصد المسلمين فقط لم يكن مصلياً على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضاً مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاث، وهو أوجه قضاء حق المسلمين بلا ارتكاب منهي منه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۰، ۲۰۱، سعيد)

"ولو وجد ميت أو قتيل في دارالإسلام، فإن كان عليه سيما المسلمين، يغسل و يصلى عليه" ويدفن في مقابر المسلمين، و هذا ظاهر. وإن لم يكن معه سيما المسلمين، ففيه روايتان، والصحيح أنه يغسل، و يصلى عليه، و يدفن في مقابر المسلمين لحصول غلبة الظن بكونه مسلماً بدلالة المكان، وهي دار الإسلام. ولو في دار الحرب، فإن كان معه سيما المسلمين، يغسل، ويصلى عليه، ويدفن في مقابر المسلمين بالإجماع. وإن لم يكن معه سيما المسلمين ففيه روايتان .... والحاصل أنه لا يشترط الجمع بين السيما و دليل المكان، بل يعمل بالسيما وحده بالإجماع. و هل يعمل بدليل المكان وحده؟ فيه روايتان، والصحيح أنه يعمل به لحصول غلبة الظن عنده". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما شرائط وجوب الغسل : ۲/۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

دریا سے بہہ کر آئی ہوئی عورت کی لاش کے متعلق اختلاف

سوال[۴۰۱۵]: ایک عورت کسی دریا میں بہتی ہوئی چلی آئی ہے، جہاں وہ نکلی ہے وہاں مسلم وغیر مسلم دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہے، ایک پارٹی دفنانے کو کہتی ہے دوسری آگ لگانے کو کہتی ہے۔ آپ فرمائیں مذکورہ عورت کی شناخت کیسے ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہندو عورت کا لباس بھی خاص ہوتا ہے اور بدن پر کہیں گودنے کا نشان بھی ہوتا ہے، اگر اس قسم کی کوئی علامت نہ ہو اور مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے غسل وکفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کریں تو ان کو حق ہے، مگر جھگڑا فساد نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۹/۱۳۹۹ھ۔

کفن کے بند کا حکم

سوال[۴۰۱۶]: کفن پہنانے کے بعد میت کو تین گرہ کفن میں دے دی جاتی ہیں خواہ مرد ہو، یا عورت: سرہانے، کمر میں پاؤں، جانب۔ قبر میں اتارنے کے بعد میت کی تینوں گرہیں کھول دی جاتی ہیں اور عورت کی صرف منہ کی طرف کھول دی جاتی ہے اور کمر پاؤں کی جانب بدستور گرہ لگی رہتی ہے اور بعض لوگ بند

---

(۱) "لو لم يدر أمسلم أم كافر و لا علامة، فإن في دارنا، غسل و صلى عليه، و إلا لا". (الدرالمختار).

"(قوله: فإن في دارنا) أفاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة أن العلامة مقدمة، وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح؛ لأنه يحصل به غلبة الظن .... أن علامة المسلمين أربعة: الختان والخضاب الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ۲/۲۰۰، سعيد)

"و من لا يدرى أنه مسلم أو كافر، فإن كان عليه سيما المسلمين أو في بقاع دار الإسلام، يغسل، وإلا فلا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى و العشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الباب الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۸۱، إدارة القرآن، كراچی)

ڈھیلے کر دیتے ہیں۔ حدیث وفقہ سے بند کا باندھنا، قبر میں گرہ کا کھولنا وغیرہ ثابت ہے یا نہیں اور اس طریقہ کو کب، کس نے اور کس طرح ایجاد کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تین جگہ باندھنے سے یہ فائدہ ہے کہ جنازہ اٹھاتے اور لے جاتے وقت کفن نہ کھل جائے اور قبر میں رکھنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں رہتا، اس لئے کھولدیتے ہیں، عورت مرد سب کے ہی تینوں بند کھول دیئے جاتے ہیں، ہر دو کے باندھنے کی بھی مصلحت ایک ہے اور کھولنے کی ایک، لہٰذا تفریق کی ضرورت نہیں، اگر کفن کھلنے کا اندیشہ نہ ہو تو بند باندھنے کی بھی ضرورت نہیں، کبیری شرح منیہ، ص: ۵۳۸ میں بند باندھنے کو اسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے(۱)۔ اسی طرح عالمگیری: ۱/۱۶۰(۲) زیلعی: ۱/۲۳۸(۳)، مجمع الأنہر: ۱/۱۸۲(۴) میں ہے۔ اور قبر میں رکھنے کے بعد بند کھولنے کا حکم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا

---

(۱) "فيقمّص و يحنط، ثم يعطف عليه الإزار من جهة اليسار، ثم من اليمين، ثم اللفافة كذلك، و يربط إن خيف انتشاره". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثالث في تكفينه، ص: ۵۸۱، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"ويوجه الميت في القبر إلى القبلة على جنبه الأيمن، ولا يلقى على ظهره، وتحل عقدة". (الحلبي الكبير، السادس في الدفن، ص: ۵۹۷، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "و كفن المرأة سنة: درع، وإزار، وخمار، ولفافة، وخرقة يربط بها ثدياها". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين: ۱/۱۶۰، رشيديه)

(۳) "قال: (وعقد): أي الكفن (إن خيف انتشاره) صيانة عن الكشف .... ثم يعطف الإزار، ثم اللفافة كما ذكرنا في حق الرجل، ثم الخرقة فوق الأكفان لئلا تنتشر. و عرضها مابين الثدي إلى السرة، وقيل: ما بين الثدي إلى الركبة لئلا ينتشر الكفن بالفخذين وقت المشي". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۲۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) "(ويعقد الكفن إن خيف أن ينتشر) صيانةً عن الكشف)". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۶۸، غفاريه كوئٹه)

ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص: ۳۳٤) (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

غسلِ میت کے بعد جو کپڑا استرِ عورت کے لئے ڈالا جائے کیا وہ جزوِ کفن ہے؟

سوال [۴۰۱۷]: مردہ کو غسل دینے کے بعد ایک تہبند پہناتے ہیں وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، لنگی کو کفن میں شمار کر کے بغیر کسی عذر کے قمیص اور لفافہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے یا ازار بھی دینا ہوگا؟ اگر اس لنگی کو کفن میں نہ شمار کیا جائے، بلکہ اس کے علاوہ تین کپڑے دیئے جائیں تو اس لنگی کو جو غسل دیتے وقت پہنائی گئی تھی نکال دینا بہتر ہے یا اس کا رہنے دینا بہتر ہے؟ اولویت کے اعتبار سے جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ازارِ میت کے متعلق فقہاء کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ سر سے پیر تک ہو لفافہ کی طرح، دوسرا قول یہ ہے کہ منکب سے قدم تک ہو، تیسرا قول شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ سُرہ سے رکبہ تک ہو اور اس کو حدیث سے اقرب قرار دیا۔ ہے:

"فالإزار واللفافة من القرن إلى القدم –والقرن هنا بمعنى الشعر، واللفافة هي الرداء طولاً– وفي بعض نسخ المختار: أن الإزار من المنكب إلى القدم هذا ما ذكروه. و بحث فيه في فتح القدير بأنه ينبغي أن يكون إزار الميت كإزار الحي من السرة إلى الركبة؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أعطى اللاتي غسلن ابنته حقوه و هي في الأصل معقد الإزار ثم سمي به الإزار للمجاورة، اهـ". بحر: ۲/۱۷۵ (۲)۔ "والبحث في فتح القدير: ۱/۷۵۵، حيث قال: "وهذا ظاهر في أن إزار الميت كإزار الحي من الحقو، فيجب كونه في الذكر كذلك لعدم الفرق" (۳)۔

---

(۱) "(وتحل العقدة) لأمر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمرة رضي الله تعالىٰ عنه و قد مات له ابن: "طلق عقد رأسه و عقد رجليه". و لأنه آمن من الانتشار". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۰۹، قديمي)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۷، رشيديه)

(۳) (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۱۵، مصطفى البابي مصر)

"(قوله: إزار الخ) –هو من القرن إلى القدم– .... واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلف فيها الميت و تربط من الأعلى والأسفل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۲، سعيد)

مگر عامۂ فقہاء قولِ اول ہی کو لیتے ہیں، لہٰذا اس لنگی کو علیحدہ کرکے مستقل ازار دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۸۹ھ۔

کفن کا مصلی مسجد میں دینا

سوال [۴۰۱۸]: مردوں کو کفنانے کے لئے جو کپڑا خریدا جاتا ہے اس میں سے بعض حضرات ایک مصلی کی صورت میں تھوڑا سا کپڑا بچا کر مسجد میں دیدیتے ہیں۔ آیا اس مصلی کا استعمال اہل مسجد کرسکتے ہیں یا نہیں، یعنی اس کو مصلی کے طور پر استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کپڑا جزوِ کفن نہیں، ورثاء کی ملک ہے، اس کا رواج ختم کیا جائے۔ ورثاء اگر بالغ ہوں اور میت کو ثواب پہونچانے کے لئے کوئی چیز مصلی وغیرہ مسجد میں دیں تو اس کا استعمال کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "ان سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال يارسول الله!- صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۳۸۶/۱، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها..... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲۴۳/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال[۴۰۱۹]: کیا مردے کے کفن پر عہد نامہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن وحدیث سے تو عہد نامہ لکھنا ثابت نہیں، بعض دیگر کتب میں اس کی اجازت دی ہے، مگر روشنائی سے نہیں بلکہ انگلی سے، اور یہ اجازت بھی مجتہدین فقہاء کی طرف سے نہیں ہے، اس لئے اس سے احتیاط ہی بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

کفن پر عہد نامہ لکھنا اور تلقین بعد الدفن

سوال[۴۰۲۰]: بہار شریعت میں ہے: "شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے اور فرمایا

= مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (شرح الصدور في احوال الموتى والقبور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۲، دارالمعرفة)

(۱) "كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهدنامه، يرجى أن يغفر الله للميت". (الدرالمختار).

"فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد، أو ينقل فيه حديث ثابت، فتأمل، نعم! نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۴۶/۲، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس".

الاستبشار: "هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت ويصير هذاالثوب مستعملا مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوي المسماة بنفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۳۰۳، دارابن حزم)

ہے کہ اس سے مغفرت کی امید ہے''۔

الجواب حامداًومصلیاً:

درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لئے پیش نہیں کی، شامی نے اس کو رد کیا ہے:

''وقد منا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القران وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب و الجُدر ان وما يفرش، وماذلك إلالاحتر امه وخشية و طئه و نحو مُمافيه إهانته الخ''.

اس کے بعد نقل کیا ہے:

''أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مدادبالأصبع المسحة: بسم الله الرحمن الرحيم، و على الصدر: لاإله إلاالله محمد رسول الله، وذالك بعد الغسل قبل التكفين''(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کفن پر کلمہ لکھنا

سوال[۴۰۲۱]: میت کے سینے پر کفن پہناتے وقت بعض لوگ کلمہ لکھتے ہیں۔کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قلم سے روشنائی سے لکھنا منع ہے، بعض حضرات محض انگلی کے اشارے سے لکھ دیتے ہیں اس میں کوئی

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

''الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟

''الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت. ويصير هذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله''. (فتاوى اللكنوى المسماة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم)

بے ادبی نہیں، مگر ثابت بھی نہیں، اگر کوئی اشارہ سے لکھ دے تو اس سے نزاع نہ کریں نہ تاکید کریں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۰۲۲]: عرصے سے ہمارے ملک میں تحریر کفنی کا جواز عدم جواز کا مسئلہ چل رہا ہے، ایک صاحب نے ایک رسالہ میں تحریر کیا ہے لکھا ہے کہ کفن پر لکھنا ثواب ہے، جس کے ثبوت میں درمختار کی عربی عبارت بھی مع ترجمہ کے ساتھ لکھی ہے اور کچھ کتابوں کا بلا عبارت جواز کے بارے میں ثبوت دیا ہے، کتابوں کے نام یہ ہیں: کفایہ، تاتارخانیہ، فتویٰ امام مکی، اخبار الاخیار، لمعات، یہ کتابوں کے نام ہیں۔ مفتی صاحب کا نام قاضی عبدالسبحان ہے۔ اور کچھ صاحب کہتے ہیں کہ کچھ بھی لکھنا جائز نہیں ہے۔ آپ مذکورہ فتویٰ کے متعلق تحریر فرمائیں کہ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفنِ میت پر کچھ لکھنا قرآن کریم حدیث شریف، اجماعِ امت، قیاسِ مجتہد سے ثابت نہیں، غیر مجتہد کا عمل قابلِ احتجاج نہیں۔ درمختار میں جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے، علامہ شامی نے اس کی تردید کی ہے

(۱) "وقد أفتى ابن الصلاح: بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت .... و قد قدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذاك إلا لاحترامه و خشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت .... أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحيم، و على الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، و ذلك بعد الغسل قبل التكفين". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً لميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دار ابن حزم)

............ابن الصلاح سے بھی عدمِ جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے لکھنے میں حروفِ قرآن کریم اور اسمائے الٰہیہ کی بے ادبی ہے۔ اگر لکھنا ہو تو محض انگلی سے بغیر روشنائی کے میت کی پیشانی پر کچھ لکھ دیا جائے، یہ لکھنا بھی دلیل سے ثابت نہیں تاہم اس طرح بے ادبی نہیں ہوگی۔ غور کا مقام ہے، اگر لکھنا دلیل سے ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ضرور منقول ہوتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵۶/۱۲/۳ھ۔

کلمہ طیبہ وغیرہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دینا

سوال [۴۰۲۳]: روشنائی سے کلمہ طیبہ وکلمۂ شہادت اور آیۃ الکرسی مع بسم اللہ لکھ کر میت کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں اور اس کو کارِ ثواب تصور کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے، کسی حدیث، فقہائے امت کے قول سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا شریعت سے ثابت نہیں، ہرگز ایسا نہ کیا جائے، قبر میں میت کا بدن پھٹنے اور اس کی آلائش لگنے

---

(۱) "کتب علی جبهة المیت أو عمامته أو کفنه "عهد نامه" یرجی أن یغفر الله للمیت". (الدر المختار).

"وقد أفتی ابن الصلاح بأنه لا یجوز أن یکتب علی الکفن یٰس والکهف ونحوهما خوفاً من صدید المیت .... و قد قدمنا قبیل باب المیاه عن الفتح أنه تکره کتابة القرآن وأسماء الله تعالیٰ علی الدراهم والمحاریب والجدران و ما یفرش، و ما ذاک إلا لاحترامه و خشیة وطئه ونحوه مما فیه إهانة، فالمنع هنا بالأولیٰ ما لم یثبت عن المجتهد أو ینقل فیه حدیث ثابت. .... أن مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالأصبع المسبحة: بسم الله الرحمن الرحیم، وعلی الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذلک بعد الغسل قبل التکفین". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

"الاستفسار: قد تعارف فی بلادنا أنهم یلقون علی قبر الصلحاء ثوباً مکتوباً فیه سورة الإخلاص، هل فیه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما یلقی تعظیماً للمیت، ویصیر هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال کتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاویٰ اللکنوی المسماة نفع المفتی والسائل، مایتعلق بتعظیم اسم الله واسم حبیب الله الخ، ص: ۴۰۳، دار ابن حزم)

سے اس لکھے ہوئے کا احترام باقی نہیں رہتا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

کلمہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا

سوال [۴۰۲۴]: چادر جس پر کلمہ شریف اور آیاتِ قرآنی لکھی ہوتی ہیں، میت پر ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلمہ شریف اور آیاتِ قرآنیہ کے احترام کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کفن پر کلمہ لکھنا'')

(۲) "وقدمنا قبل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران و ما يفرش، و ما ذلک إلا لاحترامه و خشية وطئه و نحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

"بساطٌ أو غيره كتب عليه: "الملک لله"، يكره بسطه واستعماله لا تعليقه للزينة".

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، قبيل باب المياه: ۱/۱۷۸، سعيد)

وفي الفتاوى العالمكيرية: "كتابة القرآن على مايفرش و يبسط مكروهة". (كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۱/۳۲۳، رشيديه)

"الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله"........ قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التي كتب فيها اسم الله تعالىٰ أو سورة القرآن على جميع القبور، وإن لم يكن المقبور من أهل الزهد والورع". (فتاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم)

پرچہ پر دعاء لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا

۲۱/ مارچ ۷۰ء محترم قبلہ مفتی دارالعلوم دیوبند!

سوال[۴۰۲۵]: ۱...... بعد آداب کے گزارش ہے کہ میں نے ایک پرچہ لکھا ہے اس پرچہ کو لفافہ میں بھیج رہا ہوں اور چند باتیں میرے قصبہ میں مجھ کو نئی معلوم ہوتی ہیں اس وجہ سے میں نے اپنے بزرگوں کو تکلیف دی ہے جس کی معافی چاہتا ہوں ہمارے قصبہ کھیری میں میت کو قبر میں اتارتے ہیں اور مردے کے جسم پر یعنی سینہ پر یہ پرچہ رکھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ منکر نکیر قبر میں حساب نہیں کر سکتے اور نہ مردے کو قبر میں منکر نکیر دکھلائی پڑیں گے اور اس کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور علمائے دیوبند کو بھی اس کا ایجاد کردہ بتلاتے ہیں، اس سے بہت خلفشار قصبہ میں مچا ہوا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم، الله رب محمد والصلوة عليه صلى الله عليه وسلم، امام ترمذی حکیم الٰہی سیدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الأصول میں روایت کی کہ خود حضور پر نور سید عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كتب هذا الدعاء بين صدر الميت وكفنه في رقعة، لم ينله عذاب القبر، ولا يرىٰ منكراً ونكيراً، وهوهذا"۔ جو یہ دعاء کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینے پر کفن کے نیچے رکھدے اسے عذاب قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں وہ دعا یہ ہے:

" لاإله إلاالله والله أكبر لاإله إلاالله وحده لاشريك له، لاإله إلا الله، له الملك وله الحمد، لاإله إلا الله ولاحول ولاقوة إلابالله العلى العظيم (۱)۔

دعائے ثانی: سبحٰن من هوبالجلال موحد وبالتوحيد معروف وبالمعارف موصوف وبالصيغة على لسان كل قائل رب وبالربوبية للعالم قاهر وبالقهر للعالم جبار وبالجبروت عليم حليمٌ وبالعلم والحلم رؤف رحيم، سبحنه كمايقولون وسبحنه كماهم يقولون تسبيحاً تخشع له السموات والأرض ومن عليهاويحمدون من حول عرشي، اسمي الله وأناأسرع الحاسبين، آمين صلى الله على حبيبه سيد نامحمد وآله وسلم۔ منقول از فتاویٰ شامی، رد المحتار جلد اول، ص: ۶۰۷۔

مطبع دیوبند فتاوی رضویہ جلد چہارم ص: ۱۲۸

شائع کردہ منشی عبداللہ صاحب محلہ ڈبہ ضلع کھیری لکھیم پور۔

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فيمايكتب على كفن الميت، ۲/۲۴۶، سعيد)

۲......یہ کہ جب قبر میں مردے کو دفن کر دیتے ہیں اور چند حافظ قرآن وہاں ٹھہر جاتے ہیں وہ بعد میں قبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دیتے ہیں اور قرآن شریف کی سورۂ یٰسین پڑھتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......مطبوعہ پرچہ میں جو دعاء ثانی ہے اس کا تو شامی (ردالمحتار) میں وجود ہی نہیں ہے یہ تو بالکل غلط ہے اور جھوٹ ہے البتہ لاإله إلاالله والله اکبر الخ (۱) موجود ہے لیکن اول تو اس میں یہ نہیں کہ اس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ہے لہذا یہ نسبت کرنا پہلے جھوٹ سے بڑھ کر جھوٹ ہے اس لئے کہ اس میں شامی پر جھوٹ ہے اور حکیم ترمذی پر جھوٹ ہے اور سب سے بڑھ کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جھوٹ ہے، شامی نے اس کو ابن حجر مکی سے نقل کیا ہے حکیم ترمذی کی نوادرالاصول سے نقل نہیں کیا، ابن حجر مکی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، دوسرے اس میں یہ نہیں ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھدے لہذا یہ بھی جھوٹ ہے بلکہ اس میں کفن پر لکھنے کیلئے کہا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ابن حجر مکیؒ شافعی ہیں حنفی نہیں ہیں ان کا قول حنفیہ کیلئے حجت نہیں، چوتھی بات یہ ہے کہ شامی نے اسی صفحہ میں ابن صلاح سے نقل کیا ہے کہ کفن پر لکھنا جائز نہیں ابن صلاح بھی شافعی ہیں اور انکا درجہ شافعیہ میں ابن حجر مکی سے بہت بلند ہے، پانچویں بات یہ ہے کہ علامہ شامیؒ نے ان سب کو نقل کر کے رد کر دیا ہے اور وجہ بیان کی ہے کہ اس سے اللہ پاک کے نام کی اہانت ہوتی ہے کیوں کہ جب میت کا بدن گلتا سڑتا ہے اور اس سے نجاست برآمد ہوتی ہے تو اللہ کے نام کو بھی وہ لگے گی تو اس کو نجس کرنا ہرگز جائز نہیں، جب تک کوئی حدیث ثابت نہ ہو اس کو منع ہی کیا جائے گا، جس چیز کو شامی نے لکھ کر مردود قرار دیا ہو اسکی ترغیب شامی کی طرف منسوب کرنا خیانت ہے:

”قد أفتیٰ ابن الصلاح بأنه لایجوز أن یکتب علی الکفن یٰسن والکهف ونحوهماخوفامن صدید المیت .... فالأسماء المعظمة باقیة علی حالها، فلایجوز تعریضهاللنجاسة، والقول بأنه یطلب فعله مر دود؛ لأن مثل ذلك لایحتج به إلا إذاصح عن النبی صلی الله علیه وسلم طلب ذلك، ولیس کذلك. وقدمناقبیل باب المیاه عن الفتح أنه تکر ه کتابة القرآن وأسماء الله تعالیٰ علی الدراهم والمحاریب والجدران ومایفرش، وماذك

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، باب صلاة الجنازه، مطلب فیمایکتب علی کفن المیت، ۲/۲۴۶، سعید)

إلا لاحترام وخشية وطئه ونحوه ممافيه إهانة، فالمنع هنابالأولى يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت". رد المحتار: ۱/۶۰۷(۱)۔

۲.....میت کودفن کرنے کے بعد ایک شخص سورۂ بقرہ کااول سرہانے اور دوسرا شخص سورۂ بقرۃ کا آخر پیروں کی طرف پڑھے یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے(۲) باقی قبر پراذان دینا ثابت نہیں بدعت ہے، ردالمحتار ۱/ ۲۵۸، باب الأذان میں لکھ کراس کورد کیا ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (رد المحتار، باب الجنائز، مطلب حدیث فیمایکتب علی کفن المیت، ۲/۲۴۶، ۲۴۷، سعید)

"الاستفسار :"قد تعارف فی بلادنا أنهم یلقون علی قبر الصلحاء مکتوبافیه سورة الإخلاص".

الاستبشار : "هو استهانة بالقران؛ لأن هذاالثوب إنمایلقی تعظیماً للمیت، ویصیر هذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتدال کتاب الله من أسباب عذاب الله". (مجموعة رسائل اللکهنوی، رسالة نفع المفتی والسائل، مایتعلق بتعظیم اسم الله واسم حبیب الله صلی الله تعالی علیه وسلم الخ:۴/۱۵۹، ادارة القران)

(۲) "وعن عبدالله بن عمرؓ قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "إذامات أحدکم فلاتحبسوه وأسر عوابه إلی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجلیه بخاتمة البقرة". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، الفصل الثالث، (رقم الحدیث : ۱۷۱۷): ۱/۱۴۹، قدیمی)

"وکان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲/۲۳۷، سعید)

(۳) "(لا) یسن(لغیر ها)کعید(الدرالمختار). "قوله کعید ووتر وجنازة وکسوف واستسقاء الخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، ۱/۳۸۵،سعید)

"ولیس لغیر الصلواة الخمس .... وصلاة الجنائز، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان: ۱/۵۳، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵، رشیدیه)

الفصل الثالث فی الصلوۃ علی المیت

(جنازہ کی نماز کا بیان)

صلوۃ جنازہ کی مشروعیت کب سے ہے؟

سوال[۴۰۲۶]: صلوہ جنازہ کی ابتداء اسلام سے قبل سے ہوئی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

"قیل: هی (أی صلوۃ الجنازۃ) من خصائص هذه الأمة کالوصیة بالثلث، ورد بما أخرجه الحاکم، و صححه عنه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أنه قال: "کان ادم رجلاً أشقر طوالاً کأنه نخلة سحوق، فلما حضره الموت نزلت الملائکة بحنوطه و کفنه من الجنة، فلمامات -علیه السلام- غسلوه بالماء والسدر ثلثاً، و جعلوه فی الثالثة کافوراً، و کفنوه فی وتر من الثیاب، وحفروا له لحداً، وصلو علیه، و قالوا لولده: هذا سنةٌ لمن بعده". فإن صح ما یدل علی الخصوصیة تعین حمله علی أنه بالنسبة بمجرد التکبیروالکیفیة. قال الواقدی: لم تکن شرعت (أی صلوۃ الجنازۃ) یوم موت خدیجة و موتها بعد النبوة بعشر سنین علی الأصح". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۳۸(۱)۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۸۰، قدیمی)

"فی الأنوار الساطعة: شرعت صلوۃ الجنازۃ بالمدینة المنورة فی السنة الأولی من الهجرة، فمن مات بمکة المشرفة لم یصل علیه. وفی الإقناع: هی من خصائص هذه الأمة کما قال الفاکهانی المالکی فی شرح الرسالة. قال البجیرمی فی هامشه: و شرعت بالمدینة لا بمکة فی السنة الأولی من الهجرة. و ذکر الفاکهانی فی شرح الرسالة: أن صلوۃ الجنازۃ من خصائص هذه الأمة، لکن ذَکَرَ ما یخالفه فی الشرح المذکور: "وروی أن آدم علیه السلام لما توفی، أتیَ له بحنوط و کفن من الجنة،=

اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کی مشروعیت کے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ اسی امت کی خصوصیت ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد مشروع ہوئی ہے، دوسرا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ملائکہ نے صلوۃ جنازہ پڑھی ہے اور بعد والوں کیلئے بھی اس کو مقرر کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۴ھ۔

نمازِ جنازہ حاضرین پر فرض کفایہ ہے یا فرض عین؟

سوال [۴۰۲۷]: صلوۃ جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر کوئی حاضر ہو جائے تو اس کے اوپر بھی فرض کفایہ ہے یا نہیں؟ ایک عالم صاحب فرماتے ہیں اس پر بھی فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور حاشیہ شرح وقایہ میں مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے فرض کفایہ لکھا ہے، ان کے حق میں بھی، کتاب کا حوالہ نہیں دیا(۱)، اگر دیگر کتب سے یہ مسئلہ معلوم ہو تو ارسال فرمایئے مع حوالہ کے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وهى فرض كفاية: أى الصلوة عليه، لقوله عليه الصلاة والسلام: "صلوا على صاحبكم". والأمر للوجوب. ولو كانت فرض عينٍ، يصلى عليه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ولأن المقصود يحصل بإقامة البعض، فتكون فرض كفاية. و كذا تكفينه فرض على

= ونزلت الملائكة فغسلته و كفنته فى وتر من الثياب و حنطوه، و تقدم ملك منهم، فصلى عليه". إلى اخر مابسط من الكلام على ذلك. (لامع الدرارى على جامع البخارى، كتاب الجنائز، متى شرعت صلاة الجنازة: ۳۰۸/۳، المكتبة الإمدادية مكة المكرمة)

(وكذا فى أوجز المسالك، كتاب الجنائز: ۱۹۱/۴، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۱) "هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين. وإن لم يؤد واحدٌ منهم، يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، و تحقيقه فى كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۶): ۲۰۶/۱، سعيد)

الکفاية، و لهذا يقدّم على الدين الواجب عليه، و يجب على من تجب عليه نفقته. و كذا غسله ودفنه فرض على الكفاية، اهـ". زيلعي: ۱/۲۳۸(۱)۔

"وإذا أرادوا أن يصلوا على جنازة بعد غروب الشمس بدأوا بالمغرب؛ لأنها أقوى، فإنها فرض عين على كل واحد. والصلوة على الجنازة فرض على الكفاية، والبدأة بالأقوى أولى؛ لأن تأخير صلوة المغرب بعد غروب الشمس مكروه، وتأخير الصلوة على الجنازة غيرمكروه .... وإذا صلوا على جنازة و الإمام غير طاهر، فعليهم إعادة الصلوة؛ لأن صلوة الإمام فاسدة لعدم الطهارة، فتفسد صلوة القوم بفسادصلوته. وإن كان الإمام طاهراً والقوم على غير طهارة، لم يكن عليهم إعادتها؛ لأن صلوة الإمام قد صحت، وحق الميت به تأدى، فالجماعة ليست بشرط فى الصلوة على الجناز، اهـ". مبسوط: ۲/۶۸ (۲)۔

"والصلوة على الجنازة فرض على الكفاية، تسقط بأداء الواحد إذا كان هو الولى، و ليس للقوم أن يعيدوا بعد ذلك. ولو أن جنازةً تشاجر فيها قومٌ أيّهم يصلى عليه، فوثب رجل غريب، فصلى عليها و صلى معه بعض القوم، فصلوتهم تامة، وإن أحب الأولياء أعادوا الصلوة؛ لأن حق الصلوة على الجنازة للأولياء، فلا يكون لغيرهم أن يبطل حقهم. .... فإن كان حين افتتح الرجل الغريب صلوة الجنازة اقتدى به بعض الأولياء، فليس لمن بقى منهم حق الإعادة؛ لأن الذى اقتدى به رضى بإمامته فكأنه قدمه. و لكل واحد من الأولياء حق الصلوة على الجنازة كأنه ليس معه غيره؛ لأن ولايته متكاملة، فإذا سقط بأداء أحدهم لم يكن للباقين حق الإعادة". مبسوط: ۲/۱۴۶(۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (كتاب المبسوط للسرخسي، باب غسل الميت: ۲/۱۰۹، ۱۱۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الجنازة: ۲/۱۷۹، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"الصلوة علیه ککفنه و دفنه و تجهیزه فرض کفایة مع عدم انفراد بالخطاب بها و لو امرأةً". وفی الطحطاوی:"فلو انفرد واحد بأن لم یحضره إلا هو، تعیّن علیه تکفینه و دفنه، کما فی الضیاء والشمنی والبرهان، اهـ". طحطاوی،ص: ۳۳۸ (۱)۔

صلوۃ جنازہ کا جمیع حاضرین پر فرض کفایہ ہونا عبارات مذکورہ سے بالکل صاف طور پر ظاہر ہے، اگر کوئی شخص حاضر نہ ہو صرف ایک آدمی ہو، اس پر البتہ فرض عین ہے جیسا کہ عام فرض کفایہ کا حکم ہوتا ہے۔ جو عالم جمیع حاضرین پر فرض عین کہتے ہیں، فرضیت کی دلیل ان ہی سے دریافت کی جائے۔ کتب معتبرہ، متون، شروح، فتاویٰ میں کہیں فرض عین ہونا جمیع حاضرین پر مذکور نہیں، شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرض عین ہونے کی تردید کی ہے جو کہ ناکافی ہے۔ اور کیا سائل نے ان عالم سے دریافت کر کے فرضِ عین ہونے کا کوئی حوالہ کسی معتبر کتاب سے دیا ہے؟ جزئیاتِ فقہیہ جو عباراتِ منقولہ میں درج ہیں نیز معتبر اور مفتی بہ ہیں، فرض عین ہونے کے قطعاً منافی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

نماز جنازہ کی نیت

سوال [۴۰۲۸]: نماز جنازہ کی نیت کے الفاظ کیا ہیں؟ بیان فرمائیں؟

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی الصلاة علیه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، قدیمی)

"عن عمران بن حصین رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن أخاکم قد مات، فقوموا فصلوا علیه". (سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة علی المیت: ۱/۲۷۵، قدیمی)

"(والصلاة علیه) صفتها (فرض کفایة) بالإجماع". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"والإجماع منعقد علی فرضیتها أیضاً إلا أنها فرض کفایة إذا قام به البعض، یسقط عن الباقین؛ لأن ما هو الفرض و هو قضاء حق المیت یحصل بالبعض، ولا یمکن إیجابها علی کل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: والکلام فی صلاة الجنازة: ۲/۳۶، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

نیت دل سے ہوتی ہے(۱) کہ نماز اللہ کیلئے ہے اور دعا میت کے لئے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۳/۶ھ۔

ایضاً

سوال[۴۰۲۹]: امام اگر نماز جنازہ پڑھاوے اس صورت میں مقتدی کی نیت کرے یا نہیں، نیت کیلئے زبان سے پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، نیت کس طرح کرے؟ اگر کسی کو معلوم نہیں کہ جنازہ مرد کا ہے یا عورت کا ازدحام کی وجہ سے اور ازدحام کی وجہ سے اَور بھی اکثر مقتدیوں کو معلوم نہیں اس لئے پوچھ بھی نہیں سکتا، تو نیت کس طرح کرے؟

محمد بشیر رنگونی۔

---

(۱) "والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، وهو أن يعلم هدايته أيَّ صلوة يصلي، والتلفظ بها مستحب، هو المختار". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة: ۱/۴۱۵، سعيد)

"النية إرادة الدخول في الصلاة، والشرط أن يعلم بقلبه أيَّ صلاة يصلي، وأدناها ما لوسُئل، لأمكنه أن يجيب على البديهة، وإن لم يقدر على أن يجيب إلابتأمل، لم تجز صلاته. ولا عبرة للذكر باللسان، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه، فهو حَسنٌ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۵، رشيديه)

" أما الأول فالنية هي الإرادة، فنية الصلاة هي إرادة الصلاة لله تعالىٰ على الخلوص، والإرادة عمل القلب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، البحث في النية: ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲)" ويصلي الجنازة، ينوي الصلوة لله تعالىٰ والدعاء للميت؛ لأنه الواجب عليه، فيقول: أصلي لله داعياً للميت". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۳، سعيد)

" وفي صلاة الجنازة ينوي الصلاة لله تعالىٰ، والدعاء للميت، الخ ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط السادس النية، ص: ۲۴۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

امام کومقتدی کی نیت کرنا ضروری نہیں(۱)،منہ اس نیت کوزبان سے کہنا ضروری بلکہ نیت میں عزم قلب کا اعتبار ہےاورزبان سے کہنا مستحب ہے:

"والمعتبر فيها عمل القلب اللا زم للارادة، وهو أن يعلم هدايته أىّ صلوة يصلى، والتلفظ بها مستحب، هو المختار". تنوير، ص: ۴۳۱(۲)۔

اورنمازجنازہ کاطریقہ یہ ہے:"ويصلى الجنازة ينوى الصلوة لله و الدعاء للميت؛ لأنه الواجب عليه، فيقول: أصلي داعياً للميت". درمختار، ص: ۴۲۹(۳)۔

جنازہ کے مشتبہ ہونے کی صورت میں یہ نیت کرے کہ جس میت پر امام نماز پڑھتا ہے، میں بھی امام

---

(۱) "أما كيفية النية فالمصلي لا يخلو إما أن يكون منفرداً وإما أن يكون إماماً .... وإن كان إماماً، فكذلك الجواب؛ لأنه منفرد فينوى ما ينوى المنفرد. وهل يحتاج إلى نية الإمامة؟ أما نية إمامة الرجال فلا يحتاج إليها، ويصح اقتدائهم به بدون نية إما متهم الخ". (بدائع الصنائع،كتاب الصلاة، البحث فى النية : ۱/۳۳۰، رشيديه)

"(والإمام ينوى صلاته فقط) و (لا) يشترط لصحة الاقتداء نية (إمامة المقتدى) الخ".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة : ۱/۴۲۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى النية : ۱/۶۶، رشيديه)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلوة : ۱/۴۱۵، سعيد)

"النية إرادة الدخول فى الصلاة، والشرط أن يعلم بقلبه أىّ صلاة يصلي، وأدناها لوسئل، لأمكنه أن يجيب على البديهة، وإن لم يقدر على أن يجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته. و لا عبرة للذكر باللسان، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه، فهو حسن". (الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى النية : ۱/۶۵، رشيديه)

"أما الأول فالنية هى الإرادة، فنية الصلاة هى إرادة الصلاة لله تعالىٰ على الخلوص، والإرادة عمل القلب". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، البحث فى النية : ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۳) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة : ۱/۴۲۳، سعيد)

کے ساتھ اسی میت پر پڑھتا ہوں: "وإن اشتبه عليه الميت ذكر أم انثى يقول: نويت أصلي مع الإمام على من يصلي الإمام". درمختار(۱)۔ اگر تعیین نہ کی بلکہ مطلقاً صلوۃ جنازہ کی نیت کی تب بھی درست ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۵/صفر/۵۳۔

الجواب صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ۔

کیا نماز جنازہ صرف تکبیرات سے ادا ہو جاتی ہے؟

سوال[۴۰۳۰]: اگر کسی کو نماز جنازہ نہ آتی ہو وہ صرف تکبیر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صرف چار تکبیرات کہنے سے نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے، جو شخص تکبیر کہنا جانتا ہو اس کا نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، دعاء کا پڑھنا مسنون ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص: ۳۲۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۲۳، سعيد)

"و في صلاة الجنازة ينوى الصلاة لله تعالىٰ والدعاء للميت، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في النية: ۱/۶۶، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الشرط السادس النية، ص: ۲۴۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) "(وأركانها التكبيرات والقيام) .... و سننها أربع .... والرابع من السنن (الدعاء للميت)". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، قديمي)

"ومن لا يحسن الدعاء .... وهو لا يقضي ركنية الدعاء؛ لأن نفس التكبيرات رحمة للميت وإن لم يدع له". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

نماز جنازہ میں صرف تین تکبیر کہنا

سوال[۴۰۳۱]: ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھائی، چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہنے کی بجائے تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہا اور چوتھی مرتبہ "حی علی الصلوۃ" کہا گیا، نماز جنازہ ہوگئی یا نہیں؟ میت کو دفن کرنے کے بعد کب تک نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، اگر پہلے نماز غلط ہوجائے تو بعد میں قبر پر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار دفعہ "اللہ اکبر" کہنا نماز جنازہ میں فرض ہے اور سلام واجب ہے(۱) جب کہ تین دفعہ "اللہ اکبر" کہا گیا اور چوتھی دفعہ "حی علی الصلوۃ" کہا گیا تو فریضہ ادا نہیں ہوا۔ قبر پر چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہہ کر نماز جنازہ پڑھی جائے جب تک اس میں میت سلامت ہو، جس کی مدت عادتاً تین دن ہے، اس کے بعد نماز قبر پر نہ پڑھی جائے (۲)۔ اگر چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہہ کر "حی علی الصلوۃ" کہا گیا اور سلام نہیں کہا گیا تو واجب

---

(۱) "(ورکنها) شيئان (التكبيرات) الأربع، .... (والقيام) الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعيد)

"وركنها القيام .... والتكبيرات، الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع الصلاة على الميت، ص: ۵۸۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن امرأةً سوداء أو رجلاً كان يقمّ المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسأل عنه، فقيل: مات، فقال: "ألا آذنتموني به"؟ قال: "دلّوني على قبره". فدلوه، فصلى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۲/۱۰۱، امداديه)

"وإن دفن بغير صلاة، صلى على قبره ما لم يغلب على الظن تفسخه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

"فإن دفن بلا صلوة، صلى على قبره ما لم يتفسخ؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

ترک ہوا، فرض ادا ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تکبیراتِ جنازہ میں کمی وزیادتی

سوال[۴۰۳۲] : جنازہ کی نماز میں تین ہی تکبیر پر یا پانچ تکبیر پر سلام پھیرا جائے تو نماز ہوجائے گی یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تین تکبیر پر نماز ختم کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی، پانچ پر ختم کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، طحطاوی، ص: ۳۲۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "(وركنها) شيئان: (التكبيرات) الأربع .... (والقيام)". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز: ۲/ ۲۰۹، سعيد)

"(ويسلم) وجوباً (بعد) التكبيرة (الرابعة من غير دعاء) بعدها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل الصلوة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

"ثم يكبر الرابعة ويسلم تسليمتين؛ لأنه جاء أو ان التحلل وذالك بالسلام". (محيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز: ۲/ ۳۰۹، غفاريه)

(۲)"(ولو كبر الإمام خمساً لم يتبع)؛ لأنه منسوخ (ولكن ينتظر سلامه في المختار) يسلم معه في الأصح، و في رواية: يسلم المأموم كما كبر إمامه الزائدة، ولو سلم الإمام بعد الثلاثة ناسياً، كبر الرابعة ويسلم". (مراقي الفلاح).

قال العلامة الطحطاوي : "لأن الإمام إذا اقتصر على ثلاثة، فسدت فيما يظهر". (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب احكام الجنائز، فصل الصلاة عليه : ۵۸۷، قديمي)

"ولو كبر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/ ۲۱۴، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل كيفية الصلاة على الجنازة : ۲/ ۵۱، ۵۲، رشيديه)

تیسری تکبیر پر سلام پھیرنے کا حکم

سوال[۴۰۳۳]: ایک شخص نے صلوۃ جنازہ کے اندر چوتھی تکبیر کو بھولے سے نہیں کہی اور ایک طرف سلام پھیر دیا تب یاد آیا، اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب چوتھی کہہ لے اور پھر سلام پھیر دے: ''إذا سلم على ظن أنه أتم التكبير، ثم علم أنه لم يتم، فإنه يبني؛ لأنه سلم في محله و هو القيام، فيكون معذوراً''. بحر : ١٨٤/١)(١)۔ ''ولو سلم الإمام بعد الثلاثة ناسياً، كبرالرابعة ويسلم، الخ''. مراقی الفلاح، ص: ٣٤٢(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۷/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ

چوتھی تکبیر کے بعد مقتدی نے سلام پھیر دیا

سوال[۴۰۳۴]: مقتدی نمازِ جنازہ میں چار تکبیر کے بعد امام کا انتظار کریں یا سلام پھیر دیں، یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہی سلام پھیریں، خواہ امام پانچویں تکبیر کہہ دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام پانچویں تکبیر کہے تب بھی مقتدیوں کو سلام کا انتظار کرنا چاہیے، بغیر پانچویں تکبیر کہے امام کے ساتھ سلام پھیرے، اگر امام سے پہلے سلام پھیر دیا تب بھی نماز ادا ہوگئی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۲، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۷، قديمي)

(۳) ''و لو كبّر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى''. (الدرالمختار). ''(قوله: به يفتى) .... و روى عن الإمام أنه يسلم للحال و لا ينتظر تحقيقاً =

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد کیا پڑھے؟

سوال[۴۰۳۵]: نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ آخری تکبیر میں تکبیر کے بعد فوراً سلام ہے،اس میں کیا حکمت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ظاہر روایت تو یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے درمیان میں کچھ نہ پڑھا جائے،لیکن دوسری روایات میں بعض دعائیں پڑھنا بھی منقول ہے،چنانچہ بحر:۲/۱۸۳، میں ہے:

"وأشار بقوله: (وتسليمتين بعد الرابعة) إلى أنه لاشئي بعد ها غيرهما، وهو ظاهر المذهب، وقيل: يقول: اللهم! آتنا في الدنيا الخ، وقيل: ربنا! لاتزغ قلوبنا الخ. وقيل: يخير بين السكوت والدعاء"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر

سوال[۴۰۳۶]: نماز جنازہ میں سہواً بجائے چار تکبیر کے پانچ تکبیر پر سلام پھیرا تو نماز جنازہ ادا ہوگئی یا نہیں؟

= للمخالفة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۴، سعيد)

"فلو كبر الإمام خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، ولا متابعة، و لم يبيّن ماذا يصنع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ روايتان: في رواية: يسلّم للحال و لا ينتظر تحقيقاً للمخالفة. و في رواية: يمكث حتى يسلم معه إذا سلم، ليكون متابعاً فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتى". (البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، ۵۲، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشيديه)

"وليس في ظاهر المذهب بعد التكبيرة الرابعة دعاءٌ سوى السلام، و قد اختار بعض مشايخنا ما يختتم به سائر الصلوات: اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوی، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۸۶، قديمی)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز ہوگئی(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟

سوال[۷۰۳۴]: ایک کتاب جس کا نام خلاصۃ الفتاویٰ ہے،اس کی جلد نمبر:۱،صفحہ نمبر:۲۲۵، میں مذکور ہے(مطبوعہ نولشکور لکھنو) عبارت یہ ہے:

”ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى، يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين، ثم يسلم تسليمتن، هكذا في الذخيرة“(۲)۔

”وهو سنة قيام له قرار، فيه ذكر مسنون، فيضع حالة الثناء، وفي القنوت و تكبيرات الجنازة“. درمختار(۳)۔

ان دونوں عبارتوں کی تشریح فرمائیں اوران عبارات کی روشنی میں اس کا حکم بھی بیان فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے، کیونکہ کوئی ذکر مسنون باقی نہیں رہا جس کے لئے ہاتھ باندھے جائیں، پس صحیح یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھول دے پھر دونوں سلام پھیرے، ایسا ہی ذخیرہ میں ہے(۴)۔

---

(۱) ”و لو كبر إمامه خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتي“. (الدرالمختار). ”(قوله: و به يفتى) .... و روى عن الإمام أنه يسلم للحال، ولا ينتظر تحقيقاً للمخالفة“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۴، سعيد)

”فلو كبر الإمام خمساً، لم يتبع؛ لأنه منسوخ و لا متابعة، ولم يبيّن ماذا يصنع، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ روايتان: في روايةٍ: يسلم للحال، و لا ينتظر تحقيقاً للمخالفة. و في روايةٍ: يمكث حتى يسلم، معه إذا سلم ليكون متابعاً فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتي“. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۳، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، ۵۲، رشيديه)

(۲) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا جتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/۴۸۷، ۴۸۸، سعيد)

(۴) (خلاصة الفتاوىٰ، المصدر السابق)

اوروہ ہاتھ باندھے ایسے قیام کی سنت ہے جس کوقرار ہو(کچھ طویل ہو)اس میں ذکر مسنون ہو، پس ثنا اورقنوت اورتکبیرات جنازہ میں ہاتھ باندھے رکھے، درمختار(۱)۔

عبارت نمبر:۱ کے متعلق خلاصۃ الفتاویٰ کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ قلمی نسخہ میں موجود نہیں(۲)،

عبارت نمبر:۲ کے متعلق یہ بات قابلِ غور ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد بھی ذکر مسنون ہے اوروہ سلام ہے، پس تکبیرِ رابع کے بعد وضعِ یدین ممنوع کہنا اور ارسالِ یدین کو حتمی طور پر لازم کہنا صحیح نہیں۔ فتاویٰ سعدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں طرح عمل درست ہے: ایک یہ کہ تکبیرِ رابع کے بعد ارسال یدین کرکے سلام پھیرے۔ دوسرے یہ کہ داہنے طرف سلام پھیرتے وقت داہنا ہاتھ چھوڑ دے، بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بایاں ہاتھ چھوڑ دے۔ تیسرے یہ کہ دونوں طرف سلام پھیرکر دونوں ہاتھ چھوڑ دے(۳)، یہ تیسری صورت عامۂ معمول بہا ہے، اکابرکواسی طرح دیکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۲ھ۔

نمازِ جنازہ میں تکبیر رابع کے بعد ہاتھ کب چھوڑے؟

سوال[۴۰۳۸]: صلوۃ جنازہ کے اندر تکبیرات کے ختم ہوجانے کے بعد ہاتھ کوکب چھوڑنا چاہیے، قبل السلام یا بعد السلام یا مع السلام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوۃ جنازہ میں تکبیر رابع کے بعد قبل السلام بھی ہاتھ چھوڑنا درست ہے، مع السلام بھی اور بعد السلام بھی، تینوں طرح گنجائش ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۳/ ۹۲ھ۔

---

(۱) (راجع الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/ ۴۸۷، ۴۸۸، سعید)

(۲) لم أجده

(۳) لم أجد هذا الكتاب

(۴) (سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية)

نمازِ جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑے

سوال[۴۰۳۹]: زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز ختم کر کے داہنی طرف سلام پھیر کر داہنا ہاتھ چھوڑ دے اور بائیں طرف سلام پھیر کر بایاں ہاتھ چھوڑ دے اور بکر کہتا ہے کہ دونوں طرف سلام پھیر کر ہاتھ چھوڑے۔قولِ زید صحیح ہے یا قولِ بکر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں تین قول ہیں: ایک یہ کہ چوتھی تکبیر پر دونوں ہاتھ چھوڑ دے، دوسرے یہ کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد۔تیسرے یہ کہ داہنی طرف سلام پھیر کر دایاں ہاتھ چھوڑ دے بائیں طرف سلام پھیر کر بایاں ہاتھ چھوڑ دے۔فتاویٰ سعیدیہ(۱)۔فقط۔

---

(۱) مسئلہ مذکورہ میں شدید اختلاف ہے، حضرت مفتی صاحب، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑنے کو معمول بہا اور اکابر کا عمل کہا ہے، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

" وهو سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفي القنوت وتكبيرات الجنازة".

(الدرالمختار، كتاب الصلوة، فصل اذا اداء الشروع الخ: ۱/۴۸۷، ۴۸، سعيد)

چونکہ نمازِ جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد ذکر مسنون سلام ہے، لہٰذا ہاتھوں کو باندھے رکھنا چاہیے:

وفي الهداية: فيعتمد في حالة القنوت وصلوة الجنازة". (كتاب الصلاة، باب صفة الصلوة: ۱/۱۰۲، شركة علميه)

ظاہر یہی ہے کہ تمام نمازِ جنازہ میں ہاتھ باندھے رہے:

"ويسلم بلا دعاء بعد ترابعة تسليمتين". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

پس سلام تک ہاتھ باندھے رہے۔

ان تمام دلائل کے علاوہ تمام اکابرین کا معمول بھی سلام تک ہاتھ باندھے رہنے کا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ رحیمیه، كتاب الجنائز، صلوة الجنازة: ۷/۳۸، دارالاشاعت)

(وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند، كتاب الجنائز، فصل خامس، نماز جنازه، (سوال نمبر : ۲۸۷۳):۵/۲۱۸، دارالاشاعت) =

نماز جنازہ میں ہاتھ کب چھوڑے؟

سوال[۴۰۴۰]: نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے وقت ہاتھ باندھا ہوا رکھیں یا چھوڑ دیں، یا دائیں طرف سلام پھرانے کے وقت دونوں ہاتھ چھوڑ دے، یا صرف دائیں ہاتھ، یا بالکل نہ چھوڑ دیں بعد سلام کے دونوں ہاتھ چھوڑ دے؟ مدلل مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔فقط۔

بمعرفت محمد یونس سلہٹی، ۴/رجب/۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"فیعتمد فی حالة القنوت و صلوة الجنازة، الخ". هداية: ۱/۸٦ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ صلوۃ الجنازہ میں ہاتھ نہ چھوڑے بلکہ باندھے رہے اور ظاہر یہ ہے کہ تمام نماز جنازہ کا حکم یہی ہے یعنی جب تک

= حضرت مفتی رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالحی اللکنوی رحمہما اللہ تعالیٰ ارسال کو ترجیح دیتے ہیں۔ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

وفی الخلاصة: "ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لانه لايبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح انه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين". (كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه اذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

"ومن ههنا يخرج الجواب عما سئلت فی سنة وثمانين أيضاً من أنه هل يضع مصلی الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته ثم يسلم أم يرسل، ثم يسلم، وهو أنه ليس بعد التكبير الأخير ذكر مسنون، فيسن فيه الإرسال". (سعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، بيان ارسال يدين .... بعد التكبير الاخير من تكبيرات صلاة الجنازة: ۲/۱۵۹، سهيل اكيڈمی، لاهور)

ان کے علاوہ درمختار کے مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام دلائل کے جوابات دیئے ہیں جو (سوال بعنوان: نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے) مذکور ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (أحسن الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۴/۲۳۹، سعيد)

(۱) (الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

نماز تمام کرے اس وقت تک یہی حکم ہے اور نماز جنازہ سلام سے تمام کی جاتی ہے (اگرچہ سلام فرض یا واجب نہیں)"و یسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلیمتین". درمختار: ۲/۲۱۲(۱) پس سلام تک باندھے رہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۱/رجب/۵۶ھ۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ

سوال[۴۰۴۱]: کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو کیا اس کی نماز جنازہ صحیح نہیں ہوتی؟ ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ جولوگ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے اس سے بہتر ہے کہ بغیر نمازِ جنازہ پڑھے ہی مُردے کو دفن کردیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اگر نہیں پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔صحیح کیا ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں، ثناء اور دعاء کی نیت سے کوئی اس کو پڑھ لے تو ممنوع بھی نہیں، پس یہ کہنا کہ بغیر فاتحہ پڑھے نماز جنازہ ہوتی ہی نہیں غلط ہے، بلاشبہ نماز جنازہ ہو جاتی ہے، یہی حضرت عمر اور حضرت ابن عمر اور حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، کذا فی غنیة المستملی، ص:۵۴۲(۲)۔ اور یہ کہنا اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھتا ہو تو بلا نماز پڑھے ہی دفن کردو،

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۱۲، سعید)

(۲) "و لیس فیها قراءة القرآن عندنا، و هو قول عمر و ابنه و علي وأبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنهم .... و لو قرأ الفاتحة بنية الثناء والدعاء، جاز". (الحلبی الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة، ص: ۵۸۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

"و لا قراءة، ولا تشهد فيها)، و عيّن الشافعي رحمه الله تعالیٰ الفاتحة في الأولىٰ، وعندنا تجوز بنية الدعاء". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشيديه)

ایسی بات کوئی ذی علم نہیں کہہ سکتا، یہ تو جاہلانہ بات ہے۔ جنازہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں امام اور منفرد کو سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اگر بھول کر چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اگر جان کر چھوڑ دے تو نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے(۱)۔

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کو سورۂ فاتحہ یا کوئی بھی سورت پڑھنا منع ہے، حدیث شریف میں ہے کہ: ''جب امام قراءت کرے تو تم چپ رہو''۔ یہ حدیث مسلم شریف میں ہے(۲) دوسری حدیث میں ہے کہ: ''جس کا کوئی امام ہو اس کے امام کی قرات اس کے لئے کافی ہے''(۳) خود اس کو نہیں پڑھنا چاہیے امام کا پڑھنا سب مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے، یہ حدیث موطا میں ہے(۴)۔ اور اس مسئلہ پر مستقل کتابیں تصنیف

---

(۱) "(ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد .... و هي على ما ذكره أربعة عشر: (قرأة فاتحة الكتاب)، فيسجد للسهو بترك أكثرها، لاأقلها. لكن في المجتبى: يسجد بترك آية منها، وهو أولى". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۶، ۴۵۸، سعيد)

"و تجب قراءة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۱، رشيديه)

"و واجبها قراءة الفاتحة) .... فلا تفسد الصلاة بتركها عامداً أو ساهياً، بل يجب عليه سجود السهو في السهو جبراً للنقصان الحاصل بتركها سهواً، والإعادة في العمد والسهو إذا لم يسجد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۵، رشيديه)

(۲) "عن قتادة من الزيادة: "وإذا قرأ فانصتوا" .... فحديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه؟ فقال: هو صحيح يعني: "وإذا قرأ فأنصتوا" فقال: هو عندي صحيح، فقال: لِمَ لم تضعه ها هنا؟ قال: ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هاهنا، إنما وضعت ها هنا ما أجمعوا عليه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۴، قديمي)

(۳) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من كان له إمام فقراء ته له قراءة". (مسند الإمام إحمد، مسند جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: ۱۴۲۳۳، ۴/۲۹۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "قال مالك عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كان إذا سئل هل يقرأ أحدٌ خلف =

ہوچکی ہیں، بذل المجہود(۱)، اوجز المسالک(۲) وغیرہ میں دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الإمام؟ قال: إذا صلى أحدكم خلف الإمام، حسبه قراء ة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ. قال: و كان عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما لا يقرأ خلف الإمام". (مؤطا الإمام مالک، كتاب الصلاة، ترک القراء ة خلف الإمام فيما جهر فيه، ص: ۲۸، مير محمد كتب خانه)

(۱) "من صلى خلف الإمام، فقراء ة الإمام قراء ة له" .... قلت: هذا الحديث رواه جماعة من الصحابة، و هم: جابر بن عبد الله وبن عمروأبو سعيد الخدرى و أبو هريرة وابن عباس وأنس بن مالک رضي الله تعالىٰ عنهم .... و مع هذا روى منع القرأة خلف الامام عن ثمانين من الصحابة الكبار، منهم: المرتضى والعبادلة الثالثة، وأساميهم عند أهل الحديث، فكان اتفاقهم بمنزلة الإجماع، فمن هذا قال صاحب الهداية من أصحابنا: و على ترک القراء ة خلف الإمام إجماع الصحابة، فسماه إجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب من ترک القرأة في صلوته : ۲/۵۳، إمداديه)

(۲) "عند الحنفية الآثار الدالة على ترک القراء ة مطلقاً أرجح، فاختاروها. قال الإمام محمد رحمه الله تعالىٰ في مؤطاه: لاقراء ة خلف الإمام فيما جهر فيه و لا فيما لم يجهر فيه، بذلک جاء ت عامة الآثار. ثم أخرج الإمام محمد الآثار في ذلک المعنى، فروى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال: من صلى خلف الإمام كفته قراء ته .... وأخرج عن القاسم بن محمد أنه كان لا يقرأ خلف الإمام، و تقدم الكلام عليه. و روى عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه بطرق، وألفاظ مختلفة، منها أنه قال: أنصت بأن الصلوة شغلاً سيكفيک الإمام .... و عن على رضي الله تعالىٰ عنه قال: من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة .... فإنها ثابتة بالكتاب والسنة وإجماع جمهور الصحابة والقياس، ونشير إليها استطراداً: أما الكتاب، فثبت بالرواية الكثيرة أن نزول قوله عزوجل: ﴿وإذا قرىء القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ في القراء ة خلف الإمام الخ". (أوجز المسالک شرح مؤطا إمام مالک، كتاب الصلاة باب القراء ة خلف الإمام : ۲/۹۳، إداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

نمازِ جنازہ کا درود شریف

سوال[۴۰۴۲]: نمازِ جنازہ میں دوسری تکبیر میں درود شریف جو نماز پڑھتے ہیں ان کو بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا نماز جنازہ کا ہی درود شریف یاد کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جو درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے، نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد اس کو پڑھ لیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ کی دعاء مادری زبان میں

سوال[۴۰۴۳]: بالغ کے جنازہ میں تین تکبیر کے بعد جو دعاء پڑھی جاتی ہے: "اللهم اغفر لحينا الخ" اگر کسی کو یہ دعاء عربی میں نہ آتی ہو تو مقتدی اپنی مادری زبان جیسے اردو یا بنگلہ میں اس دعاء کو ترجمہ کر سکتا ہے؟ جیسے: "اے اللہ! بخش دے ہمارے تمام زندوں کو اور تمام مردوں کو" اس پوری دعا کو ترجمہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اس طرح پڑھنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) لیکن کوئی دعاء، مثلاً: "ربنا آتنا في الدنيا حسنةً،

---

(۱) "ويصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كما في التشهد أي المراد الصلوة الابراهيمية التي يأتي بها المصلي في قعدة التشهد". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

"وإذا كبر الثانية، يأتي بالصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وهي الصلاة المعروفة، وهي أن يقول: اللهم صلى على محمد و على آل محمد .... إنك حميد مجيد". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: كيفية الصلاة على الجنازة: ۲/۵۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۱، رشيديه)

(۲) غیر عربی میں نماز کے اندر دعاء بہر حال مکروہ ہے اور خارج نماز میں بھی کراہت کا قول ہے:

"ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً في الصلاة، و تنزيهاً خارجها".

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع الخ، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/۵۲۱، سعيد)

وفی الآخرة حسنةً، وقنا عذاب النار "عربی ہی میں پڑھنا اعلیٰ بات ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند،۵/۷/۹۳ھ۔

الترتیب بین المکتوبة والجنازة

سوال[۴۰۴۴] : إذا حضرت الجنازة فی المسجد وقت صلوة، وبقی للإمامة خمس دقیقة أو عشرة دقیقة، فبأی صلوة یقوم من الصلوتین؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تُقدّم المکتوبة علی صلوة الجنازة فی هذه الصورة(۲)۔واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۶/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) " وإذا کبر الثالثة، یستغفرون للمیت و یشفعون .... والدعاء أن یقول : "اللهم اغفر لحینا و میتنا اهـ. إن کان یحسنه، وإن لم یحسنه یذکر ما یدعو به فی التشهد الخ". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: کیفیة الصلاة علی الجنازة : ۲/۵۱، رشیدیه)

"(ویدعو بعد الثالثة) بأمور الآخرة، والماثور أولی". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۲۱، رشیدیه)

(۲) "عن الحسن وابن سیرین رحمه الله تعالیٰ قالوا: إذا حضرت الجنازة والصلاة المکتوبة، یبدأ بصلاة المکتوبة".(مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الجنائز، باب فی الجنازة تحضر و صلاة المکتوبة بأیها یبدأ، (رقم الحدیث : ۱۱۳۲۹): ۲/۴۸۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

"یبدأ بصلاة المغرب، ثم یصلون علی الجنازة، ثم یأتون .... أن الفتوی علی تأخیر صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هی سنة، فعلی هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آکد". (البحر الرائق، کتاب الصلاة : ۱/۴۴۰، رشیدیه)

"ولو حضرت الجنازة فی وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب، ثم تصلی الجنازة الخ".(الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنائز، الثامن فی المتفرقات، ص:۶۰۷، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی صلاة الجنازة، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت : ۱/۱۶۴، رشیدیه)

نمازِ جنازہ سنتوں سے پہلے یا بعد میں؟

سوال[۴۰۴۵]: نمازِ جنازہ کو سنتوں سے پہلے ادا کیا جائے یا سنتوں کے بعد: "وتقدم صلواتها على صلوة الجنازة إذا اجتمعا؛ لأنه واجب عيناً، والجنازة كفاية. و تقدم صلوة الجنازة على الخطبة و على سنة المغرب وغيرها". درمختار، باب العيدين۔ "(قوله: وغيرها): أى خطبة العيد، و ذلك لفرضيتها و سنية الخطبة، كذا يقال فى سنة المغرب (قوله: وغيرها) كسنة الظهر والجمعة والعشاء". شامی، ص:۵۵۵(۱)۔

عبارتِ مذکورہ کا کیا مفہوم ہے اور کیا حکم نکلتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل تو یہی ہے کہ نمازِ جنازہ کو سنتوں پر مقدم کیا جاوے جیسا کہ آپ نے درمختار سے نقل کیا ہے، لیکن حلبی اور بحر کے حوالہ سے درمختار ہی میں، ص:۵۵۶ یہ بھی لکھا ہے:

"لكن فى البحر قبيل الآذان عن الحلبى: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلوة، لكن فى آخر أحكام دين الأشباه: ينبغى تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته، فتأمل، اهـ"(۲)۔

لہٰذا اگر سنتیں پہلے پڑھ لیں جو کہ فرضِ عین کے تابع ہیں اور پھر نمازِ جنازہ ادا کریں تب بھی اعتراض اور بحث کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ اور سنت ونوافل میں ترتیب

سوال[۴۰۴۶]: چند دن قبل کا ذکر ہے کہ مسجد میں میت آچکی تھی اور نمازِ جنازہ پڑھنا تھا، فرض نماز

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۱۶۷/۲، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين : ۱۶۷/۲، سعيد)

"ان الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هى سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۴۴۰/۱، رشيديه)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجنائز، الثامن فى المتفرقات، ص:۶۰۷، سهيل اكيڈمى، لاهور)

باجماعت ادا ہونے کے بعد لوگوں نے سنت ونوافل پڑھنی شروع کردی اور بعد سنن ونوافل کے نماز جنازہ ادا کی گئی۔ میں نے پیش امام مسجد سے دریافت کیا کہ سنن ونوافل سے پہلے فرضِ کفایہ مقدم نہیں تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کوئی ضروری نہیں کہ سنن ونوافل سے پہلے فرض کفایہ ادا کی جائے، ہم کو یہ تو طریقہ ترک کرنا ہے اس لئے ہم نے عمداً سنن ونوافل پہلے پڑھ لئے ہیں۔ میں عقلی طور پر یہ محسوس کرتا ہوں کہ فرض کے بعد فرض کفایہ ادا کی جانی چاہیے، اس کے بعد سنن ونوافل۔ اس کا یہ جواب کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"تقدم صلوة الجنازة على الخطبة، و(على سنة المغرب) .... لكن في البحر: الفتوىٰ على تأخير الجنازة عن السنة". در مختار (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کو سنتِ موکدہ سے پہلے پڑھنا چاہیے، لیکن اگر سنتِ موکدہ کو پہلے پڑھیں اور نماز جنازہ کو بعد میں پڑھیں تب بھی منع نہیں بلکہ فتویٰ اس پر ہے، ورنہ نماز جنازہ پڑھ کر فوراً ہی اسی کو قبرستان لے جانا ہوتا ہے، اگر سنت مؤکدہ پہلے نہ پڑھی تو وہ بالکل ہی ترک ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۶ھ۔

سنتِ مؤکدہ مقدم ہے یا نماز جنازہ؟

سوال [۴۰۴۷]: تین جولائی بروز بدھ کو ایک میت ہوئی، نماز جنازہ مغرب کی نماز کے بعد ادا کی، امام مسجد فرضِ عین ادا کر کے نماز جنازہ کے لئے باہر نکل پڑے مگر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگے کہ سنت نماز پڑھنے کے بعد ہی جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ چند دنوں کے بعد امام مسجد نے اعلان کیا کہ فرضِ عین کے بعد ہی فرض کفایہ

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/۱۶۷، سعيد)

"ان الفتوىٰ على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی)

پڑھنا چاہیے، اس بات پر تنازعہ بڑھ گیا، لہٰذا شریعت کی رو سے کسی بھی وقتی نماز کے وقت جنازہ آجانے کے بعد سنت نماز پڑھنی درست ہے یا فرض کفایہ ادا کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل تو یہ ہے کہ فرض عین کے بعد سنتِ مؤکدہ سے پہلے فرض کفایہ نماز جنازہ پڑھی جائے، لیکن اگر اس میں سنتِ موکدہ کے بالکل ہی ترک ہوجانے کا اندیشہ ہو تو سنتِ مؤکدہ پہلے پڑھیں، پھر نماز جنازہ پڑھیں، اس میں نزاع نہ کیا جائے، نرمی سے بات کو بنا کر سلجھا دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۷/ ۹۴ھ۔

سنتِ وقت اور جنازہ میں ترتیب

سوال [۴۰۴۸]: نماز جنازہ بعد جماعت سنتوں سے قبل ادا کی جائے یا بعد سنت؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قول ہیں لہٰذا دونوں طرح درست ہے:

"وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة و على سنة المغرب و غيرها كسنة الظهر والجمعة والعشاء، لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة، وأخره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلوة، لكن في أخر أحكام دَين الأشباه: ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض ما لم يضق وقته، فتأمل، و روى الحسن أنه يخير، فافهم". در

---

(۱) "و تقدم (صلاة الجنازة على الخطبة) وعلى سنة المغرب وغيرها، والعيد على الكسوف، لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي: الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱۶۷، سعيد)

" أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۴۴۰، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی، لاهور)

مختار شامی مختصراً، باب العیدین، ص: ۵۵۵،۵۵٦ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ سنتوں پر مقدم ہے یا نہیں؟

سوال [۴۰۴۹]: اگر بعد نماز جمعہ نماز جنازہ پڑھی جاوے تو پہلے ظہر کی سنتیں پڑھیں یا نماز جنازہ پڑھیں؟ اس مسئلہ میں کتاب کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے نماز جنازہ پڑھیں، سنتیں بعد میں پڑھیں: "و تقدم صلوة الجنازة على الخطبة، وعلى سنة المغرب وغيرها كسنة الظهر والجمعة والعشاء، اهـ". درمختار و شامی: ۱/ ۵۸۰ (۲)۔

بعض نے سنتوں کی تقدیم کا حکم دیا ہے: "لكن في البحر الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن السنة: أي سنة الجمعة". شامی: ۱/ ۵۸۰ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦٧، سعيد)

"لیکن اس زمانہ میں نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ دین سے غفلت کا غلبہ ہے، فرض کے بعد نماز جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنتِ مؤکدہ کے ترک کا خطرہ ہے"۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز: ۴/ ۲۲۷، سعید)

"أن الفتوى على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة، و هي سنة، فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد". (البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۴۰، رشيديه)

"و لو حضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب، ثم تصلى الجنازة، ثم سنة المغرب، وقيل: تقدم سنة أيضاً على الجنازة، الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ٦٠٧، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦٧، سعيد)

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦٧، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۴۰، رشيديه) .... =

نمازِ عید اور جنازہ میں ترتیب

سوال[۴۰۵۰]: عید کے دن اگر جنازہ آجائے تو نمازِ عید و جنازہ وخطبہ میں کیا ترتیب رکھنا چاہیے؟ فقط والسلام۔

المستفتی: ابرار الحق، ۲۴/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وتقدم صلاتها (أي صلوة العيد) على صلوة الجنازة إذا اجتمعا؛ لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، و تقدم صلوة الجنازة على الخطبة: أي خطبة العيد، و ذلك لفرضيتها و سنية الخطبة". درمختار وشامی: ۱/۸٦٥(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اول نمازِ عید ہی ہوگی، پھر نماز جنازہ، پھر خطبۂ عید۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تعلیمِ قرآن کے وقت نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۵۱]: اگر کوئی معلم قرآن شریف کی تعلیم دے رہا ہو اور جنازہ کی نماز تیار ہو اور دوسرا معلم وہاں جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے موجود ہو تو اب اس معلم کے واسطے نماز جنازہ کے لئے جانا بہتر ہے یا قرآن شریف پڑھانا اچھا ہے؟

= "اس زمانہ میں نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا مناسب ہے، اس لئے کہ دین سے غفلت کا غلبہ ہے، فرض کے بعد نماز جنازہ کے لئے لوگ مسجد سے نکلیں گے تو سنتِ مؤکدہ کے ترک کا خطرہ ہے"۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز: ۴/ ۲۲۷، سعید)

"و لو حضرت الجنازة في وقت المغرب، تقدم صلوة المغرب ثم تصلى الجنازة، وقيل: تقدم السنة أيضاً على الجنازة الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ٦٠٧، سهيل اكيڈمی)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲/ ۱٦٧، سعيد)

"و لو حضرت وقت العيد قدمت العيد، عليها، ثم هي على الخطبة". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ٦٠٧، سهيل اكيڈمی)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين: ۱/ ۱۵۲، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرکوئی عذر نہ ہوتو نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہیے، اگرکوئی عذر ہوتو تعلیم میں مشغول رہنے میں بھی مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح سعیداحمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانی /۵۶ھ۔

اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۵۲]: زید کہتا ہے کہ جن وقتوں میں نفل نماز مکروہ ہے ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ ہے اور بکر کہتا ہے کہ ان وقتوں میں جنازہ کی نماز مکروہ نہیں۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن وقتوں میں مطلقاً نماز ممنوع ہے ان وقتوں میں نماز جنازہ بھی ممنوع ہے (نفل کی قید صحیح

---

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۲۷۵/۱، قديمي)

"(والصلاة عليه) صفتها (فرض كفاية) بالإجماع". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۷/۲، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين؛ لأن ما هو الفرض -وهو قضاء حق الميت- يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۳۶/۲، رشيديه)

"وهذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحد منهم يأثم الجميع بترك الفرض، وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية ۱۲): ۲۰۶/۱، سعيد)

نہیں) اوقاتِ ممانعت تین ہیں: طلوع، استواء، غروب۔ جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو، اگر ان اوقات میں آئے تو ممنوع نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ بوقتِ استوائے شمس

سوال [۴۰۵۳]: اگر ظہر کے وقت جنازہ حاضر کیا جائے تو اسی وقت صلوۃ جنازہ جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین استواء کے وقت اگر جنازہ حاضر ہو تو اسی وقت صلوۃ الجنازہ مکروہ نہیں، لیکن اگر استواء سے قبل حاضر ہو تو عین استواء کے وقت مکروہ تحریمی ہے:

"وکرہ تحریماً صلوۃ ولو علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ و سہو مع شروق واستواء و غروب إلا عصر یومہ، وینعقد نفل بشروع فیہا بکراہۃ التحریم لا الفرض و سجدۃ تلاوۃ و صلاۃ جنازۃ تلیت الآیۃ فی کامل، وحضرت الجنازۃ قبل، لوجوبہ کاملاً، فلا یتأدی ناقصاً، فلو وجبتا فیہا لم یکرہ فعلہما، اھ". در مختار مختصراً۔

---

(۱) "عن عقبۃ بن عامر الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ثلاث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینہانا أن نصلی فیہن وأن نقبر فیہن موتانا: حین تطلع الشمس بازغۃً حتی ترفع، وحین یقوم قائم الظہیرۃ حتی تمیل، وحین تضیف للغروب حتی تغرب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراہیۃ الصلاۃ علی المیت الخ : ۱/۲۰۰، سعید)

"المراد من قولہ : "أن نقبر فیہا موتانا الصلاۃ علی الجنازۃ دون الدفن؛ إذ لا باس بالدفن فی ہذہ الأوقات". (بدائع الصنائع، باب الجنائز، فصل وأما بیان ما یکرہ فیہا : ۲/۵۷، رشیدیہ)

"ثلاث ساعات لا تجوز فیہا المکتوبۃ و لا صلوۃ جنازۃ و لا سجدۃ تلاوۃ .... و ہذا إذا وجبت صلاۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ فی وقتٍ مباح و أخرتا إلی ہذا الوقت، لا یجوز قطعاً، أما لو وجبتا فی ہذا الوقت وأدیتا فیہ، جاز؛ لأنہ أدیت ناقصۃً کما وجبت". (الفتاوی العالمکیریۃ ،کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث فی بیان الأوقات التی لا تجوز فیہا الصلاۃ و تکرہ فیہا : ۱/۵۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ : ۱/۴۳۲، ۴۳۴، رشیدیہ)

قال الشامی: "(قوله: و جبتا فیها) بأن تلیت الآیة فی تلك الأوقات أو حضرت فیها الجنازة، اهـ". ردالمحتار، ص: ۳۸۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۲/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بوقتِ غروبِ آفتاب

سوال[۴۰۵۴]: جنازہ کی نماز یا سجدہ کی آیت اگر عصر کے بعد وقتِ ناقص میں ادا کی جائے اور ادا کرتے وقت سورج غروب ہوجائے تو وہ بھی عصر یوم کی طرح ناقص ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آیتِ سجدہ بھی اسی وقت پڑھی اور جب ہی سجدہ کرلیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ناقص ادا ہوگیا اور اگر وقتِ کامل میں آیت پڑھی اور سجدہ وقتِ غروب میں کیا تو یہ عصر یومہ کے طرح نہیں بلکہ یہ ادا ہی نہیں ہوا، اسی

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۷۰، ۳۷۴، سعید)

"عن عقبة بن عامر الجهنی رضی الله تعالیٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ینهانا أن نصلی فیهن وأن نقبر فیهن موتانا: حین تطلع الشمس بازغةً حتی ترفع، وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل، وحین تضیف للغروب حتی تغرب". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهیة الصلاة علی المیت الخ: ۱/۲۰۰، سعید)

"تکره الصلاة علی الجنازة عند طلوع الشمس و غروبها و نصف النهار لما روینا من حدیث عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه أنه قال: ثلاث ساعات نهانا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، الحدیث. والمراد من قوله: "أن نقبر فیها موتانا" الصلاة علی الجنازة دون الدفن؛ إذ لا بأس بالدفن فی هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: بیان ما تفسد الصلوة و ما یکره: ۲/۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی بیان الأوقات: ۱/۵۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، ۴۳۴، رشیدیه)

طرح اگر جنازہ وقتِ ناقص میں آیا تو یہ عصر یومہ کی طرح ہے، اگر وقتِ کامل میں آیا تو نماز جنازہ وقتِ ناقص میں ادا ہی نہیں ہوئی:

"و منع عن الصلوة و سجدة التلاوة المتلوة في غير هذه الأوقات، وصلوة الجنازة حضرت قبلها؛ لأن ماوجب كاملاً لا يتأدى بالناقص. وأماالمتلوة أوا الحاضرة فيها لا يكره: أي تحريما؛ لأنها وجبت ناقصةً، أديت فيها كما وجبت، اهـ". سكب الأنهر: ۱/۷۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ کس وقت مکروہ ہے؟

سوال[۴۰۵۵]: نماز جنازہ کے لئے بھی کیا کوئی وقت حرام یا مکروہ تحریمی کا ہے، اگر ہے تو اس کے درجہ سے آگاہی بخشیں۔ اس کے علاوہ کیا دن رات میں ہر وقت نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ سنتِ موکدہ وغیرہ مکروہ تحریمی، تنزیہی، مستحب ہر ایک کا درجہ کیا ہے؟ اردو کی کتابوں میں ''ممنوع، ناجائز'' لکھا رہتا ہے جس سے

---

(۱) (سكب الأنهر (الدرالمنتقى في شرح الملتقى) على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلوة: ۱/۱۰۱، غفاريه كوئٹه)

"عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت الخ : ۱/۲۰۰، سعيد)

"المراد من قوله : "أن نقبر فيها موتانا" الصلاة على الجنازة دون الدفن؛ إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات". (بدائع الصنائع، باب الجنائز، فصل في بيان ما يكره فيها : ۲/۵۷،رشيديه)

"ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولاصلوة جنازة و لا سجدة تلاوة .... وهذا إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة في وقت مباح، وأخرتا إلى هذا الوقت، لا يجوز قطعاً، أما لو وجبتا في هذا الوقت وأديتا فيه، جاز؛ لأنها أديت ناقصةً كما وجبت". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها : ۱/۵۲، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة: ۱/۴۳۲، ۴۳۴، رشيديه)

کوئی درجہ ظاہر نہیں ہوتا۔

حضرت والا کا خادم مہجور حقیر ناچیز: عبدالصبور ۳۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اوقاتِ ثلثہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ان میں نماز جنازہ بھی مکروہ تحریمی ہے، باقی سب اوقات میں درست ہے(۱)۔

چونکہ عوام ''موکد وغیر موکد، مکروہ تحریمی وتنزیہی، فرض وواجب وغیرہ'' کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ درجات ''نص، ظاہر، مفسر، محکم، قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ'' وغیرہ دلائل پر متفرع ہیں اور عوام کی فہم سے یہ اصطلاحات بالاتر ہیں، اس لئے اردو کی کتابوں میں ہر جگہ ان سب کی تصریحات نہیں کرتے بلکہ ممنوع اور ناجائز وغیرہ الفاظ پر اکتفاء کرتے ہیں اور اہلِ علم درجات کو سمجھتے ہیں وہ کتبِ عربیہ سے ان درجات کو معلوم کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۱۷/ ۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) ''عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلىٰ الله تعالىٰ عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب''. (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة الخ : ۱/۲۰۰، سعيد)

''تكره الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس .... و غروبها و نصف النهار لما روينا من حديث عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال : ثلاث ساعات . الحديث. والمراد من قوله: ''أن نقبر فيها موتانا'' الصلاة على الجنازة دون الدفن؛ إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات''. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في بيان ما يكره فيها: ۲/۵۷، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة : ۱/۳۷۰، ۳۷۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة : ۱/۴۳۲، ۴۳۴، رشيديه)

عورت کی نماز جنازہ کا ولی شوہر ہے یا باپ؟

سوال[۴۰۵۲]: ایک عورت کا انتقال ہوگیا، اس کے والد چاہتے ہیں کہ شوہر کے مکان سے اپنے مکان پر لے جا کر دفن کریں، اس میں اختلاف ہوا، بعض کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز یہیں ہو جانی چاہیے، بعض کہتے ہیں کہ جب ولی نہیں تو نماز کیسے ادا ہوگی؟ دریافت طلب یہ ہے کہ ولی باپ ہے یا شوہر؟ اگر شوہر اجازت نہ دے تو باپ جنازہ لے جا سکتا ہے یا نہیں، اور بغیر اجازتِ ولی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ شوہر اور باپ کے مکان میں تین میل کا فاصلہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو ماتت امرأة ولها أب، وابن بالغ عاقل، وزوج، فالأب أحق بها، اهـ". بحر: ۱۸۱/۲ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ باپ کو ولایت حاصل ہے، نماز جنازہ کے لئے اپنے مکان پر لے جانے کی ضرورت نہیں، شوہر ہی کے مکان پر یا جہاں مناسب ہو والد نماز جنازہ پڑھادے۔ اگر شوہر نے یا دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ لی تب بھی ادا ہو جائے گی، بغیر ولی کی اجازت کے بھی ادا ہو سکتی ہے، البتہ ایسی صورت میں ولی کو بعد میں پڑھنے کا اختیار رہتا ہے، ولی کے پڑھنے کے بعد کسی اَور کو اختیار نہیں رہتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۹/۳ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان احق بصلاته ۳۱۷/۲، رشيديه)

"و لو كان لها زوج وابن بالغ منه، قالو لاية للابن، إلا أنه ينبغي أن يقدم أباه تعظيماً". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۰، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۰/۲، سعيد)

(۲) "(فإن صلى غيره): أي الولي (ممن ليس له حق التقدم على الولي (ولم يتابعه) الولي (أعاد الولي) ولو على قبره الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۲/۲، سعيد)

"فإن صلى غير الولي أو السلطان، أعاد الولي إن شاء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۴/۱، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۱۸/۲، رشيديه)

ولی جنازہ باپ ہے یا شوہر

سوال[۴۰۵۷]: عورت کے انتقال پراس کی نماز جنازہ کی اجازت کس سے لی جائے یعنی شوہر سے یا اس کے باپ بھائی سے؟ لوگ کہتے ہیں کہ شوہر سے زوجیت کا تعلق ختم ہو چکا ہے اس لئے اجازت لینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ فقط۔

عبدالغنی مدرسہ مدینۃ العلوم فرخ آباد۔

الجواب حامداًومصلياً:

"ثم الولي بترتيب عصوبة النكاح، إلا الأب، فيقدم على الا بن اتفاقاً، إلا أن يكون عالماً والأب جاهلاً، فالابن أولى، فإن لم يكن له ولي فالزوج، ثم الجيران، الخ". الدرالمختار: ۱/۵۹۰(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب تک ولی عصبہ موجود ہو، شوہر جنازہ کا ولی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۱۳۹۵ھ۔

ولی میت سے نماز جنازہ کی اجازت

سوال[۴۰۵۸]: کیا جنازہ کی نماز کے لئے ولی میت سے اجازت لینی ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

اصل حق ولی کا ہے اس سے اجازت لی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۲۰، ۲۲۱، سعيد)

"ثم الترتيب في الأولياء كترتيب العصبات في النكاح، لكن إذا اجتمع أبو الميت وابنه، كان الأب أولى بالاتفاق على الأصح؛ لأن للأب فضيلةً على الابن و زيادة سن .... و سائر القربات أولى من الزوج ..... والجار أحق من غيره". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۶، ۳۱۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۰، قديمي)

(۲) "(قوله: أي للولي) ومثله كل من يقدم عليه من باب أولى (الاذن لغيره فيها) لأنه حقه فيملك =

امامِ محلّہ کی امامت ولی کے مقابلہ میں

سوال[۴۰۵۹]: محلّہ کا امام میت کے وارث کے ہوتے ہوئے بغیر اس کی اجازت کے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مناسب نہیں، بہتر یہ ہے کہ اگر امام صالح دیندار ہو تو خود ہی امام سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے ورنہ ولی کا خود نماز جنازہ پڑھانا اولیٰ ہے، الدر المختار: ۱/ ۸۲۳(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کسی متعین شخص سے جنازہ پڑھوانے کی وصیت

سوال[۴۰۶۰]: کسی مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد جنازہ کی نماز فلاں آدمی پڑھائے اور اس فلاں کے آنے میں تین دن یا زیادہ دن لگ جائے، تو آیا اس نعش کو فلاں کے آنے تک باقی رکھا جائے یا کسی دوسرے آدمی سے نماز جنازہ پڑھوا کر دفن کر دیا جائے؟

= إبطاله". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۲۲، سعيد)

"قال" :(وله أن يأذن لغيره): أي للولي أن يأذن لغيره في الصلاة على الجنازة؛ لأن التقدم حقه فيملك إبطاله بتقديم غيره". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۷، رشيديه)

(۱) "وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي والا فالولي كما في المجتبى وشرح المجمع للمصنف". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۲۰، سعيد)

"إنما يستحب تقديم إمام مسجد حيه على الولي إذا كان أفضل من الولي ذكره في الفتاوى وهو قيد حسن". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۶، رشيديه)

"(ثم إمام الحي) المراد به إمام مسجد محلته، لكن بشرط أن يكون أفضل من الولي، وإلا فالولي أولى منه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۸۹، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز فلاں آدمی سے پڑھائے جو کہ اس وقت موجود نہیں اس کے آنے میں تین دن لگیں گے تو اس کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ دوسرا مناسب آدمی نماز جنازہ پڑھادے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ بلاوضو

سوال[۴۰۲۱]: جنازہ کی نمازامام نے بلاطہارت پڑھادی تواس صورت میں مقتدیوں کی نماز اداہوگی یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جنازہ کی نمازامام نے بلاوضو پڑھادی تو درست نہ ہوگی نہ امام کی، نہ اس کے مقتدیوں کی (۲)،

---

(۱) "والفتوی علی بطلان الوصیة بغسله والصلاةعلیه". (الدرالمختار). "لو أوصی بأن یصلی علیه غیر من له حق التقدم أو بأن یغسله فلان، لا یلزم تنفیذ وصیته، و لا یبطل حق الولی بذلک". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی تعظیم أولی الأمر واجب : ۲/۲۲۱، سعید)

"إذا أوصی أن یصلی علیه فلان، فالوصیة باطلة". (التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی المتفرقات : ۲/۱۸۰، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "فلو أمّ بلا طهارة والقوم بها، أعیدت و بعکسه لا". (الدرالمختار). "(قوله: أعیدت)؛ لأنه لا صحة لها بدون الطهارة، وإذا لم تصح صلاة الإمام، لم تصح صلاة القوم". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۸، سعید)

"ولو صلی الإمام بلا طهارة أعادوا؛ لأنه لا صحة بدون الطهارة، فإذا لم تصح صلاة الإمام لم تصح صلاة القوم، الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۱۴، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت. ۱/۱۶۴، رشیدیه)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما بیان ما تصح به و ما تفسد و ما یکره : ۲/۵۴، رشیدیه)

اگر دفن کر دیا گیا ہے تو قبر پر پڑھ لی جاوے جب تک میت کے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، ورنہ استغفار کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ میں میت کی سمتِ قبلہ بدل گئی

سوال[۴۰۶۲]: عورت کا جنازہ جس کا سر جنوب کی طرف اور پیر شمال کی طرف تھا، نماز پڑھا دی گئی تو جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر غلطی سے جنازہ کا سر جنوب کی طرف اور پیر شمال کی طرف ہو کر اس پر نماز جنازہ پڑھا دی گئی تو بھی درست ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن أسود رجلاً أو امرأةً كان يكون في المسجد يقمّ المسجد، فمات ولم يعلم النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بموته، فذكره ذات يوم فقال: "ما فعل ذلك الإنسان"؟ قالوا: مات يا رسول الله! قال: "أفلا آذنتموني"؟ فقالوا: إنه كان كذا و كذا قصته. قال: فحقّروا شانه، قال: "فدلّوني على قبره". قال: فاتي قبره فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر ما يدفن: ۱/۱۷۸، قديمي)

"(وإن دفن) وأهيل عليه التراب (بغير صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له (صلى على قبره) استحساناً (مالم يغلب على الظن تفسخه) من غير تقدير، هو الأصح". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

"ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل، فإنه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام، والصحيح أن هذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه ما لم يعلم أنه قد تمزق". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۳، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) "وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين، و أساؤوا إن تعمدوا". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، =

نمازِ جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

سوال[۴۰۶۳] : ایک مولانا صاحب بی اے منشی فاضل نے اس طور پر نماز جنازہ پڑھائی، امام میت یعنی مولانا صاحب بی اے منشی فاضل وہاں کھڑے ہوئے جہاں امام لکھا ہے۔ حدیث بخاری، پارہ پانچ، کتاب الجنازۃ عمران بن میسر سے روایت ہے کہ "حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت پر نماز پڑھی جو نفاس میں مرگئی تھی، آپ اس کے بیچا بیچ کھڑے ہوئے (۱) اس طور پر مولانا صاحب بی اے نے بھی عورت کا جنازہ پڑھایا۔ کیا اب شریعت بدل گئی جو مولانا صاحب نے اس طور پر جنازہ پڑھایا؟ کیا اب ایسے جنازہ ہونا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

"و يقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر لما روى أحمد: أن أبا غالب قال: صليت خلف أنس رضي الله تعالىٰ عنه على جنازة، فقام حيال صدره". ولأن الصدر محل الإيمان ومعدن الحكمة والعلم، وهو أبعد من العورة الغليظة، فيكون القيام عنده إشارة إلى أن الشفاعة و قعت لأجل إيمانه. و عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأبي يوسف أنه يقوم من الرجل بحذاء صدره و من المرأة بحذاء وسطها؛ لأن أنساً رضي الله تعالىٰ عنه فعل كذلك، وقال: هو سنة۔

= باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعيد)

"و إذا أخطأوا بالرأس وقت الصلاة، فجعلوه في موضع الرجلين فصلوا عليها، جازت الصلاة، فإن فعلوا ذلك عمداً، جازت صلاتهم و قد أساؤا". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: وأما بيان ماتصح به الصلاة و ما تكره: ۲/۵۴، رشيديه)

(۱) "عن سمرة بن جندب قال: صليت وراء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على امرأة ماتت في نفاسها، فقام عليها وسطها". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من يقوم من المرأة والرجل: ۱/۱۷۷، قديمي)

وعن سمرة بن جندب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أنه قال: صلیت وراء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم علی امرأة ماتت فی نفاسها، فقام وسطها، قلنا: الوسط هو الصدر، فإن فوقه یدیه و رأسه، وتحته بطنه و رجلیه". زیلعی، ص:۲٤۲(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام کو میت کے سر یا پیر کی جانب نہیں کھڑا ہونا چاہیے بلکہ سینہ کے مقابلے میں کھڑا ہونا چاہیے اور جس روایت میں آتا ہے کہ میت کو سامنے رکھ کر اس کے بیچا بیچ کھڑے ہوکر نماز پڑھائی ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے، کیونکہ سر اور ہاتھ سینہ سے اوپر ہیں اور پیٹ اور پیر سینے سے نیچے ہیں لہذا سینہ وسط میں ہوا، دوسرے سینہ محلِ ایمان وحکمت وعلم ہے، اس لئے سینہ کو فوقیت ہے اور ایسا کرنا مستحب ہے۔

اگر کسی نے گھٹنے کے مقابل یا کندھے کے مقابلہ میں کھڑے ہوکر نماز پڑھادی تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن صحتِ نماز جنازہ کے لئے میت کے کسی حصہ کے سامنے اور مقابلہ میں ہونا شرط ہے، اگر میت کا کوئی حصہ بھی امام کے سامنے نہ ہوگا تو نماز جنازہ درست نہ ہوگی۔

"کونه (أی الإمام) بالقرب من الصدر مندوب، وإلا فمحاذاة جزءٍ من المیت لا بد منها، قهستانی، الخ". رد المحتار :۱/۹۱۵(۲)۔

"و إذا خطئوا بالرأس، فوضعوها فی موضع الرجلین و صلوا علیه، جازت الصلوة؛ لأن ما هو شرط، و هو کون المیت أمامَ الإمام، فقد وجد. إنما التغیر فی صفة الوضع، وذلك لا یمنع جواز ذلك، إلا أنهم تعمدوا ذلك، فقد أساؤا بتغیر الوضع عما توارثه الناس". مبسوط سرخسی: ۲/۶۹(۳)۔

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۷۸، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۱۶، سعید)

(۳) (کتاب المبسوط للسرخسی، باب غسل المیت :۲/۱۱۱، مکتبه غفاریه کوئٹه)

وفی الفتاوی العالمکیریة :"یقوم للرجل والمرأة بحذاء الصدر، وهذا أحسن مواقف الإمام من المیت للصلاة علیه الخ". (کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت : ۱/۱۶۴، رشیدیه)

(وکذا فی البدائع . کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بیان کیفیة الصلاة علی الجنازة الخ : ۲/۴۹، رشیدیه)

اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ جس طرح مستحکم ہوچکی ہے وہ منسوخ نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

ناپاک زمین پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۶۴]: پکی زمین ہو یا کچی لیکن اس پر گوبر کے نشانات بلکہ کچھ اجزاء بھی ہیں لیکن خشک ہیں تو ایسی حالت میں اس زمین پر نماز جنازہ پڑھی جائے تو کیا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لید اور گوبر کے اجزا پیروں کے نیچے نہیں (آس پاس ہیں) تو نماز جنازہ درست ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۴ھ۔

جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنا

سوال[۴۰۶۵]: جنازہ کی نماز جوتا یا چپل پہن کر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نیچے کا حصہ نجس ہو تو پیر سے نکال کر ان پر پیر رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے بشرطیکہ اوپر کا حصہ پاک ہو: "ولو افترش نعليه وقام عليهما، جاز، فلا يضر نجاسة ماتحتهما لكن لابدمن طهارة نعليه مما

---

(۱) "الطهارة من النجاسة في ثوب و بدن و مكان، وستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۵، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

یلی الرجل لا مما یلی الأرض، اھ". طحطاوی (۱)۔

اور اگر اوپر کا حصہ نجس ہوتو پھر نکالنا اور پیر سے علیحدہ کرنا ضروری ہے ورنہ نماز درست نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الأول/۶۴ھ۔

ایضاً

سوال [۴۰۶۶]: نماز جنازہ جوتا پہن کر درست ہے یا نہیں؟ چونکہ اس کے نیچے عموماً گندگی ونجاست ہوتی ہے، اگر جائز ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر جوتے کے نیچے گندگی ہے اور جوتہ پہن کر نماز جنازہ پڑھی جائے تو وہ درست نہیں اور اگر جوتا نہیں پہنا بلکہ جوتے کے اوپر پیر رکھ کر نماز پڑھی اور نجاست جوتے کے نیچے ہے اوپر نہیں تو نماز درست ہو جائے گی (۲)، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے نجس زمین پر تختہ یا موٹا مصلی بچھا کر اس پر نماز پڑھی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه: ۵۸۲، قدیمی)

"و لو افترش نعلیه و قام علیهما، جازت، وبهذا یعلم ما یفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلاة الجنازة، لکن لا بد من طهارة النعلین، کما لا یخفی". (البحر الرائق، باب الجنائز: ۲/۳۱۵، رشیدیه)

"و لو افترش نعلیه و قام علیهما، جازت صلاته، بمنزلة ما لو بسط الثوب الطاهر علی الأرض النجسة وصلی علیه، فإنه یجوز". (مجموعه رسائل اللکنوی، غایة المقال فیما یتعلق بالنعال، فصل: أحکام النعال المتعلقة بالصلاة: ۱/۲۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "جوتا پہن کر نمازِ جنازہ"۔)

(۳) "فی مفسدات الصلاة: و صلاته علی مصلی مضروب نجس البطانة) بخلاف غیر مضروب و =

جنازہ کو جمعہ تک مؤخر کرنا

سوال[۴۰۶۷]: اگر کسی کے یہاں بروز جمعہ بوقتِ صبح میت ہوجائے اوراس کے وارث اس کو بعد نماز جمعہ کے اس لئے دفن کرتے ہیں کہ جمعہ میں نماز جنازہ پڑھی جاوے تو زیادہ ثواب ہے۔ایسا عقیدہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

میت کو محض اس لئے اتنی دیر تک روکے رکھنا مکروہ ہے، مستحب اور افضل یہ ہے کہ اس کے دفن میں جلدی کی جائے،اگر ایسے وقت انتقال ہوا ہے کہ اس کے دفن کرنے میں جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر نماز جمعہ تک موخر کردیں کذا فی الطحطاوی: ۳۳۲(۱)۔

نماز جنازہ میں دوسرے محلّہ والوں کا انتظار کرنا

سوال[۴۰۶۸]: ہمارے یہاں یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو تمام محلوں میں جاکر اطلاع دیتے ہیں اور جب تک سب لوگ نہ آجائیں نماز جنازہ کا انتظار کرتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

= مبسوط علی نجس إن لم يظهر لون أو ريح". (الدرالمختار). "(قوله : مبسوط على نجس الخ) .... و كذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقاً يشف ما تحته أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة، لا يجوز الصلاة عليه. وإن كان غليظاً بحيث لا يكون كذلك، جازت". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۱/۶۲۶، سعيد)

(۱) "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحةً فخير تقدمونها، وإن تك سوى ذلك فشرٌ تضعونه عن رقابكم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة : ۱/۱۷۶، قديمي)

"فلو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة، يكره تأخير الصلاةعليه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة. و لو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه، يؤخر الدفن". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ص: ۶۰۴، قديمي)

"(و كره تأخير صلاته و دفنه ليصلي عليه جمعٌ عظيم بعد صلاة الجمعة) إلا إذا خيف فوتها بسبب دفنه". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان احق بصلاته : ۲/۳۳۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز جنازہ کے لئے اطلاع کر دینے میں تو مضائقہ نہیں (۱) پھر جس جس کو موقع ہو آکر شریک ہوجائے لیکن دوسرے محلے کے لوگوں کے انتظار میں مؤخر کرنا کہ جب تک سب جگہ کے لوگ نہ آجائیں نماز نہ پڑھی جائے، خواہ کتنی ہی دیر ہوجائے یہ ٹھیک نہیں ہے، بلکہ وقت متعین کر کے کہد یا جائے کہ اتنے بجے جنازہ تیار ہوجائے گا اور نماز ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم نعی النجاشی فی اليوم الذی مات فيه، وخرج إلی المصلی، فصف بهم و كبر أربعاً". (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعی إلی الميت بنفسه : ۱/۱٦٧، قديمی)

"لا بأس بنقله قبل دفنه و بالإعلام بموته، الخ". (الدرالمختار). وفی ردالمحتار: "(قوله : والإعلام بموته): أی إعلام بعضهم بعضاً ليقضوا حقه، الخ". (كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۹، سعيد)

"و ذكر الشارح معنیً آخر و هو إعلام بموته ليصلوا عليه، لا سيما إذا كان الميت يتبرک به، و كره بعضهم أن ينادی فی الأزقة .... والأصح أنه لا يكره؛ لأن فيه تكثير الجماعة من المصلين عليه والمستغفرين له و تحريض الناس علی الطهارة والاعتبار به والاستعداد، وليس ذلک نعی أهل الجاهلية". (البحر الرائق ، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۷، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۷۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، يبلغ به النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تک خيراً، تقدمونها، وإن تک شراً، تضعوها عن رقابكم". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی الإسراع بالجنازة : ۱/۱۹٦، سعيد)

"يندب دفنه فی جهة موته و تعجيله، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: وتعجيله): أی تعجيل جهازه عقب تحقق موته، ولذاكره تأخير صلاته و دفنه ليصلی عليه جمعٌ عظيم بعد صلاة الجمعة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۹، سعيد)

"قال: "(و يعجّل بلا خبب): أی يسرع بالميت وقت المشی بلا خبب، وحدّه أن يسرع به بحيث لا يضطرب الميت علی الجنازة لحديث ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أنه عليه السلام قال: "أسرعوا بالجنازة". الحديث. (تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۱/۵۸۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۳۵، رشيديه)

نمازِ جنازہ قبر تیار ہونے سے پہلے پڑھنا

سوال[۴۰۶۹]: نماز جنازہ قبر تیار ہونے سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں، قبرستان میں اگر جگہ خالی ہو کہ وہاں قبریں نہ ہوں تو وہاں بھی پڑھ سکتے ہیں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸۹ھ۔

متعدد جنازوں کی نماز اکٹھی پڑھنا

سوال[۴۰۷۰]: تین جنازے ہیں، ان میں سے دو مذکر ہیں مگر ایک بچہ ہے اور دو جوان یا ادھیڑ عمر کے، تو اگر کوئی تینوں کے اکٹھی نماز جنازہ پڑھادے تو صحیح ہے یا نہیں؟ کیا اس صورت میں جنازہ کی نماز ہو جائے گی؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جوان مرد ہے اور ایک جوان عورت ہے، ان دونوں کی اگر ایک ہی جگہ جنازہ کی نماز پڑھادی جائے تو کیا نماز ہو جاوے گی، یا دونوں کی الگ الگ پڑھادیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل طریقہ یہ ہے کہ سب کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھائی جائے لیکن اگر سب کی ایک ساتھ میں پڑھادی گئی تب بھی بلاشبہ ادا ہو جائے گی: "وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلوة أولى، اھ". تنویر (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) وفي رد المحتار: "أو كان في المقبرة موضع أعِدّ للصلاة و لاقبر ولا نجاسة، فلا بأس". (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

"إذا غسل موضعاً في الحمام ليس فيه تمثال و صلى فيه، لا بأس به، وكذا في المقبرة إذا كان فيها موضع آخر أعِدّ للصلاة، و ليس فيه قبر و لا نجاسة". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۲/۵۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۶، قديمي)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۸، سعيد) .... =

صغیرہ اور کبیرہ کے جنازوں کی نماز یکدم پڑھنا

سوال[۴۰۷۱]: مثلاً دس بیس جنازے ایک ساتھ رکھے ہوں اور تنہا تنہا پڑھنے میں زیادہ حرج کا خیال ہے، جس میں نابالغ بالغ لڑکا، نابالغ لڑکی، مردعورت سب کے جنازے شامل ہیں تو کس طرح ان سب کی نماز ایک دفعہ سے پڑھے اور کون سی دعا پڑھے جس میں سب جنازے کی نماز ادا ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی حالت میں اس طرح کرے کہ سب کو برابر برابر رکھ کر اس طرح کہ اول امام کے قریب مَردوں کے جنازے ہوں، پھر لڑکوں کے، پھر عورتوں کے، پھر لڑکیوں کے۔ ایک ہی مرتبہ سب پر نماز پڑھ لی جائے اور بالغوں کی دعاء کے بعد نابالغوں کی دعاء بھی پڑھی جاوے کذا فی الطحطاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۲۵/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

= "عن أبی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم أحد بحمزة، فوضع وجیئ بتسعة، فصلی علیهم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فرفعوا و ترک حمزة، ثم جیء بتسعة فوضعوا، و صلی علیهم سبع صلوات، حتی صلی علی سبعین، و فیهم حمزة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی کل صلاة صلاها". (مراسیل أبی داؤد الملحق بسننه، فی الصلوة علی الشهداء : ۱۸، سعید)

"ولم یذکر المصنف رحمه اللہ تعالیٰ ما إذا اجتمعت الجنائز للصلوة، قالوا: الإمام بالخیار إن شاء صلی علیهم دفعةً واحدةً، وإن شاء صلی علی کل جنازة صلاةً علی حدة". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۸/۲، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ۱۶۵/۱، رشیدیه)

(۱) "(إذا اجتمعت الجنائز، فالإفراد بالصلاة لکل منها أولیٰ) .... (وإن اجتمعن) و صلی مرةً واحدةً .... (فیجعل الرجال مما یلی الإمام، ثم الصبیان بعدهم): أی بعد الرجال (ثم الخنثی، ثم النساء، ثم المراهقات)". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۲، ۵۹۳، قدیمی) .... =

نماز جنازہ مکرر پڑھنا

سوال[۴۰۷۲]: ایک جنازہ کی نماز باجماعت دوبارہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں کچھ نئے لوگ اور کچھ پرانے بھی شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر پڑھ لی گئی تو ولی کو دوبارہ پڑھنا درست ہے اور اس میں نئے لوگ شریک ہوسکتے ہیں اور جو لوگ پہلے پڑھ چکے ہیں وہ نہ شریک ہوں:"فإن صلى غيره: أى غير من له حق التقدم، أعادها إن شاء، و لا يعيد معه من صلى غيره، الخ". كذا فى مراقى الفلاح، ص:٤٨٦، مصرى (١)۔

= "عن يحيى بن صبيح قال: حدثنى عمار مولى الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم وابنها، فجعل الغلام مما يلى الإمام، فأنكرت ذلك وفى القوم ابن عباس وأبوسعيد الخدرى وأبو قتادة وأبو هريرة رضى الله تعالىٰ عنهم، فقال: هذه السنة". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب إذا حضر الجنائز رجال و نساء من يقدم: ٩٩/٢، امداديه)

" فإذا اجتمعت الجنائز، فالإمام بالخيار إن شاء صلى عليهم دفعةً واحدةً، وإن شاء صلى على كل جنازة على حدة .... ثم كيف توضع الخيار إذا اجتمعت؟ فنقول: لا يخلو إما إن كانت من جنس واحد أو اختلف الجنس، أما إذا اختلف الجنس بأن كانوا رجالاً و نساءً، توضع الرجال مما يلى الإمام والنساء خلف الرجال مما يلى القبلة .... و لو اجتمع جنازة رجل و صبى و خنثى وامرأة و صبية، وضع الرجل مما يلى الإمام و الصبى وراءه، ثم الخنثى، ثم المرأة، ثم الصبية". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: فى بيان ما تصح به و ما تفسده و ما يكره: ٥٦/٢، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢١٩/٢، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٣٢٨/٢، رشيديه)

(١) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٥٩٠، ٥٩١، قديمى)

"(فإن صلى غيره): أى الولى (من ليس له حق التقدم) على الولى (ولم يتابعه) الولى (أعاد الولى) ولو على قبره إن شاء لأجل حقه، لا لإسقاط الفرض، ولذا قلنا: ليس لمن صلى عليها أن يعيد مع الولى؛ لأن تكرارها غير مشروع الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢٢٢/٢، ٢٢٣، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٣١٨/٢، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت: ١٦٤/١، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۰۷۳]: میت کی نماز ادا کرنے کے کچھ دیر بعد تین چار شخص اَور آ گئے تو ان کے لئے میت کی نماز دوبارہ پڑھنے کے لئے علمائے دین کیا حکم فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی نے اول نماز جنازہ پڑھی ہے، یا اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہے تو پھر اَور کو دوبارہ پڑھنا درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/رمضان/۶۲ھ۔

نماز جنازہ متعدد دفعہ

سوال[۴۰۷۴]: جنازہ کی نماز دو دفعہ یا تین دفعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز ایک دفعہ ہے، اس سے زیادہ نہیں (۲)، ہاں! اگر ولی جنازہ نے ابھی نماز نہیں پڑھی بلکہ

---

(۱) "(وإن صلى هو) الولي (بحق) بأن لم يحضر من يقدم عليه (لا يصلي غيره بعده)". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۲۳، سعيد)

"فإن صلى عليه الولي، لم يجز أن يصلي عليه أحدٌ بعده". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(۲) "ولا يصلي على ميت واحد إلا مرةً واحدةً، والتنفل بصلاة الجنازة غير مشروع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

"(قوله: ولم يصل غيره بعده): أي بعد ما صلى الولي؛ لأن الفرض قد تأدى بالأولى، والتنفل =

کسی اَور نے پڑھ لی ہے، پھر ولی پڑھنا چاہے تو اس کو اجازت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص ساتھ نہ دے اس کے جنازہ میں عدمِ شرکت

سوال[۴۰۷۵]: جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد نہ کرے بلکہ تماشائی بن کر دیکھتا رہے، اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ ہم لوگوں نے عہد کیا تھا کہ جو مسلمان ہماری امداد نہ کرے اس کو برادری میں شریک نہیں کریں گے۔ کیوں کہ انہوں نے ہمارے اوپر کئے گئے غلط اور جھوٹے مقدمہ میں ہماری امداد نہیں کی اس وجہ سے ہم نے قطعِ تعلق کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس دَور میں ان لوگوں کی لڑکی فوت ہوگئی جس کے جنازہ میں ہم شامل نہیں ہوئے کیوں کہ ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان کو شریکِ برادری نہیں کریں گے، جو ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔ تو شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسے معاملہ میں جو مفادِ عامہ کے لئے ہو سب کو ہی ساتھ دینا چاہئے۔ ان آدمیوں کا الگ رہنا اور ساتھ

= بها غير مشروع الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۱۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۳/۲، سعيد)

(۱) "فإن صلى غيره: أي الولي ممن ليس له حق التقدم على الولي و لم يتابعه الولي، أعاد الولي، وإلا لا يعيد. وإن صلى هو: أي الولي بحق، لا يصلي غيره بعده". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۲۲/۲، ۲۲۳، سعيد)

"(فإن صلى عليه غير الولي والسلطان، أعاد الولي)؛ لأن الحق له". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۴/۱، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۴، سهيل اكيڈمی، لاهور)

نہ دینا بہت بُری بات ہے۔ اگر کسی ناجائز بات میں شریک نہ ہوں، الگ رہیں تو ٹھیک ہے۔ اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کر کے نادم ہوں تو ان کو برادری میں شامل کرلیا جائے (۱)۔ جولڑکی فوت ہوگئی اس کے جنازہ میں شریک نہ ہونا بھی غلطی ہے، آئندہ ایسا نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن أبی أیوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "لایحل لرجل أن یهجر أخاه فوق ثلث لیال، فیلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا، وخیر هما الذی یبدأ بالسلام". (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الهجرة: ۲/۸۹۷، قدیمی)

قوله: "ولایحل لمسلم، اهـ". فیه التصریح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أیام، وهذا فیمن لم یجن علی الدین جنایة، فأما من جنی علیه وعصی ربه، فجاء ت الرخصة فی عقوبته بالهجران کالثلاثة المتخلفین عن غزوة تبوک، فأمر الشارع بهجرانهم، فبقوا خمسین لیلةً حتی نزلت توبتهم، الخ". (عمدة القاری، کتاب الأدب، باب ماینهی من التحاسد والتدابر الخ: ۲۲/۱۳۷، مطبعة منیریه، بیروت)

قال الملاعلی القاری تحت هذا الحدیث: "قال الخطابی: رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیال لقلّته، ولا یجوز فوقها، إلّا إذا کان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتیح للملا علی القاری، کتاب الأدب، باب التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، تحت حدیث أبی أیوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، رشیدیه)

(۲) اس لئے کہ نمازِ جنازہ پڑھنا تمام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے جنہوں نے نہیں پڑھی وہ ثواب سے محروم ہوگئے نیز انہوں نے ایک مسلمان کی حق تلفی بھی کی۔

"هذا هو حکم فرض الکفایة، فإنه یکون فرضاً علی کل واحد واحد لکن بحیث إن أدّی بعض منهم سقط عن الباقین، وإن لم یؤد واحد منهم یأثم الجمیع بترک الفرض. وإن أدّی الکل وجدوا ثواب الفرض، وتحقیقه فی کتب الأصول". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، کتاب الصلوة، باب الجنائز، (رقم الحاشیة: ۱۶): ۱/۲۰۶، سعید) .... =

چلتے ہوئے مسافر پر نمازِ جنازہ میں شریک ہونا لازم ہے یا نہیں؟

سوال[۴۰۷۶]: اگر کوئی مسافر چلا جارہا ہے تو اس کے راستہ میں مسلمانوں کا جنازہ دفناتے ہوئے ملا تو اب اس مسافر کے واسطے آگے چلنا حرام ہے یا نہیں، کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مسافر جنازہ کی نماز ادا نہ کرے اور مٹی وغیرہ نہ ڈالے تو اس مسافر کے واسطے آگے چلنا حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر بعض ادا کرلیں تو سب کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، پس اگر اس جنازہ پر نماز پڑھی جاچکی ہے تو مسافر کے لئے نماز کا سوال ہی نہیں رہا اور اگر نہیں پڑھی گئی تو بہتر یہ ہے کہ یہ مسافر بھی نماز میں شریک ہوجائے، ہاں! اگر کچھ دشواری ہو یا اس کو جانے کی جلدی ہو اور نماز میں تاخیر ہو تو یہ مسافر جنازہ نہ پڑھنے سے بھی گنہگار نہ ہوگا (۱)، یہی حال دفن کرنے کا ہے یعنی اگر اسے موقعہ اور گنجائش ہے تو دفن

= "والاجماع منعقد على فرضيتها ايضاً الا انها فرض كفاية إذا قام به البعض يسقط عن الباقين، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۴۶/۲، رشيديه)

"عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال: أمرنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بسبع، ونهانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز، وعيادة المريض، وإجابة الداعي، ونصر المظلوم، وإبرار القسم، ورد السلام، وتشميت العاطس" الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز: ۱۶۶/۱، قديمي)

(۱) "عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۲۷۵/۱، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين. وإن لم يؤد واحد منهم، يأثم الجميع بترك الفرض. وإن أدى الكل، وجدوا ثواب الفرض". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۶): ۲۰۶/۱، سعيد)

"والصلوة عليه: أي على الميت فرض كفاية بالإجماع". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۰۷/۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في صلاة الجنازة: ۴۶/۲، رشيديه)

کرنے میں شریک ہوجائے ورنہ گناہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

نماز جنازہ میں چند لوگوں کا محض تماشا بینوں کی طرح کھڑے رہنا

سوال [۴۰۷۷]: جنازہ کے ساتھ پچاس ساٹھ آدمیوں کا مجمع ہے لیکن صلوۃ الجنازہ ادا کرنے کے وقت صرف دس پندرہ آدمی نماز پڑھتے ہیں اور باقی مثل تماشا بینوں کے کھڑے رہتے ہیں۔ یہ بقیہ لوگ مسلمان تارکِ فرض کفایہ ہوں گے یا نہیں اور ان پر کچھ گناہ ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ کوئی عذر مانع شرکت نماز سے بھی نہیں۔ کراہت وغیرہ مفصل ومبرہن فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کچھ لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو فرض کفایہ ہونے کی وجہ سے سب کے ذمہ سے ساقط ہوگئی لیکن ثواب صرف ان کو ملا جنھوں نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے وقت باقی لوگوں کا تماشا بینوں کی طرح کھڑے رہنا اور نماز میں شریک نہ ہونا انتہائی بے حسی اور بے مروتی ہے، حقوقِ میت اور احترامِ نماز دونوں کے خلاف ہے: "والصلوۃ

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من شهد الجنازة حتى يصلى عليه فله قيراط، ومن شهد حتى يدفن كان له قيراطان". قيل: و ما القيراطان؟ قال: "مثل الجبلين العظيمين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من انتظر حتى يدفن: ۱/۱۷۷، قديمي)

"فالدليل على وجوبه توارث الناس من لدن آدم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى يومنا هذا مع النكير على تاركه، وذا دليل الوجوب إلا أن وجوبه على سبيل الكفاية حتى إذا قام به البعض، سقط عن الباقين، لحصول المقصود". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في الدفن في مواضع الخ: ۲/۶۰، رشيديه)

" دفن الميت فرضٌ على الكفاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

علیہ: أی علی المیت فرض کفایة بالإجماع". درمختار: ۱/ ۶۰۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ضعیف امام کو نمازِ جنازہ کے لئے سواری میں لے جانا

سوال[۴۰۷۸]: امام صاحب ضعیف العمر ہیں، قبرستان ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے، جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے لوگ سواری میں بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ متولی صاحب کا کہنا ہے کہ امام صاحب پیدل چل کر جائیں یا اپنی طرف سے رقم خرچ کر کے جنازے کی نماز پڑھانے کے لئے جائیں۔ متولی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی صاحب کا یہ کہنا اور اصرار کرنا بالکل غلط اور بے جا ہے۔ ضعیف کی معذوری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ خاص کر امام کا (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"عن عمران بن حصين رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن أخاكم قد مات، فقوموا فصلوا عليه". (سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الأمر بالصلاة على الميت: ۱، ص: ۲۷۵، قديمي)

"هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد، لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤدّ واحدٌ منهم، يأثم الجميع بترك الفرض، وإن أدّى الكل، وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحاشية: ۱۲): ۱/۲۰۶، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية، إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين؛ لأن ما هو الفرض وهو قضاء حق الميت، يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة الخ: ۲/۴۶، رشيديه)

(۲) "عن أبي موسیٰ الأشعري رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن من=

مسبوق نمازِ جنازہ کس طرح پڑھے؟

سوال[۴۰۷۹] : ایک شخص نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد شریک ہوا ہے، اب وہ کس نوعیت سے جنازہ کی نماز پوری کرے گا؟ کیا وہ ثناء سے پڑھنا شروع کریگا اور بقیہ تکبیر کو سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیسری تکبیر کہہ کر امام کیساتھ شریک ہو کر دعاء پڑھے پھر چوتھی تکبیر کے بعد جب امام نماز پوری کردے تو یہ ایک تکبیر کہہ کر ثنا پڑھے، دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف۔ اگر جنازہ جلدی اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو تو صرف دو تکبیر میں نماز ختم کردے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

صفوفِ جنازہ میں کونسی صف افضل ہے؟

سوال[۴۰۸۰] : نماز جنازہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں صفِ اول کا ثواب آخری صف والوں کو ملتا ہے اور وہ اس کی دلیل میں: "أول الصفوف أخرها" پیش کرتے ہیں، پتہ نہیں یہ

= إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم أو حامل القرآن غير الغالي فيه والجافي عنه وإكرام ذي السلطان المقسط". (سنن أبي داؤد، كتاب الأداب، باب في تنزيل الناس منازلهم: ۲/۳۱۷، امداديه)

(۱) "(والمسبوق) ببعض التكبيرات لا يكبر في الحال بل (ينتظر) تكبير (الإمام ليكبر معه) للافتتاح لمامر أن كل تكبيرة كركعة، والمسبوق لا يبدأ بما فاته .... ثم يكبران ما فاتهما بعد الفراغ نسقاً بلا دعاء إن خشيا رفع الميت على الأعناق". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۶، ۲۱۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، ۱۶۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۴، ۳۲۵، رشيديه) .... =

حدیث ہے یا کسی کا مقولہ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گڑبڑ مسئلہ ہے اس سے انتشار ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کبیری، ص: ۵۴۵، میں بھی اس طرح ہے: "أفضل صفوف الرجال في الجنازة آخرها، و في غيرها أولها إظهاراً للتواضع لتكون شفاعته أو عى للقبول"(۱)۔

صحیح مسائل کتابوں میں چھپے ہوئے ہیں، پڑھائے جاتے ہیں، فتاویٰ میں لکھے جاتے ہیں، زبانی بتائے جاتے ہیں، عوام میں زیادہ سے زیادہ شائع کئے جاتے ہیں، ان سے کوئی گڑبڑ نہیں، گڑبڑ کا سبب تین چیزیں ہیں: علم نہ ہونا، ناقص علم ہونا، یا پھر طبیعت میں عناد کا ہونا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ میں آخری صف افضل ہونے کی وجہ

سوال[۴۰۸۱]: جنازہ کی نماز میں سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کو فقہائے کرام نے افضل قرار دیا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ مردہ سے دوری افضلیت کا باعث بن رہی ہے، لیکن اس کو قیاس تسلیم نہیں کر رہا ہے، ایسی صورت میں امام کو سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔

= (وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۸۷، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع: الصلوة عليه: ۵۸۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"و خير صفوف الرجال أولها في غير جنازة". (الدرالمختار). "(قوله: في غير جنازة) أما فيها فآخرها إظهاراً للتواضع؛ لأنهم شفعاء، فهو أحرى بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۹، ۵۷۰، سعيد كراچي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل: بيان الأحق بالإمامة، ص: ۳۰۷، قديمي)

الجواب حامداًومصلیاً:

امام کومقتدیوں سے آگے ہونا منصوص ہے(۱)اور تعلیل فی مقابلۃ النص ممنوع ہے(۲)،فقہاء نے پچھلی صف کونماز جنازہ میں جس بناء پر افضل فرمایا ہے وہ یہ نہیں جس کوسائل نے تجویز کر کے قیاس شروع کردیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لم یخرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ثلثاً، فأقیمت الصلوة فذهب أبو بکر یتقدم، فقال نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بالحجاب، فرفعه فلما وضح وجه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ما نظرنا منظراً کان أعجب إلینا من وجه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم حین وضح لنا، فأومأ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بیده إلی أبی بکر أن یتقدم، وأرخی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الحجاب، فلم یقدر علیه حتی مات". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة: ۱/۹۴، قدیمی)

"قال: سمعت عتبان بن مالک الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه، قال: استأذن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فأذنت له، فقال: "أین تحب أن أصلی من بیتک"؟ فأشرت له إلی المکان الذی أحب، فقام وصففنا خلفه، ثم سلم و سلمنا". (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب: إذا زار الإمام قوماً فأمهم: ۱/۹۵، قدیمی)

(۲) "والقیاس بمقابلة المنقول مردود". (تبیین الحقائق، کتاب الطهارة، نواقض الوضوء، تحت لفظ: و قهقهة مصل بالغ: ۱/۵۵، سعید)

"(ومن شرائط صحة القیاس) .... والثالث: أن یتعدی الحکم الشرعی الثابت بالنص بعینه إلی فرع هو نظیره، ولا نص فیه، هذا الشرط واحدٌ تسمیة و جملة تفصیلا .... و قولنا: لا نص فیه؛ لأن التعلیل بموافقة النص لغو للاستغناء عنه و بمخالفته نقض له، فکان باطلاً الخ". (المغنی فی أصول الفقه للإمام جلال الدین عمر بن محمد الخبازی، باب القیاس، شروط القیاس، الثالث أن یتعدی الحکم إلی فرع، ص: ۲۹۴، ۲۹۶، مرکز البحث العلمی و إحیاء التراث الإسلامی. مکة المکرمة)

صفوفِ نماز جنازہ میں طاق عدد

سوال[۴۰۸۲] : ۱..... نمازہ جنازہ میں طاق عدد کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

۲..... پھر اس طاق عدد کو پورا کرنے کے لئے نابالغوں کی صفوں کو بھی شمار کیا جاوے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... نماز جنازہ میں طاق عدد کی صفوف کا لحاظ رکھا جائے، یہی شرعاً مستحب ہے(۱)۔

۲..... اس طاق عدد کے لحاظ سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "عن مرثد بن اليزني عن مالك بن هبيرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "مامن ميت يموت، فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين، إلا أوجب". : أي استحق الجنة". (أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب في الصف على الجنازة : ۹۵/۲، امداديه)

"و يستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف حتى لو كانوا سبعةً، يتقدم أحدهم للإمامة و يقف و راء ه ثلاثة و راء هم اثنان، ثم واحد". (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، الرابع الصلوة عليه : ۵۸۸، سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت : ۱۶۴/۱، رشيديه)

(۲) اس لئے کہ روایات میں منجملہ صفوفِ شرعیہ میں سے نابالغوں کے صفوف کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

"عن عبد الرحمن بن غنم قال: قال أبو مالك الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه: ألا أحدثكم بصلاة النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قال: فأقام الصلوة فصف الرجال و صف الغلمان خلفهم، ثم صلى بهم، فذكر صلاته، ثم قال: هكذا صلوة". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الصبيان من الصف : ۱۰۵/۱، امداديه)

"و لو اجتمع الرجال والنساء والصبيان الخناثي والصبيات والمراهقات، فأرادوا أن يصطفوا للجماعة، يقوم الرجال صفاً مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعد هم، ثم الخناثي، ثم الإناث، ثم الصبيات المراهقات، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة فصل: وأما بيان مقام الإمام والمأموم : ۳۹۲/۱، رشيديه) .... =

نماز جنازہ کی صفوف میں فصل

سوال[۴۰۸۳]: جگہ کے رہتے ہوئے بغیر کسی عذر کے جنازہ کی نماز میں مل کر کھڑا ہونا چاہیے، یا جس طرح نماز میں ایک صف کی جگہ رہتی ہے اتنی ہی جگہ چھوڑنی چاہیے؟ اگر مل کر بغیر کسی عذر کے کھڑا ہوتو کوئی خاص خرابی تو نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

صلوۃِ مطلقہ میں رکوع سجدہ ہوتا ہے، دوصفوں کے درمیان اتنی خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے کہ رکوع سجدہ سنت کے موافق ادا ہو سکے، نماز جنازہ میں اس کی ضرورت نہیں، قریب قریب صفیں ہوں تب بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲/۷/۸۹ھ۔

نماز جنازہ کی صفوف میں کتنی جگہ رہے؟

سوال[۴۰۸۴]: جنازہ کی نماز میں صف بندی کرنا قائم مقائم رکوع وسجود کے جگہ چھوڑنا کیسا ہے؟ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیا حرام ہے؟ اور جس نے ایسا کیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہاں لوگوں میں بہت تکرار ہے، کچھ لوگوں نے کہدیا کہ یہ دیوبندی عقائد کی مسجد ہے، بریلی عقائد

= "(يصف) .... (الرجال) ظاهره يعم العبد (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحد أدخل الصف (ثم الخنائى ثم النساء)". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۷۱، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۳۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) **سوال**: مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس: نماز جنازہ، سوال نمبر: ۲۸۱۷، ۵: ۲۰۳، دارالاشاعت کراچی)

کا جو بھی نام لے گا قتل کر دیا جائے گا اور مسجد میں بریلی عقائد کے لوگ نماز نہیں پڑھ سکتے، اس بارے میں کچھ لوگ امام کے ساتھ ہیں اور کچھ مخالف ہیں۔ براہ کرم جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ، لہٰذا صف بندی کے وقت رکوع سجدہ کی جگہ چھوڑنا بے محل ہے (۱)۔ نماز جنازہ میں میت کیلئے مستقل دعاء موجود ہے بلکہ دعاء ہی کیلئے نماز جنازہ مشروع ہوئی ہے کہ حمد وثنا اور درود شریف (پہلی تکبیر کے بعد) پڑھ کر میت کے لئے دعاء کی جائے، سلام پھیر کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ثابت نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ میں اس کو منع فرمایا گیا ہے، یہ مکروہ ہے (۲)۔ جو شخص مسجد میں نماز کے لئے آئے اور سنت کے موافق نماز پڑھے خلافِ سنت امور نہ پھیلائے، جھگڑا نہ کرے فتنہ نہ اٹھائے، اس کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے خواہ دیوبندیوں کی مسجد ہو خواہ بریلویوں کی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۱/۲۷ھ۔

---

(۱) **سوال**: ''مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے، اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط''۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، کتاب الجنائز، فصل خامس: نماز جنازہ (سوال نمبر: ۲۸۱۷): ۲۰۳/۵، دار الاشاعت کراچی)

(۲) ''لا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة'' (خلاصة الفتاوى، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشيديه كوئٹه)

''و لا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة''. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنائز، الخامس والعشرون في الجنائز، و فيه الشهيد: ۸۰/۴، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾. (سورة البقرة: ۱۱۴)

''عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: أن قريشاً منعوا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة =

صفوفِ جنازہ میں بچوں کی صف

سوال[۴۰۸۵]: اگر بالغ مردوں کی آخری صف کو پورا کرنے کے لئے بچوں کو دونوں کناروں سے کھڑا کرلیا جائے تو کیا حکم ہے؟ ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی کیا ضرورت ہے، ان کی صف مستقل بنادی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۱۷ھ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۸۶]: رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کس نے پڑھائی ہے؟ جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہاں مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔

= عند الكعبة في المسجد الحرام، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿و من أظلم ممن منع مساجد الله﴾. (تفسير ابن كثير: ۱/۱۵٦، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۱) نماز جنازہ میں تعدد صفوف مطلوب ہے، البتہ اگر ایک بچہ ہے تو بڑوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی بھی گنجائش ہے: "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر بقبر دفن ليلاً، فقال: "متى دفن هذا؟" فقالوا: البارحة، قال: "أفلا آذنتموني"؟ قالوا: دفناه في ظلمة الليل، فكرهنا أن نوقظك، فقام فصففنا خلفه -قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما: وأنا فيهم- فصلى عليه". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب صفوف الصبيان مع الرجال على الجنائز: ۱/۱۷٦، قديمي)

"خير صفوف الرجال أولها غير الجنازة". (الدرالمختار). "(قوله: غير الجنازة)، أما فيها، فآخرها إظهاراً للتواضع؛ لأنهم شفعاء، فهو أحرى بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵٦۹، ۵۷۰، سعيد)

"وفي القنية: أفضل صفوف الرجال في الجنازة آخرها، وفي غيرها أولها إظهاراً للتواضع لتكون شفاعته أدعىٰ للقبول، انتهى". (الحلبي الكبير، كتاب الجنائز: ۵۸۸، سهيل اكيڈمي لاهور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں امام کوئی نہیں تھا، بلا امام ہی لوگ آتے رہے نماز پڑھتے رہے، یہی وصیت تھی، اتحاف السادۃ المتقین: ۳۰۴/۱۰(۱) فتح الباری (۲) عمدۃ القاری (۳) وغیرہ میں روایات موجود ہیں۔ باب وفات النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مستقلاً کتب حدیث میں منعقد کیا جاتا ہے، اس کے ذیل میں شراح حضرات تفصیل سے ایک ایک چیز کے متعلق روایات نقل فرماتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: نعى لنا نبينا و حبيبنا نفسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... قلنا: فمتى الأجل قال: "دنا الأجل، والمنقلب إلى الله، وإلى السدرة المنتهى، وإلى جنةالمأوى، وإلى الكأس، والأوفى، والرفيق الأعلى، والعيش الأهنأ". قلت: فمن يغسلك؟ قال: "رجالٌ من اهل بيتي الأدنى فالأدنى". قلنا: ففيما نكفنك؟ قال: "في ثيابي هذه أوفي بياض مصر أو حلة يمانية" قلنا: فمن يصلي عليك ؟ قال: فبكى وبكينا، فقال: "مهلاً، غفر الله لكم و جزاكم عن نبيكم خيراً، إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني على سريري في بيتي هذا على شفير قبري هذا، ثم اخرُجوا عني ساعةً، فأول من يصلي عليَّ خليلي و جليسي جبريل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملك الموت و جنوده من الملائكة بأجمعها، ثم ادخلوا عليَّ فوجاً فوجاً، فصلوا عليَّ، وسلّموا تسليماً، ولا تؤذوني بتزكية و لا بصيحة و لا رنّة وليبدأ بالصلاة عليّ رجال أهل بيتي و نساؤهم، ثم أنتم بعدُ". الحديث. (مختصر اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تاليف أبي العباس أحمد بن أبي بكر الشهير بالبوصيري، باب في فرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ: ۱۲۵/۹، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا في إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين، كتاب ذكر الموت ومابعده، الباب الرابع في وفاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ: ۱۳۶/۱۴، ۱۳۷، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (فتح الباری،

(۳) (عمدة القاری،

جنازۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی کیفیت

سوال[۴۰۸۷]: حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جب تم مجھ کو نہلا کر کفناؤ تو چار پائی میرے اس حجرے میں قبر کے کنارے پر رکھ کر ذرا ایک ساعت کے لئے باہر چلے جانا کہ اول جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا پروردگار جل شانہ ہے کہ وہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں''(۱)۔(از مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم الدین، جلد چہارم، باب دہم، موت کے ذکر میں، باب الوفات، ص:۸۷۴ سے ۸۷۵، مترجم مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی)

مندرجہ بالا عبارت یہاں مستقل فتنہ کا سبب بنی ہوئی ہے جس میں صراحۃً مذکور ہے: ''اول جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ میرا پروردگار جل شانہ ہے''۔ کیا واقعی معبودِ حقیقی نے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز پڑھی ہے جبکہ سب بندے، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس (اللہ تعالیٰ) کی نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی اس کی نماز پڑھی جاتی ہے؟ نیز اللہ رب العزت اور فرشتوں کی نماز کیلئے سب کا باہر جانا کیوں ضروری ہے وہ تو غیر محسوس اور غیر مرئی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رہتے ہوئے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

اصل عبارت ملاحظہ فرما کر واضح فرمائیں کہ یہ مترجم کی غلطی ہے یا مصنف کا یہی مطلب ہے، نوازش ہوگی اگر جواب میں اصل عبارت تحریر فرمائیں کیونکہ ہمارے پاس اصل کتاب نہیں صرف اس کا ترجمہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طبقات ابن سعد میں روایت ہے، واقدی راوی ہیں اور ضعیف ہیں، نیز مرسل ہے، علامہ عراقی نے تخریج میں ایسا ہی فرمایا ہے، كما في هامش إحياء العلوم، ص: ٤٠٠ (۲)۔ یہاں الفاظ یہ ہیں:

"إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني على سريري في بيتي هذا على شفير قبري، ثم

---

(۱) "أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى، باب ذكر الصلوة على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۸۸، ۲۸۹، دار صادر، بيروت)

(۲) (مذاق العارفين ترجمه إحياء علوم الدين مترجم مولانا محمد حسن نانوتوی، دسواں باب: موت اور مابعد الموت، فصل چہارم: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی وفات کا ذکر: ۴/۷۶۱، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)

... حوا عنی ساعة، فإن أول يصلي عليّ الله عزوجل: ﴿هو الذي يصلي عليكم و ملائكته﴾، ثم يأذن للملائكة في الصلوة عليّ، فأول من يدخل عليّ من خلق الله و يصلي عليّ جبرئيل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملك الموت مع جنود كثيرة، ثم الملائكة بأجمعها -صلى الله تعالىٰ عليهم وسلم أجمعين- ثم أنتم، فادخلوا عليّ أفواجاً، فصلوا عليّ أفواجاً زمرةً زمرةً، و سلموا تسلمياً اهـ". إحياء العلوم، ص: ۴۰۰ (۱)۔

عبارت میں لفظ ''صلوۃ'' ہے جب صلوۃ کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے تو اس سے رحمت مراد ہوتی ہے، یہی حق تعالیٰ شانہ کے شان کے لائق ہے، یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ رفع یدین کر کے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھیں گے اور ''سبحانك اللهم'' بطریقِ معروف پڑھیں گے، قرآن کریم میں وارد ہے: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي﴾ (۲) غلط فہمی کو رفع کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۹/ ۸/ ۹۰ھ۔

---

(۱) قال زين الدين العراقي تحت هذا الحديث: " حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه ...... رواه ابن سعد في الطبقات عن محمد بن عمر -وهو الواقدي- بإسناد ضعيف إلى ابن عون عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، و هو مرسل ضعيف". (إحياء علوم الدين للإمام أبي حامد محمد بن محمد الغزالي، الباب الرابع في وفاة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والخلفاء الراشدين .... اهـ: ۴/ ۴۷۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البداية والنهاية، فصل في ذكر الوقت الذي توفي فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، كيفية الصلاة عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۴/ ۲۴۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الطبقات الكبرى لابن سعد، باب ذكر الصلاة على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/ ۲۸۸-۲۹۰، دار صادر، بيروت)

(۲) (سورة الأحزاب: ۵۶)

"قال أبو العالية: صلوة الله ثناء ه عليه عند الملائكة، و صلوة الملائكة الدعاء، الخ". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: (إن الله و ملائكته يصلون) الآية: ۲/ ۷۰۷، قديمي)

قال أبو عيسى الترمذي: "و روى عن سفيان الثوري وغير واحد من أهل العلم قالوا: صلوة =

جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز

سوال[۴۰۸۸]: اگر بحکمِ رسول، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نائبِ رسول تھے تو بعدِ رسول ساری ذمہ داریاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد تھیں۔ یہاں تک کہ نماز وغیرہ۔ پھر جنازۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سب نے الگ الگ کیوں پڑھی؟ حالانکہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا کام یہ تھا کہ رسول کے جنازہ کی نماز باجماعت پڑھائیں اور دفن کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازہ کا ولی اگر نمازِ جنازہ پڑھ لے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں رہتا کہ اس جنازے کی نماز پڑھے(۱)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اول ہی جماعت سے نماز پڑھا دیتے تو بے شمار صحابہ کرام اس سعادت سے محروم رہ جاتے۔ اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کتنے آدمی تھے؟

سوال[۴۰۸۹]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز میں کتنے اشخاص شریک ہوئے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازۂ مقدسہ کی نماز اگر جماعت کے ساتھ بیک وقت ہوتی تو ممکن تھا کہ شرکت کرنے والوں کا تخمینہ

= الرب الرحمة، وصلوة الملائكة الاستغفار". (جامع الترمذي، أبواب صلوة الوتر، باب ما جاء في فصل الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. ۱۱۰/۱، سعيد)

والتفصيل في: (ابن كثير ۵۰۶/۳، سهيل الكيڈمي لاهور)

(۱) "(وإن صلى هو) أي الولي (بحق) بأن لم يحضر من يقدم عليه (لايصلي غيره بعده)". (الدرالمختار: ۲۲۳/۲، كتاب الصلوة، باب الجنازة".

"وإن صلى عليه الولي لم يجز لأحد أن يصلي بعده". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۶۴/۱، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون، الفصل الخامس، رشيديه)

کرلیا جاتا، مگر وہاں تو بغیر امام کے ہی لوگ آ کر نماز پڑھتے رہے جن کی کوئی تعداد نہیں بتائی جاسکتی، نماز کی یہ صورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجویز سے تھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تاخیر کی وجہ

سوال[۴۰۹۰]: جنازہ کے بعد دعاء کے لئے ایک منٹ کا ٹھہرنا بھی جناب نے خلاصۃ الفتاویٰ کی

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: لما مات رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أدخل الرجال، فصلوا علیه بغیر إمام إرسالاً حتی فرغوا، ثم أدخلوا النساء فصلین علیه، ثم أدخل الصبیان فصلوا علیه، ثم أدخل العبید فصلوا علیه إرسالاً، لم یؤمهم علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أحد".

"قال: حدثنا الواقدی: .... عن أبیه عن جده: لما أدرج رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی أکفانه، وضع علی سریره، ثم وضع علی شفیر حجرته، ثم کان الناس یدخلون علیه رفقاً رفقاً، لا یؤمهم أحد". قال الواقدی: .... وجدت صحیفة کتاباً بخط أبی، فیه أنه لما توفی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ووضع علی سریره، دخل أبو بکر و عمر و معهما نفرٌ من المهاجرین والأنصار قدر ما یسع البیت، وقالا: السلام علیک أیها النبی و رحمة الله و برکاته، وسلم المهاجرون و الأنصار کما سلم أبو بکر، ثم صفوا صفوفاً لا یؤمهم علیه أحدٌ، فقال أبوبکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنهما –وهما فی الصف الأول، حیال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم–: اللّٰهم إنا نشهد إن قد بلغ ما أنزل إلیه، ونصح لأمته، وجاهد فی سبیل الله .... فیخرجون و یدخل آخرون، حتی صلی علیه الرجال، ثم النساء، ثم الصبیان". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشریعة للبیهقی، باب ما جاء فی الصلاة علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۷/۲۵۰، ۲۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البدایة والنهایة للحافظ ابن کثیر، فصل: ذکر الوقت الذی توفی فیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الخ، کیفیة الصلاة علیه: ۵/۲۶۵، دار الفکر، بیروت)

عبارت: "ولا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة، اه" (۱) کی رو سے ممنوع بتایا ہے، مگر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے بعد جنازہ ٹھہرایا گیا ہے اور دور روز تک نماز جنازہ جو دعاء ہی ہے برابر پڑھی گئی ہے اور حدیث میں: "أسرعو بالجنائز" (۲) نماز جنازہ کے بعد ٹھہرنے کے لئے مانع ہوتی ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہرگز نماز جنازہ کے بعد دو روز تک نماز جنازہ کو نہ روکے رکھتے۔ لہٰذا اس کے متعلق اگر کوئی حدیث صریح ہو تو نقل فرمایئے ورنہ یہ تو تحریر فرمادیں کہ اس کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے، اگر حدیث صریح ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی:

"أخرج ابن سعد" (۳) وابن منيع والحاكم والبيهقي والطبراني في الأوسط: عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: لما ثقل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، قلنا: من يغسلك يارسول الله! –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم–؟ قال: "رجالٌ من أهل بيتي الأولىٰ فالأولىٰ مع ملائكة كثيرة يرونكم من حيث لا ترونهم" قلنا: من يصلي عليك؟ قال: "إذا غسلتموني و حنطتموني و كفنتموني، فضعوني على سريري هذا على شفير قبري، ثم اخرُجوا عني ساعةً، فإن أول من يصلي عليَّ جبرئيل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملك الموت مع جنود من الملائكة، ثم ليصل عليَّ أهل بيتي، ثم ادخلوا عليّ أفواجاً و فرادىٰ". قلنا: فمن يدخلك قبرك؟ قال: "أهلي مع ملائكة كثير ين

---

(۱) (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(۲) والحديث بتمامة: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أسرعوا بالجنازة، فإن تک صالحةً فخير تقدمونها، وإن تک سِوا ذلک، فشرٌّ تضعونه عن رقابكم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة: ۱/۱۷۶، قديمي)

(۳) (أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى، باب ذكر الصلوة على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۲۸۸، ۲۸۹، دار صادر، بيروت)

يرونكم من حيث لا ترونهم، اهـ". خصائص کبریٰ: ۲/۲۷٦ (۱)۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں پر نمازِ جنازہ

سوال [۴۰۹۱]: سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کتنے چچا تھے جس میں صرف دو چچا ایمان لائے تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بقیہ سات یا نو ایمان نہیں لائے تھے، ابولہب وابوطالب ان کے جنازہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت کی تھی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

گنتی تو آپ کو خود بھی معلوم ہے جیسا کہ تحریر کر رہے ہیں۔ صلوۃ جنازہ کے لئے میت کا اسلام شرط ہے، کذا فی البحر: ۱/۱۷۹ (۲)۔ ابتداءً منافقین کے ساتھ ظاہری طور پر مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاتا تھا، جب عبداللہ

---

(۱) (الخصائص الكبرى للشيخ جلال الدين السيوطي ، باب اختصاصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالصلاة عليه إفراداً بغير إمام و بغير دعاء الجنازة المعروف الخ : ۲/۴۸۴، مكتبه حقانيه پشاور)

"عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه في وصية النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يغسله رجال أهل بيته وأنه قال: "كفنوني في ثيابي هذه أو في يمانية أو بياض مصر"، وإنه إذا كفنوه يضعونه على شفير قبره ثم يخرجون عنه حتى تصلي عليه الملائكة، ثم يدخل عليه رجال أهل بيته فيصلون عليه ثم الناس بعدهم فرادىٰ". الحديث. (البداية والنهاية فصل في ذكر الوقت الذي توفي فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، كيفية الصلاة عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۴/۲۴۲، دار الفكر بيروت)

وانظر للتفصيل: (مختصر السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، للشيخ أبي العباس أحمد بن أبي بكر الشهير بالبوصيري، باب في مرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ : ۹/۱۲۵، مكتبه عباس أحمد الباز)

(۲) "(وشرطها إسلام الميت و طهارته) فلا تصح على الكافر". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۴، رشيديه)

وقال الله تعالىٰ :﴿و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، و لا تقم على قبره، إنهم كفروا بالله ورسوله، و ماتوا وهم فاسقون﴾ (سورة التوبة : ۸۴)

"قال رحمه الله : (و شرطها): أي شرط الصلاة عليه (إسلام الميت و طهارته)، أما الإسلام فلقوله تعالىٰ:=

بن أبی بن سلول کا واقعہ پیش آیا تو اس کے بعد منافقین پر بھی صلوۃ جنازہ کی ممانعت ہوگئی (۱) اور کفار پر تو صلاۃ جنازہ کبھی پڑھی نہیں گئی۔ ابولہب نے ہمیشہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی حتی کہ ﴿تبت یدا أبی لهب﴾ الخ، اسی کی مذمت اور وعید میں نازل ہوئی جس میں اس کے دوزخی ہونے کو صاف صاف فرمایا گیا (۲)۔ ابوطالب کی موت کا قصہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے (۳)۔

= ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً، و لا تقم علی قبره﴾ یعنی المنافقین و هم الكَفَرة، ولأنها شفاعة للميت إكراماً له و طلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة و لا يستحق الإكرام". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما، عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبیّ بن سلول، دُعی له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ليصلی عليه، فلما قام رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و ثبت إليه، فقلت: يا رسول الله! أتصلی علی ابن أبیّ و قد قال يوم كذا و كذا، كذا و كذا، أعدد عليه قوله.......... "لو أعلم أنی إن زدت علی السبعين يُغفر له، لزدت عليها". قال: فصلی عليه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتی نزلت الآيتان من برآءة: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً، ولا تقم علی قبره .... و هم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعد من جرأتی علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم يومئذ. والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة علی المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمی)

(۲) (سورة اللهب: ۱)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم خرج إلی البطحآء فصعد إلی الجبل، فنادی: "يا صباحاه!". فاجتمعت إليه قريش، فقال: "أرأيتم إن حدثتكم أن العدو مصبحكم أو ممسيكم أكنتم تصدقونی"؟ قالوا: نعم، قال: "فإنی نذيرٌ لكم بين يدی عذاب شديد". فقال أبو لهب: ألهذا جمعتنا، تباً لک؟ فأنزل الله. ﴿تبت يدا أبی لهب﴾ إلی آخرها". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالیٰ: ﴿و تب، ماأغنی عنه ماله و ما كسب﴾: ۲/۷۴۳، قديمی)

(۳) "عن ابن المسيب عن أبيه أن أبا طالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و عنده أبوجهل، فقال: "أی عم! قل: لا إله إلا الله كلمة أحاجّ لک بها عند الله". فقال أبوجهل و عبد الله بن أبی أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فلم يزالا يكلمانه حتی قال آخر شیء كلمهم به:=

فتح الباری میں لکھا ہے کہ "ابو طالب کے مرنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، آپ کا گمراہ چچا مر گیا تو آپ نے فرمایا: "جا، اسے دبا دے" انہوں نے عرض کیا کہ وہ مشرک مرا ہے، آپ نے پھر بھی فرمایا: "جا، اسے دبا دے" (۱) اور اسی سال میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات تک صلوۃ جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی، کذا فی الطحطاوی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= على ملة عبد المطلب، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأستغفر لک ما لم أنْهَ عنه" فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين و لو كانوا أولي قربىٰ من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾. (سورةالتوبة : ١١٣) "و نزلت: ﴿إنک لا تهدى من أحببت﴾. (سورة القصص: آيت :٥٦)

(صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب : ١/٥٤٨، قديمى)

(١) "وابن الجارود من حديث علي رضي الله تعالىٰ عنه، قال: لما مات أبو طالب قلت: يا رسول الله! إن عمک الشيخ الضال قدمات، قال: اذهب فواره"، قلت : إنه مات مشركاً، فقال : "اذهب فواره". الحديث". (فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب : ٧/٢٤٧، قديمى)

(ورواه أبو داؤد في سننه في كتاب الجنائز، باب الرجل يموت له قرابة مشرک : ٢/١٠٢، امداديه)

(ورواه النسائي في سننه في كتاب الجنائز، باب مدارة المشرک : ١/٢٨٣، قديمى)

وانظر للتفصيل: (السيرة النبوية لابن هشام، وفاة أبي طالب و خديجة رضي الله تعالىٰ عنها : ٢/٥٧، ٥٨، مصطفى البابي الحلبي، بمصر)

(٢) "قال الواقدي: لم تكن شرعت يوم موت خديجة رضي الله تعالىٰ عنها، و موتها بعد النبوة بعشر سنين على الأصح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ٥٨٠، قديمى)

"عن ابن اسحاق قال: ثم إن خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها وأباطالب ماتا في عام واحد، فتتابعت على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المصائب بهلاک خديجة وأبي طالب، وكانت خديجة وزيرة صدق على الإسلام كان يسكن إليها، قلت: بلغني أن موت خديجة كان بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام، والله اعلم".

"قال الدكتور عبد المعطي قلعجي تحت هذا الحديث : " روى عن حكيم بن حزام أنها=

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۰۹۲]: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، کیا اس وقت نماز جنازہ کے متعلق احکام نازل نہیں ہوئے تھے؟ یا بعد نزولِ وحی قبر پر نماز جنازہ پڑھی گئی یا نہیں، جیسا کہ شاہ نامۂ حفیظ جالندہری میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہ نامۂ حفیظ میرے پاس نہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے وقت نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی، طحطاوی، ص: ۳۱۸(۱)، جن کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، کذا فی أوجز المسالك: ۱/۴۲۱ (۲)۔ آپ کی قبر پر نماز کا پڑھا جانا میری نظر سے نہیں گزرا، آپ کا انتقال ہجرت سے کئی سال قبل مکہ معظمہ میں ہوا، الإکمال، ص: ۹ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ أعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

= توفيت سنة عشر من البعثة بعد خروج بني هاشم من الشعب، ودفنت بالحجون، ونزل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبرها، ولم تكن الصلاة على الجنازة شرعت". (التعليق على دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب وفاة خديجة بنت خويلد زوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و رضي عنها : ۲/۳۵۲، ۳۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وقال محمد بن إسحاق : ماتت خديجة رضي الله تعالىٰ عنها وأبو طالب في عام واحد". (البداية والنهاية، فصل في موت خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها : ۳/۱۲۷، دار الفكر، بيروت)

(۱) "قال الواقدي: لم تكن شرعت يوم موت خديجة رضي الله تعالىٰ عنها، وموتها بعد النبوة بعشر سنين على الأصح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ،أحكام الجنائز ، فصل: الصلاة عليه ، ص: ۵۸۰، قديمي)

(۲) "و في أنوار الساطعه: شرعت صلوة الجنازة بالمدينة المنورة في السنة الأولى من الهجرة، فمن مات بمكة المشرفة، لم يصل عليه". (أوجز المسالك شرح مؤطا الإمام مالك، كتاب الجنائز : ۴/۱۹۱، إدارہ تاليفات اشرفيه، ملتان)

(۳) "خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها، هي أم المؤمنين خديجة بنت خويلد ابن أسد القرشية =

مقروض کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۰۹۳]: نماز جنازہ کن کن مسلمانوں کی نہیں پڑھنی چاہیئے؟ ایک حافظِ قرآن جو کہ حفظِ قرآن کے سوا اور کچھ نہیں جانتے ہیں، انہوں نے ایک حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو ایک جنازہ آیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ قرضدار ہے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور آج مولوی صاحبان ہر کس و ناکس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ قرضدار کی نماز جنازہ نہیں پڑھانا چاہیے؟ اور اگر یہ بات غلط ہے تو حافظ صاحب مذکور کے لئے کیا حکم ہے، ان کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

متعدد آدمیوں کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے (۱)، آنحضرت صلی

= .... و ماتت بمكة قبل الهجرة بخمس سنين، وقيل: بأربع سنين، وقيل: بثلث. وكان قد مضى من النبوة عشر سنين، وكان لها من العمر خمس و ستون سنة". (إكمال في أسماء الرجال لصاحب مشكوة المصابيح شيخ ولي الدين الخطيب الملحق بمشكوة المصابيح، فصل في الصحابيات، تحت حرف الخاء، ص:۵۹۳، قديمي)

قال الإمام البيهقي رحمه الله تعالىٰ: "عن ابن إسحاق قال: ثم إن خديجة بنت خويلد رضي الله تعالىٰ عنها وأباطالب ماتا في عام واحد، فتتابعت على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المصائب بهلاك خديجة وأبي طالب، وكانت خديجة وزيرة صدق على الإسلام، كان يسكن إليها، قلت: وبلغني أن موت خديجة كان بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام، والله أعلم". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب وفاة خديجة بنت خويلد زوج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و رضي عنها، وما في أخبار جبريل عليه السلام إياه بما يأتيه به من الآيات: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) فقہائے کرام نے والدین کے قاتل، بغاۃ، قطاع الطریق اور عصبیت پر قتل ہونے والے کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا ہے:

"(وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: (بغاة و قطاع الطريق)، فلا يغسلوا و لا يصلى عليهم (إذا قتلوا في الحرب) .... (وكذا) أهل عصبة .... (لا) يصلي على (قاتل أحد أبويه) إهانةً له". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، سعيد) .... =

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جب ایک جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کے ذمہ قرض تو نہیں''؟ عرض کیا گیا کہ ہے، پھر فرمایا کہ ''اس نے اتنا چھوڑا ہے کہ قرض ادا کردیا جائے''؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، اس پر ارشاد فرمایا کہ ''اپنی میت کی نماز خود پڑھ لو''، اس پر ایک صحابی نے کہا کہ میں اس کے قرض کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اس کا قرض میرے ذمہ ہے تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھادی''(۱) پھر یہ بھی ہوا کہ جس میت کے ذمہ قرض ہو اس کی ذمہ داری خود لے لی اور نماز پڑھادی (۲)۔ مقروض کے جنازہ کی نماز ممنوع نہیں، حافظ صاحب مذکور غالباً ناواقف ہیں ان کو سمجھا دیا جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔حدیث پاک میں ارشاد ہے: ''صلوا علی کل برّ و فاجر'' (۳) ہر نیک و بد مسلمان کے جنازے کی نماز پڑھے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۸/۵ھ۔

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۱/۵۹۲، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۱) ''حدثنا سلمة یعني بن الأکوع رضی الله تعالیٰ عنه قال: أتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بجنازة، فقالوا: یا نبی الله! صل علیها، قال: ''هل ترک علیه دین''؟ قالوا: نعم، قال: ''هل ترک من شیء''؟ قالوا: لا، قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''صلوا علی صاحبکم'' قال رجل من الأنصار یقال له أبو قتادة: صل علیه، وعليّ دینه، فصلی علیه''. (سنن النسائي، کتاب الجنائز، الصلوة علی من علیه دین: ۱/۲۷۸، قدیمی)

(۲) ''عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان إذا توفی المؤمن وعلیه دینٌ، فیسأل: ''هل ترک لدینه من قضاء'' فإن قالوا: نعم، صلی علیه، وإن قالوا: لا، قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''صلوا علی صاحبکم'' فلما فتح الله عزوجل علی رسوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: ''أنا أولی بالمؤمنین من أنفسهم، فمن توفي و علیه دین فعليّ قضاءه، و من ترک مالاً فهو لورثته'' (سنن النسائي، الصلوة علی من علیه دینٌ: ۱/۲۷۹)

(۳) (أخرجه عليّ المتقی بن حسام الدین الهندی فی کنزل العمال، الفصل الثالث فی أحکام الإمارة =

بے نمازی کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۰۹۴]: جس نے اپنی تمام عمر میں نماز نہ پڑھی ہو، یا صرف جمعہ کی نماز پڑھتا ہو اس کی جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے مسلمان کے جنازہ کی نماز ضرور پڑھنی چاہئے، ہاں! اگر کوئی مقتدیٰ اور بڑا آدمی اس وجہ سے اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھے کہ بے نمازوں کو عبرت ہوگی تو مضائقہ نہیں، ایسی صورت میں اور لوگ اس کی نماز پڑھ کر باقاعدہ دفن کردیں: "وهي فرض على كل مسلم مات خلا بغاة و قطاع الطريق إذا قُتلوا في الحرب"(۱)۔

= وآدابها، (رقم الحديث : ۱۴۸۱۵): ۶/۵۴،مكتبة الإسلامي، بيروت)

وأخرجه أبو داؤد، في سننه بلفظ: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (كتاب الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور : ۲/۳۵۰، امداديه)

(۱) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۰، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور ؛ ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلي عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان هو أو أنثىٰ، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلي عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۰۹۵]: بعض مسلمان ایسے ہوتے ہیں کہ اس نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے، اگر کوئی مقتدیٰ اس میں شرکت سے انکار کردے تو درست ہے بشرطیکہ اس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور نماز کی پابندی کرنے لگیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تارکِ نماز کا جنازہ اور اس پر جرمانہ

سوال[۴۰۹۶]: ۱......اگر کسی مسلمان نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی حتی کہ جمعہ اور عیدین کی بھی نہیں پڑھی اور شرابی بھی ہے اور نماز خود بھی نہ پڑھے اور دوسروں کو بھی منع کرے، ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

۲......جب کہ آج کل مسلمان حاکم نہیں ہیں تو ایسے شخص کو جماعتِ مسلمین شرعی سزا دے سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور : ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان هو أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون، الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت : ۱/۱۶۳، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا شخص بہت بڑا مجرم ہے(۱) اور سخت گنہگار ہے اس کے باوجود اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں سنت کے موافق دفن کیا جائے گا: "صلوا على كل بر و فاجر". الحديث. ابو داؤد شريف(۲)۔

جماعتِ مسلمین ترکِ تعلق کی سزا دے سکتی ہے(۳) وہ بھی حدودِ شرع کے اندر، مالی جرمانہ کا اس کو بھی

---

(۱) "عن أبي سفيان قال: سمعت جابراً رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن بين الرجل و بين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق الاسم للكفر على من ترك الصلوة: ۱/۶۱، قديمى)

(۲) لم أجده بهذا اللفظ في سنن أبي داؤد، ولكن أخرجه أبو داؤد في سننه بلفظ: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، الخ". (كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

"و هي فرض على كل مسلم مات، خلا بغاة و قطاع الطريق إذا قتلوا في الحرب". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون، الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا و يعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۲/۸۹۷، قديمى)

قال الملاعلي القاري تحت هذا الحديث: "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على =

حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۷ھ۔

بے نمازی کے جنازہ کو بطورِ سزا تین جھٹکے دینا

سوال [۴۰۹۷]: زید نے اپنی زندگی میں کبھی نماز نہیں پڑھی، صرف عیدین کی پڑھتا تھا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سب نمازی اس کی میت کو تین جھٹکے دیں تب نماز پڑھیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز فرض عین ہے، عمر بھر اس کو ادا نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے اور سخت محرومی ہے (۲)۔ اللہ پاک معاف

= أخيه ثلاث ليال لقلته، ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالىٰ، فيجوز فوق ذلك .... فإن هجرة أهل الهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب من التهاجر والتقاطع و اتباع العورات ،الفصل الأول،(رقم الحديث : ۵۰۲۷) : ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في عمدة القارى ، كتاب الأدب باب ما ينهى من التحاسد التدابر: ۱۳۷/۲۲ ، خيريه بيروت)

(۱) "عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية : ۲۵۵/۱ ، قديمى)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .... والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير : ۶۸/۵ ، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير : ۱۶۷/۲ ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود ، فصل في التعزير : ۳۷۱/۲، غفاريه كوئٹه)

(۲) "إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق الكفر على من ترك الصلاة: ۶۱/۱ ، قديمى)

"عن عبدالله بن بريده عن أبيه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : =

فرمائے۔ نماز جنازہ اس پر بھی لازم ہے، تین جھٹکے دینا شرعاً ثابت نہیں، پرلے درجے کی جہالت ہے، بغیر جھٹکے دیئے اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا جائے، بغیر نماز جنازہ دفن کرنا بہت بڑا گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

فاسق وفاجر کی نماز جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے

سوال[۴۰۹۸]: ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولاتقم على قبرة﴾ (سوره توبة)(۲)۔

اس آیت طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں لکھا ہے(۳)

= "إن العهد الذى بينا وبينهم الصلوة، فمن تركها، فقد كفر". (جامع الترمذى، كتاب الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلوة: ۲/ ۹۰، سعيد)

(۱) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبى داؤد، كتاب الجهاد، باب فى الغزو مع أئمة الجور : ۱/ ۳۵۰، امداديه)

" فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً، كان أو كبيراً، ذكراً كان أو انثىٰ حراً كان أو عبداً، إلاالبغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/ ۴۷، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز الفصل الخامس فى الصلاة على الميت : ۱/ ۱۶۳، رشيديه)

"وهى فرض على كل مسلم خلا أربعة: بغاة وقطاع طريق، الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/ ۲۱۰، سعيد)

(۲) (سورة التوبة :پ ۱۰، آيت : ۸۴)

(۳) (راجع ،ص: ۶۲۱، رقم الحاشية : ۱)

کہ اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ فساق وفجار اور مشہور بالفسق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ یہ عبارت بعینہ تفہیم القرآن کی تو نہیں لیکن اس کا مفہوم یہی ہے، اس تفسیر کو لے کر ہماری بستی میں کچھ لوگوں نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھے گا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور قبر کھودنے والوں پر یہ پابندی عائد کردی گئی کہ جو قبر کھودے گا اس پر پندرہ روپے جرمانہ عائد ہوگا۔

ہماری بستی میں ایک عالم صاحب ہیں، یہ سب باتیں ان کی عدم موجودگی میں ہوئیں۔ کچھ دن بعد جب وہ گھر پر آئے تو انھیں یہ بات نئی معلوم ہوئی، انھوں نے مودودی صاحب کی تفسیر کو دیکھا اور اپنی تقریر میں بیان کیا کہ یہ مودودی صاحب کی زیادتی ہے، یہ آیت کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ فساق و فجار کے بارے میں، مودودی صاحب نے تفسیر بالرائے کی ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہے، نیز انھوں نے کہا کہ ان کی تفسیر کے مطابق خود مودودی صاحب اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے کیونکہ فاسق گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کہتے ہیں تو مودودی صاحب دن بھر میں اتنے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوں گے کہ ان کو خود بھی پتہ نہیں ہوگا، نیز مودودی صاحب کی داڑھی حدود شریعہ سے کم ہے اور وہ کھلم کھلا داڑھی کٹاتے ہیں پس گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور مشہور بالفسق ہیں، لہٰذا ان کے نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

عالم صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ بے نمازی کے جنازہ کی نماز کا نہ پڑھنا - اگر چہ پوری زندگی میں کبھی نماز نہ پڑھی ہو- بالکل حرام ہے اور اگر کسی نے نہیں پڑھی اور بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیا گیا تو سارے لوگ بستی کے گنہگار ہوں گے، لہٰذا ایسی زیادتی سے آپ لوگ باز آئیں۔ کچھ دنوں تک بات رک گئی، پھر عالم صاحب اپنی مدرسہ میں چلے گئے، پھر جب وہ آئے تو بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ بات تو معقول ہے، اب کونسی ترکیب نکالی جائے تو لوگوں نے بہانہ کرنا شروع کیا کہ ہم لوگوں نے صرف لوگوں کو دھمکانے کے لئے ایسا کیا تھا، اس پر عالم صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ اس نیت سے بھی ایسا کرنا ناجائز ہے، چونکہ آپ لوگ ایک ایسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ہر معاملہ میں دوسری بستیاں اقتداء کرتی ہیں اس لئے ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ اس کو حقیقت پر محمول کر کے بلا نماز جنازہ کے کسی مسلمان کو دفن کردیں، جو بالکل ناجائز وحرام ہے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا اچھا تو کونسی شکل تبلیغ کے لئے اختیار کی جائے؟ مولانا نے کہا کہ ہر اولاد والے اپنی اولاد پر کنٹرول کریں اولاد بالغ اگر نماز نہیں پڑھتی ہے تو اس پر سختی کریں، دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے

اصول کے مطابق گشت کریں، اب اگر لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں تو آپ کا قصور نہیں ہوگا، تیسری صورت یہ ہے کہ سوشل بائیکاٹ کریں۔اب حل طلب یہ ہے کہ:

۱......بے نمازی انسان کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

۲......آیتِ بالا کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

۳......مودودی صاحب کی تفسیر صحیح ہے یا نہیں؟

۴......ڈرانے دھمکانے کی نیت سے جب کہ اندیشہ یہی ہو کہ دوسرے لوگ ہوسکتا ہے کہ حقیقت پر محمول کر کے بالکل جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اعلان کرنا کہ ''جو نماز نہیں پڑھے گا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی'' ایسا کرنا جائز ہے؟

۵......لوگوں کو نمازی بنانے کے لئے شریعت کی رو سے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے؟

سائل: بدرالحسن، چاندواڑہ، مظفرپور، بہار۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......نماز فرض عین ہے، بے نمازی سخت گناہگار ہے، نماز جنازہ اس کی بھی ضروری ہے:

''فرض كفاية بالإجماع، فيكفر منكرها لإنكاره الإجماع، كذا في البدائع والقنية، والأصل فيه قوله تعالى: ﴿وصل عليهم﴾ و قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''صلوا على كل بر و فاجر''. طحطاوی، ص: ۳۱۸(۱)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمي)

''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر''. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، إمداديه)

''فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أوعبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق و من بمثل حالهم، لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''صلوا على =

۲......﴿و لاتصل علی أحد منهم مات ابداً﴾(الاية) منافقین کے متعلق ہے، عبداللہ بن سلول رئیس المنافقین کا واقعہ کتبِ حدیث وتفسیر میں بہت مشہور ومعروف ہے کہ اس کے انتقال پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی تب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی، پھر کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھائی (۱)۔

۳......مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن میں بہت سی چیزیں اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف بھی ہیں، عامۃ المسلمین کا اس کو پڑھنا یا سننا اعتقادی وعملی گمراہی وغلطی کا موجب بن سکتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز لازم ہے، ہاں! جو حضرات اہل علم ہیں، کتاب وسنت کا علم باقاعدہ معتمد اساتذہ سے حاصل کر کے اس پر استحکام رکھتے ہیں اور صحیح وغلط میں تمیز کرنے کا ان کو ملکہ راسخہ حاصل ہے ان کے لئے مضر نہیں، مگر مودودی صاحب نے آیتِ مسئولہ کے متعلق یہ نہیں لکھا جوان کے معتقدین نے عمل شروع کر دیا، یہ عمل سراسر غلط اور فتنہ ہے اور اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے، جو معتقدین اپنے اعتقاد میں حد غلو تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس قسم کی غلطیاں بکثرت کرتے ہیں، پھر جو لوگ نعمتِ فہم سے محروم ہیں ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ بے

= کل بر و فاجرٍ". الخ". (كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

"وهي فرض على كل مسلم مات خلا بغاة و قطاع الطريق إذا قتلوا في الحرب".

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۰، سعيد)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما، عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبيّ ابن سلول، دُعي له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و ثبت إليه، فقلت: يا رسول الله! أتصلي على ابن أبيّ و قد قال يوم كذا وكذا، كذا وكذا، أعدّد عليه قوله، فتبسم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "أخّر عني يا عمر!" فلما أكثرتُ عليه قال: "إني خُيّرت، فاخترت، لو أعلم أني إن زدت على السبعين يُغفر له، لزدت عليها" قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من برآءة: ﴿و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، و لا تقم على قبره .... وهم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يومئذ، والله و رسوله أعلم". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين : ۱/۱۸۲، قديمي)

سمجھے ہی تقلید کرتے ہیں، مودودی صاحب نے اس آیت سے جو مسئلہ استنباط کر کے لکھا ہے وہ یہ ہے:

''اس سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ فساق اور فجار اور مشہور بفسق لوگوں کی نماز جنازہ مسلمانوں کے امام اور سربرآوردہ لوگوں کو نہ پڑھانی چاہئے''۔ تفہیم القرآن : ۲۲۱/۵(۱)۔

مودودی صاحب کا ایسا کلیہ استنباط کرنا بھی غلط اور نصوص کے خلاف ہے(۲) اور ان کے معتقدین کا ایسا سمجھنا کہ بالکل نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور بلا نماز ہی ان کو دفن کر دیا جائے، نہ سربرآوردہ پڑھے نہ کوئی اور پڑھے، یہ بھی غلط (۳) اور اس کو مودودی صاحب کی طرف منسوب کرنا بھی غلط ہے۔

۴..... جب کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے تو اس کی دھمکی بھی غلط ہے اور جہاں اس غلطی میں مبتلا ہو کر بے نماز ہی جنازہ دفن کر دینے کا احتمال اور مظنہ ہو اور لوگ اقتداءً ایسا کرنے پر آمادہ ہوں اور قبر کھودنے والے پر جرمانہ تجویز کیا جائے جس سے یہ بھی احتمال ہو کہ مردہ دفن نہ کیا جائے ویسے ہی پڑا ہوا سڑتا رہے جیسے مرا ہوا کتا، گدھا پڑا ہوتا ہے تو ہرگز ایسی دھمکی اور اعلان کی بھی اجازت نہیں (۴)۔

---

(۱) (تفهيم القرآن لأبي الأعلى المودودي، سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ۸۴، ۲/۲۲۱، مكتبه تعمير انسانيت لاهور)

مودودیت کی رد میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (مودودی صاحب اور تخریب اسلام، احسن الفتاوی، کتاب الایمان والعقائد: ۲۹۷/۱، سعید کراچی)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذاتِ خود زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائی ہے اور مرتکبِ کبیرہ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حکم فرمایا ہے: "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها و ولدها" رواه الطبراني في الكبير". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله : ۴۱/۳، دار الفكر، بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد ،باب الغزو مع أئمة الجور : ۳۵۰/۱، امداديه)

(۳) (راجع ،ص: ۲۱۹، رقم الحاشية : ۱)

(۴) ایسی دھمکی کی وجہ سے نمازِ جنازہ ترک ہوگا اور اس کے ترک کرنے میں انسان کی بے حرمتی کے ساتھ ساتھ ترک فرض کفایہ بھی ہے جس سے سارے مسلمان گناہگار ہو جائیں گے۔ (راجع للتخريج ، ص: ۶۲۹، رقم الحاشية: ۱)

۵.....عالم صاحب نے جو تدبیریں بتائی ہیں وہ اختیار کی جائیں اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے، ہر مکان اور ہر مسجد میں اہل اللہ کی کتابیں سنانے کا انتظام کیا جائے، اکابر اہل اللہ کی خدمت میں جا جا کر کچھ وقت اپنی تربیت کے لئے گزارا جائے، اپنے احوال کی ان کو اطلاع کر کے ہدایات حاصل کی جائیں اور ان پر عمل کرنے کی فکر کی جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ماحول بنے گا، دین کا عام چرچا ہوگا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۰ھ۔

عصبیت پر جو شخص مقتول ہو اس کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۰۹۹]: نورالایضاح میں مسئلہ لکھا ہے کہ جس شخص کو عصبیت قتل کیا جائے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، عبارت یہ: "ولا يصلى على باغ و قاطع طريق قُتل في حالة المحاربة، وقاتل بالخنق غيلة و مكابرة في المصر ليلاً بالسلاح، و مقتول عصبية". ص: ١٥٤، كتب خانه امداديه ديوبند(۲)۔ عصبیۃ قتل کئے جانے سے کیا مراد ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص اپنے کسی عصبہ کی غلط حمایت کرتا ہوا مر جائے، وہ مراد ہے:

(١) قال الله تعالى: ﴿و ذَكِّر فإن الذكرىٰ تنفع المؤمنين﴾. (سورة الذاريات: ٥٥)

"تعليم صفة الخالق مولانا جل جلاله للناس، و بيان خصائص مذهب أهل السنة والجماعة من أهمّ الأمور، وعلى الذين تصدّوا للوعظ أن يلقّنوا الناس في مجالسهم على منابرهم ذلك، قال الله تعالىٰ: ﴿وذكّرْ فإن الذكرىٰ تنفع المؤمنين﴾. و على الذين يؤمنون في المساجد أن يعلّموا جماعتهم شرائط الصلاة و شرائع الإسلام وخصائل مذاهب الحق. وإذا علموا في جماعتهم مبتدعاً أرشدوه، وإن كان داعياً إلى بدعته منعوه، وإن لم يقدروا رفعوا الأمر إلى الحُكّام حتى يجلوهم عن البلدة إن لم يمتنع. وعلى العالم إذا علم من قاضٍ أو من آخرٍ يدعو الناس إلى خلاف السنة أو ظنّ منه ذلك أن يعلّم الناس بأنه لا يجوز اتباعه الخ". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأً الخ، الأول في المقدمة: ٦/ ٣٢٠، رشيديه)

(٢) (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلوة ، أحكام الجنائز ، فصل: الصلاة عليه، ص: ٢٠٢، قديمي)

"وفي نهاية ابن الأثير (۱): العصبية والتعصب المحاماة والمدافعة، والعصبي من يُعِين قومه على الظلم، والذي يغضب لعصبيته منه الحديث: "ليس منا من دعا إلى عصبية أو قاتل عصبية". قال في شرح درر البحار: و في النوازل: وجعل مشايخنا المقتولين في العصبة في حكم أهل البغي على هذا التفصيل". رد المحتار: ۱/۵۸٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۱ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۲۲ھ۔

قاتل پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۰۰]: ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کردیا تو اس کو حکومت کی جانب سے پھانسی کا حکم ہوگیا اس کے جنازے کی نماز کا کیا حکم ہے؟

ظہیر الدین، کھالہ پار مظفرنگر۔

---

(۱) (النهاية لابن الأثير، باب العين مع الصاد، تحت لفظ "عصب": ۲۴۶/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۱۳/۲، سعيد)

"عن بنت واثلة بن الأسقع أنها سمعت أباها يقول: قلت: يا رسول الله! ماالعصبية؟ قال: "أن نُعِين قومك على الظلم".

"عن جبير بن مطعم رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ليس منا من دعا إلى عصبية، وليس منا من قاتل عصبية، وليس منا من مات على عصبية". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في العصبية: ۲/۳۵۱، امداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/۵۹۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

[تنبیه]: عصبیت پر مرجانا اگرچہ معصیت پر مرنا ہے لیکن ایسے شخص پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ اگر مقتدایانِ قوم بطورِ زجر وتوبیخ نہ پڑھیں تو اس میں مضائقہ نہیں: (كما تقدم تخريجه تحت عنوان: "فاسق وفاجر کی نمازِ جنازہ اور مودودی صاحب کی رائے"۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ سخت گنہ گار ہے لیکن نماز جنازہ ضرور پڑھی جائے (۱)۔ فقط۔

والدین کے قاتل پر نماز جنازہ

سوال [۴۱۰۱]: والدین کے قاتل پر یا والدین میں سے کسی ایک کے قاتل پر جنازہ کی نماز نہیں بوجۂ اہانت اس کی، التنویر (۲)، در المختار (۳)، مراقی الفلاح، (٤) شامی (٥)

---

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: " الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر براً کان أو فاجراً .... والصلوة واجبة علی کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن عمل الکبائر". (سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امدادیه)

"قال الزیلعی: وأما إذا قتلوا بعد ثبوت یدالإمام علیهم، فإنهم یغسلون ویصلی علیهم، وهذا تفصیل حسن أخذبه کبار المشایخ؛ لأن قتل قاطع الطریق فی هذه الحالة حدّ أو قصاص، ومن قتل بذالک، یغسل ویصلی علیه". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعید)

"قال: (لا لبغی و قطع طریق) .... وقیل: هذا إذا قتل فی حالة المحاربة قبل أن تضع الحرب أو زارها، وأما إذا قتلا بعد ثبوت ید الإمام علیهما، فإنهما یغسلان و یصلی علیهما، وهذا تفصیل حسن أخذ به الکبار من المشایخ. والمعنی فیه إن قتل قاطع الطریق فی هذه الحالة حدٌّ أو قصاص، وقد تقدم أنه یغسل و یصلی علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۱/۵۹۲، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/۳۴۹، ۳۵۰، رشیدیه)

(۲) (الدر المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعید)

(۳) (الدر المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعید)

(۴) "و لا یصلی علی قاتل أحد أبویه عمداً ظلماً إهانةً له". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۲۰۲، قدیمی)

(۵) (ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعید)

فتاوی قاضی خان (۱) رکن دین، ص: ۱۹۴ (۲) کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں ہے: "لا يصلى على قاتل أحد أبويه إهانةً له، وألحقه في النهاية بالبغاة، اه".

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے: "الظاهر أن المراد أنه لا يصلى عليه إذا قتله الإمام قصاصاً، أما لو مات حتف أنفه يصلى عليه"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خودکشی کرنے والے پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۰۲]: اگر کسی مسلمان نے خودکشی کرلی ہے تو اس کو عام مسلمانوں کی طرح غسل وکفن، دفن کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جملہ امور تجہیز وتکفین موافق سنت ادا کئے جائیں گے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، اسی پر سکب الأنهر میں فتویٰ نقل کیا ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (لم أجده في فتاوى قاضيخان)

(۲) (رکن دین تالیف جناب الحاج مولوی عبدالمعید صاحب، کتاب الصلاۃ، متفرقات، پہلا باب: جنازہ اور اس کے متعلقات ص:۱۷۵، سعید)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۱۲، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه)

(۴) "(ويصلى على قاتل نفسه) عمداً، به يفتى". (سكب الأنهر المعروف بالدر المنتقى في شرح =

ایضاً

سوال[۴۱۰۳]: اگرکوئی مسلمان خودکشی کر کے مرجائے تواس کا جنازہ ہوگا یانہیں، اگر خودکشی کرنے والا نابالغ ہوتو کیاحکم ہےاور بالغ ہےتو کیاحکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

خودکشی خواہ کسی طریقے پر ہوحرام اور کبیرہ گناہ ہے، تاہم خودکشی کرنے والے مسلمان کو بھی شرعی طریقہ پرغسل دے کرکفن پہنایاجائے اورنماز جنازہ پڑھ کرمسلم قبرستان میں ہی دفن کیا جائے، بالغ ہو یانابالغ غسل کفن نماز جنازہ دفن سب شرعی طور پرلازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۹۴/۴/۶ھ۔

کنویں میں گرکرمرنے والے کی نماز جنازہ اور بخشش

سوال[۴۱۰۴]: ایک آدمی کنویں میں گرکرمرگیاتواس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یانہیں؟ اسکی بخشش ہوگی یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتویٰ یہ ہے کہ جوشخص خودکشی کرے، خواہ ڈوب کر یا کسی اَورطرح سے، اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اوردعاء کی جائے کہ خداوندتعالیٰ اس کے جرم عظیم کومعاف فرمائے، قال العلامة الحصكفي: "من قتل نفسه و لو عمداً، يغسل ويصلى عليه، به يفتى، وإن كان أعظم

= الملتقى للعلامة الحصكفي، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱/۲۸۱، غفاريه كوئٹه)

"من قتل نفسه و لوعمداً، يغسل ويصلى عليه، به يفتي، وإن كان أعظم وزراً من قاتل غيره".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۱۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد : ۱/۵۹۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت : ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''خودکشی کرنے والے پرنمازِ جنازہ''۔)

وزراً من قاتل غيره، اهـ" الدرالمختار: ۱/ ۵۸۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پانی میں ڈوبنے کے کئی روز بعد متعفن لاش ملی، اس پر نمازِ جنازہ کا حکم

سوال[۴۱۰۵]: ایک عورت پانی میں ڈوب گئی، دریا بڑا اور پانی ہونے کے سبب کافی کوشش کے کرنے باوجود نعش نہ ملی، چار روز بعد جب نعش اوپر آئی تو جانوروں نے اس کو خراب کیا اور تعفن اس قدر پیدا ہوا کہ اس کی تجہیز و تکفین دستورِ شرع کے مطابق نہ ہوسکی، اس کو بدقتِ تمام وہاں سے بگی (تانگہ) میں اٹھا کر دفن کی جگہ تک پہنچایا گیا، جبکہ میت خراب و متعفن ہو چکا تھا۔ اس حالت میں نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس قسم کی میت کی نماز جنازہ پڑھنی ضروری ہے یا نہیں؟ ایک فریق نے یہ کہا کہ بگی میں نماز پڑھادو، دوسرے فریق نے اعتراض کیا کہ نماز بگی میں رکھی ہوئے میت کی نہیں ہوگی، کیونکہ بگی سواری ہے اور غیر معتبر ہے، زمین پر یا چار پائی پر اتار لو، یا قبر میں اندر رکھ لو اس کے بعد نماز ادا کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کا کچھ حصہ پانی کے جانوروں نے کھا کر خراب کر دیا ہو لیکن نصف یا اکثر حصہ موجود ہو تو اس پر پانی بہا کر کفن پہنا کر نماز جنازہ پڑھ لی جائے بلکہ تخت یا چار پائی جس پر بھی ایسی حالت میں ممکن ہو تو نماز جنازہ

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۱۱، سعید)

"و من قتل نفسه عمدا يصلى عليه عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح؛ لأنه فاسق غير ساع في الأرض بالفساد وإن كان باغياً على نفسه كسائر فساق المسلمين". والله تعالىٰ

عنه (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/ ۵۹۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/ ۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/ ۱۶۳، رشيديه)

عباراتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عمداً خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، لہٰذا اگر عمداً نہ ہو بلکہ بلاارادہ ڈوب کر خودکشی کی صورت سی بن گئی تو اس پر بطریقِ اولیٰ نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

پڑھکر دفن کیا جائے، تعفن کی وجہ سے نماز ترک نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۸ھ۔

زانیہ اور ولدالزنا کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۰٦]: ایک عورت کو زنا کا حمل قرار پا گیا اور ولادت کے دو دن بعد زچہ بچہ دونوں کا انتقال ہو گیا تو ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں کیونکہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنا فرمایا گیا ہے؟

عبدالشکور زید پورداری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی جنازہ کی نماز لازم ہے، سنگسار کرنے کا حکم مستقل ہے اس سے نماز جنازہ ساقط نہیں ہوتی (۲) اور ایسے بچہ کو تو سنگسار کرنے کا بھی حکم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "(وُجد رأس آدمي) أو أحد شقيه (لا يغسل و لا يصلى عليه) بل يدفن، إلا أكثر من نصفه و لو بلا رأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۹۹/۲، سعيد)

"و لو وجد الأكثر من الميت أو النصف مع الرأس، غسل و صلى عليه، وإلا فلا".

(البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۳۰۵/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۱۷۸/۲، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "عن عمرو بن يحى رضى الله تعالىٰ عنه، قال: صلّى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ولد الزنا و أمه ماتت في نفاسها". (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز، باب الصلاة على ولد الزنا والمرجوم، (رقم الحديث: ۲۲۱۲): ۵۳۴/۳، المكتب الإسلامى)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبى داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۳۵۰/۱، امداديه ملتان)

"فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى ....

لقول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بر و فاجر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة =

ایضاً

سوال[۴۱۰۷]: کسی انقلاب کی وجہ سے مسلمان کی بالغ لڑکی کافر کے ہاتھ میں قید ہوگئی ہے، یہاں تک مسلمہ عورت سے کافر کے بچے تولد ہوئے، پھر بحکمِ خداوند فعال لمایرید کافر کی قید سے چھوٹ گئی اور وہ بچے جو کافر کے نطفہ سے تولد ہوئے اسی عورت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آئے۔ چونکہ وہ بچے اب تک نابالغ ہیں اس لئے یہ امر دریافت طلب ہے کہ وہ بچے ماں کے تابع ہوکر مسلمان ہو جائیں گے یا نہیں؟ اگر وہ بچے مرجائیں تو صلوۃ جنازہ ان پر پڑھی جائے گی یا نہیں اور بچوں کی حفاظت اور نان نفقہ ماں کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں، یا اور دیگر مسلمانوں پر بھی ضروری ہے، یا ان بچوں کو کافر کے زنا ہونے کی وجہ سے تحقیراً قتل کر دیا جائے؟ اگر ماں کا ورثہ مال ہو، اس میں وہ بچے میراث کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ نیز بتلائے کہ عام ولدالزنا جو کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوں ان کے کیا احکام ہیں، آیا ان کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے یا ان کی پرورش ضروری ہے اور وہ عورت مسلمہ جس کو کافروں نے زبردستی سے لے جاکر مدتوں اپنے پاس رکھا اور زنا کیا اس کا کیا حکم ہے، آیا مسلمانوں کے ہاتھ اس کا ازدواجی تعلق پیدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بچے مسلمان ہیں، ان پر صلوۃ جنازہ پڑھی جائے گی، اِلّا یہ کہ بڑے ہوکر کفر اختیار کریں(۱) والعیاذ باللہ۔ ماں کے ذمہ حفاظت اور پرورش ضروری ہے(۲) ان بچوں کو قتل کرنا حرام ہے(۳)۔ ماں کے مرنے پر وہ

= الجنائز، فصل وأما بیان من یصلی علیه: ۲/۴۷، رشیدیه)

"لقوله صلی الله علیه وسلم: "صلوا علی کل بر وفاجر". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوة، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه: ۵۸۰، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی عشر فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ۱/۱۶۳، رشیدیه)

(۱) (راجع، ص: ۶۳۱، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) (راجع، ص: ۶۳۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تقتلوا النفس التی حرم الله إلا بالحق، ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً، =

بچے میراث کے مستحق ہوں گے (۱)۔ بصورتِ فراش کسی بچے کو ولد الزنا قرار دینا بلاوجہ شرعی حرام ہے اور اس طرح وہ ولد الزنا نہیں ہوتا (۲)، اگر کوئی اس کو ولد الزنا کہے تو وہ واجب تعزیر ہے (۳)۔ اول اس کے ولد

= فلا يسرف في القتل، إنه كان منصوراً﴾ (سوره بني اسرائيل : ۳۳)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :" قال أكبر الكبائر الإشراك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقول الزور"، أو قال: "وشهادة الزور". (صحيح البخاري، كتاب الديات، باب قول الله :(من أحياها) : ۱۰۱۵/۲، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ :﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين، فإن كن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك، وإن كانت واحدةً فلها النصف﴾. (سورة النساء : ۱۱)

"وقال زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه: إذا ترك رجل أو امرأة ابنةً فلها النصف، فإن كانتا اثنتين أو أكثر فلهن الثلثان، فإن كان معهن ذكر بدئ بمن شركهم فيعطي فريضة، وما بقي فللذكر مثل حظ الأنثيين". (صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب ميراث الولد عن أبيه وأمه : ۹۹۷/۲، قديمي)

"وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (الفتاوى العالمكيرية ،كتاب الفرائض الباب الثاني في ذوى الفرض : ۴۴۸/۶، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص .... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هو لك يا عبد بن زمعة! الولد للفراش و للعاهر الحجر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قول الموصي لوصيه: تعاهد ولدى الخ : ۳۸۳/۱، قديمي)

"(قوله : على أربع مراتب) ضعيفٌ .... وقويٌّ وهو فراش المنكحة و معتدة الرجعي، فإنه فيه لا ينتفي إلا باللعان". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، فصل في ثبوت النسب : ۵۵۰/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب : ۵۳۶/۱، رشيديه)

(۳) "(وعزّر) الشاتم (بيا كافر) .... یاحرام زاده، و معناه المتولد من الوطء الحرام، فيعم حالة الحيض، لا يقال: في العرف لا يراد ذلك بل يراد ولد الزنا". (الدرالمختار، كتاب الحدود، باب التعزير : ۶۹/۴، ۷۱، سعيد)

"ومن قذف مملوكاً أو كافراً بالزنا أو مسلماً بيا فاسق .... یاحرام زاده، عزّر". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير : ۷۱/۵، رشيديه) .... =

الزنا ہونے پر دلیل شرعی قائم کی جائے پھر تحریر کیا جاوے(۱) کہ اس کے کون سے احکام کو دریافت کرنا مطلوب ہے، گلا گھونٹ کر مارنا بہرصورت حرام ہے(۲) خواہ وہ بچہ ثابت النسب ہو خواہ نہ ہو بلکہ پرورش ضروری ہے، اس زنا کی وجہ سے وہ سب پر حرام نہیں ہوگی بلکہ اس سے ازدواجی تعلق درست ہے(۳):

"والولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار، اهـ". درمختار۔ "الصغير تبع لأبويه أو أحد هما في الدين، فإن انعدما فلذي اليد، فإن عدمت فللدار، و يستوي فيما قلنا أن يكون عاقلاً أو غير عاقل؛ لأنه قبل البلوغ تبع لأبويه في الدين مالم يصف الإسلام، اهـ". شامی: ۲/۶٤۷ (٤)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۳۷۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿والذين يرمون المحصنات، ثم لم يأتو بأربعة شهداء، فاجلدوهم ثمانين جلدةً، ولا تقبلوا لهم شهادةً أبداً، وأولئك هم الفاسقون﴾. (سورة النور: ۴)

"وفي النص إشارة إليه: أي إلى أن المراد بزنا وهو اشتراط أربعة من الشهود يشهدون عليها بما رماها به ليظهر به صدقه فيما رماها به، و لا شيء يتوقف ثبوته بالشهادة على شهادة أربعة إلا الزنا".

(البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۴۹، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴/۵٦، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۶۲۹، رقم الحاشية: ۳)

(۳) (راجع، ص: ۶۳۲، رقم الحاشية: ۱)

(۴) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۱۹٦، ۱۹۷، سعيد)

"قال ابن شهاب: يصلى على كل مولود متوفى وإن كان بَغيةً من أجل أنه ولد على فطرة الإسلام يدعى أبواه الإسلام أو أبوه خاصةً وإن كانت أمه على غير الإسلام. إذا استهل صارخاً، صلى عليه، ولا يصلى على من لا يستهل من أجل أنه سقط، فإن أبا هريرة رضي الله تعالىٰ عنه كان يحدّث، قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهوّدانه أو ينصرانه أو يمجّسانه كما تنتج البهيمة بهيمةً جمعاء، هل تحسون فيها من جدعآء". ثم يقول أبو هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: ﴿فطرة الله التي فطر الناس عليها﴾. الآية". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم=

"تجبر الأم على الحضانة إذا لم يكن لها زوج اهـ". شامی : ۲/ ۱۰۴۸ (۱)۔

"جاز نكاح من رآها تزني، وأما قوله تعالى: ﴿الزانية لا ينكحها إلا زان﴾ فمنسوخ بآية: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء﴾ اهـ". درمختار : ۲/ ۴۷۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۶۴ھ۔

= الصبي فمات، هل يصلى عليه الخ : ۱/ ۱۸۱، قديمی)

"(والولد يتبع خير الأبوين ديناً)؛ لأنه أنظر له. فإن كان الزوج مسلماً فالولد على دينه، وكذا إن أسلم أحدهما وله ولد صغير، صار ولده مسلماً بإسلامه سواء كان الأب أو الأم .... وهذا إذا لم تختلف الدار بأن كانا في دار الإسلام أو في دار الحرب، أو كان الصغير في دار الإسلام وأسلم الوالد في دار الحرب؛ لأنه من أهل دار الإسلام حكماً". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر : ۳/ ۳۶۴، ۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب العاشر في نكاح الكافر : ۱/ ۳۳۹، رشيديه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، ۳/ ۵۶۰، سعيد)

"قال مشايخنا: لا تجبر الأم عليها، وكذلك الخالة إذا لم يكن زوج .... وقيل: تجبر، واختاره أبو الليث و خواهر زاده الهندواني، وأيده في الفتح بما في الحاكم .... قال في الفتح: فإن لم يوجد غيرها، أجبرت بلا خلاف". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الحضانة: ۴/ ۲۸۰، رشيديه)

"وإن لم يوجد غيرها أو لم يأخذ الولد ثدي غيرها، أجبرت بلا خلاف". (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الولد من أحق به: ۴/ ۳۶۸ مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات : ۳/ ۵۰، سعيد)

"وإذا رأى امرأة تزني فتزوجها، حل وطؤها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير : ۱/ ۲۸۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/ ۲۴۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

کنواری کے بچہ پرنماز جنازہ

سوال[۴۱۰۸]: ایک بغیر شوہر والی عورت کنواری کے بچہ پیدا ہوا اور امام مسجد نے اس بچہ کی نماز نہیں پڑھائی اور اس بچہ کو اسی طرح سے دفن کر دیا گیا۔ یہ ٹھیک ہوا کہ نہیں اور امام صاحب کی بابت کیا حکم ہے؟

محمد بشیر ابتلالہ، ضلع انبالہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس کو بلا نماز دفن کر دینا چاہئے اور اگر زندہ پیدا ہوا تھا تو اس کے جنازہ کی نماز مکروہ ہے (۱)، اگر امام صاحب کو مسئلہ معلوم نہیں تھا، یا اسی طرح معلوم تھا جس طرح کیا تو وہ ایک درجہ میں

---

(۱) صورت مذکورہ میں اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا بھی مکروہ نہیں بلکہ فرض کفایہ تھی، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے آخری جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود ولد الزنا کی نماز جنازہ پڑھائی تھی:

"عن عمرو بن يحى رضى الله تعالىٰ عنه، قال: صلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ولد الزنا و أمه ماتت فى نفاسها". (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الجنائز ، باب الصلاة على ولد الزنا والمرجوم ، (رقم الحديث : ۶۶۱۲): ۳/۵۳۴، المكتب الإسلامى)

"عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على زانية فى نفاسها و ولدها". رواه الطبرانى فى الكبير".(مجمع الزوائد للحافظ اللهيشمى ، كتاب الجنائز ، باب الصلاة على أهل لا إله إلا الله : ۳/۴۱، دار الفكر، بيروت)

"و من استهل، صلى عليه، و إلا لا .... و أفاد بقوله :(وإلا لا) أنه إذا لم يستهل، لا يصلى عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه : ۲/۳۳۰،رشيديه)

"و من ولد فمات، يغسل و يصلى عليه إن استهل، و إلا غسل وسمى وأدرج فى خرقة و دفن، ولم يصل عليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق ، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه : ۱/۵۸۱، دار الكتب العلمية بيروت)

معذور ہیں اور اگر باوجود صحیح طور پر مسئلہ معلوم ہونے کے پھر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں اپنے اس فعل سے توبہ کرنا ضروری ہے(۱) اور اس پر نماز نہ پڑھنے سے سب لوگ گناہ گار ہوئے کیونکہ صلوۃ جنازہ فرض کفایہ ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۳/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

مسلم مرد اور کافر عورت سے پیدا شدہ بچہ کے جنازہ کا حکم

سوال[۴۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم و کافرة و نصرانية (جو ماں کافرہ اور باپ مسلمان دونوں کی پرورش میں ہوں، یا صرف

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. الاية (سورة التحريم: ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

" واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

وانظر للتفصيل: (روح المعاني: ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "هذا هو حكم فرض الكفاية، فإنه يكون فرضاً على كل واحد واحد لكن بحيث إن أدى بعض منهم، سقط عن الباقين، وإن لم يؤد واحد منهم يأثم الجميع بترك، وإن أدى الكل وجدوا ثواب الفرض، وتحقيقه في كتب الأصول". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۰۶، سعيد)

"والإجماع منعقد على فرضيتها أيضاً، إلا أنها فرض كفاية إذا قام به البعض، يسقط عن الباقين، لأن ما هو الفرض -وهو قضاء حق الميت- يحصل بالبعض، ولا يمكن إيجابها على كل واحد من آحاد الناس". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام في صلاة الجنازة: ۲/۳۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعيد)

باپ مسلمان کی پرورش میں) اگر بچپن میں مرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی، بالخصوص جب کہ اس بچہ کا نام بھی مسلمانوں کا سا ہو، نیز سن تمیز سے پہلے کسی اسلامی مدرسہ میں داخل کردیا گیا ہو اور وہ وہیں مدرسہ میں فوت ہوجائے تو بھی اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی، اور اس پر دوبارہ تجہیز وتکفین حکم الاسلام کیا جائے گا اور اس پر علامہ ابن عابدین کی تقریر جو شامی جلد ثانی، باب نکاح الکافر، ص:۵۴۸ پر ہے(۱) اپنی حجت میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علامہ کے قول کو مستند قرار دیتے ہوئے وسعت کی گنجائش ہے۔ بناءً علیہ وہ ولد مسلمان قرار دیا جائے گا اور اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں جیسی کی جائے گی۔

بکر کہتا ہے کہ جو کچھ علامہ شامی نے لکھا ہے وہ ان کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہے اور تمام کتبِ فقہ بلکہ حدیثِ قطعی کے معارض ہے اس لئے وہ کسی طرح ہمارے لئے حجت نہیں بن سکتی اور نہ ہم ان کے مقلد ہیں، ان کی شخصی رائے پر حدیثِ قطعی کے مقابلہ میں فتویٰ دینے کی اصلاً گنجائش نہیں: اور حسبِ ذیل دلائل پیش کرتا ہے:

۱- "الولد للفراش، و للعاهر الحجر" (۲)۔

دلالت میں قطعی ہے، نص کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں نہ کسی کی رائے محض۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث مذکورہ کے مقابلہ میں دوسری حدیث ہے" كل مولود يولد على الفطرة". كما قال العلامة اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطرت کے معنی میں دو احتمال ہیں: اسلام یا استعدادِ اسلام۔

"والثاني أقرب لحديث أبي داؤد: "كل مولود يولد على الفطرة". و فيه: "قالوا: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- أفرأيت من يموت و هو صغير؟ قال: "الله أعلم بما كانوا عاملين". باب في ذراري المشركين من كتاب السنة(۳)۔

---

(۱) "قلت: يظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح: "كل مولود يولد على الفطرة"، الحديث. فإنهم قالوا: إنه جعل اتفاقهما ناقلاً عن الفطرة فإذا لم يتفقا، بقي على أصل الفطرة .... فإن الاحتياط بالدين أولى، ولأن الكفر أقبح القبيح، فلا ينبغي الحكم به في شخص بدون أمر صريح الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين: ۱۹۷/۳، سعيد)

(۲) (أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الوصايا، باب قول الموصي لوصيه: تعاهد ولدي الخ: ۳۸۳/۱، قديمي)

(۳) والحديث بتمامه: "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

"فلو كان معنى الفطرة الإسلام لما توقف صلى الله تعالى عليه وسلم في حكمهم؛ لأن الشيء إذا ثبت ثبت بلوازمه، ومن لوازم الإسلام الحكم بدخول الجنة. وفي مجمع البحار: يريد أنه يولد على نوع من الجبلة والطبع المتهيء قبول الدين، الخ" (۱)۔

اور اگراقرب یہ نہ ہوتب بھی: "إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" تومحتمل معارض نہیں ہوسکتا قطعی کا۔ اور جومصالح حکم بالاسلام کے لکھے ہیں۔ علامہ شامی کی اول تو وہ رائے محض ہے، دوسرے اس حکم بالاسلام میں مفاسد بھی ہیں، اس لئے کہ ایک مدعی اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح زنا کرتا رہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سا حکم ہوتا رہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہو اور نہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کی توفیق ہو اور نہ خود زانی کو اپنے فعلِ شنیع کا خیال تک گزرے، یہ تو اقبح القبیح اور افحش الفواحش ہے، اس میں تو اور مزید احتیاط کی ضرورت ہے: "فإذا تعارضا المصالح والمفاسد تساقطا"۔

۲- عامہ فقہاء فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی اور بچہ اسلام و کفر میں اپنی ماں کے تابع ہوگا (۲)۔

۳- حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کا فتوی "مجموعۃ الفتاوی، باب التجہیز والتکفین ص: ۳۶۸ حسب ذیل ہے۔

سوال: "مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر قبل البلوغ یا بعد البلوغ مرجائے تو ان کی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے؟"

جواب: "بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح تجہیز و تکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح

= "كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهوّدانه و ينصّرانه كما تناتج الإبل من بهيمة جمعاء، هل تحس من جدعاء"؟ قالوا: يا رسول الله أفرائيت من يموت وهو صغير؟ قال: "الله أعلم بما كانوا عاملين". (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين ۲/ ۳۰۰، امداديه ملتان)

(۱) (مجمع بحار الأنوار، باب الفاء مع الطاء: ۴/ ۱۵۴، مجلس دائرة المعارف النعمانية بحيدر آباد الدكن، الهند)

(۲) (راجع، ص: ۶۳۷، رقم الحاشية: ۴)

اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزناء کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ زانی سے، "البحر الرائق" وغیرہ میں ہے: "هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ مالم يحدث إسلاماً، وهو مميز" (۱) وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع ہے یہاں تک کہ وہ سنِ تمیز کو پہونچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کا تابع ہوگا"۔ عبدالحیٔ (۲)۔

اب سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا عمر، نیز اگر زید نے گنجائش کے پیشِ نظر حکم بالاسلام کا فتوی دیا اور اس ولد کی تجہیز و تکفین و تدفین کو مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں کروایا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر زید غلطی پر ہے تو آئندہ اسے کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ نیز اگر عمر نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے کفر کا فتوی دیا تو اس کا کیا حکم ہے، آثم تو نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب و هو الموفق للصواب حامداً و مصلياً :

اتنا تو فریقین کو تسلیم ہے کہ یہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے اور جو بچہ زنا سے پیدا ہوتا ہے وہ شرعاً ثابت النسب نہیں ہوتا یعنی شرعاً وہ زانی باپ نہیں ہوتا اور وہ بچہ اس کا بیٹا نہیں کہلاتا:

"لقوله عليه السلام: "الولد للفراش و للعاهر الحجر". مجمع الفوائد، ص: ۲۳۶ (۳)۔

قال أبو بكر .... "و قوله: "الولد للفراش" الخ قد اقتضى معنيين: أحدهما: إثبات النسب لصاحب الفراش، والثاني: أن من لا فراش له فلا نسب له". أحكام القرآن (٤)۔

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۹، سعيد)

(۲) مجموعة الفتاوى اللكنوى (اردو)، كتاب الجنائز، باب تجہیز و تکفین: ۱/۳۴۴، سعيد)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الطلاق، باب اللعان وإلحاق الولد واللقيط، (رقم الحديث ۴۴۵۵): ۱/۴۰۹، المكتبة الإسلامية باكستان)

(۴) (أحكام القرآن للجصاص، سورة النور، پ: ۱۸، تحت الاية: ﴿والذين يرمون أزواجهم﴾ الآية فصل: اتفاقهم أن الولد قد ينفى من الزوج باللعان: ۳/۴۴۲، قديمى)

"ولأنهم قالوا في حرمة بنته من الزنى: إن الشرع قطع النسبة إلى الزاني لمافيها من إشاعة الفاحشة، فلم يثبت النفقة والإرث لذلك الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۱۹۷، سعيد) .... =

"ومن الدليل على أن الزنا قبيح في العقل أن الزانية لا نسب لولدها من قِبل الأب إذ ليس بعض الزناة أولى به حاقه به من بعض، ففيه قطع الأنساب و منع ما يتعلق بها من الحرمات في المواريث والمناكحات و صلة الأرحام وإبطال حق الوالد على الولد و ما جرى مجرى ذلك". أحكام القرآن: ۳/۲٤٦ (۱) ۔

صلوۃ جنازہ کے لئے میت کا مسلمان ہونا شرط ہے اور بچے کے اسلام کی چند صورتیں ہیں: اول یہ کہ بچہ عاقل ہو اور اسلام لے آئے تو شرعاً اس کا اسلام صحیح اور معتبر ہے: "إسلام الصبي العاقل صحيح". فتاوىٰ سراجية، ص: ۵۸ (۲)۔ "أو أسلم صبي و هو عاقل: أي ابن سبع سنين، صلى عليه لصيرورته مسلماً". درمختار (۳)۔ پس اگر وہ بچہ عاقل تھا اور اسلام لے آیا تھا تو وہ اس حکم میں داخل ہے ورنہ نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بچہ عاقل تو نہیں خود اسلام نہیں لایا بلکہ اس کے ابوین میں سے کوئی ایک یا دونوں مسلمان ہوگئے اس صورت میں خیر الأبوین کے تابع قرار دیا جائے گا: "إلا أن يسلم أحدهما؛ لأنه يتبع خيرهما، فيصلى عليه تبعاً له" زيلعي، ص: ۲٤۳ (٤)۔

صورتِ مسئولہ میں ماں کافرہ ہے اور زانی سے نسب ثابت نہیں، پس زانی کا مسلمان ہونا بچے کے حق میں کچھ نافع نہ ہوگا (۵)۔

= "والزنا المحض سببٌ لإيجاب العقوبة، فلا يصلح سبباً لإيجاب الحرمة والكرامةِ ألا ترى أنه لا يثبت به النسب والعدة الخ". (كتاب المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ۲۲۸/۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، سورة الإسراء، مطلب: الزنا قبيح في العقل قبل ورود السمع، تحت الاية: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (پ: ۱۵، آیت: ۳۲): ۲۹۵/۳، قديمي)

(۲) (الفتاوى السراجية للإمام علي بن عثمان الأوشي، كتاب السير، باب الإسلام، ص: ۹۲، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۰/۲، سعيد)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۵۸۱/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۵) (راجع، ص: ۶۳۷، رقم الحاشية: ۴)

تیسری صورت یہ ہے کہ بچے کو تنہا بغیر احد الأبوین دار الحرب سے قید کر کے دار الاسلام میں لے آئے ہوں، پس اگر قید کرنے والا ذمی ہے تو تابعِ دار قرار دیکر اور اگر قید کرنے والا مسلم ہے تو تابع سابی قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ دار الحرب میں امام اس بچہ کا کسی مسلم کو مالک بنادے خواہ بطریقِ بیع ہو خواہ بطریقِ تقسیم غنائم، اس صورت میں بھی بچہ کو تابعِ مالک قرار دے کر مسلمان کہا جائے گا:

"لو سبی وحده، لا يحكم بإسلامه ما لم يخرج إلى دار الإسلام، فيصير تبعاً للدار، أو يقسم الإمام الغنائم أو يبيعها في دار الحرب فيصير مسلماً تبعاً للمالك". ردالمحتار.........

"ولو سبي بدونه فهو مسلم تبعاً للدار أوللسابي". درمختار۔ قال الشامي: "أي إن كان السابي ذمياء أو للسابي إن كان مسلماً، كذا في شرح المنية"(۱)۔

صورتِ مسئولہ میں کسی دار الحرب سے قید کر کے دار الاسلام میں نہیں لایا گیا کہ تابع دار یا تابع سابی قرار دیا جائے، نیز زانی نہ سابی ہے نہ مالک۔

کلامِ فقہاء میں ایسی صورتیں ملیں گی کہ باوجود تحقیقِ اسلام میت بعض عوارض کی بنا پر اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی:" و هي فرض على كل مسلم مات، خلا بغاة و قاطع طريق إذا قُتلوا في الحرب، الخ". تنوير(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعيد)

"وإن سبي صبي ومات، فإن يسب معه أحد أبويه يصلى عليه؛ لأنه مسلم تبعاً للسابي إن كان مسلماً، وللدار إن كان ذمياً الخ". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع: الصلاة عليه، ص: ۵۹۱، سهيل اكيڈمي لاهور)

"(أو لم يسب أحد هما معه) أنه يصلى عليه إذا دخل دار الإسلام، ولم يكن معه أحد أبويه تبعاً لدار الإسلام الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل: ۱/۱۵۹، رشيديه)

(۲) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد) .... =

ایسی صورت نہیں ملے گی کہ باوجود تحقیقِ کفر میت اس پر نماز جنازہ کا حکم ہو، بلکہ جس کے کفر واسلام میں اشتباہ ہو اس پر بھی نمازِ جنازہ نہیں:" و مما ینبغی أن یعلم فی هذا المقام أن الفقها، ذکروا أن الصلوة لا یجوز علی الکافر بحالٍ وإن کان له ولیٌّ مسلم، حتی قالوا: إنه فی من اشتبه علیه أنه مؤمن أو کافر لا یصلی علیه؛ لأن الصلوة علی الکافر لا یجوز بحال، وترك الصلوة علی المؤمن جائز فی الجملة". تفسیر احمدی، ص:۳۸(۱)۔

اور علامہ شامی نے اس صورتِ مسئولہ پر صلوۃ جنازہ کے متعلق کوئی کلام نہیں کیا کیونکہ باب نکاح الکافر اس کا محل نہیں، تبعیت کی جتنی صورتیں ہیں ان میں سے کوئی سی بھی بچے میں موجود نہیں، لہٰذا تبعیت کی وجہ سے اس پر صلوۃ جنازہ کا ترک بھی احوط معلوم ہوتا ہے:

"وذکر فی شرح الزیادات فی کتاب السیر: الدین یثبت بالتبعیة، وأقوی التبعیة تبعیة الأبوین؛ لأنهما سبب لوجوده، ثم تبعیة الید؛ لأن الصغیر الذی لا یعبر بمنزلة المتاع فی یده، وعند عدم الید تعتبر تبعیة الدار؛ لأنه قبل وجوده، ألا تری أن اللقیط الموجود فی دار الاسلام

= "فکل مسلم مات بعد الولادة، یصلی علیه صغیراً کان أو کبیراً، ذکراً کان أو أنثی، حراً کان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطریق و من بمثل حالهم، الخ". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بیان من یصلی علیه: ۴۷/۲، رشیدیه)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس الصلاة علی المیت: ۱۶۳/۱، رشیدیه)

(۱) (التفسیرات الأحمدیة لملا جیون، تحت الایة: ﴿وصلّ علیهم إن صلوتک سکن لهم﴾ (سورة التوبة۱۰۳)، ص:۴۷۳، مکتبه حقانیه پشاور)

"و قال بعضهم: لایصلی علیهم؛ لأن ترک الصلوة علی المسلم أولی من الصلاة علی الکافر؛ لأن الصلاة علی الکافر غیر مشروعة أصلاً، قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً﴾. (سورة التوبة: ۸۴) و ترک الصلاة علی المسلم مشروعة فی الجملة کالبغاة و قطاع الطریق، فکان الترک أهون". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما شرائط وجوب الغسل: ۳۱/۲، رشیدیه)

مسلم؟ قال العبد الضعيف عصمه الله تعالیٰ: قد اختلف الرواية فی اللقيط أيضاً، قيل: يعتبر المكان وقيل: الواجد، وقيل: الأنفع". زيلعی: ۱/۲۴٤ (۱)۔

مگر چونکہ زید بھی شامی کی عبارت سے استدلال کرتا ہے اور اسی سے اس بچہ کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا طرفین میں سے کسی کو کافر کہنا یا لعن طعن کرنا درست نہیں، حتی الوسع تکفیر سے کفِ لسان وقلم ضروری ہے کما صرح به فی البحر(۲) والفتاویٰ العالمكيرية (۳) وغيرهما(٤) ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

"والأصل الثاني ما عرف في المبسوط أن الدين يثبت بالتبعية، وأقوى التبعية تبعية الأبوين؛ لأنهما سبب لوجوده، قال صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهوّدانه". الحديث. ثم بعد تبعية الأبوين اليد؛ لأن الصغير الذى لا يعبر بمنزلة متاع فی يده، وعند عدم اليد يعتبر تبعاً للمكان؛ لأنه محل وجوده، ولهذا كان اللقيط الموجود فی دار الإسلام مسلم تبعاً للدار". (شرح الزيادات للإمام محمد بن الحسن الشيباني، كتاب السير، باب السبايا من أهل الحرب، ما يصدق فيه وما لا يصدق، الدين يثبت بالتبعية: ۲/۲۱۰۰، ۲۱۰۱، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وإذا كان فی المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنع التكفير، فعلى المفتی أن يميل إلى الوجه الذى يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيديه)

(۳) (وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فی البغاة: ۲/۲۸۳، رشيديه)

(۴) (وكذا فی التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فی إجراء كلمة الكفر: ۵/۴۵۸، إدارة القرآن كراچی)

"و قد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع و تسعون احتمالاً لكفر، واحتمال واحد فی نفيه، فالأولى للمفتی والقاضی أن يعمل بالاحتمال النافی؛ لأن الخطأ فی إبقاء ألف كافر أهون من الخطأ فی إفناء مسلم واحد". لشرح فقه الأكبر للملا على القاری، قبيل فصل فی القراءة والصلاة، ص: ۱۲۲، قديمی)

صورت مسئولہ میں حکم اصول وقواعد اور ظواہر نصوص کے مطابق ظاہر یہی ہے کہ ایسے بچہ کو قبل سنِ تمیز ماں کے تابع قرار دیا جائے لیکن مسئلہ مختلف فیہ ہے اور امام صاحب سے صراحۃً منقول نہیں، علماء میں اختلاف ہے جیسا کہ علامہ شامی نے بیان کیا ہے، اس لئے صورتِ مسئولہ مذکورہ میں گونسب ثابت نہ ہوگا اور صلوٰۃ جنازہ بوجہ اشتباہِ اسلام نہ پڑھی جائے گی، كما نقل في الجواب المذكور من التفسير الأحمدي، لیکن اس کے کفر کا حکم بھی قطعی طور سے نہ کیا جائے گا، كما صرحوا في باب المرتدين أنه: "لايكفر مسلم ما أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره اختلاف و لو رواية ضعيفةً(۱)۔

قلت: الصبي المذكور وإن لم يكن مرتداً لكن في كفره اختلاف العلماء، فالأحوط السكوت أو عدم التكفير۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ۔

ہیجڑے کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۰۱]: خصی مردوں یعنی ہیجڑوں کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے اگر چہ وہ اپنے فعل کی وجہ سے سخت گنہگار ہیں، لقوله عليه السلام: "صلوا على كل بر و فاجر". طحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۷۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۴/۲۲۹، سعيد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۰، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً، والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر، والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، =

خنثیٰ بچہ کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۱۱]: اگر کوئی لڑکا زندہ پیدا ہوا اور اس کے پاخانے پیشاب کی راہ بالکل نہ ہو تو اس پر نماز جنازہ لڑکی کی یا لڑکے کی، کس کی پڑھی جائے گی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے بچہ پر لڑکی کے احکام جاری ہوں گے، بغیر ان چند مخصوص احکام کے جن کو اشباہ، ص:۲۴۴، میں نقل کیا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو اس پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۱۲]: مسماۃ ہندہ کے مرا ہوا بچہ پیدا ہوا لیکن آنول(۲) نہیں نکلی جسکے باعث ہندہ کا بھی انتقال ہوگیا، بچہ کا ناف نہیں کٹی تھی لہذا زچہ اور بچہ دونوں کا ایک ہی کفن وقبر میں دفن کر دیا گیا، دونوں ران کے بیچ

= كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/ ۳۵۰، امداديه)

"فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق، و من بمثل حالهم، لقول النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "صلوا على كل بر و فاجر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه: ۲/۱۷، رشيديه)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/ ۱۶۳، رشيديه)

(۱) "وحاصله أنه كالأنثى في جميع الأحكام إلا في مسائل: لا يلبس حريراً و لا ذهباً و لا فضةً، ولا يتزوج من رجل، ولا يقف في صف النساء، و لا حد بقذفه، و لا يخلو بامرأة، و لا يقع عتق و طلاق علقاً على ولادتها أنثى به، ولا يدخل تحت قوله: كل أمة". (الأشباه والنظائر، أحكام الخنثى المشكل: ۳/ ۳۷۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الخنثى: ۶/ ۷۲۷، ۷۲۸، سعيد)

(۲) "آنول: وہ جھلی جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے........ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ناف انتڑی کی طرح بڑھی ہوئی ہوتی ہے، دائی اُسے اُسی وقت کاٹ ڈالتی ہے.......اھ"۔ (فیروز اللغات، ص:۴۳، فیروز سنز، لاہور)

میں بچہ رکھ دیا گیا تھا۔ایسا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کر دیا سو کر دیا اس کی کوئی اصلاح نہ کریں(۱) بہتر یہ تھا کہ ناف کاٹ کر بچہ کو علیحدہ دفن کیا جاتا وہ مرا ہوا پیدا ہوا تھا اس کی جنازہ کی نماز بھی نہیں تھی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۴/۲/۷ھ۔

---

(۱) "وينبغي كونه على شقه الأيمن، و لا ينبش ليوجه الخ". (الدر المختار). "(قوله: و لا ينبش ليوجه إليها): أى لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب، لا ينبش ؛لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۳۶، سعيد)

"و لو وضع لغير القبلة، فإن كان قبل إهالة التراب عليه و قد سرحوا اللبن، أزالوا ذلك؛ لأنه ليس بنبش. وإن أهيل عليه التراب، ترك ذلك؛ لأن النبش حرام". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز ، فصل: أما سنة الدفن : ۲/۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل : السلطان أحق بصلاته عليه : ۲/۳۴۱، رشيديه)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلى عليه و لا يرث و لا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في ترك الصلاة على الطفل حتى يستهل : ۱/۲۰۰، سعيد)

"و من استهل، صلى عليه، و إلا لا .... و أفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذا لم يستهل، لا يصلى عليه". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز ، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه : ۲/۳۳۰، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل و يصلى عليه إن استهل. و إلا غسل وسمى وأدرج في خرقة و دفن، ولم يصل عليه". (الدر المختار ، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه : ۱/۵۸۱، دار الكتب العلميه، بيروت)

مردہ بچہ کی نمازِ جنازہ کا حکم ائمۂ اربعہ کے نزدیک

سوال [۴۱۱۳]: إن بعض الإخوان من أرسل إلیّ خطاً و مضموناً هکذا: ما حکم السقط الذی ولدته لستة أشهر أو بعد ها لم یستهل، ولم یبك، ولم تظهر أمارة الحیوۃ، ماذا حکمه فی هذه المسئلة فی المذاهب الأربعة هل یصلی علیه أم لا؟ وإن صلی علیه أحد یجوز ذلك أم لا؟ أرجو من حضرتکم الشریفة جواباً شافیاً کافیاً۔

عباس کیرانوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لا یصلی علیه عند الأحناف کذا فی الدر المختار: "ومن وُلد و مات، یغسل ویصلی علیه إن استهل: أی وُجد منه ما یدل علی حیوته بعد خروج أکثره. وإن لا یستهل، غسل وسمی وأدرج فی خرقة، ولم یصل علیه"(۱)۔ "وعند الإمام أحمد: صلی علیه إذاخرج میتاً وأتی علیه أربعة أشهر. والإمام مالك مع الإمام أبی حنیفة فی ذلك: أی لا یصلی علیه، وللإمام الشافعی فیه قولان کالمذهبین المذکورین". کذا فی الشرح الکبیر علی متن المقنع"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعید)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "الطفل لا یصلی علیه ولا یرث ولا یورث حتی یستهل". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی ترك الصلاة علی الطفل حتی یستهل: ۱/۲۰۰، سعید)

"ومن استهل، صلی علیه، وإلا لا .... وأفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذ لم یستهل، لا یصلی علیه". (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه: ۲/۳۳۰، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه: ۱/۵۸۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) (لم أظفر بهذا الکتاب)

جڑواں دو بچوں کے جنازہ پر نماز ایک ہے یا دو؟

سوال[۴۱۱۴]: ایک ساتھ پیدا ہونے والے دو بچے مر جائیں تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اور ایک بار نماز پڑھی جائے گی یا دو بار پڑھی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب زندہ پیدا ہو کر مرے ہیں تو ضرور ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۱)۔ جنازہ ہر دو کا ساتھ ہو تو ایک نماز بھی دونوں پر کافی ہے، الگ الگ پڑھنا اعلیٰ بات ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ۔

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "الطفل لا یصلی علیه و لا یرث و لا یورث حتی یستهل". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فی ترک الصلاة علی الطفل حتی یستهل: ۱/۲۰۰، سعید)

"و من وُلد، فمات، یغسل و یصلی علیه إن استهل، وإلا غسل وسمی وأدرج فی خرقة و دفن، و لم یصل علیه". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعید)

"ومن استهل، صلی علیه، و إلا لا .... وأفاد بقوله: (وإلا لا) أنه إذ لم یستهل، لایصلی علیه".

(البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته علیه: ۲/۳۳۰، رشیدیه)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته علیه: ۱/۵۸۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) "عن أبی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه: أمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یوم أحد بحمزة، فوضع و جئ بتسعة، فصلی علیهم رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، فرفعوا و ترک حمزة، ثم جیء بتسعة، فوضعوا و صلی علیهم سبع صلوات، حتی صلی علی سبعین و فیهم حمزة رضی اللہ تعالیٰ عنه فی کل صلوة صلاها". (مراسیل أبی داؤد، فی الصلاة علی الشهدآء: ۱۸، سعید)

"وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلوة أولی". (الدر المختار علی تنویر الأبصار، باب الجنائز: ۲/۲۱۸، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۳۲۸، رشیدیه) .... =

کافر نے اپنا چھوٹا بچہ مسلمان کو دیدیا اس پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۱۵]: ما قولکم أیها العلماء الکرام اندرینکه کافرے دخترِ صغیره شیر خوار را بمسلمانے هبةً حواله نمود، ودعوی بالکلیه ترک کرد، و مسلمان صغیره را مانندِ فرزندِ خود از شیر گاؤ پرورش کرده گرفت، قضا را صغیره وفات نمود، پس دریں صورت فطرت و تبعیت ید را ملاحظه نموده، نماز جنازه بر دخترِ صغیره موصوفه گزارده شود یا نه؟ بینوا و توجروا۔

الجواب:

درصورتِ مذکوره چوں کافر دخترِ صغیره راحوالۂ مسلمان نمود، ودعوی بالکلیه ترک نمود، ومسلمان مانندِ فرزندِ خود دخترِ صغیره رابر پرورش میکند، پس به نظر فطرت وتبعیت یدنماز جنازه بردخترِ صغیره گزار شود، کما یُفهم من کتب الفقه والحدیث، فی الهندیة: "والصبی إذا وقع فی یدالمسلم من الجند فی دارالحرب وحده، ومات هناك، صلی علیه تبعاً لصاحب الید، کذافی المحیط"(۱)۔ وفیها: "وإن سبی وحده غسل وصلی علیه، کذا فی الزاهدی"(۲)۔

وفی الدرالمختار: "ولوسبی بدونه، فهو مسلم تبعاً للدار أو للسابی، الخ"۔ فی الشامیة تحت قوله: "(للدار إن کان السابی ذمیًّا) أو للسابی إن کان مسلماً، کذا فی شرح المنیة"(۳)۔

= (وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس الخ: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس الخ: ۱/۱۶۳، رشیدیه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل: ۱/۱۵۹، رشیدیه)

(۳)(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۹، سعید)

فی الطحطاوی: "فإن وقع فی سهمه صبی من الغنیمة فی دارالحرب فمات، یصلی علیه، ویجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید"(۱)۔ فی الحدیث الشریف: "عن النبی صلی اللّٰه علیه وصحبه وسلم: "کل مولود یولد علی الفطرة". الحدیث(۲)۔

حرره العبد الأواه شیخ أحمد حماه مولاه۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

در صورتِ مسئوله معنئِ تبعیتِ ید شرعاً متحقق نشده، زیرا که مراد از تبعیتِ ید این است که آنکس که این دخترِ صغیره بدستِ او است مالکِ این دختر بود، وملکیت درین صورت یافته نمی شود، زیرا که انسان عام ازینکه مومن بود یا کافر باعتبارِ اصلِ خود حُراست، و ملک بر حُر ثابت نشود اِلا بطریقِ مشروع، و هبهٔ حُر باطل است، پس قبضهٔ آنکس بر این دختر شرعاً قبضهٔ مالکانه نخواهد بود.

آرے اگر امام مسلمین جهاد کند، وکفار را به طریقِ غنیمت گرفتار نموده در غازیان تقسیم کند، بعد از تقسیمِ هر کس مالکِ سهم خود خواهد شد. پس اگر بایں طور صغیرے در قبضهٔ کسے در آید، وبمیرد، بر آن صغیر نمازِ جنازه گزارده خواهد شد به تبعیتِ ید، وهم چنین است اگر از کسے خرید کند وغیره وغیره:

قال الطحطاوی ص: ۳۵۰، نقلاً عن الفتح: "فإن مَن وقع فی سهمه صبیّ من الغنیمة فی دار الحرب فمات، یصلی علیه، ویُجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید، الخ"(۳)۔ کذا فی

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۶۰۰، قدیمی)

(۲) والحدیث بتمامه: "عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهوّدانه أو ینصّرانه أو یمجّسانه کمثل البهیمة تنتج البهیمة، هل تری فیها جدعاء". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین: ۱/۱۸۵، قدیمی)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق، ص: ۶۰۰، قدیمی)

البحر الرائق: ۲/۱۹ (۱)۔

ومراد از عبارتِ ہندیہ نیز ہمین است، زیرا کہ جندِ اسلام چون در دار الحرب بود و بر چیزے از اموالِ اہل الحرب استیلاء یابد، مالک شود. و بعد سبی نیزیدِ شرعی متحقق شود، ہکذا یفہم من غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی(۲) والدر المختار (۳)۔ وعبارتِ طحطاوی (٤) و بحر (٥) **اصرحِ عبارت است،** فالعجیب من المجیب الفاضل! أنہ کیف ذہل عن معنی الید الشرعی، وحمل عبارۃ کلہا علی المعنی اللغوی؟ قال الشیخ ابن عابدین بعد بحثٍ طویلٍ:

"وحاصلہ إنما یحکم بإسلامہ بالإخراج إلی دار الإسلام تبعاً للدار أو بالملك بقسمۃ أو بیع من الإمام تبعاً للمالك لو مسلماً أو للغانمین لو ذمیاً، اھ"(٦)۔

پس در صورتِ مسئولہ صبی از اسبابِ مذکورہ یافتہ نشد:

"من اشتری رقیقاً من الصغار فی دار الحرب، فمن مات فیہا منہم، فلا یصلی علیہ، کذا فی الغیاثیۃ. و فی الید کصبی سبی مع أبویہ، لا یصلی علیہ؛ لأنہ تبع لہ، الخ". شرح سیر کبیر(۷)۔

---

(۱) "و فی فتح القدیر: واختلف .... فإن من وقع فی سہمہ صبی من الغنیمۃ فی دار الحرب فمات، یصلی علیہ، و یجعل مسلماً تبعاً لصاحب الید". (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ: ۲/۳۳۳، قدیمی)

(۲) "وإن سبی صبی و مات، فإن یسب معہ أحد أبویہ، یصلی علیہ؛ لأنہ مسلم تبعاً للسابی إن کان مسلماً، وللدار إن کان ذمیاً، الخ". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ الجنائز، الرابع: الصلاۃ علیہ، ص: ۵۹٤، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۳) (راجع، ص: ٦٤٧، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۴) ،ص: ٦٤٨، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۵) (راجع الحاشیۃ رقمہا: ۱)

(٦) (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، سعید)

(۷) (لم أجد بہذہ العبارۃ فی شرح السیر الکبیر ولکن فی الدرالمختار مثلہ: ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعید)

باوجود ابوین صغیر تابع کسے نخواہد شد بل بہ تبعیتِ ابوین احکامِ کفار بر او جاری خواہد شد: قال محمد أمين الشامي تحت قول صاحب الدر المختار: "كصبي سبي مع أحد أبويه): وبالأولى إذا سبي معهما، والمجنون البالغ كصبي كما في الشرنبلالية. ولا فرق بين كون الصبي مميزاً أولا، ولا بين موته في دار الإسلام أو الحرب، و لا بين كون السابي مسلماً أو ذمياً؛ لأنه مع وجود الأبوين لا عبرة للدار و لا للسابي، بل هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ ما لم يحدث إسلاماً وهو مميزه كما صرح به في البحر"(۱)۔

اگر در صورتِ مسئولہ والدین فوت ہم شوند و حکم بدار الاسلام نیز کردہ شود، بر آں صغیرہ نماز جنازہ گزاردہ نخواہد شد:

"وكذلك إن ماتت آبائهم وأمهاتهم في دارنا؛ لأن معنى التبعية بالموت لا ينقطع في حكم الدين، ألا ترى أن أولاد أهل الذمة لا يحكم لهم بالإسلام وإن ماتت ابائهم و أمهاتهم في دارناصغاراً، الخ". شرح سیر کبیر: ۳/۳۳۵ (۲)۔

وازیں عبارات جوابِ حدیث شریف نیز حاصل شد ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم واکمل۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/محرم الحرام/۵۴ھ۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت

سوال[۴۱۱۶]: مسلمان کو غیر مسلم کے جنازہ کے ہمراہ جانا یا غیر مسلم کو مسلم کے جنازہ کے ساتھ چلنا، تکفین وتدفین میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۲/۲۲۸، ۲۲۹، سعید)

(۲) (شرح السير الكبير، المفادات بالصغير والكبير من السبي وغير ذلک: ۴/۳۵۰، عباس احمد الباز)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۹ھ۔

قادیانی کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۱۱۷]: جس امام نے پہلے بھی غلطی کی، اسی نے ایک قادیانی کی نماز پڑھائی مگر لوگوں نے کہا کہ اس کی نماز پڑھانی جائز نہ تھی، کہہ دیا ضرور مگر بُلائے تھے تو میں نے اس وجہ سے نماز پڑھائی تاکہ قادیانی اس کی عورت سے نہ کہلوائیں کہ جنازہ ہمیں ملے۔قادیانی آئے اور دعائے خیر مانگ کر چلے گئے، مگر عورت نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرا مذہب قادیانی نہیں۔اس بات پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض اپنے قیاس سے جائز کہتے ہیں، جو قادیانی تھا اس نے اپنے ماں باپ سے کہدیا تھا کہ میری نماز قادیانی پڑھیں اور ان کو بلانا، اس وجہ سے ان کو بلایا گیا تھا۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً وہ شخص قادیانی تھا تو امام اس کی نماز پڑھانے سے سخت گنہگار رہوا، اس کو علی الاعلان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تصل علی أحد منهم مات أبداً، ولا تقم علی قبره﴾ (الآیة). (سورة التوبة: ۸۴)

"﴿و لا تصل﴾ الاية .... والمراد من الصلاة المنهى عنها صلاة الميت المعروفة، وهى متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع .... ﴿و لا تقم على قبره﴾ .... والمراد: لا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة، والقبر فى المشهور مدفن الميت، و يكون بمعنى الدفن، وجوّزوا إرادته هنا أيضاً". (روح المعانى : ۱۰/۱۵۵، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"قال: (و شرطها): أى شرط الصلاة عليه (إسلام الميت وطهارته). أما الإسلام، فلقوله تعالىٰ ﴿ولا تصل على أحد منهم مات أبداً و لا تقم على قبره﴾ يعنى المنافقين، و هم الكفَرة، ولانها شفاعة للميت إكراماً له و طلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة و لا يستحق الإكرام". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱/۵۷۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۱۴، رشيديه)

توبہ لازم ہے(١)۔قادیانی پر کفر کا فتویٰ ہے اور کافر کی نماز پڑھانا (٢) اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے (٣)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،٢٢/١٢/٦٠ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،٢٣/ ذی الحجہ/٦٠ھ۔

---

(١) قال الله تعالى:﴿ يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (الاية) (سورة التحريم : ٨)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووى ، كتاب التوبة : ٢/٣٥٤، سعيد)

وانظر للبسط: (روح المعاني : ٢٨/١٥٧–١٦٠، (سورة التحريم:٨) دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(٢) قال الله تعالى: ﴿و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولا تقم على قبره﴾ (الاية). (سورة التوبة: ٨٤)

"والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعاني : ١٠/١٥٤، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: أنه قال لما مات عبد الله بن أبي بن سلول، دُعِيَ له رسولُ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وثبت إليه، فقلت: يا رسول الله .... قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة: ﴿ولا تصل على أحد منهم﴾ الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز ، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين : ١/١٨٢، قديمي)

"(و شرطها) ستة (إسلام الميت و طهارته)". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة : ٢/٢٠٧، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ٢/٣١٤، رشيديه)

(٣) قال الله تعالى:﴿ ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين و لو كانوا أولي قربىٰ من بعد=

ایضاً

سوال[۴۱۱۸] : ایک شخص قادیانی کی لڑکی فوت ہوگئی اس نے اوراس کے باپ نے بیٹی اور پوتی کی نماز جنازہ ادانہیں کی، امام ومقتدی اہلِ سنت والجماعت تھے، کیا قادیانی مذہب کے اولاد یا عورت کی نماز جنازہ اہلِ سنت والجماعت کو پڑھنی چاہئے یانہیں؟ اگرنہیں تو جنہوں نے بخیالِ برادری نماز ادا کی ان پر کچھ سزا شرعی عائد ہوگی یانہیں؟

ریاض الحق کلیانوی از تھانہ بھون۔

الجواب : هو الموفق للصواب

قادیانی لوگ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں اور نماز مسلمان کے جنازہ کی پڑھی جاتی ہے کافر کے جنازہ کی نمازنہیں پڑھی جاتی، جس کے متعلق معلوم ہوکہ یہ قادیانی ہے اسکے جنازہ کی نماز درست نہیں (۱)، اس کی عورت

= ماتبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾. (سورة التوبة : ۱۱۳)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاةُ، دخل عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و عنده أبوجهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عم! قل لا إله إلا الله أُحاجّ لک بها عند الله". فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي مية: يا أباطالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأ ستغفرنّ لک مالم أُنهَ عنک" فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الاية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: (ما كان للنبي أن يستغفروا للمشركين) الخ : ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمي)

"(قوله: لنفسه و أبويه و أستاذه المؤمنين) احترز به عما إذا كانوا كفاراً، فإنه لا يجوز الدعاء لهم بالمغفرة". (كتاب الصلاة، فصل. إذا أراد الشروع: ۱/۵۲۱، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ:﴿ و لا تصل على أحد منهم مات أبداً، ولا تقم على قبره﴾ (الاية). (سورة التوبة: ۸۴)

"والمراد من الصلاة المنهيّ عنها صلاة الميت المعروفة، و هي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعاني : ۱۰/۱۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: أنه قال: لما مات عبد الله بن أبيّ بن سلول دُعِيَ له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول =

اگر مسلمان ہے تو اس کی نماز اور اس کے نابالغ بچے کی نماز درست ہے کیونکہ نابالغ اولاد خیر الأبوین کے تابع ہوتی ہے، البتہ بالغ میں مسلمان ہونے کے لئے ماں باپ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وہ خود اگر مسلمان ہے تو اسکی نماز جنازہ جائز ہوگی ورنہ نہیں (۱)۔ جن لوگوں نے غیر مسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے ان کو توبہ کرنا لازم ہے (۲)، اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے تو ان کے لئے اَور کوئی سزا نہیں، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو برادری کو بعد تفہیم کوئی مناسب تدارک مثل ترکِ تعلقات کرنے میں مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۵۳/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وثبت إليه، فقلت: يا رسول الله .... قال: فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة: ﴿ولا تصل على أحد منهم﴾ الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز ، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين : ۱/۱۸۲، قديمي)

"و شرطها) ستة (إسلام الميت) و طهارته)". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة : ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ، باب الجنائز ، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۲/۳۱۴، رشيديه)

(۱) "إذا كانا مسلمين أو أحدهما، فإنه يصير مسلماً تبعاً للمسلم منهما .... والحاصل أنه تنقطع تبعية الولد في الإسلام لأحد أبويه ببلوغه عاقلاً". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، فصل: استئمان الكافر، مطلب مهم: الصبي يتبع أحد الخ : ۴/۱۷۳، سعيد)

"الولد يتبع خير الأبوين ديناً". (البحر الرائق، كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر : ۳/۳۶۴، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً ﴾ (الآية) (سورة التحريم : ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لله أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لايجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة : ۲/۳۵۴، قديمي)

والبسط في: (روح المعاني : ۲۸/۱۵۷ — ۱۶۰، سورة التحريم: ۸، دار إحياء التراث العربي ، بيروت)

(۳) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يحل =

قادیانی کے ساتھ تعلقات اور اس پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۱۹]: اگر کوئی شخص اہلِ سنت قادیانی ہوجائے تو وہ خارج از اسلام ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اس شخص سے رسم تعلقات باقی رکھنا، اس کی دعوت کھانا، اس کے یہاں تقریبات نکاح وغیرہ میں شریک ہونا، یا اس کو اپنے یہاں دعوت کھلانا، اگر وہ انتقال کرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں شرکت کرنا، یا کسی عالم کو باوجود جملہ حالات معلوم ہونے کے اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے مدفن میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عالم صاحب کے واسطے کیا حکم ہے کیونکہ عوام الناس کی شرکت کا بھی باعث ہوا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمائے اسلام کے فتوی کے مطابق قادیانی کافر ہیں، جو شخص قادیانی ہوجائے وہ مرتد کے حکم میں ہے، اس سے تعلق رکھنا، اس کے نکاح وغیرہ میں شریک ہونا، یا اپنے یہاں اس کو شریک کرنا ناجائز ہے(۱)۔ اس کے

= لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا و يعرض هذا، وخيرها الذی يبدأ بالسلام". (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب الهجرة : ۲/۸۹۷، قديمی)

قال الملاعلی القاری تحت هذا الحديث: "قال الخطابی : رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته ولايجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلك .... : فإن هجرته أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلی الحق". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب من التهاجر والتقاطع و اتباع العورات ،الفصل الأول ، (رقم الحديث : ۵۰۲۷) : ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا فی عمدة القاری ، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد والتدابر الخ: ۲۲/۱۳۷ ، مطبعه خيريه بيروت)

(۱) قال الله تعالیٰ :﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً ولعباً من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء﴾ (المائدة : ۵۷)

وقال الله تعالیٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾. (الانعام : ۶۸)

"وعن أبی قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم فإنی. لا آمن أن يغمسوكم فی ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون. قال أيوب: وكان -والله- من الفقهاء ذوی الألباب. وعنه أيضاً: أنه كان يقول: إن أهل الأهواء أهل ضلالة ولا أرى مصيرهم إلا إلى النار. وعن الحسن: لاتجالس صاحب بدعة، فإنه يمرض قلبك .... وعن إبراهيم: ولا تكلموهم إنی أخاف أن ترتد قلوبكم =

جنازہ میں شرکت اور نماز جنازہ بھی منع ہے، جو شخص باوجود علم کے قادیانی کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھائیں وہ گنہگار ہے اس کو توبہ لازم ہے، قادیانی کو اہلِ اسلام کے قبرستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہیئے:

"و الحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". درمختار(۱)۔ "وشرطها (أی صلوة الجنازة) إسلام الميت الخ". تنوير(۲)۔ "أما المرتد، فيلقى فى حفرةٍ كالكلب: أی و لا يغسل، ولا يكفن، و لا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم، بحر عن الفتح اهـ". ردالمحتار، ص: ۹۳۱(۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۱۱/۵۵ھ۔

= (الاعتصام، با: فی زم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۲۶، دارالمعرفة)

(۱) (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۲۲، ۵۲۳، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً، فلن يغفر الله لهم، ذلک بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لايهدی القوم الفٰسقين﴾. (سورة التوبة: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاةُ، دخل عليه النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبی أمية، فقال النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "أی عم! قل لا إله إلا الله أُحاجّ لک بها عند الله" فقال أبوجهل وعبد الله بن أبی أمية: يا أباطالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأ ستغفرنّ لک مالم أُنْهَ عنک" فنزلت: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ الاية". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: (ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين) الخ: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمی)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت: ۱/۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۴، رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۰، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير، باب الجنائز، فصل فی الصلاة على الميت: ۲/۹۴، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۴، رشيديه)

کمیونسٹ کے جنازہ کی نماز

سوال[۴۱۲۰]: عبدالحکیم نام کا ایک شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا اور مسلمان کے طریقہ پر چلتا تھا اور کمیونزم سیاسی میں داخل ہوکر اسلام کا قانون چھوڑ دیا اور گھر والوں کو بھی چھوڑ دیا اور لوگوں میں یوں کہا کرتا تھا کہ: ''اللہ کوئی ہے نہیں، انسان نے جھوٹ موٹ ایسا کہہ دیا، انسان ایسا ہی پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی مرتا ہے، پیدا کرنے والا خدا کیوں ہوگا، وہ ایک فطرتی چیز ہے اور ہر چیز ایسی ہی ہوتی ہے، بننے میں اور بگڑنے میں انسان کی محنت پر دارومدار ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زمانہ میں ایک شاعر تھے، قرآن ان کا بنایا ہوا شعر ہے، نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں، صرف علماء نے اپنے پیٹ پالنے کے لئے اسلام ایک دھرم نام رکھ دیا ہے''۔

اور اپنے کو پورا ناستک ظاہر کرتا ہے (۱) اور پولیس کی گولی میں اس کا انتقال ہوا اور پوسٹ مارٹم کے بعد ان کو گھر لے آئے اور ان کا حقیقی بھائی نجیب الملک نے کچھ لوگوں کو لیکر جنازہ پڑھایا۔ جب ان سے سوال کیا کہ کیوں جنازہ کی نماز پڑھایا تو اس نے جواب دیا کہ وہ عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے اور قربانی کیا کرتے تھے۔ اب درخواست ہے کہ آیا ایسے آدمی کے جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس شخص کے واقعی وہ حالات تھے جو سوال میں درج ہیں (۲) اور اس نے اخیر وقت تک رجوع

---

(۱) ''ناستک: منکر، بے دین، ملحد''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۲، فیروز سنز، لاہور)

(۲) اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی خالقیت کا انکار، قرآن کریم کو شعر اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر کہنا، یہ تمام عقائد ایسے ہیں جو کہ قرآن کریم کے نصوصِ قطعیہ اور صریحہ کے خلاف اور ان کا انکار ہے، جو بلا شک وشبہ کفر ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿الله لاإله إلاهو الحي القيوم، لاتأخذه سنة ولانوم﴾ الاية (البقرة: ۲۵۵)

وقال تعالىٰ: ﴿الله الذى خلق السموات والأرض ومابينهما فى ستة أيام﴾ الاية (السجدة: ۴)

وقال تعالىٰ: ﴿الرحمن علم القرآن، خلق الإنسان﴾ (الرحمن: ۱، ۳)

''والمحدث للعالم هو الله تعالىٰ: أى الذات الواجب الوجود الذى وجوده من ذاته، ولايحتاج إلى شيء أصلاً، الخ''. (شرح العقائد: ص: ۲۵)

وقال تعالىٰ: ﴿وماعلمناه الشعر وماينبغي له، إن هو إلا ذكرٌ وقرآنٌ مبينٌ﴾ (يٰسين: ۶۹)

وقال تعالىٰ: ﴿وماهو بقول شاعر قليلاً ماتؤمنون﴾ (الحاقة: ۴۱).

نہیں کیا تو اس کے جنازہ کی نماز درست نہیں تھی، اگر واقعات حالات معلوم ہونے کے باوجود نماز جنازہ اس کی پڑھی گئی تو یہ غلط اور گناہ کا کام ہوا، توبہ واستغفار لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، ۹۰/۱۰/۲۱ھ۔

میت مشتبہ ہو تو نماز جنازہ کون پڑھائے، سنی یا شیعہ؟

سوال[۴۱۲۱]: زید کی والدہ شیعہ ہے اور اب بھی اسی پر قائم ہے، نماز وغیرہ شیعوں کی طرح پڑھتی ہے اور محرم کے ایام میں ان کی مجالس میں شریک ہوتی ہے، البتہ بظاہر کسی سنی وغیرہ کو گالی نہیں دیتی ہے اور یہ وصیت کرتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد جنازہ کی نماز شیعہ وسنی دونوں مل کر پڑھیں، زید چونکہ سنی ہے اسلئے اس کے مرنے کے بعد ایک سنی عالم فاضلِ دیوبند سے نماز جنازہ پڑھوانا چاہتا ہے۔ عالم صاحب کو ایک شیعہ کی نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ دلائلِ شرعیہ سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک کفر کا حکم نہ ہو نماز جنازہ پڑھنی چاہئے: "لقوله عليه السلام: "صلوا على كل بر وفاجر" الحديث (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يرتدد منكم عن دينه، فيمت وهو كافر، فأولئك حبطت أعمالهم في الدنيا والآخرة، وأولئك أصحاب النار، هم فيها خالدون﴾ (البقرة: ۲۱۷)

یہ شخص مرتد ہے اور مرتد کافر کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے:

"أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب". (الدر المختار). "أى ولا يغسل، ولا يكفن، ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم". (ردالمحتار، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في حمل الميت: ۲/۲۳۰، سعيد)

(۲) (أخرجه حسام الدين الهندى في كنز العمال، الفصل الثالث في أحكام الإمارة و آدابها، رقم الحديث: ۱۴۸۱۵، ۶/۵۴، المكتب الإسلامى) .... =

مسلمین اور غیر مسلمین کی لاشیں مخلوط ہو جائیں، ان کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۱۲۲]: ایک فیکٹری میں ہندو مسلم سب مل کر کام کرتے ہیں، کسی وجہ سے فیکٹری میں آگ لگ گئی اور ہندو مسلم مزدور آگ سے اس طرح جل گئے کہ شناخت مشکل ہے۔ اب تجہیز وتکفین کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، جب کہ شناخت مشکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امتیازی علامات ختنہ اور زیر ناف بالوں کا صاف وغیرہ کرنا ہے، اگر یہ علامات بھی مفقود ہو جائیں اور امتیاز کی کوئی صورت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اس جگہ پر کل کتنے آدمی کام کر رہے تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی اور غیر مسلمانوں کی کتنی تعداد تھی، اگر اکثریت مسلمانوں کی تھی تو سب کو غسل دیا جائے، کفن پہنا کر نماز جنازہ یکدم اس نیت سے پڑھی جائے کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں، یا مسلمانوں کی تعداد کے اعتبار سے جن نعشوں کے متعلق ظنِ غالب ہو جائے کہ یہ مسلمانوں کی ہوں گی ان کو علیحدہ کر لیا جائے اور تجہیز وتکفین کے بعد اس قصد ونیت سے ان پر نماز پڑھی جائے کہ ان میں جو مسلمان ہوں ان کی نماز جنازہ

= "فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلي عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان هو أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق، و من بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلي عليه: ۲/۴۷، رشيديه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً .... والصلوة واجبة على كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر". (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۱/۳۵۰، امداديه ملتان)

"و يصلي على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة عليه: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة: ۵۸۰، قديمي)

پڑھتا ہوں اور انہیں کیلئے دعاء استغفار کرتا ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسلمان عورت جو ہندوؤں کے قبضہ میں ہو اس کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۲۳]: تقسیم ہند کے وقت بہت سی عورتیں ہندو یا سکھوں کے قبضہ میں چلی گئی تھیں، ان میں سے ایک مظلوم مسلمان عورت یہاں (انگلستان) ایک ہندو کے قبضہ میں ہے اور اس ہندو سے اس مسلمان عورت کے دو تین بچے بھی ہیں۔ مذکورہ عورت وقتاً فوقتاً نماز پڑھ لیتی ہے، روزے رکھ لیتی ہے، نیز دوسرے اسلامی رواج بھی ادا کرتی ہے مثلاً مولود، گیارہویں، شبِ برأت وغیرہ، نیز تلاوتِ قرآن بھی کرتی ہے تو اگر اس عورت کا انتقال ہو جائے تو یہاں کے مسلمانوں پر اس کا کفن دفن کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا واجب ہے یا نہیں؟

---

(۱) "اختلط موتانا بكفار و لا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا، غسلوا، واختلف في الصلاة عليهم و محل دفنهم الخ". (الدرالمختار).

"(قوله : اعتبر الأكثر) .... قال في الحلية : فإن كان بالمسلمين علامة، فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، و إلا فلو المسلمون أكثر، صلى عليهم، و ينوي بالدعاء المسلمين و لو الكفار أكثر .... فعلى هذا ينبغي أن يصلي عليهم في الحالة الثانية أيضاً: أي حالة ما إذا كان الكفار أكثر؛ لأنه حيث قصد المسلمين فقط، لم يكن مصلياً على الكفار، وإلا لم تجز الصلاة عليهم في الحالة الأولى أيضاً مع أن الاتفاق على الجواز، فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث، كما قالت به الأئمة الثلاث، وهو أوجه قضاء حق المسلمين بلا ارتكاب منهيّ عنه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ٢/٢٠٠، ٢٠١، سعيد)

"موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار، إن كان للمسلمين علامة يعرفون بها، يميز بينهم، وعلامة المسلين الختان والخضاب و لبس السواد، فيصلى عليهم. وإن لم تكن علامة، إن كانت الغلبة للمسلمين، يصلى على الكل وينوي بالصلاة الدعاء للمسلمين و يدفنون في مقابر المسلمين". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في الغسل : ١/١٥٨، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: و أما شرائط وجوب الغسل : ٢/٣٢، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہے کہ اس عورت نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا، بلکہ وہ مظلوم دوسرے کے قبضہ میں آ گئی تھی، ممکن ہے کہ اب اس کو خلاصی ممکن ہو مگر وہ اس مرد سے مانوس ہوگئی ہو، اس کو وہاں سے علیحدہ ہونے کی کوشش لازم ہے۔ تاہم جب تک تبدیلِ مذہب کی تصدیق نہ ہوجائے (۱) اس کے مرنے پر اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو مسلم عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے (۲)۔ جن لوگوں کو اس وقت اس کی اعانت پر قدرت ہے ان کو ضروری ہے کہ وہ اس کو الگ کرانے کی کوشش کریں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۶/۱۸ھ۔

---

(۱) " لا يُخرج الرجلَ من الإيمان إلا جحودُ ما أدخله فيه، ثم ما تيقن أنه ردة يُحكم بها به، و ما يشك أنه ردة لا يحكم بها؛ إذ الإسلام الثابت لا يزول بشک مع أن الإسلام يعلو". (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين ۵/۲۱۰، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن والثلاثون في مسائل كلمات الكفر : ۲/۲۹۶، اسلامی كتب خانه كراچی)

(۲) "(وهي فرض على كل مسلم مات خلا) أربعة: (بغاة و قطاع الطريق)، فلا يغسلوا، ولا يصلوا عليهم (إذا قتلوا في الحرب). فكل مسلم مات بعد الولادة، يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكرا كان هو أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة و قطاع الطريق، ومن بمثل حالهم الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلي عليه : ۲/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس: الصلاة على الميت: ۱/۱۶۳، رشيديه)

(۳) "وعن أبي بكر صديق رضي الله تعالىٰ عنه قال .... فإني سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الناس إذا رأوا منكراً، فلم يغيروه، يوشک أن يعمهم الله بعقابه" .... وفي رواية أبي داؤد "اذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه، أوشک أن يعمهم الله بعقاب".

وفي رواية أبي داؤد: "إذا رأوا": أي الناس "الظالم" : أي: الفاسق "فلم يأخذوا على يديه": أي لم يمنعوه عن ظلمه "أو شک أن يعمهم الله بعقاب" : أي: بنوع من العذاب". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني : ۸/۸۶۷، ۸۶۹، رشيديه)

میت کے تین ٹکڑے ہونے پر اس کی نماز جنازہ اور اس کی تدفین

سوال[۴۱۲۴]: زید پہلے سے شرابی تھا، ایک دن کسی نے خوب شراب پلاکر زہر دے کر اسے ختم کر دیا، اس کے بعد اس کے تین ٹکڑے کئے: ایک گردن تک، دوسرا کمر تک، تیسرا پاؤں والا حصہ۔ اس کے بعد اس کے تین بنڈل اس طرح بنائے کہ اس میں پانی کا اثر نہ ہو سکے(۱) اور اگر اس کو کنویں میں ڈال کر آئندہ نکل نہ سکے، اس کا پورا انتظام کر دیا۔

خدا کی قدرت کہ سی آئی ڈی کی تحقیق سے پورے تین ماہ بعد اس لاش کو اس میں سے مذکورہ صورت پر نکالی گئی، اس کی مزید تحقیقات کے لئے دوماہ تک سرکار کے پاس رہی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کو کفن دفن کی کیا صورت ہوگی؟

۱.....نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

۲.....دفن کہاں کیا جائے مسلمان کے قبرستان میں یا باہر اور کس طرح؟

۳.....اگر چند ماہ پہلے سے قبر کھود کر رکھی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

۴.....اس میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۵.....شہید کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات کا بیان ہے کہ نعش بدبودار اور پھول گئی ہے مگر ابھی تک پھٹ کر سب گوشت گرا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳.....اس کی نعش کے جب تین حصے کر دئے گئے اور جسم کی ہیئت ترکیبیہ باقی نہیں رہی اور اجزاء منحل ہو گئے تو اس پر نہ نماز جنازہ ہے، نہ اس کے لئے کفن مسنون ہے، نہ غسل میت ہے، بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسلم قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ جس میت کو بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا جائے اس کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں: جب تک میت کے تفسخ کا ظن نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے اس کے بعد نہیں:

"وإن دفن بلا صلوة، صلى على قبره وإن لم يغسل ما لم يتفسخ، والمعتبر فيه أكبر الرأي على الصحيح". مراقي الفلاح۔ "(قوله: ما لم يتفسخ): أي تتفرق أعضاؤه، فإن تفسخ،

(۱) "بنڈل: پلندا، گٹھڑی، گٹھر"۔ (فیروز اللغات، ص:۲۱۹، فیروز سنز، لاہور)

لا یصلی علیه مطلقا؛ لأنها شرعت علی البدن و لا وجود له مع التفسخ"(۱)۔ "وإذا وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس، غسل وصلی علیه، وإلا لا". مراقی الفلاح، ص: ٣٤(٢)۔

۴......اگر موقوفہ قبرستان میں کسی نے اپنے لئے پہلے سے قبر کھودرکھی ہواوراس کے علاوہ بھی قبر کے لئے جگہ موجود ہوتو اس قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا مکروہ ہے اور کھودنے کی اجرت کا ضمان ترکۂ میت

(۱)(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۱۲، قدیمی)

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اجزائے میت یقینی طور پر منحل ہو چکے ہوں، اگر اجزائے میت منحل نہ ہوں بلکہ صحیح ہوں تو اس صورت میں اس کی تجہیز وتکفین ہوگی اور نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی:" والسقط یلف ولا یکفن کالعضو من المیت (و) آدمی منبوش طری لم ینفسخ (یکفن کالذی لم یدفن) مرةً بعد اخری (و إن تفسخ، کفن فی ثوب واحد". (الدر المختار). "(قوله: کالعضو من المیت): ای لو وجد طرف من أطراف إنسان أو نصفه مشقوقاً أو عرضاً، یلف فی خرقة إلا إذا کان معه الرأس، فیکفن کما فی البدائع .... (قوله: منبوش طری): أی بأن وجد منبوشاً بلا کفن (قوله: لم ینفسخ) قید به؛ لأنه لوتفسخ یکفن فی ثوب واحد .... (قوله: کالذی لم یدفن): أی یکفن فی ثلاث اثواب". (ردالمحتار، کتاب الصلوة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۰۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز: ۲/۱۳۶، قدیمی)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۷۵، قدیمی)

"وقیّد بعدم التفسخ؛ لأنه لا یُصلّی علیه بعد التفسخ؛ لأن الصلاة شُرعت علی بدن المیت، فإذا تفسخ، لم یبق بدنه قائماً". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۲۰، رشیدیه)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الرابع الصلاةعلیه، ص: ۵۹۰، سهیل اکیڈمی لاهور)

"(وُجد رأس آدمی) أو أحد شقیه (لا یغسل و لا یصلی علیه) بل یدفن، إلا أن یُوجد أکثر من نصفه و لو بلا رأس". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۹، سعید)

میں لازم ہوگا:

"وإن دفن في قبر حق لغيره من الأحياء بأرض، ليست مملوكة لأحدٍ، ضمن قيمة الحفر من تركته، وإلا فمن بيت المال أو المسلمين كما قدمناه، فإن كانت المقبرة واسعةً، يكره ذلك". مراقي الفلاح: ۳۷۳(۱)۔

۵......اگر کسی شخص کا واجب القتل یا مباح القتل ہونا معلوم نہیں تو یہ بھی شہید ہے، انواع شہید بیان کرتے ہوئے قدر مشترک کے طور پر، طحطاوی علی المراقی الفلاح، ص: ۳۷۹، میں ہے:"لأن القتل لم يخلف في هذه المواضع بدلاً هو مال "(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۱۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نصف جلی ہوئی لاش پر نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۲۵]: ایک گاؤں میں آگ لگی، ایک لڑکی جل گئی اور ایسی جلی کہ ہاتھ، سر اور پیروں تک

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها: ۶۱۵، قديمي)

"رجل حفر قبراً فأرادوا دفن ميت آخر فيه، إن كانت المقبرة واسعةً يكره، وإن كانت ضيقةً، جاز و لكن يضمن ما أنفق صاحبه فيه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الوقف والنقل: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۸، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، باب أحكام الشهيد، ص: ۶۲۵، قديمي)

"و لو نزل عليه اللصوص ليلاً في المصر، فقتل بسلاح أوغيره أو قتله قطاعُ الطريق خارج المصر بسلاح أو غيره، فهو شهيد؛ لأن القتيل لم يخلف في هذه المواضع بدلاً هو مال". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب الشهيد: ۲/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۵۰، سعيد)

کا پتہ نہیں چلا، اس کی نماز پڑھی جانی چاہیے یا نہیں؟ نیز غسل وکفن بھی دیا جانا چاہیے تھا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کو غسل نہ دیا جائے گا، نہ کفن پہنایا جائے گا، نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا:"وإن وجد نصفه من غير الرأس أو وجد نصفه مشقوقاً طولاً، فإنه لا يغسل ولا يصلي عليه، و يلف في خرقة و يدفن فيها". عالمگیری(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بھیڑیا، بچہ کو اٹھالایا، اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال[۴۱۲۶]: ایک بچہ جس کو بھیڑیا کہیں سے اٹھالایا، اس کا نچلا حصہ بھیڑیا کھا گیا، دوسری جگہ آدھا حصہ ملا، اسکی شناخت کیسے کریں، نماز کس طرح سے ادا کی جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی شناخت کی کوئی ضرورت نہیں، اس پر نماز جنازہ بھی نہیں، ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في غسل الميت: ۱/۱۵۹، رشيديه)

"(وُجد رأس آدمي) أو أحد شقيه (لا يغسل و لا يصلى عليه) بل يدفن، إلا أن يوجد أكثر من نصفه و لو بلا رأس". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱۹۹/۲، سعيد)

"و لو وجد الأكثر من الميت أو النصف مع الرأس، غسل و صلى عليه، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۳۰۵/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۱۷۸/۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "(وُجد رأس آدمي) أو أحد شقيه (لا يغسل و لا يصلى عليه) بل يدفن، إلا أن يوجد أكثر من نصفه =

غائبانہ نماز جنازہ

سوال[۴۱۲۷]: ۱...... غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس وجہ سے؟ مکمل تحریر فرمادیں۔

۲...... کیا ائمۂ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس کے نزدیک اور کیونکر؟

۳...... ایک واقعہ حدیث کا یاد پڑتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی وہ کون تھے اور اس کی کیا وجہ تھی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے: "شرائط صحتها شرائط الصلوة المطلقة، وإسلام الميت وطهارته و وضعه أمام المصلي، و بهذا القيد علم أنها لا تجوز على غائب". كبيرى، ص: ۵۳۹(۱)۔

۲...... امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی پر صلوۃ غائبانہ پڑھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز ہے، وہ

= و لو بلا رأس". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة : ۱۹۹/۲، سعيد)

"و لو وُجد الأكثر من الميت أو النصف مع الرأس، غسل وصلى عليه، وإلا فلا". (البحر الرائق، كتاب الجنائز : ۳۰۵/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات : ۱۷۸/۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الرابع في الصلاة عليه :۵۸۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"(ووضعه) و كونه هو أو أكثره (أمام المصلي) و كونه للقبلة، فلا تصح على غائب". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۰۸/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۱۴/۲، رشيديه)

فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نجاشی کا جنازہ کردیا گیا تھا اور درمیانی حجابات اٹھادیئے گئے تھے، پس وہ جنازہ حاضر تھا غائب نہ تھا:

"ومن ذلك قول الشافعي و أحمد رحمهما الله تعالىٰ بصحة الصلوة على الغائب مع قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ و مالك رحمه الله تعالىٰ بعدم صحتها الخ". ميزان شعراني: ۱/۴۰۸ (۱) وبسط الدلائل في الأوجز شرح الموطا: ۳/۴۴۵(۲)۔

۳...... نمبر:۲ پر جواب آچکا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

میت غائب کی نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۲۸]: میت غائب کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے، کیا یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

---

(۱) (الميزان الكبرىٰ للشعراني، كتاب الجنائز: ۱/۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "وقال أبو حنيفة و مالك رحمهما الله تعالىٰ: هذا خاص به، وليس ذلك لغيره. قال أصحابهما: و من الجائز أن يكون رفع له سريره، فصلى عليه، وهو يرى صلاته على الحاضر المشاهد وإن كان على مسافة من البُعد، والصحابة وإن لم يروه، فهم تابعون للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. قالوا: و يدل على هذا أنه لم ينقل أنه كان يصلي على كل الغائبين غيره .... و يؤيده ما ذكره الواحدي بلا إسناد عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كشف للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه و صلى عليه. ولابن حبان عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه: فصلينا خلفه و نحن لا نرى إلا أن الجنازة قُدامنا. وأجيب أيضاً بأن ذلك خاص بالنجاشي لإشاعة أنه مات أو استئلاف قلوب الملوك الذين أسلموا في حياته إذ لم يأت في حديث أنه صلى على ميت غائب". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنازة: ۴/۲۱۰، ۲۱۹، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

"ولم يكن من هديه و سنته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة على كل ميت غائب، فقد مات خلقٌ كثيرٌ من المسلمين و هم غُيّب، فلم يصل عليهم، الخ". (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۱۰۲، دار الفكر بيروت)

(وكذا في عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينبغي إلى أهل الميت بنفسه، ذكر ما يستفاد منه، فرع: ۸/۲۲. مطبعه منيريه، بيروت)

صحابہ کرام سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جنازہ کے لئے میت کا حاضر ہونا ضروری ہے، غائب پر درست نہیں (۱) اِلّا یہ کہ بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا گیا ہو تو قبر پر خاص مدت تک کے اندر نماز جنازہ پڑھی جائے (۲)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کے جنازہ پر غائبانہ نماز پڑھی ہے (۳)، یہ روایت معتبر ہے، شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا تھا وہ غائب نہیں تھا، نماز پڑھنے والے صحابہ کرام آپ -علیہ السلام- کے

---

(۱) (راجع، ص: ٦٧٠، رقم الحاشیة: ۲، ۱)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن أسود رجلاً أو امرأةً کان یکون فی المسجد یقم المسجد، فمات و لم یعلم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بموته، فذکره ذات یوم فقال: "ما فعل ذلک الإنسان"؟ قالوا: مات یا رسول الله! قال: "أفلا آذنتمونی"؟ فقالوا: إنه کا ن کذا و کذا قصته قال: فحقّروا شانه قال: "فدلّونی علی قبره" قال: فأتیٰ قبره فصلی علیه". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر بعد ما یدفن: ۱/۱۷۸، قدیمی)

"(وإن دفن) وأهیل التراب (بغیر صلاة) أو بها بلا غسل أو ممن لا ولایة له (صلی علی قبره) استحساناً (مالم یغلب علی الظن تفسخه) من غیر تقدیر، هو الأصح". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۵، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت: ۱/۱٦۵، رشیدیه)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه، و خرج فصلّی، فصفّ بهم و کبّر أربعاً" (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الرجل ینعی إلی أهل المیت بنفسه: ۱/۱٦٦، قدیمی)

تابع تھے(۱) علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"اگر میت کو کسی شہر میں بلا نماز جنازہ دفن کردیا گیا ہو جیسا کہ نجاشی کا حال تھا تو دوسرے شہر کے لوگ غائبانہ نماز جنازہ پڑھیں، اگر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہو تو نہ پڑھیں، کیونکہ فرض پہلی نماز کے ذریعہ ادا ہوگیا(۲)۔

اور بھی بعض نام بعض روایات میں آئے ہیں جن پر غائبانہ نماز جنازہ کا تذکرہ ہے، لیکن محدثین نے ان پر جرح بھی کی ہے اور جنازہ سامنے کرنے کی ان میں تصریح موجود ہے(۳)، تاہم اتنا مسلّم ہے کہ یہ آپ

---

(۱) "والرابع حضوره أو حضور أكثر بدنه أو نصفه مع رأسه، والصلوة على النجاشي كانت بمشهده كرامة له، ومعجزة للنبي صلى الله عليه وسلم". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه، ص: ۵۸۲، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۰۸، ۲۰۹، سعيد)

(۲)" وقال شيخ الإسلام ابن تيمية: الصواب أن الغائب إن مات ببلدٍ لم يصل عليه فيه، صلى عليه صلاة الغائب كما صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على النجاشي؛ لأنه مات بين الكفار و لم يصل عليه. وإن صلى عليه حيث مات، لم يصل عليه صلاة الغائب؛ لأن الفرض قد سقط بصلاة المسلمين عليه". (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۲۰۱،دار الفكر، بيروت)

(۳) "و قد روى أنه صلى على معاوية وهو غائب، ولكن لا يصح، فإن في إسناده العلاء بن زياد، ويقال: زيد ؟ قال علي بن المديني: كان يضع الحديث. رواه محمود بن هلال عن عطاء ابن ميمون عن أنس، قال البخاري: لا يتابع عليه .... وأما حديث صلاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على معاوية بن معاوية الليثي، فجاء من طُرق لا تخلو عن مقالٍ، و على تسليم صلاحيته للحجية بالنظر إلى مجموع طرقه دفع بما ورد أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رفعت له الحجب حتى شاهد جنازته". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنائز : ۴/۲۱۸، ۲۱۹، إدارہ تاليفات أشرفيه)

"وعن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: أتى رسولَ الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جبريلُ وهو بتبوك فقال: يا محمد! اشهد جنازة معاوية بن معاوية المزني، فخرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونزل جبريل في سبعين ألفاً من الملائكة، فوضع جناحه الأيمن على الجنال فتواضعت، ووضع =

کی عادت نہیں تھی، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور دراز مقامات پر وفات پائی جیسے بیرِ معونہ کا واقعہ پیش آیا اور آپ کو بذریعہ وحی خبر بھی دی گئی، آپ کو صدمہ بھی ہوا لیکن آپ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی (۱)۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا کسی میت غائب کی نماز جنازہ پڑھنا کہیں نہیں دیکھا، اگر یہ عمل سنتِ متوارثہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ضرور اس پر عمل کرتے اور بطریقِ توارث منقول ہوتا (۲)۔ علامہ چلپیؒ نے روایات سے بحث کے بعد لکھا ہے:

"ثم دليل الخصوصية أنه عليه السلام لم يصل على غائب سوىٰ هؤلاء، ومن عد النجاشي صرح فيه بأنه وقع له، وكان مرأى منه، ثم إنه قد توفي خلقٌ كثيرٌ منهم غيباً في

= جناحه الأيسر على الأرضين فتواضعن، حتى نظر إلى مكة والمدينة، فصلى عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و جبريل والملائكة". الحديث. (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الغائب: ۳۸/۳، دارالفكر، بيروت)

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه أن رعلاً و ذكوان و عصية و بني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عدوٍ، فأمدهم بسبعين من الأنصار –كنا نسميهم القراء في زمانهم كانوا يحتطبون بالنهار و يصلون بالليل– حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم، وغدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقنت شهراً يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب على رعل و ذكوان الخ". (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل و ذكوان: ۵۸٦/۲، قديمي)

(۲) "وقد مات من الصحابة خلقٌ كثيرٌ و هم غائبون عنه، و سمع بهم، فلم يصل عليهم، إلا غائباً واحداً، ورد أنه طويت له الأرض حتى حضره". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، ذكر ما يستفاد منه، فرع: ۲۲/۸، مطبعه منيريه. بيروت)

" ولم يكن من هديه و سنته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصلاة على كل ميت غائب فقد مات خلق كثير من المسلمين و هم غُيّب، فلم يصل عليهم". (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم، فصل في هديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الصلاة على الغائب، ص: ۱۰۲، دارالفكر، بيروت)

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: (اوجز المسالک، کتاب الجنائز، التکبیر علی الجنائز: ۲۱۸/۴، ۲۱۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

الغزوات و غيرها، ومن أعزّ الناس إليه كان الفراء ولم يؤثر قط عنه عليه الصلوة والسلام أنه صلى عليه وكان على الصلوة على من توفى من أصحابه شديد الحرص حتى قال: "لايموتن أحد منكم إلا آذنتموني به، فإن صلاتي رحمة له، اهـ". كبيرى، ص: ٥٤١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر پر صلوۃِ جنازہ

سوال[۴۱۲۹]: اگر کوئی میت بغیر نماز جنازہ کے دفن کردی جائے تو اس کی قبر پر کتنے دن تک نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ فقط۔

حشمت علی بلوچ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب تک یہ ظنِ غالب ہو کہ میت کا جسم پھٹا نہیں: "وإن دفن بغير صلوة، صلى على قبره مالم يغلب على الظن تفسخه". الدرالمختار: ١/٥٩٣ (٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في صلوة الجنائز، الرابع في الصلوة عليه، ص: ۵۸۴، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(٢) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن امرأة سوداء أو رجلاً كان يقم المسجد، ففقده النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فسأل عنه فقيل: مات فقال: "ألا آذنتموني به"؟ قال: "دلوني على قبره" فدلوه فصلى عليه". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۲/۱۰۱، امداديه)

"فإن دفن بلا صلاة، صلى على قبره ما لم يتفسخ؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

8

چارپائی پر میت کی نماز جنازہ

سوال[۴۱۳۰]: کیا میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ درست ہے(۱) مگر چارپائی پاک ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "وعن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: نعى لنا نبينا و حبيبنا نفسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... قلت: فمن يغسلك؟ قال: رجالٌ من أهل بيتي الأولى فالأولى" قلنا: ففيما نُكفّنك؟ قال: "في ثيابي هذه أوفي بياض مصر أو حلة يمانية" قلنا: فمن يصلي عليك ؟ قال:"فبكى و بكينا، فقال: "مهلاً! غفر الله لكم و جزاكم عن نبيكم خيراً، إذا غسلتموني و كفنتموني، فضعوني على سرير في بيتي هذا، على شفير قبري هذا، ثم اخرجوا عني ساعةً، فأول من يصلي عليَّ خليلي و جليسي جبريل ثم ميكائيل ثم إسرافيل ثم ملك الموت". الحديث. (مختصر اتحاف السادة المهرة بزوائد المسانيد العشرة تاليف أبي العباس أحمد بن أبي بكر الشهير بالبوصيري، باب في مرضه و وصيته و وفاته و غسله و تكفينه و الصلاة عليه الخ : ۱۲۵/۹، مكتبة عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

"قال: حدثنا الواقدي : .... عن أبيه عن جده : لما أدرج رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في أكفانه، وضع على سريره، ثم وضع على شفير حجرته، ثم كان الناس يدخلون عليه رفقاً رفقاً، لا يؤمهم أحدٌ". (دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي، باب ما جاء في الصلاة على رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم : ۲۵۰/۷، ۲۵۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

"إن كان الميت على الجنازة، لاشك أنه يجوز". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجنازة: ۲۰۸/۲، سعيد)

(۲) "في القنية : الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن و مكان و ستر العورة شرط في حق الميت والإمام جميعاً". (الدرالمختار، باب الجنائز ۲۰۸/۲، سعيد)

"الطهارة من النجاسة في الثوب والبدن والمكان، وستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۱۵/۲، رشيديه) =

عورت کے جنازہ پر امام کا رومال ڈالنا

سوال[۴۱۳۱]: کوئی حنفی امام یا عالم عورت کے جنازہ پر اپنا رومال اپنی نظر کی جگہ ڈالتا ہے تاکہ وہ ریشمی اور خوبصورت کپڑا جو میت کے اوپر ہے، حضور قلب میں مخل نہو، کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی کوئی ضرورت نہیں، بلا رومال ڈالے بھی نماز درست ہے اور رومال ڈالنے میں بھی مضائقہ نہیں دونوں طرح درست ہے کسی ایک کو ضروری سمجھنا یا اصرار کرنا خلاف اصل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم۔

نماز جنازہ سے متعلق چند مسائل

سوال[۴۱۳۲]: ۱...... بچہ مردہ پیدا ہونے کی حالت میں نماز جنازہ ہونا چاہیے یا نہیں؟

۲...... بچہ زندہ پیدا ہو کر کچھ دیر بعد فوت ہونے کی صورت میں نماز جنازہ ہونی چاہیے یا نہیں؟

۳...... دو لڑکیاں ایک ساتھ پیدا ہو کر فوت ہو گئیں تو کیا نماز جنازہ علیحدہ ہوگی یا ایک ہی کافی ہے؟

۴...... ایک ساتھ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہو کر فوت ہو گئے تو نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائیگی یا

= (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه: ۵۸۲، قديمي)

(۱) قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: "وفيه من أصرّ على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، تحت حديث عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث: ۹۶۴): ۳/۳۱، رشيديه)

"ان الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة، ذكر البدعات: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

ایک ہی مرتبہ پڑھنا کافی ہے، تو دعا لڑکے یا لڑکی کی پڑھی جائے گی؟

۵......اگر میتیں مرد اور عورت کی بیک وقت موجود ہوں تو نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائے گی یا ایک ہی کافی ہونے کی حالت میں دعا نابالغ، بالغ، کونسی پڑھنی چاہئے، نابالغ کی یا بالغ کی؟

۶......اگر میتیں بالغ بیک وقت چند موجود ہوں تو نماز جنازہ ایک ہی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......جو بچہ مردہ پیدا ہوا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی (۱)۔

۲......اگر پیدا ہونے کے کچھ دیر بعد مر جائے تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۲)۔

۳......الگ الگ ہو تو اعلیٰ بات ہے، ایک ساتھ بھی درست ہے (۳)۔

---

(۱) "عن جابر رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "الطفل لا يصلی عليه، ولا يرث و لا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في ترک الصلوة على الطفل: ۱/۲۰۰، سعيد)

(۲) "و من استهل صلي عليه، وإلا لا .... وأفاد بقوله: (إلا لا) أنه إذا لم يستهل لا يصلی عليه، ويلزم منه أن لا يغسل و لا يرث و لا يورث و لا يسمی، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۳۰، رشيديه)

" ومن وُلد فمات، يغسل ويصلي عليه إن استهل، وإلا غسل وسمي وأدرج في خرقة و دفن، ولم يصل عليه". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۲۲۷، ۲۲۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۱/۵۸۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳)"عن أبي مالک رضي الله تعالیٰ عنه أمر رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجئ بتسعة، فصلی عليهم رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فرفعوا و ترک حمزة، ثم جيء بتسعة فوضعوا، و صلی عليهم سبع صلوات، حتى صلی على سبعين و فيهم حمزة رضي الله تعالیٰ عنه في كل صلاة صلاها". (مراسيل أبي داؤد، في الصلوة على الشهداء : ۱۸، سعيد)

"وإذا اجتمعت الجنائز، فإفراد الصلاة أولی". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲/۳۲۸، رشيديه) .... =

۴......: اعلیٰ بات یہ ہے کہ الگ الگ پڑھی جائے ایک ساتھ بھی درست ہے(۱)، دعاء دونوں پڑھی جائیں(۲)۔

۵......: جب دونوں بالغ ہوں تو دعاء بالغ کی پڑھی جائے (۳)

۶......: جب دونوں بالغ ہوں تو دعاء بالغ کی پڑھی جائے، نماز جنازہ ایک ساتھ ہو تو بھی درست ہے، الگ الگ بہتر ہے، لڑکے کی دعاء پڑھیں اگر ایک ساتھ پڑھیں تو بالغ کی دعاء پڑھیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں نمازِ جنازہ (مفصل)

سوال[۴۱۳۳]: حضرت اقدس مفتی اعظم صاحب دامت برکاتہم!

احناف کی حدیث: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا أجر له" کے بارے میں محدثین

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۶۷۴، الحاشية: ۳)

(۲) "و لا يستغفر لصبي و مجنون .... بل يقول بعد دعاء البالغين: أللهم اجعله لنا فرطاً الخ".

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۳، ۴) "ويدعو للميت و جميع المسلمين، وليس فيها دعاء مؤقت، و عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان يقول: "أللهم! اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا، وغائبنا و صغيرنا و كبيرنا و ذكرنا وأنثانا، أللهم! من أحييته فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۴، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۲، سعيد)

کرام کا اعتراض ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی "صالح مولی توأمة" اس روایت میں منفرد ہے وہ ضعیف ہے (۱) اور اس کے مقابل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث: " واللہ! قد صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی ابن بیضاء فی المسجد" (۲) صحیح ہے، مسلم کی روایت ہے۔ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے ضعیف پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کا اعتراض ہو تو اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قسمیہ جملہ کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاموش رہے اور نماز پڑھی گئی جس سے اجماع سکوتی کا پتہ چلتا ہے، گویا اجماعاً مسجد میں پڑھنا بھی ثابت ہوا۔

دوسرا جواب یہ کہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کی جماعت مسجد میں ہوئی (۳) جس سے "فلا أجر لہ" کے منسوخ ہونے کی کھلی دلیل ملتی ہے، خصوصاً جب کہ "فلا أجر له" کے بارے میں محدثین کا بیان ہے (امام احمد، امام نووی، عسقلانی وغیرہ) کہ

---

(۱) (أخرجه العلامة الزيلعي رحمه الله تعالیٰ فی نصب الراية، باب الجنائز، آحاديث وضع الموتی للصلاة، (رقم الحديث : ۳۰۷۴): ۲/۲۷۵، المكتبة المكية جده)

"وفي إسناده صالح مولی التوأمة، و قد تكلم فيه غير واحد من الأئمة، قال النووی رحمه الله تعالیٰ: وأجابوا عنه يعنی الجمهور بأجوبة: أحدهاانه ضعيفٌ لا يصح الاحتجاج به، قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ: هذا حديث ضعيف تفرد به صالح مولی التوأمة وهو ضعيف". (نيل الأوطار للشوكانی، كتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد : ۴/۱۱۲، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(۲) (أخرجه مسلم فی صحيحه فی كتاب الجنائز، فصل فی جواز الصلاة علی الميت فی المسجد: ۱/۳۱۳، قديمی)

(۳) "قال مالک: عن نافع عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما أنه قال: صُلی علی عمر بن الخطاب فی المسجد". (مؤطا الإمام مالک، كتاب الجنائز، الصلوة علی الجنائز فی المسجد، ص: ۲۱۱، مير محمد كتب خانه كراچی)

حدیث ضعیف ہے، خود متنِ حدیث میں اضطراب ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "فلا أجر له" خطائے فاحش ہے(۱)۔ بینوا و توجروا۔

المستفتی مولوی حسین احمد قاسمی بناری، ناندیڑ ضلع اورنگ آباد، مہاراشٹر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کی نماز بغیر کسی عذر کے مسجد میں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له"۔ سنن أبي داؤد شريف: ۹۸/۲(۲)، سنن ابن ماجه، ص: ۱۱۰(۳)۔

نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: ۱۵۳/۳ (۴) پر اپنی مصنف میں، امام احمد نے اپنی مسند میں: ۴۴۴/۲(۵)، ۴۵۵/۲(۶) بیہقی نے: ۵۱/۴(۷) اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار: ۲۸۴/۱ (۸) پر

(۱) "قال ابن عبد البر: رواية: "فلا أجر له" خطأ فاحش، الصحيح: "فلا شيء له". (نصب الرايه، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى للصلاة، (رقم الحديث: ۳۰۷۴): ۲۷۵/۲، مكتبه المكية جده)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ۹۸/۲، امداديه ملتان)

(۳) (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ۱۰۹، قديمي)

(۴) (رواه ابن أبي شيبة في مصنفه في كتاب الجنائز، باب من كره الصلاة على الجنازة في المسجد، (رقم الباب: ۱۶۷، رقم الحديث: ۱۱۹۷۱): ۴۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۹۴۳۷): ۱۹۱/۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۶) (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۹۵۵۵): ۲۱۰/۳، (رقم الحديث: ۱۰۱۸۳): ۳۰۱/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۷) (رواه البيهقي في السنن الكبرى في كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ۵۲/۴، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۸) (شرح معاني الآثار، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة، هل ينبغي أن تكون في المساجد أو لا: ۳۳۱/۱/۱، سعيد)

روایت کیا ہے، بحوالہ بغیة الألمعی فی تخریج الزیلعی: ۲/۲۷۵(۱)۔

نیز بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ: ”حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کی خبر سنائی، پھر صحابہ کو لے کر مسجدِ نبوی سے باہر تشریف لائے اور اس کے قریب نماز جنازہ کے لئے جو مخصوص جگہ تھی، وہاں پر صف بستہ نماز پڑھائی:

”عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: نعیٰ لنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم النجاشی صاحب الحبشة اليوم الذی مات فيه، فقال: "استغفروا لأخيكم". و فی رواية: "نعی النجاشی فی اليوم الذی مات فيه، و خرج إلی المصلی، فصف بهم و كبّر أربعاً". صحيح بخاری: ۱/۱۶۷ (۲) و صحيح مسلم : ۱/۳۰۹(۳)۔

اور یہ اس واقعہ کی تخصیص نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل اس معاملہ میں یہی تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے: ”ما كانت الجنائز يدخل بها فی المسجد: ۱/۳۱۳(٤) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب ”زاد المعاد فی هدی خير العباد“ میں تحریر فرماتے ہیں:” و لم يكن من هديه الراتب الصلوة عليه فی المسجد، وإنما كان يصلی على الجنازة

---

(۱)(بغية الألمعی فی تخريج الزيلعی علی هامش نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتی الخ : ۲/۲۷۵، المكتبة المكية جده)

(۲) (صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعی إلی أهل الميت بنفسه : ۱/۱۶۶، ۱۶۷، وباب الصلوة علی الجنائز بالمصلی والمسجد : ۱/۱۷۷، قديمی)

(۳) (رواه مسلم فی صحيحه فی كتاب الجنائز، باب فصل فی النعی الناس الميت : ۱/۳۰۹، قديمی)

(۴) (رواه مسلم فی صحيحه فی كتاب الجنائز، فصل فی جواز الصلاة علی الميت فی المسجد: ۱/۳۱۳، قديمی)

خارج المسجد: ۱/۱۴۳"(۱) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی دستور مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے باہر ہی جنازہ پڑھتے تھے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں: "إنهم لم يكونوا يصلون على الجنائز داخل المسجد الشريف" مرقاة: ۳/۳۴۲(۲) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد نبوی میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں: "إنهم كانوا لا يصلون على ميت في المسجد"۔ المدخل: ۲/۸۱ (۳) یعنی وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں کسی میت پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ مسجد سے باہر اس کے لئے مستقل اور علیحدہ جگہ بنائی گئی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے: "ان اليهود جاؤا إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم برجل منهم وامرأة زنيا، فأمر بهما فرجما قريباً من موضع الجنائز عند المسجد". ۱/۱۷۷ (۴)۔ یعنی یہود حضور اکرم صلی اللہ

---

(۱) (زاد المعاد في هدى خير العباد لابن القيم الجوزية، فصل في تجهيز الميت والصلاة عليه، ص: ۱۹۴، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۵، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) "ما وجدت هذه العبارة بعينها في المرقاة ولكن فيه: "وأما قول ابن حجر: فيه أو ضح حجة لقول الشافعي الأفضل إدخال الميت المسجد للصلوة عليه، فمردود؛ لأنه لو كان أفضل، لكان أكثر صلاته عليه الصلوة والسلام على الميت في المسجد، ولما امتنع جل الصحابة عنه وإنما الحديث يفيد الجواز في الجملة، وما أظن أن الشافعي يقول بأنه أفضل مع خلاف الإمام الأكمل، وقد نارع جماعة من المتأخرين الشافعي في الاستحباب بأنه كان للجنائز موضع معروف خارج المسجد، والغالب منه عليه الصلوة والسلام الصلوة عليها ثمة". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الأول تحت الحديث رقمه: ۱۶۵۶: ۴/۱۴۴، رشيديه)

(۳) (المدخل لابن الحاج، فصل في الصلوة على الميت في المسجد: ۲/۲۸۲، دار الفكر، بيروت)

(۴) (رواه البخاري في صحيحه في كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ۱/۱۷۷، قديمي)

تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے مرد اور عورت کو جنہوں نے زنا کیا تھا لیکر آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا تو ان کو مسجد سے قریب جنازہ پڑھنے کی جگہ میں سنگسار کیا گیا۔

چنانچہ ابن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس روایت کی شرح کرتے ہوئے محدثِ کبیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ رجم یہ بتاتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے ایک جگہ مقرر تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا کسی عارضی وجہ سے تھا:

"و دل حديث ابن عمر المذكور على أنه كان للجنائز مكانٌ معدّ للصلوة عليها، فقد يستفاد منه أن ما وقع من الصلوة على بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض". فتح الباري: ۳/ ۱٦٠ (۱)۔

اور اسی جگہ فرماتے ہیں: "عن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان لاصقاً بمسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من ناحية جهة المشرق". فتح الباري ۳/ ۱٦٠ (۲) یعنی مدینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متصل جانبِ شرق میں تھی۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پانچ نمازوں کے لئے بنائی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ بلا عذر پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اگر مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہیت کے جائز ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے لئے ایک اَور مستقل جگہ نہ بنواتے بلکہ مسجد ہی اس کے لئے کافی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے اس کے لئے ایک اَور مستقل جگہ بنوائی اور مسجد نبوی کی تعمیر ختم ہوتے ہی جنازہ پڑھنے کی جگہ بنوائی گئی، چنانچہ طبقاتِ ابن سعد میں اس کی تصریح موجود ہے:

"و قد ذكر ابن سعد في الطبقات الكبير أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بنىٰ موضعاً للجنائز لاصقاً بالمسجد بعد الفراغ من مسجد الشريف في السَّنَة الأولىٰ من الهجرة".

---

(۱) (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد: ۳/ ۲۵٦، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/ ۲۳۵، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲) (فتح الباري، المصدر السابق آنفاً)

التعليق الصبيح: ۲/۲۳۹ (۱)۔

اس کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ تھی لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائلینِ جواز کی دلیل کا بھی جائزہ لیا جائے اور ان کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی مسلم شریف کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنه أنها قالت: لما توفى سعد بن وقاص أرسل أزواج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يمرّوابجنازته فى المسجد فيصلين عليه، ففعلوا فوقف به على حجرهن يصلين عليه، ثم أخرج به من باب الجنائز الذى كان إلى المقاعد، فبلغهن أن الناس قد عابوا ذلك، و قالوا: ما كانت الجنائز يدخل به المسجد، فبلغ ذلك عائشةَ رضى الله تعالىٰ عنه فقالت : ما أسرع الناس إلى أن يعيبوا ما لا علم لهم به، عابوا علينا أن يمرّ بجنازة فى المسجد، و ما صلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على سهيل ابن بيضآء إلا فى جوف المسجد". مسلم: ۱/ ۳۱٤ (۲)۔

اولاً تو یہ واقعہ ہے جو کسی عذر کی وجہ سے پیش آیا، چنانچہ مولانا قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) (التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح للعلامة محمد إدريس الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الجنائز، باب المشى بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الأول، تحت حديث أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: ۲/ ۲۳۹، المكتبة العثمانية لاهور)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: كنا قدم النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المدينة إذا حضر منا الميت، أتيناه فأخبرناه، فحضره واستغفر له حتى إذا قبض .... قال محمد بن عمر: فمن هناك سمى ذلك الموضع موضع الجنائز؛ لأن الجنائز حملت إليه، ثم جرى ذلك من فعل الناس فى حمل جنائزهم والصلاة عليها فى ذلك الموضع إلى اليوم". (الطبقات الكبرى لابن سعد، ذكر الموضع الذى كان يصلى فيه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على الجنائز: ۱/ ۲۵۷، دار صادر، بيروت)

(۲) (رواه مسلم فى صحيحه فى كتاب الجنائز، فصل فى جواز الصلاة على الميت فى المسجد: ۱/ ۳۱۳، قديمى)

فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں صریح آیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معتکف تھے، اس لئے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی، مظاہر حق: ۲/۴۹ (۱) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے کہ عذر کی وجہ سے تھا: "فقد يستفاد منه أن ما وقع من الصلوة على بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض". فتح الباری: ۱/۱۳٤ (۲)۔

ثانیاً: خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مسجد میں جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا ورنہ فرمائش کی کیا ضرورت تھی۔

ثالثاً: محض سہیل بن بیضاء کی مثال دینا ثابت کرتا ہے کہ دوسرے جنازے خارجِ مسجد پڑھے جایا کرتے تھے، مذکورہ جنازہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھا گیا ہے (۳)۔

رابعاً: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار ثابت کرتا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا دستور نہ تھا چنانچہ انہوں نے صاف انکار کیا: "ما كانت الجنائز يُدخل به المسجد" (۴) جو اس کے خلافِ سنت

---

(۱) (مظاهر حق، كتاب الجنازة، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها: ۲/۱۰۰، دارالإشاعت، كراچي)

"وقد أوّل بعض أصحابنا حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: إنما صلى في المسجد بعذر مطر، وقيل: بعذر الاعتكاف". (لامع الدراري، كتاب الجنائز، باب صلاة الصبيان مع الناس: ۴/۳۶۲، امداديه مكة المكرمة)

"نحن أيضاً نقول: صلاته في المسجد كان للمطر أو للاعتكاف". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعي إلى أهل الميت: ۸/۱۸، مطبعه منيريه بيروت)

(۲) (فتح الباري، باب الصلوة على الجنائز بالمصلي والمسجد: ۳/۲۵۶، قديمي)

(وكذا في أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۵، اداره تاليفات اشرفيه ملتان)

(وكذا في لامع الدراري، كتاب الجنائز، باب صلاة الصبيان مع الناس: ۴/۳۶۲، امداديه مكة المكرمة)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۴) (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمي) .... =

ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

یہ جوابات تو اس وقت ہیں جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو متصل تسلیم کرلیں، حالانکہ امام دارقطنی نے اس حدیث کے بارے میں امام مسلم پر استدراک ومواخذہ کیا ہے اور اس کو مرسل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"خالف الضحاكَ حافظان: مالكُ والماجشون، فروياه عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرسلاً، وقيل: عن الضحاك عن أبي النضر عن أبي بكر بن عبد الرحمن، ولا يصح إلا مرسلاً: هذا كلام الدار قطني". نووی شرح مسلم: ۱/۳۱۳ (۱)۔

یعنی اس روایت میں دو بڑے حفاظِ حدیث: امام مالک اور ماجشون نے ضحاک کی مخالفت کی ہے،

= "لكن إنكار الصحابة على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها يدل على اشتهار العمل بخلاف ذلک". (أوجز المسالک، کتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(وكذا في لامع الدراري على جامع البخاري، كتاب الجنائز، باب صلاةالصبيان مع الناس: ۴/۳۶۳، امدادیہ مكة المكرمة)

(۱) (شرح مسلم للنووي، كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قدیمی)

"وكذالک حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها لا يخلوا عن كلام؛ لأن جماعة من الحفاظ مثل الدارقطني وغيره عابوا على مسلم تخريجه إياه مسنداً؛ لأن الصحيح أنه مرسل كما رواه مالک والماجشون عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها مرسلاً، والمرسل ليس بحجة عندهم" (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه: ۸/۱۸، مطبعه منيرية بيروت)

"قال ابن عبد البر: هكذا هو في مؤطا عند جمهور الرواة منقطعاً .... قال العيني: منقطع؛ لأن أبا النضر لم يسمع من عائشة شيئاً، وقال ابن وضاح: ولا أدركها .... وانتقده الدارقطني بأن حافظين خالفا الضحاک، و هما: مالک والماجشون، فروياه عن أبي النضر عن عائشة مرسلاً". (أوجز المسالک، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

انہوں نے اس روایت کو "عن أبي النضر عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها" منقطع بیان کیا ہے اور ضحاک نے "عن أبي النضر عن أبي بكر بن عبد الرحمن" روایت کیا ہے حالانکہ اس روایت کا منقطع ہونا ہی صحیح ہے۔

ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں: روایتِ منقطع سے استدلال کہاں تک صحیح ہے؟ خصوصاً اس کے مقابلہ میں حدیثِ متصل مرفوع موجود ہے۔ یہ مخالفین کی دلیل اور اس کا جواب تھا۔

اب انہوں نے حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے ہیں ان کا جواب سنئے: اس روایت پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں "صالح مولی التوأمۃ" ہے جو ضعیف ہے جس کی وجہ سے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں (١)۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صالح کو ضعیف کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، اس لئے اگر یہ سبب مرتفع ہو جائے یعنی کوئی ایسا راوی ہو جو اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہو، ان کی روایت کے معتبر اور قابلِ حجت و استدلال نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

"تقريب التهذيب" میں ہے: "صالح ابن نبهان المدني مولى التوأمة، -بفتح المثناة وسكون الواو بعدها همزة مفتوحة- صدوقٌ اختلط بأخره، قال ابن عدي: لا بأس برواية القدماء عنه كابن أبي ذئب وابن جريج". ص: ١٧٥ (٢)۔

یعنی صالح ابن نبہان مدنی مولی التوامہ صدوق ہیں، ان کو اخیر عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان سے قدماء (یعنی جن لوگوں نے ان سے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے روایت کی ہے) کے روایت کرنے میں کوئی قباحت نہیں جیسے کہ ابن ابی ذئب اور ابن جریج۔ اور مذکورہ روایت "من صلى

---

(١) "وفي إسناده صالح مولى التوأمة، و قد تكلم فيه غير واحدٍ عن الأئمة، قال النووي رحمه الله تعالىٰ: وأجابوا عنه يعني الجمهور بأجوبة: أحدها أنه ضعيفٌ لا يصح الاحتجاج به، قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالىٰ: هذا حديث ضعيف تفرد به صالح مولى التوأمة، وهو ضعيف". (نيل الأوطار للشوكاني، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد: ١١٢/٤، دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة)

(٢) (تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالىٰ رقم الترجمة: ٢٨٩٢، ص: ٢٧٤، دار الرشيد حلب)

علی جنازة في المسجد فلا شيء له" (۱) میں صالح سے روایت کرنے والے ابن ابی ذئب ہیں، اس لئے یہ بھی صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں" وأسند عن ابن معین أنه قال: فيه ثقةٌ إلا أنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثَبَتٌ حجةٌ، و مِمَّن سمع منه قبل الاختلاط ابن أبي ذئب، ص: ۱۸۵" (۲)۔

یعنی ابن معین سے سنداً ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ (صالح) ثقہ ہیں مگر اخیر عمر میں ان کو اختلاط ہوگیا تھا، پس جن لوگوں نے اس حالت کو طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابلِ حجت ہیں اور ان ہی لوگوں میں سے ابن ابی ذئب بھی ہیں۔

خود امام احمد بن حنبل (جن کے قول سے مخالفین حجت پکڑتے ہیں) فرماتے ہیں:

"ما أعلم به بأساً مَن سمع قديماً، و قد روى عنه أكابر أهل المدينة". كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳٤۸" (۳)۔

یعنی جن لوگوں نے ان (صالح بن التوأمۃ) سے ابتداءً سنا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور ان صالح سے اکابرِ اہلِ مدینہ نے روایت کیا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "غنية المستملي" المعروف بہ "کبیری" میں ابن معین

---

(۱) (راجع، ص: ۶۷۷، الحواشي رقمها: ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸)

(۲) (نصب الراية للعلامة الزيلعي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث وضع الموتى للصلاة، تحت حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه الحديث رقم: ۳۰۷۴، ۲/۲۷۵، مكتبة المكية، جده)

"قال ابن معين: ثقةٌ لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلک، فهو ثَبتٌ حجة، و كلهم على أن ابن أبي ذئب سمع منه قبل الاختلاط". (أوجز المسالک، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۳) (موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في رجال الحديث وعِلله، حرف الصاد، رقم الإسم: ۱۲۰۲، صالح بن نبهان المدني، مولى التوأمة: ۲/۱۷۳، عالم الكتب، بيروت)

سے نقل فرماتے ہیں: ’’قال ابن معین: ثقةٌ لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثَبَتٌ حجةٌ، وكلهم على أن ابن أبي ذئب سمع منه قبل الاختلاط‘‘(۱)۔

یعنی ابن معین فرماتے ہیں کہ (صالح) ثقہ ہیں لیکن وفات سے پہلے ان کو اختلاط ہوگیا تھا (اس لئے جن لوگوں نے ان سے حالت کے طاری ہونے سے پہلے سنا ہے وہ ثابت اور قابلِ حجت ہے) اور سارے محدثین اس پر متفق ہیں کہ ابن ابی ذئب نے اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے ان سے روایت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام سنن أبی داؤد نے اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی، بلکہ سکوت اختیار فرمایا اور یہ مسلّم ہے کہ امام ابوداؤد جس پر سکوت اختیار فرمائیں وہ روایت صالح الاستدلال ہے (۲)۔ اور صالح مسلم اور سننِ اربعہ کے راویوں میں سے ہیں، چنانچہ محدثِ کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’وصالح من رواة السنن و مسلم‘‘۔ عرف الشذی: ۱/۳۵۶ (۳)۔ یعنی صالح سنن اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں اگر یہ ضعیف ہوتے تو یہ حضرات ان کی روایت نہ لیتے یا ان پر جرح کرتے۔

بہرحال! محدثین کی اتنی بڑی جماعت کے نزدیک جب صالح مولی التوأمة ثقہ ہیں تو اس کے مقابلہ

---

(۱) (غنية المستملي (الحلبي الكبير) كتاب الصلاة، فصل في الجنازة، الرابع في الصلوة عليه، ص: ۵۸۹، سهيل اكيڈمی)

(۲) ”سنن أبي داؤد: فقد جاء عنه أنه يذكر فيه الصحيح و ما يشبهه و يقاربه، و ما كان فيه وهنٌ شديدٌ بيّنه، وما لم يذكر فيه شيئاً فهو صالح“. (تدريب الراوي، النوع الثاني، الحديث الحسن و تعريفه والاحتجاج به الخ، الحسن في سنن أبي داؤد: ۱/۱۳۴، قديمي)

”ماسكت عنه أبو داود، فهو صالح للاحتجاج به“. (مقدمة إعلاء السنن، أنواع الحديث، الفصل الثاني في بيان ما يتعلق بالتصحيح والتحسين، ما سكت عنه سنن أبي داؤد الخ: ۱/۵۱، إدارة القرآن، كراچي)

(وكذا في مجموعة رسائل اللكنوي، رسالة: الأجوبة الفاضلة عن الأسئلة العشرة الكاملة، السوال الثاني في كيفية أحاديث السنن الأربعة وغيرها من كتب الحديث: ۴/۱۷، ۱۸، ادارة القرآن كراچی)

(۳) ”وصالح من رواة السنن و مسلم“. (العرف الشذي على جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۱۹۹، سعيد)

میں امام نووی کا امام احمد کے قول کو اس کے ضعیف ہونے کے استدلال میں پیش کرنا چنداں قابلِ توجہ نہیں، پوری جماعت کے فیصلہ کو ترجیح ہوگی۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ان کا یہ ہے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محدث خطیب اس کے متعلق فرماتے ہیں: "المحفوظ: "فلا شئ لہ. ٢/٢٨٥" (١) یعنی اس میں محفوظ روایت "فلا شيء له" کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں: "الصحیح: "فلا شيء له" . حوالہ مذکورہ (٢)۔ اور ابن ماجہ کی روایت جو اس میں قوی ہے اس سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "فلیس له شيء". ابن ماجة: ١/١١٠ (٣) جو بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض مخالفین یہ کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسمیہ طور پر یہ فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تو اس پر صحابہ نے ان کی بات کو تسلیم کرلیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر (نماز) مسجد میں پڑھی گئی جس سے اجماع سکوتی کا پتہ چلتا ہے (٤) یعنی صلوۃ جنازہ فی المسجد بالا جماع ثابت ہوئی۔

---

(١) "قال الخطيب : المحفوظ: "فلا شيء له" (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحديث : ٣٠٧٤) : ٢/٢٧٥، مكتبه المكيه جده)

"أقول: إن الصحيح: "لا شيء له"؛ لأن في ابن ماجة: "فليس له شيء" الح بسند قوىّ الخ" (العرف الشذى على جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلوة على الميت في المسجد : ١/١٩٩، سعيد)

(٢) "قال ابن عبد البر : رواية : "فلا أجر له" خطأ فاحش، الصحيح: "فلا شيء له". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، (رقم الحديث: ٣٠٧٤) : ٢/٢٧٥، مكتبه المكيه جده)

(٣) (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصلوة على الجنائز في المسجد، ص: ١٠٩، قديمى)

(٤) "و رد بأنها لما أنكرت عليهم سلّموا لها، فدل على أنها حفظت ما نسوه، وقال ابن عبد البر: لم تر عائشة رضى الله تعالىٰ عنها ذلك بنكيرٍ و رأت الحجة فعل النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وان إنكاره جهل بالسنة، ألا ترى قولها: ما أسرع الناس تريد إلى إنكار ما لا يعلمون". (شرح الزرقانى على=

تو اس کا یہ جواب ہے کہ اولاً تو آپ لوگ مسلم شریف کی مذکور حدیث سے یہ ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجد میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی بلکہ (امہات المومنین) کے لئے بھی "یصلین" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد "دعا" ہے وہ بھی اس طریقہ پر کہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین خود تو اپنے حجروں میں رہیں اور جنازہ ان کے سامنے گزارا جائے، چنانچہ الفاظ حدیث بھی اس پر دال ہیں، چنانچہ امہات المومنین نے جو فرمائش کی اس کے الفاظ یہ ہیں:"أن يمرّوا بجنازة في المسجد يصلّين" (۱) یعنی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ مسجد سے ہوکر گزارا جائے تاکہ وہ ان کے لئے دعاء کریں۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ مسجد میں جنازہ رکھا جائے اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے تاکہ ہم بھی نماز پڑھ لیں، بلکہ یہ فرمایا کہ صرف جنازہ حجروں کے سامنے سے گزارا جائے تاکہ دعاء کریں، چنانچہ اس فرمائش کی جو تعمیل کی گئی اس کو حدیث:"موقوف به على حجر هن" (۲) سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ جنازہ ان کے حجروں کے سامنے لایا گیا۔

نیز اگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین نے نماز جنازہ پڑھی ہوتی تو ہر ایک کے حجرہ کے سامنے علیحدہ علیحدہ لیجانے کی کیا ضرورت تھی (جس پر "على حجر هن" کا لفظ دلالت کرتا ہے) بلکہ سب مل کر نماز پڑھ لیتیں اور پھر جب آگے چل کر اس پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو صحابہ کا یہ فرمانا کہ:" ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد" (۳) (یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جنازے مسجد

= المؤطأ، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۲/۶۴، دار الفكر، بيروت)

"لكن لفظ الدعاء نصٌّ في معناه، و إرادة الصلاة منه بعيد، فما ورد من لفظ الصلاة في هذه القصة المراد بها الدعاء، وإنما أمرت بالإمرار لتدعوا له بحضرته؛ لأن مشاهدته مدعو إلى الإشفاق والاجتهاد له، ولذا يسعى إلى الجنائز و لا يكتفي بالدعاء في المنزل". (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد: ۴/۲۳۴، ۲۳۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في جواز الصلوة على الميت في المسجد: ۱/۳۱۳، قديمي)

(۲) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

(۳) (الصحيح لمسلم، المصدر السابق)

میں داخل نہیں کئے جاتے تھے) بھی دلالت کرتا ہے کہ وہاں نماز نہیں پڑھی گئی تھی ،صرف جنازہ مسجد میں لیجایا گیا تھا، ورنہ اگر نماز پڑھی گئی ہوتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے رد میں یہ فرماتے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بہرحال! یہ ایک سطحی اعتراض ہے جو عدمِ تفقہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جس کے لئے الفاظِ حدیث میں کوئی گنجائش نہیں۔

رہا ان کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی جس سے "فـلا اجر له " والی حدیث کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔اس کا جواب یہ کہ ادھر ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم اس کے قائل بھی ہو کہ یہ حکم پہلے تھا اور پھر منسوخ ہوا، کیونکہ منسوخ ہونے کا حاصل تو یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا مگر بعد میں اٹھالیا گیا اور اگر قائل ہو تو پھر کون سے نص کے ذریعہ؟

ثانیاً: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل تمہارے نزدیک منسوخ ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

ثالثاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ بر بنائے عذر تھا اور عذر یہ کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب دفن کرنا تھا اور وہ حجرہ مسجد میں ہونے کی وجہ سے جنازہ مسجد میں سے لے جانے بغیر چارۂ کار نہ تھا تو چونکہ اصل ممانعت تو جنازہ مسجد میں لیجانے کی ہے، جب بنابریں عذر اس پر عمل ممکن نہ رہا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اَور توسیع کی اور نماز بھی مسجد میں پڑھائی گئی (۱)۔

رابعاً: اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھا جانا روایتِ ابو ہریرۃ کے لئے ناسخ بن گیا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کا ثبوت مل گیا تو پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کو مسجد میں لانے پر اتنی چہ می گوئیاں کیوں کیں جب کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حضرت،

---

(۱) "وفي البرهان: صلاة الصحابة على أبي بكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنهما في المسجد كان لعارض دفنهما عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. انتهى". (أوجز المسالک، كتاب الجنائز، الصلاة على الجنائز في المسجد : ۴/۲۳۹، ۲۳۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کئی سال بعد ہوئی تھی، اگر صحابہ کرام کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہی تھی تو ایسا کیوں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جامع مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳۴]: اگر عید کی نماز بوجۂ عذرِ بارش مسجد میں ہوئی یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے وہاں پڑھی گئی اور جامع مسجد میں باہر جگہ ہے تو نماز ایسے وقت میں جامع مسجد ہی میں پڑھی جائے یا باہر جگہ؟ ترتیب نمازِ جنازہ اور خطبہ اور خطبہ عیدین میں کیا ہونی چاہیے؟ مفصل جوابات تحریر فرمائیں جائیں اور کتب فتاوی کے حوالہ جات بھی تحریر فرمائیں تاکہ اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ فقط والسلام۔

المستفتی: ابرارالحق، ۲۴/ ذی قعدہ/ ۵۸ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب باہر کوئی عذر نہیں اور جگہ موجود ہے تو باہر پڑھی جاوے: "کرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، و اختلف في الخارجة، و المختار الكراهة، اهـ". تنویر۔ "(قوله: في مسجد جماعة: أي المسجد الجامع و مسجد المحلة اهـ"(۲).

---

(۱) (راجع، ص: ۶۸۱، رقم الحاشية: ۲، و ص: ۶۸۲، رقم الحاشية: ۴)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز ۲/ ۲۲۴، ۲۲۵، سعيد)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ۲/ ۹۸ امداديه)

"(قوله: و لا في المسجد) لحديث أبي داؤد مرفوعاً: "من صلى على ميت .... الحديث، أطلقه فشمل ما إذا كان الميت والقوم في المسجد، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۳۲۷، رشيديه)

والبسط في: (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز (الرابع) في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمی)

تنبیہ: نمازِ عید جامع مسجد میں پڑھنے سے جامع مسجد عیدگاہ نہیں بنے گی ترتیب نمبر:۱میں مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

احاطۂ مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۳۵]: ۱...... مسجد یا صحنِ مسجد یعنی چبوترۂ مسجد پر نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

۲...... قصبہ کٹوت ضلع آصف آباد دکن میں ایک مسجد ہے جس میں ۱۵/ یا ۲۰/ نمازی اول درجہ ہوتے ہیں، جمعہ میں تقریباً پچاس، اس مسجد کے دو درجہ ہیں اور سامنے پختہ چبوترہ متصل ہے جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے، دروازہ سے چبوترہ پختہ تک خام صحن ہے جس پر نہ کوئی نماز پڑھتا ہے نہ کبھی جماعت ہوتی ہے مگر یہ خام صحن اندرونِ احاطۂ مسجد ہے جیسا کہ نقشہ سے جو پشت پر ہے معلوم ہوگا کہ امر متنازعہ فیہ یہ ہے کہ مسجد کے دونوں دالانوں کے سامنے جو صحن چبوترہ پختہ ہے اور جس پر اکثر نماز و جماعت ہوتی رہتی ہے جزءِ مسجد ہے یا کہ نہیں اور صحن پختہ مسجد میں شمار کیا جاویگا یا کہ نہیں اور صحن خام کو جو دروازہ سے چبوترہ پختہ تک سے جہاں جوتے اتارتے ہیں مسجد سمجھا جائیگا یا نہیں اوران دونوں میں کس پر نماز پڑھنی چاہیے تاکہ موتی کو ثواب سے محرومی نہ ہو؟

۳...... اصل مسجد و پختہ صحن و چبوترۂ مسجد کو چھوڑ کر نیچے خام صحن میں نماز پڑھی جائے تو آیا نماز باصواب ہوجاوے گی یا نہیں؟ نماز جنازہ کے متعلق سوال ہے۔

۴...... اور میت کو اس خام صحن میں پلنگ یا گہوارہ میں رکھ کر نماز پڑھنے سے توہینِ میت ہے یا نہیں؟

۵...... مسجد کے سامنے علاوہ راستہ عام کے میدان وسیع ہے، نیز قبرستان قصبہ کے متصل بھی زمین افتادہ ہے، باوجود موجودگی ان مواقع احاطۂ مسجد کے اندر (ماسوائے مسجد کے چبوترہ پختہ و مسجد و حجرہ کے) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا چاہیے، یا مسجد کے نیچے خام صحن میں جو مسجد کے حکم میں نہیں ہے، یا کہ مسجد کے صحن پختہ پر جو ملحق مسجد ہے جیسا کہ اَور مسجدوں میں ہوتا ہے جو حکم مسجد میں ہے جس پر نماز و جماعت ہوتی ہے حائضہ اور جنبی کے آمد کی جس پر ممانعت ہے اور اعتکاف جس پر آنے کے بعد نہیں ٹوٹتا ہے۔

فقط المستفتی: خواجہ محمد سعید حسین، معرفت پیرو کار صاحب، متعلقہ کٹوت ضلع آصف آباد۔

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......صلوۃ جنازہ بلاعذر مسجد میں مکروہ ہے:"وصلوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروہ". عالمگیری: ۱/ ۱۶۲(۱) اگر وہ خام صحن داخلِ مسجد ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، اگر خارج مسجد ہے تو اس میں صلوۃ جنازہ بلا کراہت درست ہے۔

۲......یہ بات اصل واقف سے دریافت کرنے کی ہے، جس کو اس نے مسجد بنانے کی نیت کی ہے وہ مسجد ہے، جس کو مسجد بنانے کی نیت نہیں کی وہ مسجد نہیں (۲)، اگر وہ موجود نہیں نہ کوئی تحریر وقف نامہ وغیرہ موجود ہے جس سے معلوم ہو سکے تو قرائن پر حکم کیا جائیگا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ نماز اور جماعت ہوتی ہے یعنی پختہ فرش وہ مسجد ہے، وہاں نمازِ جنازہ مکروہ ہے (۳) جس جگہ نماز نہیں ہوتی بلکہ جوتے نکالے جاتے ہیں یعنی خام صحن وہ

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علیه: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد، فلا شیء له". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد: ۲/۹۸، امدادیه)

"وتکره الصلوة علی الجنازة فی مسجد عندنا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، الرابع فی الصلاة علیه، ص:۵۸۸، سهیل اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۲۷، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۲۴، سعید)

(۲) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة: ۴/۴۴۵، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ما هو صحیحٌ معتبرٌ یُعمل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۳) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

خارج مسجد ہے وہاں نماز جنازہ مکروہ نہیں، اس کے خلاف اگر قرائن موجود ہوں تو یہ حکم نہ رہے گا۔

۳......اگر وہ جزوِ مسجد ہے پھر تو اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے، اگر جزوِ مسجد نہیں تو مکروہ نہیں، کمامر۔

۴......صورتِ مسئولہ میں میت کی توہین نہیں ہوتی (۱)۔

۵......جو جگہ متصلِ مسجد ہے لیکن جزوِ مسجد نہیں ہے اور جو احاطۂ مسجد سے خارج ہے وہ سب جنازہ کے لئے برابر ہے، اسی طرح قبرستان میں اگر کوئی جگہ جنازہ کی نماز کے لیے بنی ہوئی موجود ہے: "والصلوة علی الجنازة فی الأمكنة والدور سواء، كذافي المحيط". عالمگیری: ۱/ ۱۶۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الثانی/ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف۔

مسجد میں اضافہ کر کے اس میں نمازِ جنازہ

سوال [۴۱۳۶]: شہر بیاور ضلع اجمیر میں ایک جامع مسجد ہے، پہلے کسی زمانے میں نیچے کے درجہ میں مسجد تھی بعد ازاں آدمیوں کی کثرت ہوئی اور مسجد میں تنگی ہوئی، اس کے روبرو اور آگے بڑھا کر اور زیادہ کشادہ بنالی گئی، پہلی جگہ میں جو نیچے ہے اس میں چند لڑکے بھی پڑھتے ہیں پھر جمعہ کے روز اس میں بھی کچھ آدمیوں کو تکلیف ہونے لگی اور نہ آسکے جو پہلے کی جگہ نیچے کی تھی اس میں کچھ جگہ وضو خانہ بنالیا گیا اور اکثر جگہ جس میں ۵/ یا

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

چونکہ میت چارپائی پہ رکھی ہوئی ہے، لہٰذا کوئی موجبِ توہین امر بظاہر نہیں۔

(۲) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱۶۵، رشيديه)

"بقي من المكروهات أشياء أخر .... والصلاة في مظان النجاسة كمقبرة و حمام ....
أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۶۵۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها: ۱/۵۸، رشيديه)

۲/صف ہوجاتی ہے، بروز جمعہ بھی ۳۰، ۳۵/ آدمی کھڑے ہوجاتے ہیں اور بعض وہاں پر جماعتِ ثانیہ بھی پڑھتے ہیں جس کو بعض علماء مکروہ لکھتے ہیں، اس لئے مسجد کی شکل میں بنالی گئی ہے۔ اب اس میں اختلاف یہ ہے کہ بعض تو اس میں نماز جنازہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں اور بعض کبھی پڑھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔ شرع شریف کا حکم تحریر فرمائیں۔

از بیاور ضلع اجمیر۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جو حصہ پہلے سے مسجد ہے اس میں جماعتِ ثانیہ اور صلوۃ جنازہ مکروہ ہے: "وتكره الصلوة على الجنازة في مسجد عندنا، اهـ". کبیری ص ۵۴۵ (۱)۔

اور جس حصہ کا بعد میں اضافہ ہوا ہے اگر مسجد میں اس جگہ کا اضافہ بہ نیتِ مسجد کیا گیا ہے تب تو اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یعنی وہاں جنب کا جانا منع ہوگا جماعتِ ثانیہ مکروہ ہوگی۔ اور اگر بہ نیتِ مسجد اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ اس غرض سے بڑھا دیا گیا ہے کہ بوقتِ ضرورت وہاں بچے بیٹھ کر پڑھ لیا کریں، یا اگر نمازی زیادہ ہوجائیں تو وہاں بھی کھڑے ہوجایا کریں لیکن وہ حصہ حصۂ مسجد نہیں ہے تو اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے وہاں جنب کا جانا، جماعتِ ثانیہ، صلوۃ جنازہ وغیرہ سب چیزیں درست ہیں، اس کی تحقیق کہ اس حصہ

---

(۱) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمي، لاهور)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنازة في المسجد: ۹۸/۲ امداديه)

"(كرهت تحريماً) و قيل: (تنزيهاً في مسجد جماعة هو): أي الميت (فيه) وحده أو مع القوم". (الدرالمختار). "(قوله: قيل: تنزيهاً) .... فرجح القول الأول لإطلاق المنع في قول محمد في مؤطئه: لا يصلى على جنازة في مسجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۴/۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۲۷/۲، رشيديه)

کا اضافہ بہ نیتِ مسجد کیا گیا ہے یا نہیں واقف اور بانی سے کی جاوے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۱/۵۶ھ۔

اور حصہ مسجد کو وضوخانہ بنانا جائز نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/محرم/۵۶ھ۔

جائے نماز بچھا کر اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا

سوال[۴۱۳۷]: جنازہ کی نماز اگر جائے نماز بچھا کر پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی جائے نماز بچھا کر پڑھادے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ جزوِ کفن نہیں ہے اور اس کا التزام درست نہیں ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

نمازِ جنازہ فنائے مسجد اور قبرستان میں

سوال[۴۱۳۸]: مسجد سے متصل قبرستان اگر ہو اور فنائے مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا ممکن ہو تو کون

---

(۱) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ : ۴/۴۴۵، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبرٌ يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف : ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف : ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال الطيبي رحمه الله تعالىٰ: و فيه من أصرَّ على أمر مندوب، و جعله عزماً، و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث : ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ذكر البدعات، ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

سی جگہ بہتر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فنائے مسجد (جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی) میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے، قبرستان میں اگر کوئی جگہ نماز جنازہ کیلئے تجویز شدہ ہو اس طرح کہ قبریں سامنے نہ ہوں اور نہ درمیان میں نمازیوں کے ہوں: "قال أبوحنیفة: لا ینبغی أن یصلی علی میت بین القبور". طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۲٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں نماز جنازہ میں عدمِ شرکت

سوال[۴۱۳۹]: ۱......نماز جنازہ اگر مسجد میں ہورہی تو بنظرِ اصلاح جماعت سے علیحدگی ضروری ہے؟

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قدیمی)

"و ما یکره من الصلاة فی القبور .... و رأی عمرُ رضی الله تعالیٰ عنه أنسَ بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه یصلی عند قبره، فقال: القبر القبر، و لم یأمره بالإعادة".

"(قوله : و لم یأمره بالإعادة): أی لم یأمر عمرُ أنساً رضی الله تعالیٰ عنه بإعادة صلاته تلک، فدل علی أنه یجوز ولکن یکره. واعلم أن العلماء اختلفوا فی جواز الصلاة علی المقبرة .... وذهب الثوری وأبو حنیفة والأوزاعی رحمه الله تعالیٰ إلی کراهة الصلاة فی المقبرة". (عمدة القاری، کتاب الصلاة، بابٌ هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة : ۴/۱۷۱، إدارة المطبعة المنیرة بیروت)

"بقی فی المکروهات أشیاء .... الصلاة فی مظان النجاسة کمقبرة و حمام .... أو کان فی المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس .... لا تکره الصلاة فی جهة قبر إلا إذا کان بین یدیه بحیث لو صلی صلاة الخاشعین وقع بصره علیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۱/۶۵۴، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها : ۲/۵۸، رشیدیه)

۲......باوجود مسئلہ بتانے کے اگر لوگ رواجاً پڑھتے ہوں تو شرکتِ جماعت سے اور امامت سے معذوری ظاہر کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟

۳......اگر مسئلہ بتانے سے فساد کا امکان ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اصلاح کی خاطر علیحدگی اختیار کرلے تو بہتر ہے(۱)۔

۲......مسئلہ بتا کر معذوری ظاہر کردی جائے۔

۳......محض دو چار آدمیوں کا کوئی سخت لفظ اس کو کہہ دینا تو کوئی فساد نہیں جس کی بناء پر مسئلہ بتانے سے گریز کیا جائے، واقعی فساد ہو تو سکوت کی بھی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۷/۶/۱۶ھ۔

---

(۱) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی میں ہے لہذا علیحدگی اختیار کرنا ہی افضل ہے۔

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" من صلى على جنازة في المسجد، فلا شيء له". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد : ۹۸/۲، امداديه)

"كرهت تحريماً في مسجد جماعة هو فيه، واختلف في الخارجة، والمختار الكراهة مطلقاً". (الدر المختار). "(قوله : في مسجد جماعة): أى المسجد الجامع و مسجد المحلة".(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۲۴/۲، ۲۲۵، سعيد)

" وتكره الصلاة على الجنازة في مسجد عندنا".(الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنازة، الرابع: الصلاة عليه، ص:۵۸۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۷/۲، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ : ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾.(سورة آل عمران پ ۴ آية: ۱۰۴)

"ففي الآية بيان الإيجاب، فإن قوله تعالىٰ: ﴿ولتكن﴾ أمرٌ، وظاهر الأمر الإيجاب" (إحياء علوم =

چندہ نہ دینے کی وجہ سے مسجد میں جنازہ سے روک کر تالا لگانا

سوال[۴۱۴۰]: ہمارے گاؤں میں دو پارٹی میں، جس کی اکثریت ہے وہ حنفی کہلاتی ہے، جو اقلیت میں ہے اس کو وہابی کہتے ہیں۔ ابھی حال میں حنفی پارٹی نے مدرسہ کا چندہ نہ دینے کا الزام لگا کر وہابی پارٹی کا بائیکاٹ کر دیا ہے، اقلیت والی پارٹی میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو اکثریت والی پارٹی شریک جنازہ نہیں ہوئی، جب دوسرے موضع کے لوگ کفن دفن کیلئے آئے تو ان کے لئے مسجد کے دروازہ پر تالا لگا دیا تا کہ صحنِ

= الدين للإمام الغزالي، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأول، في وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الخ : ۲/۳۰۶، ۳۰۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن مجاهد قال: حدثني مولى لنا أنه سمع عدياً يقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إن الله عزوجل لا يعذب العامة بعمل الخاصة، حتى يروا المنكر بين ظهرانيهم و هم قادرون على أن ينكروه، فلا ينكروه، فإذا فعلوا ذلك، عذّب الخاصة والعامة". (مسند الإمام أحمد، (رقم الحديث : ۱۷۲۶۷): ۵/۲۱۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"عن تميم الداري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الدين النصيحةُ" قلنا: لمن؟ قال: "لله ولكتابه و لرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم".

"قوله : وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاة الأمر فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم و كف الأذى عنهم، فيعلّمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم .... وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم و توقير كبيرهم و رحمة صغيرهم .... قال: النصيحة لازمة على قدر الطاقة إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه و يطاع أمره وأمن على نفسه المكروه، فإن خشي أذى، فهو في سعةٍ، والله اعلم". (الصحيح لمسلم مع شرحه النووي، كتاب الإيمان، باب بيان الدين النصيحة : ۱/۵۴، قديمي)

"لكن الأمر والنهي أفضل وإن غلب على ظنه أنه يضربه أو يقتله؛ لأنه يكون شهيداً، قال تعالى: ﴿أقم الصلاة، وأمر بالمعروف، وانهَ عن المنكر، واصبر على ماأصابك﴾ الخ". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، قبيل كتاب الصلاة : ۱/۳۵۰، سعيد)

مسجد میں نماز جنازہ نہ ہو، نماز جنازہ قبرستان میں ادا کی گئی۔ سوال یہ ہے کہ مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا اور نماز جنازہ ادا نہ کرنے دینا، ایسا کرنے والا مسلمان گنہ گار ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں نماز پڑھنا ہر مسلمان کا حق ہے، مدرسہ میں چندہ نہ دینے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مسجد پر تالا ڈال کر نماز سے روک دینا یا مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا بہت بڑا ظلم ہے: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الایہ (۱)۔ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، ان کے لئے یہ سخت وعید کلام پاک میں آئی ہے (۲)۔ ان کو اپنی حرکت سے توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

(۱) (سورة البقرة : ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ :"و ظاهر الآية العموم في كل مانع، و في كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه". (تفسير روح المعاني : ۱/۳۶۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) قال ابن كثير تحت هذه الآية : "وأيضاً فإنه تعالىٰ لما وجه الذم في حق اليهود والنصارى، شرع في ذم المشركين الذين أخرجوا الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه من مكة، و منعوهم من الصلاة في المسجد الحرام. وأما اعتماده على أن قريشاً لم تسع في خراب المدينة، فأيّ خراب أعظم مما فعلوا؟ أخرجوا عنها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه .... ﴿وما لهم ألا يعذبهم الله و هم يصدون عن المسجد الحرام﴾ الاية .... ﴿هم الذين كفروا و صدوكم عن المسجد الحرام﴾. الاية". (تفسير ابن كثير : ۱/۱۵۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۳) قال الله تعالىٰ :﴿ يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ الآية (سورة التحريم :۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لَلّٰه أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة : ۲/۳۴۵، قديمي)

جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے جیسے اندرونی حصہ اور فرشِ مسجد جہاں گرمی کے وقت نماز پڑھی جاتی ہے۔ نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے(۱)، اس فرش سے علیحدہ اگر احاطہ اور چہار دیواری میں زائد جگہ ہو تو وہاں مکروہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبرستان میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۱]: کیا مقبرہ میں جبکہ قبر قریباً دس قدم کے فاصلہ پر ہے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وفی البدائع وغیرها: "قال أبوحنیفة رحمه الله تعالیٰ: لاینبغی أن یصلی علی میت بین القبور، وکان علیّ رضی الله تعالیٰ عنه و ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما یکرهان ذلك، وإن صلوا أجزأهم، لما روی أنهم صلوا علی عائشة و أم سلمة رضی الله تعالیٰ عنهما بین مقابر البقیع و الإمام أبوهریرة رضی الله تعالیٰ عنه، وفیهم ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما. ثم محل

---

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد، فلا شیء له". (ابو داود، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد : ۹۸/۲، امدادیه)

" کرهت تحریماً فی مسجد جماعة هو فیه، واختلف فی الخارجة، و المختار الکراهة مطلقاً". (الدرالمختار) . "(قوله : فی مسجد جماعة): أی المسجد الجامع و مسجد المحلة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۲۲۴/۲، ۲۲۵، سعید)

"وتکره الصلاة علی الجنازة فی مسجد عندنا". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنازة، الرابع: الصلاة علیه، ص:۵۸۸، سهیل اکیڈمی)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز : ۳۲۷/۲، رشیدیه)

الکراهة إذا لم یکن عذر، فإن کان فلا کراهة اتفاقاً، اهـ"(۱)۔

عباراتِ بالا سے سوال کا جواب معلوم ہوگیا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۴/۱۸ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل: وأما سنن الدفن : ۶۵/۲، رشیدیه)

"عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور، ولا تصلوا إلیها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في کراهیة الوطی علی القبور والجلوس علیها : ۲۰۳/۱، سعید)

"قال أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ: لا ینبغي أن یصلی علی میت بین القبور، وکان عليّ وابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهم یکرهان ذلک. وإن صلوا أجزأهم لما روی أنهم صلوا علی عائشة وأم سلمة رضي الله تعالیٰ عنهما بین مقابر البقیع و الإمام أبوهریرة رضي الله تعالیٰ عنه، وفیهم ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما. ثم محل الکراهة إذا لم یکن عذر، فإن کان فلا کراهة اتفاقاً". (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص:۵۹۵، قدیمی)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، فصل: السلطان أحق بصلاته : ۳۴۱/۲، رشیدیه)

ترجمہ: بدائع وغیرہ میں ہے کہ:امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبروں کے درمیان میت پر نماز پڑھنا مناسب نہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو مکروہ فرماتے تھے۔اور اگر نماز پڑھ لی تو کافی ہوجائے گی جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر نماز جنازہ مقابر بقیع میں ہوئی اور امام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور نمازیوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، پھر محلِ کراہت بھی اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو، اگر عذر ہو تو پھر بالاتفاق کوئی کراہت نہیں۔

خلاصہ جواب: یہ ہے کہ مقبرہ میں قبروں کے درمیان کھڑے ہوکر نمازِ جنازہ پڑھنا بغیر عذر کے مکروہ ہے، اور اگر کوئی عذر ہو تو اس میں حرج نہیں۔

ایضاً

سوال [۴۱۴۲] : یہاں قبرستان کی جگہ یہاں کی کونسل نے عطا کی ہے۔اس قبرستان میں صلوۃ الجنازہ کی سہولت کے لئے ایک قوم کے خیرخواہ فرد نے اپنے خرچ سے ایک عمارت تعمیر کردی ہے، یہ عمارت نہ کسی قبر پر تعمیر کی گئی ہے اور نہ اس کے قبلہ رو کوئی قبر واقع ہے، عمارت کے چاروں طرف دیواریں ہیں، دیواروں کے چاروں طرف لوہے کی جالی ہے، باہر ہال کے چاروں طرف بیل بوٹا ہیں۔اسی عمارت میں آج تک علماء نماز جنازہ پڑھتے آئے ہیں لیکن اس سال ایک مولوی صاحب نے اس عمارت میں نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا سنت کے مطابق نہیں ہے۔اس لئے براہ کرم جلد از جلد جواب سے مطلع فرمایا جائے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے،کوئی عذر ہو تو دوسری بات ہے مثلاً زور کی بارش ہو اور کہیں جگہ بھی نہ ہو، ورنہ تو مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے،حدیث وفقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔درمختار میں ہے:

"وكرهت تحريماً في مسجد جماعة هو: أي الميت فيه وحده أومع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أومع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً، خلاصة، بناءً على أن المسجد إنما بني للمكتوبه وتوابعها كنافلة وذكر و تدريس علم، وهوالموافق لإطلاق حديث أبي داود : "من صلى على ميت في المسجد فلا صلوة له، اهـ". هذه رواية ابن أبي شيبة، و رواية أحمد و أبي داود: "فلا شئ له "وابن ماجة: فليس له شئ". وروى: "فلا أجرله: "وقال ابن عبدالبر: هي خطأ فاحش والصحيح: "فلا شئ له" اهـ. إنما تكره في المسجد بلا عذر، فإن كان فلا، ومن الأعذار المطر". مطلب كراهة صلوة الجنازة في المسجد، ردالمحتار: ۱/۵۹۳، ۵۹۴، نعمانيه(۱)۔

جبکہ وہاں قبرستان میں نماز جنازہ کیلئے مستقل تعمیر موجود ہے اور قبلہ رخ کوئی قبر بھی نہیں ہے تو وہیں نماز

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد: ۲/۲۲۴، ۲۲۶، سعيد)

جنازہ پڑھی جائے، ایسی جگہ تو فرض نماز بھی مکروہ نہیں:

''تکره الصلوة في المقبرة، اهـ". مراقي الفلاح۔ "إلا أن يكون فيها موضع أعد للصلوة لا نجاسة فيه ولا قذر فيه، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۱۵(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۹ھ۔

عیدگاہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۳]: عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے خواہ عیدگاہ کے متصل کوئی جگہ ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

راجح اور اصح قول کے مطابق عیدگاہ صرف جوازِ اقتداء بصورتِ عدمِ اتصالِ صفوف کے حق میں مسجد کا حکم رکھتی ہے لہٰذا عیدگاہ میں صلوۃ جنازہ (مسجد کی طرح) ممنوع نہیں خواہ متصل کوئی جگہ ہو یا نہ ہو۔ اگر متصل شارع عام ہے تو اس میں صلوٰۃ جنازہ مکروہ ہے، اسی طرح کسی کی زمین میں (بغیر اذنِ مالک) بھی مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی جگہ جنازہ کیلئے مخصوص ہے تو اس میں پڑھنا بلا خلاف اَولیٰ ہے، اسی طرح ملک غیر میں اذنِ مالک کے بعد:

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ص: ۳۵۶، قديمي)

"و ما يكره من الصلاة في القبور .... و رأى عمرُ أنسَ بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه يصلي عند قبر، فقال: القبر القبر، و لم يأمره بالإعادة". "(قوله : و لم يأمره بالإعادة): أي لم يأمر عمرُ أنساً رضي الله تعالىٰ عنهما بإعادة صلاته تلك، فدل على أنه يجوز، ولكن يكره. واعلم أن العلماء اختلفوا في جواز الصلاة على المقبرة .... وذهب الثوري وأبوحنيفة والأوزاعي رحمه الله تعالىٰ إلى كراهة الصلاة في المقبرة". (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية : ۱۷۱/۴، إدارة المطبعة المنيرة بيروت)

"بقي في المكروهات أشياء .... الصلاة في مظان النجاسة كمقبرة و حمام .... أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة و لا قبر و لا نجاسة، فلا بأس". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها : ۶۵۴/۱، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها : ۵۸/۲، رشيديه)

"لا تکره صلوة الجنازة في مسجد أعدلها، و كذا في مدرسة و مصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف، اهـ". طحطاوی ص:۳٤۷(۱)۔ "تكره الصلوة الجنازة في الشارع وأراضي الناس لشغل حق العامة في الأول وحق المالك في الثاني". مراقي الفلاح، وطحطاوی، ص:۳٤۸) (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۶/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۲۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

ایضاً

سوال[۴۱۴۴]: حدودِ عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور عیدگاہ کے اندر میت رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ ص:۵۹۵، ۵۹۶، قديمي)

"ولم يقيد المصنف كصاحب المجمع المسجد بالجماعة كما قيده في الهداية لعدم الحاجة إليه؛ لأنهم يحترزون به عن المسجد المبني لصلاة الجنازة، فإنها لا تكره فيه مع أن الصحيح أنه ليس بمسجد؛ لأنه ماأعد للصلوة حقيقةً؛ لأن صلاة الجنازة ليست بصلاة حقيقةً، و حاجة الناس ماسّةٌ إلى أنه لم يكن مسجداً توسعةً للأمر عليهم. واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۲۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۵/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۵/۲، سعيد)

(۲) مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص:۵۹۵، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں میت بھی رکھ سکتے ہیں اور نماز جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ من کل الوجوہ مسجد کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

ایضاً

سوال[۴۱۴۵]: عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، کذا فی الطحطاوی، ص: ۳۲۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تعزیہ گاہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۶]: ایک شخص عاشورہ کے دن فوت ہوگیا جو نمازی اور اہل السنّت والجماعت تھا، اس

(۱) "واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۳۲۸/۲، رشيديه)

"ولا تكره صلوة جنازة في مسجد أعدلها، و كذا في مدرسة و مصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي)

(۲) "ولا تكره صلوة جنازة في مسجد أعدلها، وكذا في مدرسة و مصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح، إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، ۵۹۶، قديمي)

"واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۲۸/۲، رشيديه)

کے ورثاء نے جنازہ کی نماز مقررہ جنازہ گاہ میں نہیں پڑھی اور جنازہ اس مقام پر لے گئے جہاں تعزیہ نکلے ہوئے تھے اور وہاں اہلِ تشیع ماتم کر رہے تھے تو بعض ان میں سے آگئے اور جنازہ میں شامل ہو گئے اور نماز جنازہ اہل سنت والجماعت نے پڑھائی ۔اور ورثاء یہ نیت بیان کرتے ہیں کہ وہاں مجمع کثیر تھا اس لئے وہاں لے گئے حالانکہ شہر میں اہل سنت والجماعت کا وعظ ہو رہا تھا وہاں مجمع کثیر موجود تھا اور ان کو پہلے جنازہ کی اطلاع بھی دی گئی تھی ،انہوں نے کہا کہ اگر نماز جنازہ گاہِ مقررہ پر پڑھیں تو ہم سب شامل ہیں لیکن تعزیہ کی طرف نہیں جاتے ، چنانچہ وہ نہ گئے ۔اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے مجمع اہل السنۃ والجماعت سے اہل تشیع کو ترجیح دی ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انہوں نے بُرا کیا ہے،اس فعل سے توبہ کرنی چاہیے، جب نماز دوسری جگہ ہوسکتی تھی اور مجمع کثیر کی شرکت کی بھی امید قوی تھی تو جان بوجھ کر فسق وفجور کی جگہ میں جانے کی کیا ضرورت تھی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/محرم/۵۷ھ۔

کشادہ جگہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۷]: ہمارے وطن میں جنازہ کی نماز کے سلسلہ میں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ ہمارے یہاں عیدگاہ بھی موجود ہے، کچھ لوگ نماز عیدین عیدگاہ میں ادا کرتے ہیں اور کچھ لوگ قصبہ میں ایک مسجد ہے اس

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ الاية" (سورة التحريم : ۸)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال : قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لَلّٰه أشد فرحاً بتوبة أحدكم من أحدكم بضالته إذا وجدها".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً. والتوبة من مهمات الإسلام و قواعده المتأكدة، ووجوبها عند أهل السنة والجماعة". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب التوبة : ۲/۳۵۴، قديمي)

وراجع للبسط: (تفسير روح المعاني : ۲۸/۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، دار احياء التراث العربي، بيروت)

مسجد کے سامنے مسجد سے الگ کشادہ جگہ ہے وہاں پر ہر سال عید کی نماز پڑھتے ہیں، اس کشادہ جگہ میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کشادہ جگہ میں بھی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹/۷/۹۵ھ۔

ارضِ مغصوبہ میں نمازِ جنازہ

سوال[۴۱۴۸]: ارض مغصوبہ میں نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مغصوبہ زمین میں نماز جنازہ مکروہ ہے: "تکرہ صلوة الجنائز فی الشارع وأراضی الناس"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء، وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعِدّ للصلاة حقيقةً، لا في حرمة دخول الجنب والحائض". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۲۸/۲، رشيديه)

"ولا تكره صلوة جنازة في مسجد أعدلها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح، إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۵، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ص: ۵۹۶، قديمي)

"تكره في الشارع وأراضي الناس كما في المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱۶۵/۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۲۵/۲، سعيد)

نمازِ جنازہ کے بعد دعاء

سوال[۴۱۴۹]: بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد بیٹھ کر دعاء مانگتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں، قرآن کریم، حدیث شریف اور کتب فقہ میں کہیں اس کا حکم نہیں دیکھا، حالانکہ چھوٹے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور ہیں، بلکہ بعض کتب میں نماز جنازہ کے بعد دعاء کو منع کیا گیا ہے(۱)(اس لئے کہ نماز جنازہ خود میت کے لئے دعا ہے)۔فقط واللہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۴۱۵۰]: دعاء بعد نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نمازِ جنازہ خود دعاء ہے اس کے بعد وہیں ٹھہر کر دعاء کرنا جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے شرعاً ثابت نہیں، خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو مکروہ لکھا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع الحاشية التالية)

(۲) "لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة" (خلاصة الفتاوى، الفصل الخامس والعشرون فى الجنائز، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشيديه كوئٹه)

"و لا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة فى صلاة الجنازة' (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة و الصلاة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون فى الجنائز، و فيه الشهيد: ۸۰/۴، رشيديه)

ایضاً

سوال[۴۱۵۱]: ہمارے علاقے میں نمازِ جنازہ کے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر امام وجملہ مقتدی دعاء مانگتے ہیں کیا یہ دعاء مانگنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۲۵ میں اس کو منع کیا ہے: "لایقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء

سوال[۴۱۵۲]: نماز جنازہ کے بعد سلام پھیرنے کے بعد اور جنازہ اٹھانے سے پہلے بعض جگہ پر رواج ہے کہ تمام لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعاء مانگتے ہیں، مانگنے سے قبل جنازہ نہیں اٹھایا جاتا، دعاء نہ مانگنے والوں کو ملامت کیا جاتا ہے کہ یہ تارکِ سنت ہے، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے (دعاء میں سورۂ فاتحہ اخلاص وغیرہ پڑھتے ہیں) اور اگر منع کیا جائے تو کہتے ہیں کہ تم لوگ نیک کام سے منع کرتے ہو اور یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سنت نہ بھی ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ثواب کا کام ہے، اس لئے شریعت اسلام کا یہ حکم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کسی بھی نیک کام کو ترک نہ کیا جائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یا ائمۂ

---

(۱) (خلاصة الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشیدیه)

"و لا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثالث، تحت حدیث مالک بن هبیرة رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفیه الشهید: ۴/۸۰، رشیدیه)

اربعہ،فقہائے متقدمین یامتاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ عمل ثابت ہے یانہیں؟اگر ثابت نہیں تو فی زماننا اس پر عمل کرنا درست ہے یانہیں،یا یہ کہ ابتدائے اسلام میں تھالیکن بعد میں منسوخ ہوگیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جولوگ ایسے عمل کوسنت کہتے ہیں ان سے مطالبہ کیاجائے کہ کسی حدیث میں کس فقہ کی کتاب میں ہے، مگرآپ نے ان سے ثبوت طلب نہیں کیا،کچھ حکمت ہی ہوگی۔فقہاء نے نماز جنازہ سے فارغ ہوکر بعد سلامِ میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہوکر دعاء کرنے سے منع فرمایاہے،فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کومنع کیاہے۔اس دعاء کانیک کام ہونا کیاحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،خلفائے راشدین،ائمۂ مجتہدین وغیرہ کومعلوم نہیں تھا آج ہی منکشف ہوا ہے: "لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ". خلاصۃ الفتاویٰ: ۲۲۵/۱ (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

نماز جنازہ کے بعد مستقلاً میت کے لئے دعاء کرنا

سوال[۴۱۵۳]: نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہوکر مستقلاً میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا کیساہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز جنازہ خود دعاء ہے اور میت کیلئے اس میں دعائے مغفرت ہی اصل ہے نماز کے بعد مستقلاً کھڑے

---

(۱) (خلاصۃ الفتاوی، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منہ: إذا اجتمعت الجنائز: ۲۲۵/۱، رشیدیہ)

"و لا یدعو للمیت بعد صلاۃالجنازۃ؛ لأنہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ". (مرقاۃالمفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلاۃ علیھا، الفصل الثالث، (رقم الحدیث : ۱۶۸۷): ۱۷۰/۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفیہ الشھید : ۸۰/۴، رشیدیہ)

ہوکردعاءکرنا ثابت نہیں بلکہ کتبِ فقہ میں اس کو منع کیا گیا ہے:"لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ". خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۲۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ کے بعد دعاء اور قل ھو اللہ پڑھنا

سوال[۴۱۵۴]: جب امام نمازِ جنازہ پڑھ لیتا ہے تو بعد میں بعض جگہ دعاء مانگتے ہیں اور جو جنازہ کی نماز کے بعد دعاء نہ مانگے اس کو برا سمجھتے ہیں، بعض جگہ نمازِ جنازہ کے بعد گیارہ مرتبہ ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ پڑھ کر جنازہ کو اٹھاتے ہیں، کتبِ فقہ میں بعد نمازِ جنازہ دعاء کرنا یا گیارہ مرتبہ ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ پڑھنا نہیں آیا کیونکہ یہ نماز خود دعاء ہے۔ ایسا کرنے والا بدعتی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

کتبِ فقہ میں بعد نمازِ جنازہ دعاء کا ثبوت نہیں بلکہ دعاء کا انکار منقول ہے اور ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ گیارہ مرتبہ پڑھنے تک بھی جنازہ کو نہ اٹھانا ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ طریقہ شرعاً بے اصل اور بدعت ہے(۲) اس پر انکار کرنے والے کو بُرا

---

(۱) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز نوع منه إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

"ولا يدعو للميت بعد صلوة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة". (مرقاة الفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلوة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية، كتاب الصلوة، الخامس والعشرون في الجنائز، وفيه الشهيد: ۴/۸۰، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

قال الملا علي القاري تحته: "من أحدث". أي جدّد وابتدع، وأظهر واخترع "في أمرنا هذا": أي في دين الإسلام .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارة إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهى وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث على كل ذي بصرٍ وبصيرة، فمن حاول الزيادة، فقد حاول أمراً غير مرضيّ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً .... فذلك الشخص =

8

کہنا بہت ہی بُرا ہے، صلوۃ جنازہ خود دعاء ہے، نفسِ ایصالِ ثواب بغیر التزام مالا یلزم کے درست اور نافع ہے(۱)۔

قال الشامي: "فقد صرحوا عن آخرهم بأن صلوة الجنازة هي الدعاء للميت؛ إذ هو المقصود منها اهـ"(۲)۔ قال القاري في شرح المشكوة: "و لا يدعى للميت بعد صلوة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة، اهـ".(۳)۔ قال في خلاصة الفتاوى: "لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة، اهـ" (٤)۔ وقال في شرح المنية: "وفي السراجية: إذا فرغ من الصلوة، لا يقوم بالدعاء"(٥)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

= ناقص مردود وعن جنابنا بطرود عن بابنا، فإن الدين اتباع آثار الآيات والأخبار واستنباط الأحكام منها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول (رقم الحديث: ۱۴۰): ۱/۳۶۵، ۳۶۶، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير لعبد الرؤوف المناوي، (رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

وفي رد المحتار: "بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل ديناً قويماً و صراطاً مستقيماً". (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۵۶۰، سعيد)

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه أخا بني ساعدة توفيت أمه و هو غائب عنها فأتى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: إني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والصدقة والوصية: ۱/۳۸۷، قديمي)

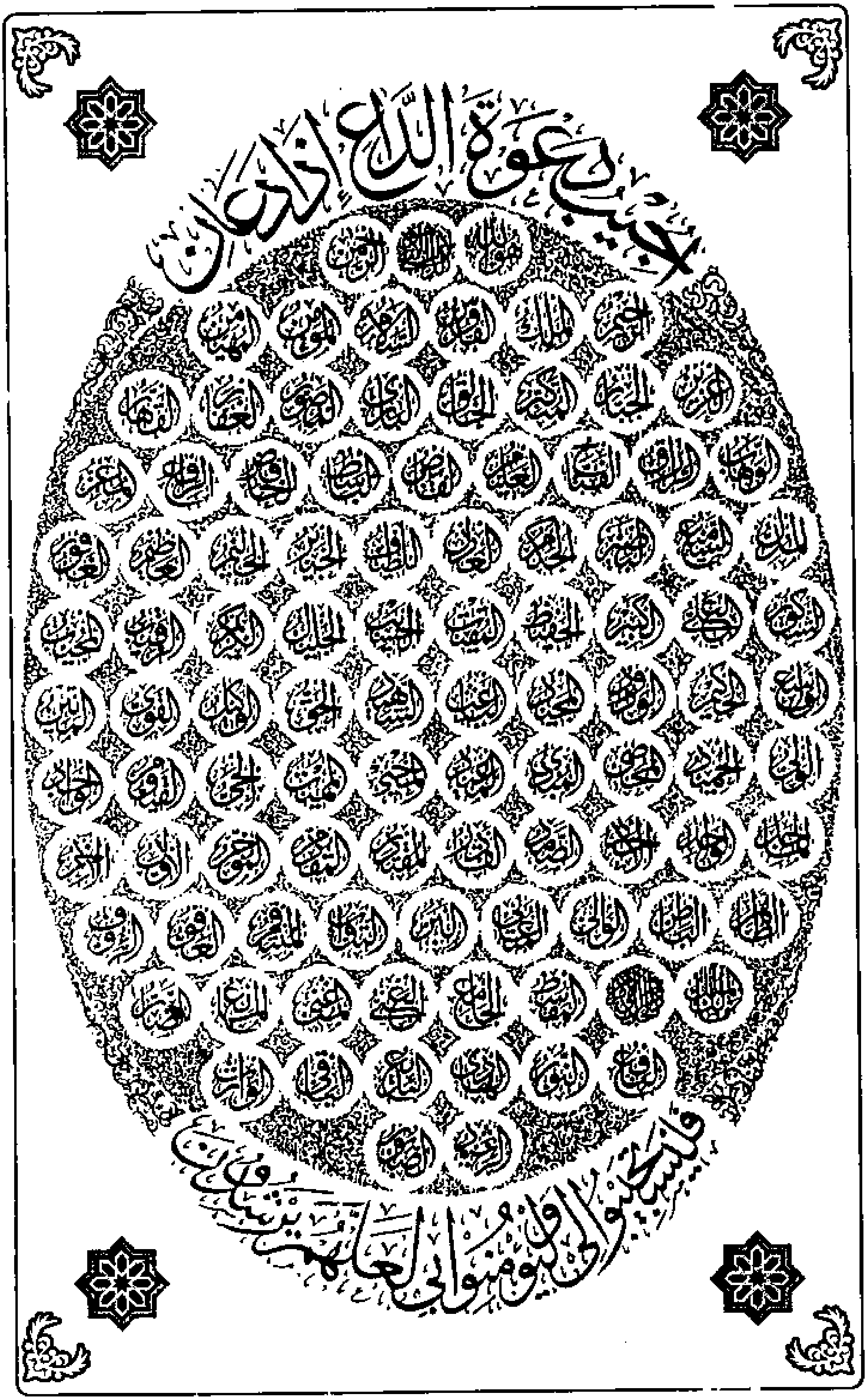
"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۱۰، سعيد)

(۳) (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۱۶۸۷): ۴/۱۷۰، رشيديه)

(۴) (خلاصة الفتاوى كتاب الصلوة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، نوع منه: إذا اجتمعت الجنائز: ۱/۲۲۵، رشيديه)

(۵) (الفتاوى السراجية، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة، ص: ۲۳، سعيد)


أجيب دعوة الداع إذا دعان
فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون